





شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ





نگارشات

مرتب

حافظ شاہد رفیق

فاضل مدینہ یونیورسٹی



نگارشات جلد پنجم

مقدمات و مکاتیب

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

مرتب: حافظ شاہد رفیق
فاضل مدینہ یونیورسٹی

اشاعت ——— جنوری 2024ء

ناشر



جامع مسجد سلمان فارسی، لودھی ٹاؤن۔ سیالکوٹ روڈ، گوجرانوالہ 0321-6466422

فہرست مضامین

① مقدمات

2 مکاتیب



بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

زیرِ نظر مجموعے میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے مختلف کتب پر مقدمات، تقریظات و تبصرہ جات اور متعدد علماء و فضلاء کے نام مکاتیب کو جمع کیا گیا ہے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

1 مقدمات:

اس میں 46 کتب و رسائل پر مولانا سلفی رحمہ اللہ کے قلم سے رقم کردہ مقدمات، تبصرہ جات اور افتتاحی تحریریں جمع کی گئی ہیں جن میں کئی کتب پر مقدمات نہایت مفصل اور بعض پر مختصر بھی ہیں۔

2 مکاتیب:

اس حصے میں مولانا سلفی رحمہ اللہ کے مختلف خطوط شامل ہیں جو انھوں نے اپنے زمانے کے نامور علماء اور اصحابِ علم و فضل کے نام لکھے تھے۔ مولانا سلفی رحمہ اللہ ہر خط کا جواب دینے کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے اور اس طرح آپ نے بہت سے خطوط لکھے، مثلاً: صرف مولانا عبدالرؤف جھنڈا نگری کے نام ہی مولانا سلفی رحمہ اللہ نے تقریباً یک صد خطوط لکھے،[1] لیکن تلاشِ بسیار کے باوجود ہمیں ان کا خطوط کا صرف اتنا حصہ ہی دستیاب ہو سکا جو قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں ہم ان تمام افراد کے ممنون ہیں جنھوں نے ان مکاتیب کی فراہمی میں ہمارے ساتھ کسی طرح کا بھی تعاون کیا۔ جزاهم الله خیراً.

علاوہ ازیں ہمیں برصغیر پاک و ہند کے اکابر اہلِ علم کے چند ایسے خطوط بھی دستیاب ہوئے جو انھوں نے مولانا سلفی رحمہ اللہ کو لکھے تھے۔ ان کی تعداد 12 ہے۔ یہ مکاتیب بھی ہم نے آخر میں درج کر دیے ہیں۔

---

[1] جیسا کہ انھوں نے ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۰ رمئی ۱۹۶۸ء) میں مطبوع اپنے ایک خط میں ذکر کیا ہے۔

مولانا سلفی رحمہ اللہ کے مکاتیب کا ایک مختصر مجموعہ پہلے بھی ہم نے شائع کیا تھا جس میں مکاتیب کی تعداد صرف 80 تھی۔ بعد ازاں ہمیں مختلف علماء و فضلاء کے نام مولانا سلفی رحمہ اللہ کے مزید مکاتیب بھی دستیاب ہوئے، بالخصوص مولانا کے داماد جناب میاں بشیر الدین اور نواسے عرفان بشیر صاحب کے ہم شکر گزار ہیں جنھوں نے مولانا سلفی رحمہ اللہ کے تمام مکاتیب کا ذخیرہ بہ حفاظت رکھا ہوا تھا اور ہمارے مطالبے پر فراہم کر دیا۔ ان خطوط کی تعداد 73 ہے۔ اب مجموعی طور پر اس ذخیرۂ مکاتیب میں مولانا سلفی رحمہ اللہ کے خطوط کی تعداد 226 ہے۔

ان مقدمات و مکاتیب کی خدمت اور تصویب و تحقیق میں ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے جن میں احادیث و آثار کی تحقیق، عربی و فارسی عبارات کا اصول سے مقارنہ اور ان کے تراجم کا اہتمام کیا ہے۔ تاہم بشری تقاضے کے تحت غلطی اور خطا کا امکان موجود ہے۔ اگر کسی غلطی اور کمی بیشی پر اطلاع ہوئی تو ان شاء اللہ اسے اگلے اِڈیشن میں دور کر دیا جائے گا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو اپنی رضا کے لیے خالص بنائے اور اسے تمام معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ جن بھائیوں نے کسی قسم کا علمی و عملی تعاون کیا ہے، ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ ان کے اشتراک سے یہ عمل پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ جزاهم الله خيراً.

وصلى الله و سلم على خير خلقه محمد، وعلىٰ آله، وأصحابه أجمعين.

حافظ شاہد رفیق

۲؍جنوری ۲۰۲۴ء




مقدمات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمة القرآن

للاستاذ الامام النظار الشیخ ثناء اللہ الامرتسری رحمہ اللہ

(ناشر: مولانا داود راز، انڈیا)

قرآنِ عزیز ایک انقلابی دستاویز ہے، جس نے عقائد، معیشت، سیاست، ادب اور اخلاق میں پُرامن اور معنی خیز انقلاب بپا فرمایا۔ نزولِ قرآنِ مجید کے وقت چار قسم کے عقائد یا پانچ مذہبی طبقات عرب میں موجود تھے: مشرکین، یہود، عیسائی، مجوسی اور صابی۔ عقائد کے لحاظ سے یہ تمام طبقات مختلف تھے۔ خدا تعالیٰ کے متعلق ان کے تصورات بالکل جدا جدا تھے، جن میں بہ ظاہر کوئی تطبیق ممکن نہ تھی۔ مشرکینِ عرب سینکڑوں الٰہ کے قائل تھے۔ آلہ میں کاموں کی تقسیم اور ان کے مقامِ الوہیت تک رسائی کے پسِ منظر بھی عجیب عجیب تھے، مثلاً: اِساف اور نائلہ کا مقامِ الوہیت تک رسائی کا ذریعہ اخلاقی برائی اور بدکاری تھا۔[1] کلبی نے لکھا ہے کہ جب قومِ عاد پر عذاب آیا تو یہ دونوں عاشق اور معشوق اپنے وطن سے غائب تھے، اپنے وطن میں ان کی محبت ناکام تھی۔ محبتِ باطلہ کے سیاہ کارانہ عوامل تک ان کو حرمِ کعبہ میں کامیابی ہوئی اور عذابِ خداوندی میں یہ دونوں وہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیے گئے۔ پھر عذابِ الٰہی کے بعد یہ انسان نما پتھر حرمِ کعبہ ہی میں رکھ دیے گئے اور ان کی پرستش شروع ہوگئی۔

طائف میں لات کی قبر اس لیے پجتی تھی کہ وہ حجاج کو ستو پلایا کرتے تھے۔ یا وہی ذہنیت ہے جو آج کل ہمارے ہاں کے قبر پرست حضرات کی ہے۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے محاسن اور بزرگوں کے تذکروں کے بعد وسیلہ اور شفاعت کے خانہ ساز معانی گھڑ کر وہ بزرگوں کی پرانی قبروں کو حرکاتی صورت دے دیتے ہیں اور پھر جو ان کے اس مکر و تزویر پر آواز اُٹھائے، اس کو بھلا بُرا اور منکرِ اولیاء کہہ کر اپنی دکان کی رونق بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[1] دیکھیں: البدایة والنهایة (۲/ ۱۹۱)

عیسائی:

عیسائیوں کے مختلف گروہ اور طبقات تھے، ان میں اساسی اختلافات پائے جاتے تھے۔ وہ بیسیوں گروہوں میں منقسم تھے۔ حجاز میں ان کی اقامت آنحضرت ﷺ کی بعثت کے انتظار کے لیے تھی، لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد یہ جذبۂ دل بدل چکا تھا۔ اب وہ آنے والے پیغمبر علیہ السلام کے سخت مخالف تھے۔ ان کا سب سے بڑا سہارا رومن امپائر تھی، جس کی سازشوں کا جال مسیحی علماء کی معرفت جزیرۃ العرب میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ عموماً تین خداؤں کے قائل تھے، ان کی تعیین، ان کے مراتب کی تشخیص کے متعلق ان کے ہاں عجیب عجیب تاویلات مشہور تھیں۔

یہودی:

تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں توحید کی دعوت یکساں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم تورات سے پہلے اور تورات کے بعد یکساں تھی، یعنی وحیِ متلو اور غیر متلو دونوں میں مسئلۂ توحید کے متعلق وہی کچھ آپ نے فرمایا تھا جو ان سے پہلے اور پچھلے نبی فرماتے رہے، لیکن یہود نے جہاں بیسیوں غلطیاں اور نافرمانیاں کیں، وہاں خداوند تعالیٰ کے لیے اولاد کے عقیدے کا بھی اختراع کیا۔ حضرت عزیر کو ابن اللہ کہنے کے ساتھ اپنے متعلق بھی یہ دعویٰ کیا کہ ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ﴾ [المائدۃ: ۱۸] یعنی ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ ''ابناء'' پر ''احباء'' کے عطف نے معاملے میں کچھ لچک تو پیدا کر دی تھی، لیکن یہ لچک عقائد میں مقاصدِ شرع کے خلاف تھی۔ خصوصاً جب عوام کے متعلق خطرہ ہو کہ وہ اس سے غلط متاثر ہوں گے۔ ابن کا لفظ کسی لحاظ سے بھی بولنا درست نہیں۔

مجوسی:

یہ لوگ آگ کو خدا کا مظہر سمجھتے تھے اور بعض فوائد کی بنا پر اس کی پرستش کرتے تھے۔ دنیا میں خیر و شر کے مظاہر کی بنا پر انھیں مغالطہ ہوا کہ خدا دو ہیں۔ ایک سے ہمیشہ خیر کا ظہور ہوتا ہے، جسے وہ ''یزداں'' کہتے تھے، دوسرے سے شر کا ظہور ہوتا ہے، اسے وہ ''اہرمن'' کہتے تھے، حالاں کہ خیر و شر اضافی چیز ہے۔ ان لوگوں نے غلطی سے ان دونوں صفات کو دو مستقل خداؤں کا مقام دے دیا۔ یہ فرقہ فارس کی سرحدوں پر پھیلا ہوا تھا۔ یہاں اس کی بڑی بادشاہت تھی جو سیاسی طور پر عربوں کے مذہب اور ان کی اخلاقیات پر اثر انداز ہو رہی تھی۔ عرب رسم و رواج پر فارسی کافی حد تک چھائے ہوئے

تھے، ان کی تعلیمات اسلام کے ساتھ یہودیت اور عیسائیت سے بھی زیادہ متصادم تھیں۔ قرآن اور اسلام کی تعلیمات نے ان پر بھی اسی طرح اثر ڈالا جس طرح دوسرے مذاہب اس کی تعلیمات سے متاثر ہوئے۔

صابی:

فارس کی سرحد پر یہ لوگ اقامت پذیر تھے۔ یہ ہوا پرست اور اپنی خواہشات کے غلام تھے۔ حلال اور حرام میں وہ کسی قانون کے پابند نہ تھے۔ جنسی تعلقات میں وہ بہ ظاہر اپنے آپ کو آزاد سمجھتے تھے۔ جہاں تک مشہور ہے نکاح وغیرہ میں وہ کسی شریعت کے پابند نہیں تھے۔ جنسی تعلقات میں ان کے نظریات عام مذہبی دنیا سے بالکل الگ تھے، ان میں سب سے بڑی دقّت یہ تھی کہ ان کے اخلاقیات عام دنیا سے مختلف تھے، ان کے پاس غالباً کوئی آسمانی پیغام تو نہیں تھا، لیکن دوسرے مذاہب سے حسبِ پسند انتخاب کے بعد انھوں نے اپنے لیے ایک مذہب کی صورت بنالی تھی۔

قرآنِ عزیز نے ایک گروہ کو ''صابی'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ائمہ تفسیر نے اس کی تشریح میں اختلاف فرمایا ہے، غالباً یہ وہی اِباحی حضرات ہیں جنھیں قرآنِ عزیز نے صابی فرمایا ہے۔ اسلام نے اِباحیت کے پورے نظام کو درہم برہم کر دیا۔ تقویٰ اور اِنابت الی اللہ کا سب سے زیادہ اثر اُن کے خلاف پڑا، کیوں کہ ان کے ہاں سارا انحصار نفس کی خواہشات پر تھا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ''الفوز الکبیر'' میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو قرآن کے اولین مخاطب قرار دیا ہے۔ مجوسی اور اِباحی مشرکین کے ضمن میں آجاتے ہیں۔[1]

اسلامی معاشرے کی وسعت:

قرآنِ عزیز نے مذہب کے دائرے کو وسیع فرما کر عبادات کے ساتھ معاملات، معاشیات اور اخلاقیات سب کو شامل فرما دیا، اس لیے قرآنی تعلیمات کے اصلاحی اثرات ان فرقوں کی زندگی کے تمام گوشوں تک پہنچے۔ اس نے عبادات کے ساتھ بیوع، نکاح، طلاق، میراث، وصیت، قتال، صلح، عہد و مواثیق کی پابندی؛ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جہاں جہاں بگاڑ موجود تھا، اس کے متعلق واضح اور مبسوط ہدایات مرحمت فرمائیں۔ اس لیے قرآنِ عزیز اور سنتِ سنیہ کے نظام سے معاشرے کے تمام گوشے متاثر ہوئے اور تمام مذاہب کو ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ اپنے پروگرام پر نظرِ ثانی کریں۔

[1] دیکھیں: الفوز الکبیر (ص: ۲۹)

قرآنِ عزیز کا طریقِ ہدایت:

قرآنِ عزیز عموماً اصولی ہدایات دیتا ہے، وہ فروع پر تفصیلی گفتگو نہیں کرتا، نہ ہی کتبِ فقہ کی سطح پر اُترتا ہے۔ اخلاق میں اسے علم الاخلاق کی اصطلاحی موشگافیوں سے تعلق نہیں ہوتا، وہ ہدایت کے موضوع سے ہٹنے نہیں پاتا۔ تاریخِ امم اور انبیاء کی سیرت پر بحث کرتے ہوئے وہ مورخ کا مقام کبھی اختیار نہیں کرتا۔ وہ دنیا کے واقعات اور تاریخ کی وادیوں میں ہدایت اور راہنمائی کے لیے ضروری بنیادی نکات کو نمایاں فرماتا ہے اور تاریخی حوادث کی وضاحت میں اس کا زور اُن ہی نکات پر ہوتا ہے جو نوعِ انسان کی راہنمائی میں مفید ہوسکیں۔

غرض قرآنِ عزیز ہدایت کے اصول اور بنیادی نکات کی وضاحت فرماتا ہے، لیکن اگر کسی فرعی معاملے میں بھی لوگ ڈگمگا رہے ہوں اور زندگی کی صحیح راہوں سے ہٹ رہے ہوں تو وہاں فروع کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ مثلاً عرب معاشرے میں عورت کے ساتھ اس طرح معاملہ ہو رہا تھا کہ نکاح کے حقیقی فوائد اور ازدواجی زندگی کی برکات تقریباً ناپید ہو رہی تھیں۔ قرآنِ عزیز نے نکاح کے مسائل، طلاق، عدت اور نفقات کو فقہی انداز سے ذکر فرمایا اور عورت کے حقوق کی پوری پوری نشان دہی فرمائی۔ میراث میں عرب کا جاہلانہ قانون ظالمانہ تھا۔ نابالغوں کو محروم رکھتے اور عورتوں کو کچھ نہیں دیتے تھے۔ اس لیے میراث کے متعلق فرداً فرداً حصص کی تعیین کر کے اس ظلم کی بندش کے لیے زجر آمیز احکام نافذ فرمائے، جیسا کہ آیتِ ذیل سے واضح ہے:

﴿ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴾ [النساء: ١٣۔ ١٤]

"یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اسے دائمی جنت ملے گی، جس میں نہریں بہتی ہوں گی اور یہ بے حد کامیابی کی بات ہے، اور جو شخص اللہ کی نافرمانی کرے اور اس کی حدوں کو توڑ ڈالے، وہ ہمیشہ آگ میں داخل رہے گا اور اسے ذلیل کرنے والا عذاب نصیب ہوگا۔"

اس آیتِ کریمہ میں افراد کے حصص کی تعیین کے بعد انھیں حدود اللہ کے مساوی قرار دیا ہے اور اُن کے توڑنے پر دائمی عذاب کی خبر دی ہے۔ غرض قرآنِ مجید عام طور پر اصول اور کلیات سے

بحث کرتا ہے، لیکن اگر ہدایت کا تقاضا یہ ہے کہ کہیں فروع پر بھی بہ قدرِ ضرورت گفتگو کی جائے تو فروع میں بھی ہدایت کے فریضے کی تکمیل فرماتا ہے۔

دوسری مثال:

اس وقت کے مذہبی فرقوں میں عبادت کا رواج کم و بیش موجود تھا، لیکن اس کے لیے طہارت کی کوئی حتمی صورت موجود نہ تھی۔ اس لیے اصول ہوں یا فروع؛ ہر سطح پر وہ اپنا فرض انجام دیتا ہے۔ ہاں جس جگہ قرآنِ عزیز نے اصول بیان فرما کر خاموشی فرمائی ہے، وہاں سنت میں قرآنی ہدایات کی تفصیل فرمائی۔ فریضۂ ہدایت کی تکمیل فرما دی گئی ہے، بیوع اور ربوی معاملات، بین الاقوامی امور اور صلح اور جنگ کے متعلق قرآنِ مقدس نے اساسی ہدایات دی ہیں، لیکن سنت نے ربوی بیوع اور سودی معاملات اور صلح اور جنگ کے متعلق بہ قدرِ ضرورت پوری تفصیل دے دی ہے، جس سے اسلامی تعلیمات کی تکمیل خود شارح حکیم کی زبان سے بہ صورتِ حدیث ہوگئی۔ آیتِ شریفہ: ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ [الجمعة: ٢] میں اسی طرف اشارہ ہے۔

شرک اُم الاَمرض ہے:

شرک تمام دنیا میں اجتماعی مرض تھا اور اب بھی ہے، اس پر قرآنِ حکیم نے سیر حاصل بحث فرمائی اور تمام شبہات اور اُن کے پسِ منظر پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ مشرکین کے شبہات کسی راہ سے بھی آتے ہوں، ان کا پورا پورا ازالہ کر دیا۔ غالباً توحید اور شرک کے مسئلے پر امت نے آج تک جو کچھ کہا یا لکھا ہے، قرآنِ مجید اس سے بہت آگے ہے۔ یہودی، عیسائی، مجوسی اور دیگر مشرک گروہوں کو جو شکوک پیدا ہوئے اور جو ہو سکتے تھے یا آج کل کے مشرکین جو نِت نئے شبہات پیش کرتے رہتے ہیں، قرآنِ حکیم نے ان سب کا ازالہ فرما دیا ہے۔ اسی طرح ثبوتِ قیامت، جزا سزا؛ قرآن کے اساسی مسائل ہیں، ان پر قرآنِ عزیز نے مفصل اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ طالبِ علم کا فرض ہے کہ قرآنِ عزیز پر اسی انداز سے غور و فکر کرے۔

منکرینِ حدیث:

اگر مقدمے کی تنگ دامانی مانع نہ ہوتی تو یہاں موقع تھا کہ مکی سورتوں سے عقائد کی تفصیل،

مباحثِ شرک اور اس کے اقسام، توحید اور اس کی انواع کو قرآن کی روشنی میں ذکر کیا جاتا۔ سورت انفال، سورت توبہ، سورت محمد سے جنگ اور صلح کے متعلق اسلامی تعلیمات کا مفصل تذکرہ آ جاتا، لیکن معلوم ہے کہ یہ مختصر سا مقدمہ اس کا متحمل نہیں، اس لیے میں اُمید رکھتا ہوں کہ قرآنِ عزیز کے طالبِ علم ان مسائل کے متعلق اصول سمجھ لینے کے بعد فرعی اور تفصیلی ہدایات خود مرتب کریں گے، تاکہ مغربی اقوام کی ہوس ملک گیری اور روس کے بے روح فلسفے کے سامنے ایک تیسرا نظریۂ حیات پوری تفصیل کے ساتھ آ جائے اور غلط اور صحیح میں امتیاز آسان ہو جائے، لیکن اس وقت قرآنِ عزیز کے بیان اور تفصیل کا اجمالی تذکرہ مقصود ہے اور اس جامعیت کا اجمالی تصور جو اسلام نے زندگی کے تمام گوشوں کے متعلق پوری دنیا کو دیا ہے، تاکہ قرآنِ عزیز سے اصولی ہدایات تلاش کی جائیں۔

اس حقیقت سے اعراض کا اثر:

امت نے ہمیشہ قرآنِ عزیز کو اسی نظر سے دیکھا اور اسی طرح سمجھنے کی کوشش کی، اور تفصیل کے لیے احادیث اور آثار کی طرف توجہ کی یا پھر فقہ المذاہب اور فقہ الحدیث کی مروجہ کتب کی طرف توجہ کی اور محققین ائمہ کی تصانیف سے استفادہ فرمایا، لیکن یہ بھی ایک حادثے سے کم نہیں کہ احادیث کی تفصیلی ہدایات بعض آزادی پسند طبائع کی نظروں میں مدت سے کھٹک رہی تھیں۔ معتزلہ، جہمیہ، روافض، خوارج اور اکثر بدعتی گروہ حدیث کی تفصیلات سے گھبراتے تھے، لیکن وہ اہلِ علم تھے، پس علمی بصیرت کی وجہ سے وہ فنِ حدیث کا کھلا انکار نہ کر سکے۔ خوارج نے ”حَسۡبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ“ کہنے کے باوجود حدیث کے دامن کو بالکلیہ چھوڑنے کی جرأت نہیں کی، انھیں اس راہ کی دشواریاں معلوم تھیں اور وہ خوب جانتے تھے کہ انکارِ حدیث کے بعد مذہب ایک چیستان بن کر رہ جائے گا، مگر آج سے قریباً ستر سال قبل لاہور سے ایک شخص نے احادیث کے خلاف کھل کر آواز اُٹھائی اور حدیث کی حجیت سے کھلے طور پر انکار کیا۔ بتدریج اس نظریے نے تحریک کی صورت اختیار کی، جو اَب تک ملک میں کم و بیش چل رہی ہے، لیکن اس عرصے میں تحریک کا انجام یہ ہوا کہ یہ حضرات آج تک نماز تک کا فیصلہ نہیں کر سکے کہ کس طور پر کس تعداد میں کن کن اوقات میں اسے ادا کیا جائے!!

ابتداء میں تحریک انکارِ حدیث کے یہ گمراہ قائدین نماز کی فرضیت، رکعات، اوقات کی پابندی کا اعتراف کرتے تھے۔ اب منکرینِ حدیث کے فقہاء اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ نماز کوئی اساسی مسئلہ نہیں

ہے، نہ ہی خداوندِ تعالیٰ کو اس ورزش کی ضرورت ہے، نہ ہی اوقات اور رکعات پر اصرار چنداں ضروری، نہ ہی اس کی وضع میں قیام، رکوع، سجود اور اذکارِ ضروری میں مقصودِ عبادت ہے۔ جہاں چاہے، جیسے چاہے، جتنی چاہے، جس وقت جو مناسب سمجھے، اسی میں پڑھ لے۔ فہم حدیث سے تو ایسے بدنصیبوں کا محروم ہونا موجبِ تعجب نہ تھا، اس لیے کہ وہ حدیث کا سرے سے انکار ہی کر بیٹھے، عجیب بات یہ ہے کہ ان سے قرآنِ عزیز کا فہم بھی سلب کر لیا گیا۔ اب وہ جس قدر حدیث سے جاہل ہیں، اسی طرح وہ قرآنِ عزیز سے بھی ناآشنائے محض ہیں۔ صرف نکتہ چینی اور سلبی مباحث ان حضرات کا سرمایۂ افتخار رہ گیا ہے!

قرآنِ عزیز کی حفاظت:

آنحضرت ﷺ جب معبوث فرمائے گئے، عرب حضریت (شہریت) سے ناآشنا تھے۔ بہ ظاہر مکہ مدینہ طائف وغیرہ چند بستیاں تھیں جو شہر سمجھی جاتی تھیں۔ ان پر بھی بدویت غالب تھی۔ کھانا پینا، رہنا سہنا؛ سب دیہاتی انداز سے تھا۔ قبائلی سی زندگی تھی۔ علامہ ابن حزم نے "محلیٰ" (٥/ ٥٤) میں ذکر کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں چند قبائل آباد تھے جنھوں نے اپنی اپنی زمینوں پر ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ پڑھے لکھے آدمی بہت کم تھے۔ یہود اور عیسائیوں میں تعلیم کا رواج تھا اور وہ بھی معمولی، اس لیے قرآنِ عزیز کی حفاظت کا دارومدار حفظ پر تھا۔ آنحضرت ﷺ تو حفظ فرماتے ہی تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی اکثر اہلِ علم جس قدر قرآن مجید نازل ہوتا، اسے حفظ کر لیتے۔ احتیاط کے طور پر آنحضرت ﷺ اپنی نگرانی میں قرآنِ مجید کو ترتیب سے لکھواتے جاتے تھے، تاکہ حفظ میں اس سے مدد لی جائے اور حفاظت بھی رہے۔ پرانے کتبات سے، جس طرح کہ معلوم ہوتا ہے، اس وقت خط نے ترقی نہیں کی تھی۔ حروف پر نقطے اور اعراب لگانے کا رواج نہیں تھا۔ آنحضرت ﷺ کا خط مقوقس عظیم قبط کے نام سے اس کا عکس شائع ہو چکا ہے، اس سے عرب رسم الخط کا پتا چل سکتا ہے۔

نزولِ قرآن کے وقت حقیقت یہ تھی کہ لوگ لکھنے کے بجائے حافظے پر زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ عرب میں علمِ اَنساب کا سارا اعتماد حافظے پر تھا۔ قبائل کی تاریخ اور صلح و جنگ کے سارے واقعات حافظے پر مبنی تھے، اس لیے قرآنِ مجید کی حفاظت کا اہم ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قوتِ حافظہ تھی۔ جو لوگ لکھتے تھے، ان کا مطلب بھی یہی تھا کہ حفظ کرتے وقت اس نوشتے کی طرف مراجعت کر سکیں، ورنہ وہ رسم الخط آج کل کے ترقی یافتہ خط سے بہت مختلف تھا، اس سے کسی تحریر کا پورا تحفظ سخت مشکل تھا۔

قرآنِ عزیز کا سرکاری نسخہ:

آنحضرت ﷺ کے پاس قرآنِ مقدس کی جو تحریری صورت، صحف و اَجزا، موجود تھی، اسے سرکاری تحریر کہنا چاہیے۔ اس تحریر کی روشنی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے واقعۂ حرہ کے بعد سرکاری نسخہ مرتب فرمایا، اسی نسخے کی بنیاد پر وہ سرکاری نسخے لکھے گئے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مختلف گورنروں کو اِرسال فرمائے۔ ہجوں کے اختلاف اور خط کے نامکمل ہونے کی وجہ سے جب شبہہ پیدا ہوا تو حفظ کے ساتھ جزوی نوشتوں سے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تصحیح کی خاطر قریش کی لغت و لہجے کو اساس قرار دیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ میں حفاظ اور قراء کی موت سے قرآنِ عزیز کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ میں عجمی عنصر کی کثرت اور عجمی لہجوں کی یورش کی وجہ سے سرکاری نسخے پر نظرِ ثانی کی گئی اور سب سے بڑی خوبی یہ ہوئی کہ تمام مشکوک دستاویز کو ضائع کر دیا گیا، تاکہ بحث اور تشکیک کے لیے کوئی مواد باقی نہ رہ جائے۔ اب وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس بعینہٖ وہی قرآنِ مقدس تھا جو آنحضرت ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیوں میں اسے بار بار پڑھا اور اسے سرکاری دستاویز کے طور پر لکھوایا، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بروقت کوشش اس قدر کارگر ہوئی کہ آج تک اس میں ایک حرف بھی کم و بیش نہیں ہو سکا، اور اسی میں متواتر قراءات صحیح طور پر آ گئیں اور تمام شذوذ کو ایک طرف کر دیا گیا۔

اِتقان میں حافظ سیوطی نے اور زرکشی نے "البرهان في علوم القرآن" میں بعض ایسے واقعات ذکر فرمائے ہیں جن سے قرآنِ عزیز کی جمع و ترتیب کے متعلق بعض شبہات پیدا ہو سکتے ہیں۔[1] بعض دوسری روایات سے بھی ان شبہات کی تائید ہوتی ہے، لیکن قرآنِ عزیز حفظ کے بعد جس عظیم الشان تواتر سے منقول ہوا ہے، اس کے سامنے ان آحاد اور آثار کی کوئی اصلیت نہیں رہ جاتی۔

علامہ ابن حزم "الملل و النحل" میں فرماتے ہیں:

"جب آنحضرت ﷺ کا انتقال ہوا، اس وقت اسلام تمام جزیرۂ عرب میں پھیل چکا تھا۔ بحیرۂ قلزم اور سواحلِ یمن سے گزر کر خلیج فارس اور فرات کے کناروں تک اسلام کی روشنی پہنچ چکی تھی۔

[1] دیکھیں: الإتقان (١/ ١٦٠) البرهان (١/ ٢٤١)

پھر اسلام شام کی آخری سرحدوں سے ہوتا ہوا بحیرۂ قلزم کے کناروں تک شائع ہو چکا تھا، اس وقت جزیرۂ نمائے عرب میں اس قدر شہر اور بستیاں وجود میں آ گئی تھیں کہ جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ یمن، بحرین، عمان، نجد، بنوطے کے پہاڑ، مضر اور ربیعہ و قضاعہ کی آبادیاں، طائف، مکہ، مدینہ؛ یہ سب لوگ مسلمان ہو چکے تھے، ان میں مسجدیں بھرپور تھیں۔ ہر شہر، ہر گاؤں، ہر محلے، ہر بستی کی مساجد میں قرآن مجید پڑھا جاتا تھا۔ بچے اور عورتیں قرآن جانتے تھے اور اس کے لکھے ہوئے نسخے ان کے پاس موجود تھے۔ آنحضرت ﷺ عالمِ بالا کو تشریف لے گئے، مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہ تھا۔ وہ صرف ایک جماعت تھے اور ایک ہی دین سے وابستہ تھے۔

''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ اڑھائی سال رہی، ان کی خلافت میں فارس و روم کے بعض حصص اور یمامہ کا علاقہ اسلامی قلم رو میں شامل ہوا۔ قرآنِ عزیز کی قراءت میں مزید اضافہ ہوا۔ لوگوں نے قرآنِ مقدس کو لکھا۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید، حضرت ابو زید اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہم نے قرآنِ عزیز کے نسخے لکھے اور جمع کیے۔ ہر شہر میں قرآنِ مجید کے نسخے موجود تھے، وہ ان ہی میں پڑھا جا رہا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ صورتِ حال بدستور تھی، ان کی خلافت میں مسیلمہ اور اسود عنسی کا فتنہ کھڑا ہوا۔ یہ دونوں نبوت کے مدعی تھے اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کا کھلے طور پر اعلان کرتے۔ بعض لوگ زکاۃ کا انکار کرتے۔ بعض قبائل نے کچھ دن ارتداد اختیار کیا، لیکن ان ہی قبائل کے مسلمانوں نے ان کا مقابلہ کیا اور ایک سال نہیں گزرنے پایا تھا کہ فتنہ فرو ہو گیا اور حالات بدستور اعتدال پر آ گئے۔

''حضرت ابوبکر کے بعد مسندِ خلافت کو حضرت عمر نے زینت بخشی۔ فارس پورا فتح ہو گیا۔ شام، الجزائر، مصر اور افریقہ کے بعض علاقے اسلامی قلم رو میں شامل ہوئے۔ مسجدیں تعمیر ہوئیں، قرآنِ عزیز پڑھا جانے لگا۔ تمام ممالک میں قرآنِ عزیز کے مخطوطے شائع ہوئے۔ مشرق و مغرب تک مکاتب میں علماء سے لے کر بچوں تک قرآنِ مجید کی تلاوت ہونے لگی۔ پورے دس سال یہ سلسلہ جاری رہا۔ اسلام میں کبھی اختلاف نہ تھا۔ وہ ایک ہی ملت کے پابند تھے۔ حضرت عمر کے انتقال کے وقت مصر، عراق، شام اور یمن کے علاقوں میں کم از کم قرآنِ عزیز کے ایک لاکھ نسخے شائع ہو چکے ہوں گے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اسلامی فتوحات اور بھی وسیع ہوئیں اور قرآنِ عزیز کی اشاعت مفتوحہ ممالک میں وسیع پیمانے پر ہوئی۔ قرآنِ مجید کے شائع شدہ نسخوں کا اس وقت شمار ناممکن ہو گا۔

’’حضرت عثمان کی شہادت سے اختلافات کا دور شروع ہوا اور روافض کی تحریک نے زور پکڑا (روافض ہی کی وجہ سے قرآنِ مجید کی حفاظت کے متعلق اعتراضات اور شبہات شروع ہوئے)۔ صورت یہ تھی کہ نابغہ اور زہیر کے اشعار میں کوئی کمی بیشی کر دے تو یہ ممکن نہیں۔ دنیا میں اسے ذلیل اور خوار ہونا پڑے گا۔ قرآنِ مجید کا معاملہ تو اور بھی مختلف ہے، اس وقت قرآنِ عزیز اندلس، بربر، سوڈان، کابل، خراسان، ترک اور صقلیہ اور ہندوستان تک پھیل چکا تھا۔ اس سے روافض کی حماقت ظاہر ہوئی۔ (وہ قرآن کی جمع و تالیف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو متہم کرتے ہیں)۔ یہی حال مسیحی اور سماجی مشنریوں کا ہے۔ یہ لوگ روافض سے سیکھ کر قرآنِ مجید کو اپنے نوشتوں کی طرح محرف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالاں کہ ان حالات میں ایک حرف کی کمی بیشی بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے شخص کے لیے ناممکن تھی۔

’’روافض (اور ان کے تلامذہ) کی یہ غلط بیانی یوں بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پانچ سال نو ماہ تک بااختیار خلیفہ رہے اور ان کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ منتخب ہوئے، انھوں نے قرآن کو بدلنے کا کوئی حکم نہیں دیا، نہ ہی اپنی حکومت میں قرآنِ عزیز کا کوئی دوسرا صحیح نسخہ شائع فرمایا۔ یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ پوری اسلامی قلم رو میں غلط اور محرف قرآن پڑھا جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموشی سے اسے گوارا کریں۔ انتہیٰ مختصراً (الفصل في الملل والنحل ابن حزم: ۲/ ۸۶۔ ۸۰)

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے قرآنِ عزیز کی حفاظت کے متعلق یہ بیان مسیحی اور روافض کی غلط بیانیوں کے متعلق لکھا ہے، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد عرصہ تک شائع ہوتی رہیں۔ شیعہ چوں کہ مسلمان کہلاتے تھے اور تقیہ کا رواج ان کے ہاں عام تھا، اس لیے اس قسم کا مسموم لٹریچر رواۃ کی غلطی سے اہلِ سنت کی روایات میں بھی آ گیا۔ محدثین نے ایسی روایات کی حقیقت اور ان کے کذب اور وضع کی حقیقت کو واضح کر دیا ہے۔ فنِ حدیث کے ماہر اِن روایات اور آثار کی حقیقت کو سمجھتے ہیں، لیکن ابن حزم رحمہ اللہ نے اصولی اور واقعاتی جواب دیا ہے کہ اس عظیم الشان تواتر کے سامنے اس مشکوک ذخیرۂ روایات کی کوئی اہمیت نہیں، اس لیے جب تعارض ہی نہیں تو تطبیق اور ترجیح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سابقہ آسمانی کتابوں کی کیفیت:

قرآنِ عزیز حفظ اور تدوین کے بعد جس طرح تواتر سے منقول ہوا ہے اور جس طرح مسلمانوں نے اسے ہر دور میں حفظ کیا، لکھا اور مشرق سے مغرب تک اس کی اشاعت کی، تمام دنیا مخالفت کے

باوجود اس میں کوئی شبہہ نہ پیدا کر سکی۔ قرآنِ مجید کے تحفظ کی یہ بیّن دلیل ہے۔ تورات اور انجیل واقعی آسمانی کتابیں ہیں، لیکن یہودی اور مسیحی علماء ان کو صحیح طور پر محفوظ نہ رکھ سکے۔ تراجم کی کثرت اور مترجمین کی بے اعتدالیوں کی وجہ سے ان کے پاس کوئی مستند نسخہ نہ رہ سکا۔ موجودہ عہدِ جدید اور عہدِ عتیق پادری حضرات کی تبلیغی کوششوں میں ہی یکسر کھو گیا۔ پھر مسیحی فرقوں کے اختلافات نے اسے اور بھی نقصان پہنچایا۔ بائبل کی اصلاح اور حفاظت کے لیے جو کوشش کی گئی، وہ بالآخر بائبل کی ترمیم اور تنسیخ پر منتج ہوئی۔ کبھی حواشی آیات بن گئے، کبھی آیات کو حواشی قرار دے دیا گیا۔

بائبل کا ایک طالب علم جب بائبل کی اس حیثیت پر غور کرتا ہے تو اسے حیرت ہوتی ہے۔ بائبل کی تاریخ، پادریوں کی مساعی، مسیحی حکومتوں کے دینی رجحان، مشنریوں کی صدیوں کی دوڑ دھوپ کے باوجود بائبل محفوظ نہ رہ سکی۔ کروڑوں روپے اس کی خدمت کے لیے صَرف کیے گئے۔ بڑی بڑی بادشاہتیں صف بہ صف اپنے مادی وسائل کے ساتھ اس کی خدمت کے لیے میدان میں اُتریں، لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہوسکا، بلکہ شبہات اور زیادہ ہو گئے اور بائبل کی حیثیت آثارِ قدیمہ سے زیادہ نہ ہوسکی۔

مسیحی حضرات نے اس ناکامی کے بعد انتقامی انداز اختیار کیا اور صدیوں کی مادی اور نظریاتی جنگ نے عصبیت کی صورت پیدا کر دی۔ مسیحی مشنوں نے منادی کرنی شروع کر دی کہ قرآن بھی غیر محفوظ ہے، اس جنگ میں شیعہ حضرات سے ان کو مدد ملی۔ شیعی لٹریچر میں اس قسم کا مواد واقعی موجود بھی تھا۔ روافض کا سنجیدہ طبقہ گو اسے ناپسند کرتا ہے، لیکن ان کے ہاں جو مواد موجود ہے، اس کی وجہ سے وہ مجبور ہو جاتے ہیں، اس لیے مسیحی اور شیعہ اہلِ قلم قرآن کے خلاف اس جنگ میں ہم دوش کھڑے رہے۔ ائمۂ حدیث کی دور اندیشی اور علم الرجال کی حقیقت پسندی نے ان تمام مساعی کو ناکام بنا دیا جو شیعہ حضرات اور مسیحی علماء نے آج تک کیں، کیوں کہ جن آثار اور روایات پر ان حضرات کو اعتماد تھا، وہ محدثانہ تنقید کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے، نہ ہی اس تواتر کا مقابلہ کر سکتے ہیں جو قرآنِ عزیز کو ہر دور میں حاصل رہا۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ ایسے ظاہریت پسند نے پوری جراَت سے اس کا اعتراف فرمایا ہے۔

محدثین میں دو ذہن:

قرآنِ عزیز کی حفاظت کے تذکرے میں فنِ حدیث اور ائمۂ حدیث کی مفید اور مضر مساعی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مسیحی اور شیعی مواد کو جب تک اس کی اصلی صورت میں نہ دیکھا جائے، قدیم و جدید

معترضین کے پیدا کردہ شبہات کا صحیح علاج نہیں ہوسکتا۔

ائمۂ حدیث میں قدیم سے دو ذہن آ رہے ہیں، کچھ وہ لوگ ہیں جن کی یہ خواہش ہے کہ ہر قسم کا مواد جمع کر دیا جائے۔ حدیث کے مجموعے اس طرح مرتب ہوں کہ ان میں ضعاف، مقطوعات، مراسیل روایات سب آ جائیں۔ محققین تحقیق (ریسرچ) کے بعد غلط اور صحیح، مستند اور غیر مستند میں خود فرق کر لیں گے۔ متاخرین میں سیوطی، عبدالحق دہلوی، صنعانی، سخاوی خاص طور پر مشہور ہیں۔ قدماء میں بیہقی، خطیب، طحاوی، طبری، طبرانی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ حضرات فن میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں۔ رجال اور ان کے مراتب کو سمجھتے ہیں، لیکن اپنی تصانیف میں جو مواد ان حضرات نے جمع فرمایا ہے، اس کی اسنادی اقدار کو وہ خوب سمجھتے ہیں کہ انھوں نے وضع و تخلیق کے ذخائر مِن وعَن جمع کر دیے ہیں، تاکہ اگر نقاد کسی چور، یعنی وضاع پر تنقید کریں تو اس کے ساتھ ہی چوری کا مال بھی برآمد ہو جائے۔ وضع و تخلیق کا ذخیرہ بطورِ شہادت پیش ہو سکے۔

اس سے عوام کو تکلیف یقیناً ہوتی ہے۔ ناواقف پورے ذخیرے کو حدیثِ نبوی سمجھتے ہیں، اس سے استدلال کرتے ہیں، نزاع بڑھتا ہے، ناواقف آدمی لاعلمی کی وجہ سے اڑ جاتا ہے۔ یہ دقت واقعی ہے، لیکن لاعلمی لاقانونی کے لیے عذر نہیں بن سکتی۔ جھوٹ بہرحال جھوٹ ہے۔ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے، مصنفین کو اپنی نیت کا اجر ملے گا اور استدلال کرنے والے اپنے کیے کا پھل کھائیں گے۔

ائمۂ حدیث کا دوسرا ذہن:

یہ احادیث کے قبول میں پوری چھان پھٹک سے کام لیتے تھے۔ محض نسبتِ نبوی اور ناقل کے نام سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ اسی ذہن کے ترجمان متاخرین میں ابن جوزی، ابن تیمیہ، ذہبی، ابن کثیر وغیرہ ہیں۔ یہ حضرات ائمۂ اسلام فنِ حدیث کے ماہر، رجال کی گہرائیوں کے شناور ہیں۔ حدیث کے ظاہری اور خفی علل کو سمجھتے ہیں، نڈر تنقید کرتے ہیں۔ متقدمین میں امام محمد بن اسماعیل بخاری، مسلم بن حجاج قشیری، امام ابوعیسیٰ ترمذی، ابوعبدالرحمان نسائی، امام ابوداود سجستانی، یحییٰ بن سعید قطان، دارقطنی اور یحییٰ بن معین وغیرہم رحمہم اللہ؛ دراصل فنِ حدیث کی آبرو یہی لوگ ہیں۔ سیوطی کی اتقان، درمنثور، خصائصِ کبریٰ، شرح الصدور وغیرہ میں ضعاف اور موضوعات کی بڑی تعداد موجود ہے، ان سے بلاتنقید استدلال کرنا اعتقادی اور عملی بدعات میں مبتلا کر دیتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حدیث کی کتابوں کے طبقات کا ذکر فرماتے ہوئے طبقۂ ثالثہ

میں بیہقی، طبرانی، طحاوی، طیالسی وغیرہ کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا:

”وَكَانَ قَصْدُهُمْ جَمْعَ مَا وَجَدُوْهُ، لَا تَلْخِيْصُهُ وَتَهْذِيْبُهُ وَتَقْرِيْبُهُ مِنَ الْعَمَلِ“
(حجة الله البالغة: ۱/ ۱۰۷)

”ان بزرگوں کا مقصد ذخیرہ کرنا تھا، یہ مطلب نہ تھا کہ انھیں عمل کے قابل سمجھا جائے۔“

چوتھے طبقے میں ابن عدی، خطیب، ابونعیم، زرقانی، ابن عساکر، ابن نجار، دیلمی، خوارزمی کا ذکر فرما کر لکھا ہے:

”وَأَصْلَحُ هٰذِهِ الطَّبَقَةِ مَا كَانَ ضَعِيْفًا مُحْتَمِلًا وَأَسْوَأُهَا مَا كَانَ مَوْضُوْعًا مَقْلُوْبًا شَدِيْدَ النَّكَارَةِ“ اھ (حجة الله البالغة: ۱/ ۱۰۷)

”اس طبقے کی بہترین روایات ضعیف ہیں اور جو اُن میں خراب ہیں وہ موضوع اور مقلوب ہیں اور بہت ہی منکر۔“

پانچواں طبقہ اس سے بھی فروتر ہے۔ سیوطی اور سخاوی وغیرہ کی کتابوں کا ان طبقات میں ذکر ہی نہیں، ان کا مقام تو اور بھی نیچے ہے۔ قرآن کی حفاظت کے خلاف علی العموم جو مواد ملتا ہے اس کے لیے یہ وثوق سے سمجھ لینا چاہیے کہ ان کتابوں کی روایات محدثانہ تنقید کے بغیر قابلِ قبول نہیں۔ خصوصاً جب صحیح احادیث یا اخبارِ متواترہ کے خلاف ہوں۔ احادیث کا انکار حقائق سے چشم پوشی کے مرادف ہے۔ آج کے انکار سے گذشتہ واقعات نہیں بدل سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی حفاظت:

ان گزارشات سے ظاہر ہے کہ قرآنِ عزیز پر مدت سے اندرونی حملے ہوتے رہے ہیں۔ اپنے اور بیگانے اکثر نے اس کی حفاظت مشکوک کرنے کی کوشش کی ہے۔ سادہ دل دوستوں نے سادگی سے وہی کچھ کہا جو عیار دشمن کہہ رہے تھے، اس کے باوجود قرآنِ عزیز کی حفاظت محض اللہ تعالیٰ کی تائید سے ہوئی: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر: ۹] یعنی یہ ذکر ہم نے ہی اتارا اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمے دار ہیں۔

اس حفاظت میں سب سے زیادہ کام قدرت نے قوتِ حفظ سے لیا، پھر بوقتِ ضرورت اس کی تائید قلم سے ہوئی، پھر اُمت کی توجہ اس طرف پھیر دی گئی۔ آج کے لادینی دور میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ہزاروں کی تعداد میں بچے حفظ کر رہے ہیں۔ مکاتب میں کافی رونق ہے۔ حفاظ پوری تندہی سے

یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مطبوعہ قرآن کے نسخوں میں جو تحریر و طباعت کی غلطیاں رہ جاتی ہیں، ان کی درستگی کے لیے بھی حفاظ کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں۔

قرآنِ عزیز کے مفہوم کی حفاظت:

امت نے کوشش کی کہ قرآنِ عزیز کے مطالب کی بھی حفاظت اسی طرح کرے جس طرح اس نے الفاظ کی حفاظت کی، اس کے لیے علماء نے مندرجہ ذیل وسائل اختیار کیے:

1. لوگ قرآن کو اصل عربی زبان میں سمجھیں۔ تراجم کی حسبِ امکان ضرورت ہی نہ رہے۔ عربی زبان کی گرائمر کو باقاعدہ مرتب کیا۔
2. اگر تراجم کی ضرورت ہوئی تو اسے الفاظِ وحی سے علاحدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ سابقہ کتابوں میں اسی وجہ سے تحریف عام ہوگئی۔
3. زبان کی بدلتی ہوئی نفسیات کے پیشِ نظر عربِ اول کی زبان، اس کے محاورات کو ضبط کیا۔ جاہلی عربوں کے ہزاروں اشعار صحابہ، تابعین، ائمۂ اسلام نے ضبط اور محفوظ کیے، حالاں کہ ان کی روح اسلامی تعلیمات کے منافی تھی، تاکہ زبان کی وقتی تبدیلیاں قرآنِ عزیز کے مفہوم پر اثر انداز نہ ہوں۔
4. آنحضرت ﷺ کی عملی زندگی کے لیے لاکھوں ابواب اور ہزاروں اوراق کو محفوظ کیا، کیوں کہ قرآن کی اصل تفسیر آنحضرت ﷺ کی زندگی ہے۔ قرآن کا صحیح اور مستند مفسر وہی ہوسکتا ہے جس پر قرآنِ عزیز نازل ہوا۔
5. آنحضرت کی عملی زندگی اور آپ کے مختلف ارشادات کی حفاظت کے لیے بیسیوں نئے علوم ایجاد فرمائے، تاکہ سنت کے ذخیرے امت کے پاس صحیح طور پر پہنچ جائیں۔
6. عربی زبان کے لیے ضخیم لغت لکھے۔ واقع اور موقع کی تبدیلیوں کا پتا دیا، تاکہ زبان کی تبدیلیاں مفہوم پر اثر انداز نہ ہوں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس میں بھی کافی کامیابی ہوئی، لیکن اعتراف کرنا چاہیے کہ ملحدین نے بھی قرآن کے مفہوم کی تخریب میں پورا زور صَرف کیا اور تاویل کے وہ کرشمے ظاہر کیے کہ شیطان بھی حیران ہوگیا۔[1]

---

[1]

ز من با صوفی و ملا سلامے — کہ او پیغامِ حق دادند مارا
و لے تاویل او حیران ہم ساخت — خدا و جبریل و مصطفیٰ را

مولفین نے حقائق کو بدلنے میں انتہا کر دی۔ کبھی لغت کا سہارا لیا، کبھی حدیث کو تاریخ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کی۔ کبھی سنتِ نبوی کو خرافات سے تعبیر کیا، کبھی حدیث کے شرعی حجت ہونے سے انکار کیا![1] یہ سب اس لیے تھا کہ سنت راہ سے ہٹ جائے، زمانۂ نبوت کی تشریحات پر اعتماد نہ رہے اور

[1] ملحدین کی دو راہیں: پرانے اور نئے ملحدین نے قرآنِ عزیز کے الفاظ اور معانی کی حفاظت اور اس کے خلاف جو شبہات وارد ہو سکتے تھے، اس کے متعلق دو راہیں اختیار کیں۔ روافض اور اُن کے شاگردوں نے ان آحاد، ضعاف اور وضعی روایات کی بنا پر قرآنِ عزیز کو مشکوک و مشتبہ قرار دیا اور بزعمِ خود اپنی غلط کاریوں اور اسلام دشمنی کے لیے راستہ ہموار کیا۔

دوسرے گروہ نے قرآن کے احترام اور حفاظت کی آڑ لے کر سنت کے پورے ذخیرے کو مشکوک اور غیر مستند قرار دینے کی کوشش کی۔ کبھی کتبِ حدیث کو لہو الحدیث اور مزخرف کہہ کر دل کی گرمی کو تسکین دی۔ کسی نے منافقانہ طور پر احادیثِ نبویہ اور سنت کو تاریخ کہہ کر پہلے اس کے مقام کو ہلکا کیا، پھر اس پر مختلف طریقوں سے حملہ آور ہوئے، ائمہ حدیث اور فقہائے سنت کی تضحیک کی۔ ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [المنافقون: ٨] یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ احادیث اور قرنِ اول کی زندہ جاوید روایات اگر ان کی راہ سے ہٹ جائیں تو ان کی جہالت آمیز روایات کے لیے میدان صاف ہو جاتا ہے۔ قرآن میں من مانی تاویلات کے لیے راہ کھل جاتی ہے، حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنانا آسان ہو جاتا ہے۔ ہمارے زمانے کے منکرینِ حدیث کی تحریک نے قریباً نصف صدی میں اسی نفاق آمیز پالیسی کے لیے مختلف روپ بدلے ہیں۔ آج کل ان ملحدانہ تصورات کی اشاعت کے لیے دو عنوان قائم کیے گئے ہیں: ''قرآنی معاشرہ'' اور ''قرآنی نظامِ ربوبیت''، اس طرح سے پورے قرآن اور اسلام کی مرمت کا پروگرام مرتب کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ فحش اور عیاشی کے داعی اور مسیحیوں کی مساعی ناکام ہوں گی اور اہلِ سنت اور فقہاءِ محدثین کا مسلک غالب ہوگا۔ ﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ﴾ [الرعد: ١٧]

یہ درست ہے کہ اس میدان میں منافقین کو اس طرح شکست اور ناکامی نہیں ہوئی جس طرح حفظِ قرآن نے انھیں الفاظِ قرآن کی حفاظت کے متعلق ناکام کیا، تاہم ائمۂ سنت نے اصولِ تفسیر میں انہی تحفظات کی کوشش کی جس سے قرآنِ عزیز کے مطالب کی حفاظت ہو سکے۔ تفاسیر کے ذخیرے پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ علم کے ہر طبقے نے اپنے نقطۂ نظر سے اس خدمت کو بجا لانے کی کوشش کی ہے۔ اہلِ سنت کے مختلف مکاتبِ فکر نے قرآنِ عزیز کی خدمت کی ہے۔ فقہی مسائل میں اپنے مسلک کے مطابق قرآنِ عزیز سے استدلال کیا ہے۔ جس جس فن سے کسی کا طبعی تعلق تھا، اس فن کے لحاظ سے انھوں نے قرآن کی خدمت کی۔ زمخشری نے ادب اور زبان کے مسائل کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ ابو حیان نحوی ہیں، انھوں نے قرآنِ عزیز کو تحلیلِ نحوی کے لحاظ سے حل کیا ہے اور اسی نہج سے مسائل کا استخراج فرمایا ہے۔ زمخشری کا رجحان اعتزال کی طرف ہے، اس لیے انھوں نے بقدرِ ضرورت اعتزال کی خدمت بھی کی ہے۔ رازی پر فلسفہ اور کلام غالب ہے، ان کی تفسیر میں یہ رجحانات پائے جاتے ہیں۔ قرطبی رحمہ اللہ حنبلی ہیں، انھوں نے فقہ حنبلی کے مسائل سے تفسیر کو بھر دیا۔ ائمۂ حدیث سے حافظ ابن جریر رحمہ اللہ اور ←

قرآنِ عزیز کو تاویلات کی سان پر چڑھا کر حسبِ منشا خرافات کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔ اس آویزش میں فریقین کہاں تک کامیاب ہوئے؟ ہر فریق کو اپنے دل سے دریافت کرنا چاہیے۔ اہلِ حق کی کوششوں کا اندازہ ان اصولِ تفسیر سے ہوگا جو قرآن فہمی کے لیے ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہے۔

محدثانہ تفاسیر میں بدعات اور غلو تو نہیں تھا، لیکن قصص کے بیان میں صحتِ اسانید کا خیال نہ رکھا گیا اور آثار میں اسرائیلیات کا کافی ذخیرہ تفاسیر میں آ گیا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نسبتاً محتاط ہیں، کافی چھان پھٹک کے باوجود وہاں بھی ایسے آثار آ گئے جو مناسب تھا کہ نہ آتے۔

اہلِ بدعت کی ان تخریبی کوششوں سے بچنے کے لیے ائمہ سنت نے ذیل کے اصول اختیار فرمائے:

اول: قرآنِ عزیز کی تفسیر قرآن سے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اکثر مقامات پر التزام فرمایا ہے کہ قرآن کے ایک مقام کو دوسرے مقام سے حل فرماتے ہیں۔ قرآنِ عزیز کے نظم میں کسی واقعہ میں ایک مقام پر اختصار فرمایا گیا تو دوسرے مقام پر اسے تفصیل سے بیان فرما دیا گیا ہے۔ اگر ایک مقام پر اِغلاق ہو تو دوسرے مقام سے واضح ہو سکتا ہے۔ اس طریق سے اگر قرآنِ حکیم میں غور فرمایا جائے تو بسا اوقات بعض مشکلات کا حل سیاق و سباق سے اس طرح ہوتا ہے کہ صریح لغت سے وہ مقام صاف نہیں ہوتا۔ اسی سے بعض اہلِ علم نے قرآن کا لغت بھی الگ لکھا ہے، جیسے کہ راغب کی مفردات اور ابن قتیبہ دینوری کی مشکل القرآن اور غریب القرآن؛ ان دونوں کتابوں کو ابن مطرف [۳۸۷۔۴۵۴ھ] نے ''القرطین'' کے نام سے جمع کیا ہے۔ یہ کتاب مصر سے شائع ہو چکی ہے۔

بعض مفرد الفاظ کا مفہوم قرآن کے سیاق و سباق سے زیادہ واضح ہوتا ہے، لغت میں وہ وضاحت نہیں ملتی، مثلاً:

نور: عربی زبان میں یہ لفظ ''الضیاء المنتشر'' کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ عزیز نے اسے مختلف مقاصد کے لیے استعمال فرمایا ہے:

← حافظ ابو الفداء نے تفسیریں لکھیں، اسی طرح بغوی نے ''معالم التنزیل'' تصنیف فرمائی۔ وغیرہم نے احادیث اور آثار سے تفسیر کی۔ فنی خدمت میں کوئی حرج نہ تھا، لیکن اعتزال وغیرہ بدعی عقائد کی حمایت مناسب نہ تھی، اسی طرح شیعہ اور خوارج نے قرآنِ مجید کو اپنے خیالات کا ترجمان بنانے کی کوشش کی۔ بعض بدعتی صوفیوں نے قرآنِ عزیز سے اپنی بدعات کا استخراج کیا۔ وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشَقُونَ مَذَاهِبُ! (مختصر أصولِ تفسیر) [مولف]

1 ﴿ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۗ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ... الخ﴾ [النور: ۳۵]۔ قرآن نے اس سے نورِ ہدایت مراد لیا ہے، یعنی آسمان اور زمین میں ہدایت کی روشنی اللہ کی ذات سے ہے۔ اس ہدایت کی مثال ایسے چراغ کی ہے جس کی روشنی کو شفاف شیشے نے دوبالا کیا ہو اور ایسا ستھرا اور صاف تیل جلایا گیا ہو اور یہ چراغ ستاروں کی طرح آسمان کے مختلف کناروں میں چمک رہا ہو۔

2 ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [المائدة: ۱۵] یہاں نور سے مراد کتاب ہے، کیوں کہ اس کے آگے ﴿ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ میں ضمیر مجرور مفرد کا مرجع یا نور ہوگا یا کتاب، دو تو ہو نہیں سکتے، کیوں کہ ضمیر تثنیہ نہیں۔ اگر نور سے مراد آنحضرت ﷺ ہوں تو آنحضرت ﷺ کو کتاب سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کتاب کو نور اور نور کو کتاب سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس لیے ضمیر مجرور مفرد کا مطلب اسی صورت میں درست ہو سکتا ہے کہ نور سے مراد کتاب لی جائے۔

آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک شروع میں بھی آ گیا ہے:

﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ [المائدة: ۱۵]

”اے اہلِ کتاب! تمھارے پاس ہمارا رسول آیا، جو ایسی چیزیں ظاہر کرتا ہے جو تم نے کتاب سے چھپا رکھی ہیں۔“

یہاں کتاب مراد لینے میں ایک گونہ تخصیص ہو گئی۔

3 ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾[البقرة: ۲۵۷]

”اللہ اہلِ ایمان کا دوست ہے، وہ انھیں اندھیرے سے روشنی میں لے آتا ہے۔“

یہاں نور سے ایمان مراد ہے۔ ظلمات سے کفر و نفاق کی ظلمت ہے۔

4 ﴿ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [الأعراف: ۱۵۷]

”جو لوگ آپ پر ایمان لائے، آپ کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آپ پر اتارا گیا، یہی لوگ کامیاب ہیں۔“

اس آیت میں میں جمیع ما انزل اللہ کو نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے، اس میں قرآن، سنت سب شامل ہیں۔ الہام، غیبی آواز، فرشتوں کی معرفت نزولِ وحی؛ سب کو نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ قرآنِ عزیز نے وحی کی اقسامِ ثلاثہ کو ذکر فرما کر آخر میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب فرما کر واضح فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ﴾ [الشوریٰ: ٥٢]

''ہم نے اسی طرح آپ کی طرف وحی کو نازل فرمایا۔''

5 ﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ [الأنعام: ١٢٢]

''کیا جس شخص کو موت کے بعد ہم نے زندگی دی ہو اور اسے نور بخشا، جسے لے کر وہ لوگوں میں پھر رہا ہو، وہ اس آدمی کی طرح ہے جسے اندھیروں سے نکلنے کی توفیق ہی نہیں۔''

اس آیت میں ایک مسلمان کی تبلیغی مساعی کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔

6 ﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ [المائدۃ: ٤٤]

''ہم نے تورات کو اُتارا اس میں ہدایت اور نور ہے۔''

﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾ [المائدۃ: ٤٦]

''ہم نے مسیح کو انجیل دی، اس میں ہدایت اور نور ہے۔''

اس آیت میں تورات اور انجیل کی روشن تعلیمات کو ہدایت اور نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

7 ﴿ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ ﴾ [الحدید: ١٢]

''جب کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نورِ ایمان ان کے سامنے اور ان کی دائیں جانب روشنی کر رہا ہو گا۔''

ایمان اور عملِ صالح سے اہلِ ایمان میں جو استعداد پیدا ہو گی، اس کی وجہ سے قیامت کے اہوال وشدائد سے بہ آسانی عہدہ برآ ہوں گے۔ اس استعداد کو نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

الشھود والشھادۃ: لغوی معنی ''اَلْإِخْبَارُ بِمَا شَاهَدَهُ'' (لسان العرب)[1] ''اَلْحُضُوْرُ مَعَ الْمُشَاهَدَةِ'' (مفرداتِ راغب)[2] جو دیکھنا بتانا۔ قرآنِ عزیز میں فرمایا:

---

[1] لسان العرب (٣/ ٢٣٨)

[2] المفردات (ص: ٢٦٧)

1 ﴿ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ﴾ [التوبة: ٩٤] ”حاضر اور غائب کا جاننے والا۔“

2 ﴿ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [النور: ٢]

”زانی زانیہ کی سزا کے وقت اہلِ ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔“

3 ﴿ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ﴾ [الزخرف: ١٩] ”کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟“

4 ﴿ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴾ [البقرة: ٨٤] ”اور تم جانتے ہو۔“

5 ﴿ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ﴾ [البقرة: ٢٨٢]

”گواہوں کو جب بلایا جائے تو انکار نہ کریں۔“

6 ﴿ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ [يوسف: ٢٦]

”اس کے عزیزوں سے ایک (لڑکے) نے فیصلہ کیا۔“

(حکم یا قضا) یہاں متعارف شہادت بن ہی نہیں سکتا۔

7 ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ [النور: ٦]

”خاوند کے پاس اپنے ذاتی اقرار کے سوا کوئی ثبوت نہ ہو تو وہ چار قسمیں کھائے کہ وہ سچا ہے۔“

یہاں شہادت اقرار اور قسم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

8 ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [البقرة: ٢٣]

”اگر تمھیں شبہہ ہے کہ ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اُتارا ہے، وہ خدا کا کام نہیں تو تم ایسی ایک سورت لے آؤ اور اپنے سب مددگاروں کو بلا لو۔“

اس آیت میں شہادت نصرت اور اعانت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

9 ﴿ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ﴾ [المائدة: ١٠٧]

”ہماری قسمیں ان کی قسموں سے زیادہ قابلِ قبول ہیں۔

یہاں شہادت قسم کے معنی میں ہے۔

10 ﴿ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ [النساء: ٧٩] ”اللہ کا علم کافی ہے۔“

یہاں شہید عالم کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

11 ﴿ وَنَزَعۡنَا مِنۡ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ﴾ [القصص: ۷۵]

”ہر امت سے ہم ایسا آدمی لائیں گے جو اُن کے حالات کو جانتا ہوگا۔“

دونوں مقام پر شہید علیم کے معنی میں مستعمل ہے: ”عَلِيمًا يَعۡلَمُ أَحۡوَالَهُمۡ“

مقصود استیعاب نہیں، فقط اس چیز کا اظہار ہے کہ الفاظ کے مفہوم کی تعیین میں لغت سے زیادہ خود قرآنِ عزیز کا سیاق وسباق مفید اور کار آمد ہے۔ بسا اوقات لغوی معنی مقصد کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم (۱۹۴۸ء) مولف تفسیر ثنائی نے ”تفسیر القرآن بکلام الرحمن“ اسی اسلوب پر لکھی اور آیات کی وضاحت اور تفسیر میں دوسری آیات سے استفادہ فرمایا۔ مرحوم اس طریق میں بہت حد تک کامیاب ہوئے۔ چند مقامات پر اہلِ علم نے اپنے مواخذات کیے۔ مولف مرحوم نے اہلِ علم کے متعارف مطلب سے اختلاف فرمایا۔ بحث جدال کی حد تک پہنچی۔ علمائے آرہ نے فیصلہ دیا کہ بعض مقامات میں واقعی سلف کی راہ سے انحراف ہوا ہے، لیکن مولف اہلِ حدیث سے خارج نہیں۔ اس فیصلے کو قبول کر کے معاملہ ختم کر دیا جاتا تو بہتر تھا، لیکن فریقِ مخالف نے احناف کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے ان مواخذات میں مسئلہ صفات اور ان کی تاویل کو اہمیت نہ دی، تاکہ ماتریدی حنفی الگ نہ ہو جائیں اور مخالفین کی صفیں عددی لحاظ سے کمزور نظر نہ آئیں، لیکن اصول اور مسلک اہلِ حدیث کے لحاظ سے یہ پہلی کمزوری تھی جس سے مولانا مرحوم ایسا دور اندیش نکتہ رس مناظر خوب آگاہ تھا، اس لیے ان کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ خلوص کے بجائے مقارنت اور رقابت کو اس نزاع میں زیادہ دخل ہے۔

بحث ونظر میں تاویل بھی امت میں اہلِ علم کا ایک مسلک رہا ہے۔ وہ کچھ عرصہ اپنی روش میں مطمئن رہے، لیکن آخر عمر میں ان کا ذہن تاویل پر مطمئن نہیں رہا تھا، وہ درس میں اور مجلسی گفتگو میں تفویض ہی کو پسند فرماتے تھے۔[1] اگر یہ مناقشہ نہ آجاتا تو تفسیر القرآن بالجملہ اچھی چیز تھی۔ اہلِ علم قرآن پر اس انداز سے غور فرماتے تو تفسیر میں یہ ایک نئے باب کا افتتاح ہوتا۔ اب بھی ضرورت ہے کہ قرآن کے طالب علم قرآن میں اس انداز سے غور کریں۔ ذوقِ سلیم اس راہ میں بے حد لطف

---

[1] اگر لفظِ تفویض سے لفظ کے معنی اور کیفیت دونوں سے عدمِ علم کا مفہوم لیا جائے تو یہ مسلک درست نہیں اور نہ ائمہ سلف اور اہلِ سنت اس کے قائل ہیں، اور اگر تفویض سے مراد کیفیت ہو، یعنی صفت کی کیفیت سے عدمِ معرفت کا اقرار مراد ہو تو پھر یہ معنی ومسلک درست ہے، مگر ایمانیات میں ایسے مشتبہ لفظ کے استعمال سے گریز کرنا چاہیے۔

محسوس کرے گا۔ دین، شکر، حمد، اسلام، کلمہ وغیرہ الفاظ کے استعمال کو قرآنِ عزیز کے مختلف مقامات میں دیکھیے تو تحقیق و تفحص کے ذوق کو اس میں کافی لطف محسوس ہو گا۔

تفسیر کا دوسرا اصل سنت ہے۔ یہ لفظ عموماً تین معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایسے اعمال جو ابتدائے اسلام سے بہ تواتر مسلمانوں میں رائج ہیں۔ نماز، اس کے اذکار، رکعات اور اوقاتِ نماز، نفل روزے اور صدقات، اچھے کاموں میں دائیں ہاتھ کا استعمال، گندے کاموں میں بائیں ہاتھ کا استعمال، اہلِ سنت والجماعت کی لغت میں سنت اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا قول، فعل، کسی کام پر آنحضرت ﷺ کی خاموشی، آنحضرت ﷺ کے اجتہادات؛ یہ سب سنت ہیں۔ ائمۂ حدیث اسے حدیث سے تعبیر فرماتے ہیں۔ فنِ حدیث میں سنتِ نبوی اور حدیث کو اہلِ علم نے مرادف اور ہم معنی استعمال فرمایا ہے۔

دینی امور جنھیں آنحضرت ﷺ نے ثواب کی نیت سے عموماً کیا ہے، یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے دینی معمولات کے طور پر کیا ہو، ایسے اعمال اگر احیاناً ترک ہو جائیں تو اصل سنت میں کوئی شبہہ نہیں ہوتا۔ فرض، واجب، مستحب کے ساتھ جب سنت کا ذکر آتا ہے تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

قرآنِ عزیز کی تفسیر میں سنت سب سے بڑا اصل ہے۔ آنحضرت ﷺ کا قول، فعل اور تقریر وغیرہ سب قرآن کی تفسیر ہیں۔ آنحضرت ﷺ قرآنِ حکیم کے پہلے مخاطب تھے۔ آنحضرت ﷺ ہی کی معرفت قرآنِ عزیز صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کا متن اور مفہوم ہم تک پہنچایا۔ آنحضرت ﷺ قرآن نہ سمجھیں، یا پیغمبر ہی اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی مخالفت کرے تو قرآنِ عزیز کی تبلیغ و اشاعت کے سارے امکانات بھی ختم ہو جائیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم جب دینی مسائل میں گفتگو فرماتے تو بلا تکلف ایک دوسرے سے دلیل دریافت فرماتے تھے۔ قرآن اور سنت کی طرف رجوع فرماتے، لیکن ایسا واقعہ کبھی نہیں ہوا کہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے دلیل دریافت کی ہو، یا حضرت کے کسی ارشاد پر کسی سائل کو تردد ہوا ہو:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

”کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں کہ آنحضرت کے فیصلے یا حکم کے بعد اپنی صوابدید کو ترجیح دے۔“

ظاہر ہے یہاں قضا کا قانونی اور عدالتی مفہوم مراد نہیں، بلکہ آنحضرت ﷺ کے رسمی فیصلے ہیں جو آپ ﷺ نزاعی امور میں فرماتے تھے۔ صحابہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات کو قرآنِ عزیز کی طرح حجتِ شرعی سمجھتے تھے، اس لیے مزید دلیل یا حوالہ طلب کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ قرآنِ عزیز کی تفسیر میں بھی آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا یہی حال ہے، اس لیے سنت کے ساتھ تفسیر اسی طرح مستند ہے جس طرح تفسیر القرآن بالقرآن۔

قرآنِ عزیز میں ایسی صراحت ملتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قرآنِ عزیز کے بیان کا حق حاصل ہے، بلکہ اسی قسم کی وضاحت اور بیان آنحضرت ﷺ کے ذمے فرض ہے اور تبلیغ کا ایک اہم جزو:

﴿ إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴾ [النساء: ۱۰۵]

”ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لیے اتارا کہ آپ اپنی صوابدید کے مطابق لوگوں میں فیصلے فرما دیں اور خیانت پیشہ لوگوں کی طرف سے آپ خصومت کے وکیل نہیں۔“

قرآنِ حکیم کے آپ ﷺ پر نزول کی وجہ یہ بتائی ہے کہ آپ ﷺ کی رائے اور صوابدید قرآنِ عزیز کی تفسیر میں حکم کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس مقامِ رفیع پر فائز ہونے کے بعد اہلِ خیانت کی طرف سے خصومت اور وکالت کا سوال نہیں پیدا ہونا چاہیے۔

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِىٓ إِلَيْهِمْ ۚ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٤٣﴾ بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴾ [النحل: ۴۳۔۴۴]

”ہم نے تم سے پہلے تمام انبیاء کو مرد پیدا کیا اور اُن کی طرف وحی کی۔ اگر اس کے دلائل معلوم نہ ہوں تو اہلِ ذکر سے دریافت کرو اور ذکر تم پر نازل کرنے کا ایک مقصد یہ ہے کہ اس کی تفصیل اور تشریح کرو۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ بھی سوچ بچار کی عادت سیکھیں اور فکر و شعور کو اپنا شعار بنائیں۔“

﴿ وَمَآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِى ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ ۙ وَهُدًى وَرَحْمَةً

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ [النحل: ٦٤]

''ہم نے کتاب کو تم پر صرف اس لیے اتارا کہ آپ ان کے سامنے اختلافی مسائل کو بیان کریں اور اہلِ ایمان کے لیے یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے۔''

اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ رفعِ اختلاف صرف آنحضرت ﷺ کے بیان سے ہوسکتا ہے اور اہلِ ایمان آپ کے ہی بیان سے ہدایت و رحمت کی بارش سے سرشار ہو سکتے ہیں۔ قرآنِ عزیز صرف آنحضرت ﷺ کے بیان (حدیث) ہی کو رفعِ اختلاف کا موجب فرماتا ہے۔ آج منکرینِ سنت کا خیال ہے کہ آنحضرت ﷺ کا بیان ہی اختلاف کا موجب ہے۔ روحِ قرآن کے ساتھ کتنی کھلی جنگ ہے؟!

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾

[النساء: ١٥٠۔ ١٥١]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے کفر کرتے ہیں اور خدا اور رسولوں کے بین بین کوئی راہ تلاش کرنا چاہتے ہیں (خدا کی بات کو قبول کرنا رسول کی بات کو صحیح نہ سمجھنا) یہ لوگ یقیناً کفر نواز ہیں اور ایسے اہلِ کفر کے لیے ہم نے ذلت آمیز عذاب تیار کیا ہے۔''

سورت نساء کی اس آیت میں معاملے کو بہت نکھار دیا گیا ہے۔ خدا اور رسول کی اطاعت کو جدا جدا سمجھنا اسے اللہ اور رسول دونوں سے کفر اور انکار کے مرادف قرار دیا گیا ہے۔ راہیں صرف دو ہیں: یا اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت قبول کرو، یا دونوں سے انکار کر دو، ان دونوں کے بین بین کوئی راستہ نہیں۔ خدا کی اطاعت کرے، رسول ﷺ کے ارشادات کی حجیت سے انکار کرے، یہ قطعی ایمان کی راہ نہیں، بلکہ یہ حتمی کفر ہے۔ ایسے غلط کار اور کفر پرور لوگ خدا کے نزدیک ذلیل کن عذاب کے مستحق ہیں۔

ان آیات سے قرآن کا مقام، آنحضرت ﷺ کا مقام، قرآن اور سنت کا باہمی تعلق، خدا تعالیٰ اور آنحضرت ۔فداہ أبي و أمي۔ کے ارشادات کا باہم ارتباط، ان دونوں میں تفریق کا ایمان پر اثر اور

اس تفریق کے خطرناک نتائج بالکل واضح ہیں اور سنت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ سنت کے متعلق یہ قرآنِ عزیز کی اپنی شہادت ہے۔

سنت محفوظ ہے یا نہیں؟ سنت کب لکھی گئی؟ سنت کی کوئی کتاب مشخص ہے یا نہیں؟ مباحث اہم ہیں اور اپنی جگہ قابلِ تحقیق ہیں، لیکن ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ سنت کو علی التواتر موجود ہونا چاہیے۔ اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن کی تبیین اور تفسیر کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ ان مشکلات کے باوجود، جو انکارِ حدیث کی محرکات سے سمجھی جاتی ہیں، یہ اقرار ناگزیر ہے کہ سنت موجود ہے اور جب تک قرآن موجود ہے اور جب تک قرآن دنیا میں رہے گا، سنت کا اقرار بھی ناگزیر ہوگا۔

اس لیے قرآنِ عزیز کی تفسیر میں قرآنِ عزیز کے بعد سنت پر اعتماد واجب اور ضروری ہے اور یہی اہلِ سنت کا اصول ہے۔

صحیح احادیث:

اہلِ سنت کی مسلمہ تفاسیر میں صحیح احادیث کا ذخیرہ کچھ زیادہ نہیں، اس لیے یہ مشکل ہے کہ ہر آیت کی تفسیر میں مستند صحیح حدیث مل جائے۔ علمائے تفسیر نے احادیث کے بعد آثار اور اُن میں پھر اسرائیلیات کا بھی مواد جمع کر دیا ہے، اسے اصولِ ائمۂ حدیث کے مطابق تحقیق اور تفتیش کے بعد ہی قبول کیا جا سکتا ہے۔ علمائے متقدمین کا اس معاملے میں یہی معمول رہا ہے۔ اسرائیلیات کی تائید اگر نصوص سے صحیح ہو جائے تو انھیں نصوص کی تائید سمجھنا چاہیے، ورنہ ان سے کوئی چیز ثابت کرنا یا حجت سمجھنا درست نہیں۔

تفسیرِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ان لوگوں کا مزاج بن چکا تھا۔ وہ اکثر معاملات میں نصوصِ نبویہ کی تلاش کرتے تھے اور ان پر عمل کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نقلِ روایات میں متشدد تھے۔ روایت پر کڑی تنقید فرماتے۔ اہلِ علم سے بہ وقتِ ضرورت حلف لیتے کہ آیا واقعی انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے۔ جو چیز شرعاً حجت ہو، اس کے متعلق یہ تثبت یقیناً ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کبھی شہادت لیتے، کبھی حلف پر اعتماد فرماتے، لیکن جب حوالۂ حدیث کی صحت کا یقین ہو جاتا تو اسی طرح واجب الاتباع سمجھتے جس طرح قرآنِ عزیز پر

عمل ضروری سمجھتے۔ بکیر بن اشج فرماتے ہیں:

”إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ: سَيَأْتِي قَوْمٌ يُجَادِلُونَكُمْ بِشُبُهَاتِ الْقُرْآنِ فَخُذُوهُمْ بِالسُّنَنِ، فَإِنَّ أَصْحَابَ السُّنَنِ أَعْلَمُ بِكِتَابِ اللّٰهِ“ اھ

(جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر: ٢/ ١٣٣)

”عن قریب بعض لوگ تم سے قرآنِ عزیز میں بعض شبہات کے متعلق گفتگو کریں گے، ان پر سنت سے گرفت کرو۔ اصحابِ سنت (اہلِ حدیث) قرآنِ مجید کو بہتر جانتے ہیں۔“

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سنت کے بہت زیادہ پابند تھے، ان کے لڑکے بلال نے اصرار کیا کہ عورتوں کو نماز کے لیے مسجد میں نہیں جانا چاہیے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس جسارت کی بنا پر ان سے بولنا ترک کر دیا۔[1] حضرت عباس، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم احادیث کے ستون اور سنت میں امام تھے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم؛ ان سب کا یہی حال تھا۔ جب حدیث معلوم ہو جاتی تو پھر کسی کی رائے کو ترجیح نہیں دیتے تھے، اس لیے اگر سننِ صحیحہ مرفوعہ نہ مل سکیں تو پھر صحابہ کی تفاسیر پر اعتماد کرنا چاہیے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے:

”أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوبًا وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا“[2] (مشكاة المصابيح)

”آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نہایت نیک دل تھے اور ان کا علم بہت گہرا تھا۔“

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کسی تفسیر پر اتفاق فرما دیں تو پھر صحیح تفسیر وہی ہے۔ اگر اختلاف (گو یہ بہت ہی کم ہے) کریں تو جس کی رائے مصالحِ شرعیہ اور عامۃ المسلمین کے حق میں زیادہ مفید ہو، اسے قبول کرنا چاہیے۔

اقوالِ صحابہ کی حجیت کا یہی مطلب ہے کہ وہ عام حالات میں حسبِ امکان کتاب وسنت سے الگ نہیں ہوتے۔ وہ آنحضرت ﷺ کی عملی اور اعتقادی زندگی کا اخلاقی مجسمہ تھے، اس لیے تفسیر ہو یا عقائد، اخلاق ہوں یا فقہیات، وہ آنحضرت ﷺ کا نمونہ تھے، اس لیے ان کو اسی نگاہ سے دیکھنا چاہیے، لیکن اگر بالفرض صحابہ کا کوئی قول یا تفسیر قرآن وسنتِ صریحہ کے خلاف ہو تو ترجیح کتاب وسنت ہی کو ہوگی۔

[1] دیکھیں: مسند أحمد (٢/ ٣٦)

[2] مشكاة المصابيح (١/ ٤٢)

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ ہے۔ تابعین رحمہم اللہ کا علم صحابہ رضی اللہ عنہم سے ماخوذ ہے، لیکن اس زمانے میں فتنوں کا شیوع ہو چکا تھا۔ اعتقادی بدعات عام ہو رہی تھیں۔ علمی حلقے بھی کم و بیش متاثر تھے، علمی ثقاہت زمانۂ صحابہ کی طرح نہ تھی، اس لیے اس دور کی منقولات کو وہ مقام حاصل نہیں جو صحابہ کے آثار کو حاصل ہے۔ مشہور ائمۂ تفسیر سے مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، عطا بن ابی رباح، حسن بصری، سعید بن مسیّب، مسروق بن اجدع، ربیع بن انس، ابو العالیہ، قتادہ بن دعامہ اور ابو ضحاک بن مزاحم رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تین دفعہ پورا قرآنِ عزیز پڑھا، ہر آیت کے متعلق دریافت کیا،[1] پھر جو سنا بہ وقتِ ضرورت اسے لکھا، تا کہ علم کا سلسلہ چلتا رہے۔ اس کے باوجود ان بزرگوں کا وہ مقام نہیں جو صحابہ کو حاصل تھا۔ شعبہ بن حجاج فرماتے ہیں:

”أَقْوَالُ التَّابِعِيْنَ فِيْ الْفُرُوْعِ لَيْسَتْ حُجَّةً فَكَيْفَ تَكُوْنُ حُجَّةٌ فِيْ التَّفْسِيْرِ؟ يَعْنِيْ أَنَّهَا لَا تَكُوْنُ حُجَّةٌ عَلٰى غَيْرِهِمْ مِمَّنْ خَالَفَهُمْ، وَهٰذَا صَحِيْحٌ، أَمَّا إِذَا أَجْمَعُوْا عَلَى الشَّيْءِ فَلَا يَرْتَابُ فِيْ كَوْنِهِ حُجَّةً، فَإِنِ اخْتَلَفُوْا فَلَا يَكُوْنُ قَوْلُ بَعْضِهِمْ حُجَّةً عَلٰى بَعْضٍ، وَلَا عَلٰى مَنْ بَعْدَهُمْ، وَيَرْجِعُ فِيْ ذٰلِكَ إِلٰى لُغَةِ الْقُرْآنِ أَوِ السُّنَّةِ أَوْ عُمُوْمِ لُغَةِ الْعَرَبِ أَوْ أَقْوَالِ الصَّحَابَةِ“ اهـ (أصول التفسير لابن تيمية، ص: ٢٩)

”تابعین کے اقوال جب فروعِ فقہیہ میں حجت نہیں تو تفسیر میں کیسے حجت ہوں گے؟ یہ بصورتِ خلاف نہ باہم حجت ہوں گے نہ کسی دوسرے پر۔ شعبہ کا یہ خیال بالکل درست ہے، لیکن اگر وہ کسی بات پر اجماع فرمالیں تو اجماع کی حیثیت شرعاً معلوم ہے، ان میں اختلاف کی صورت ہو تو قرآن کی لغت، عام لغتِ عرب اور اقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔“

اختلاف کی نوعیت:

یہ عجیب بات ہے کہ احادیثِ صحیحہ میں اختلاف بالکل نہیں اور جو بظاہر معلوم ہوتا ہے اس میں ادنیٰ تامل کے ساتھ ترجیح اور تطبیق کی صورت نکل آتی ہے۔ تفسیری اختلاف بھی فقہی اور فرعی اختلاف کی طرح اس میں صرف تنوع ہے۔ اختلاف کی نوعیت راجح اور مرجوح، مباح اور مستحب سے زیادہ نہیں، جیسے

[1] سير أعلام النبلاء (٤/ ٤٥١)

ائمۂ اربعہ اور فقہائے محدثین رحمہم اللہ میں پایا جاتا ہے۔ اہلِ بدعت کی طرح اس میں انکار وتکفیر کی نوبت نہیں آتی۔

صحابہ کی تفسیر کا بھی یہی حال ہے، عموماً وہاں مختلف اقوال میں تنوع ہوتا ہے۔ عام آدمی اسے اختلاف سمجھتا ہے۔ دراصل وہاں آیت میں مختلف احتمالات ہوتے ہیں جن سے استخراجِ مسائل میں وسعت ہوتی ہے اور فکر ونظر کے لیے راہیں کھلتی ہیں۔

خلاصۂ کلام:

آخر میں ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ایک جامع بیان پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں:

''اگر کوئی سوال کرے کہ تفسیر کا بہترین طریقہ کون سا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کی جائے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر جو چیز مجمل ہے، وہ دوسرے مقام پر مفصل موجود ہے۔ ایک جگہ جو مسئلہ مختصر ہے، دوسری جگہ اسے بسط سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر اس طریق میں دقت محسوس ہو تو پھر سنت سے تفسیر کرو، وہ اس کی شارح ہے۔

''امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے تمام احکام قرآن ہی سے ماخوذ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُۚ وَلَا تَكُن لِّلۡخَآئِنِينَ خَصِيمٗا ﴾ [النساء: ١٠٥]

''ہم نے تم پر کتاب کو اس لیے اتارا، تا کہ آپ لوگوں میں اپنی سمجھ کے مطابق حکم کریں اور خیانت پیشہ لوگوں کی طرف سے بحث نہ کریں۔''

﴿ وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُونَ ﴾

[النحل: ٤٤]

''ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لیے اُتارا، تا کہ جو کچھ آپ پر اُتارا گیا ہے، آپ لوگوں سے بیان کریں، تا کہ لوگ سوچیں۔''

﴿ وَمَآ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ ٱلَّذِي ٱخۡتَلَفُواْ فِيهِ وَهُدٗى وَرَحۡمَةٗ

﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ [النحل: ٦٤]

''ہم نے آپ پر صرف اس لیے کتاب کو اتارا کہ آپ لوگوں کے لیے اختلاف میں وضاحت فرما دیں اور اہلِ ایمان کے لیے اس کتاب میں ہدایت اور رحمت ہے۔''

''نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کی مثل اس کے ساتھ دی گئی۔''[1] یعنی سنت، اور سنت آپ پر قرآن کی طرح بذریعہ وحی اُترتی تھی، لیکن قرآن کی تلاوت کی جاتی اور سنت کی تلاوت نہیں کی جاتی۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور بعض دوسرے ائمہ نے اس موضوع پر مدلل گفتگو فرمائی ہے، جس کی تفصیل کے لیے یہ موقع نہیں۔

''غرض یہ ہے کہ آپ کو قرآنِ عزیز کی تفسیر قرآن ہی سے تلاش کرنا چاہیے۔ اگر قرآن میں آپ کو نہ ملے تو اسے سنت سے تلاش فرمائیں، جیسے آنحضرت ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا کہ تم کس طرح حکم کرو گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی کتاب کے ساتھ۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملے؟ تو معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے فیصلہ کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اگر وہاں نہ ملے؟ فرمایا: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر تھپکی دی اور فرمایا: الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے اس کے رسول کے فرستادہ کو رسول کی صوابدید کے مطابق فیصلے کی توفیق مرحمت فرمائی۔[2] یہ سنن اور مسانید میں متعدد اسانید سے مروی ہے۔

''اس وقت ہم اگر تفسیر کو قرآن اور سنت میں نہ پائیں تو ہم اقوالِ صحابہ کی طرف رجوع کریں گے، کیوں کہ انھوں نے قرآن اور اس ماحول کا مشاہدہ کیا جن حالات اور جس ماحول میں قرآن نازل ہوا، اور اس لیے کہ ان کا فہم کامل ہے اور علم صحیح، خصوصاً ان میں

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٦٠٤)

[2] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٥٩٢) سنن الترمذي، رقم الحديث (١٣٢٧) امام ترمذی فرماتے ہیں: ''وليس إسناده عندي بمتصل'' نیز امام بخاری فرماتے ہیں: ''لا يصح، ولا يعرف إلا بهذا، مرسل'' دیگر ائمۂ حدیث نے بھی اس حدیث کو ضعیف اور منکر قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (٨٨١)

سے اکابر اہلِ علم اور ائمۂ اربعہ، یعنی خلفائے راشدین اور دوسرے ائمۂ ہدیٰ رضی اللہ عنہم جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔" (مقدمہ اصولِ تفسیر، ص: ۲۴۔ ۲۵)

لغتِ عرب:

قرآن، سنت، آثارِ صحابہ اور سلف کے علوم عموماً عربی زبان میں ہیں، اس لیے مفسر کے لیے عربی زبان کا جاننا ضروری ہے، لیکن زبان کی وسعت، اس میں حقیقت، مجاز، استعارات، تشبیہات، کنایات کے پائے جانے کی وجہ سے الفاظ کی دلالت میں ظن کی سی کیفیت پائی جاتی ہے، اس لیے یہ قطعی فیصلہ کرنا کہ لفظ سے جو معنی ہم مراد لے رہے ہیں فی الحقیقت متکلم کا مقصود یہی ہے۔ استعارات میں تنوع، تشبیہات میں مختلف اسالیب اور کنایات اور اُن کے عقلی اور عادی لوازم کے ساتھ ربط، اس میں اس قدر ابہام ہے کہ کسی لفظ سے اس کی حقیقی مراد کے متعلق حتمی فیصلہ کرنا کافی مشکل ہے، پھر ائمۂ لغت کی یہ عادت ہے کہ وہ تمام مستعمل معانی کو جمع کر دیتے ہیں اور حقیقی معنی میں امتیاز نہیں کرتے، اس لیے لغت کا پورا کارخانہ از اول تا آخر ظنی ہے۔

پھر ائمۂ لغت نے جو معانی نقل کیے ہیں، ان کی کوئی سند نہیں۔ اصمعی، ابن الانباری، مبرد، جاحظ، زمخشری؛ یہ ائمۂ لغت اپنا اپنا سماع نقل فرما دیتے ہیں، لیکن ان کے پاس کوئی سند نہیں، جس پر ضرورت کے وقت تنقید کی جا سکے اور غلط اور صحیح میں امتیاز کیا جا سکے۔ ائمۂ لغت کی اسانید ائمۂ حدیث کی اسانید سے کہیں زیادہ کمزور اور ناقابلِ وثوق ہیں۔

پھر لغت کے تغیرات اور محاورات میں صبح اور شام کی تبدیلیوں نے دال اور مدلول کی حیثیت سے شکوک و اوہام کی اور بھی کئی راہیں کھول دی ہیں، اس لیے لغت کو کتاب و سنت کی صف میں کھڑا کرنا مشکل ہے۔ اگر ائمۂ لغت کی تصریحات کہیں منقولاتِ شرعیہ سے ٹکرا جائیں تو ترجیح منقولاتِ شرعیہ کو ہوگی۔

یوں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کبار لغتِ عربی کو آج کے مجتہدین سے بہت بہتر سمجھتے تھے، اس لیے بلحاظِ لغت بھی تقدم ان حضرات کو حاصل ہوگا۔ ائمۂ لغت میں تقویٰ اور صلاح کی وہ کیفیت نہیں جو فقہاء اور محدثین میں پائی جاتی تھی۔ زمخشری اور جاحظ ایسے لوگ لغت اور ادب میں امام شمار ہوتے ہیں، لیکن علمِ دیانت کی محفلوں میں ان کی قیمت دو کوڑی بھی نہیں، اس لیے لغت کے نقل میں وہ احتیاط ملحوظ نہیں رہی جو نقلِ روایات میں ملحوظ رہی۔

غرض علومِ لغت کی انتہائی اہمیت کے باوجود انھیں علومِ سنت کا مدِ مقابل نہیں تصور کیا جا سکتا۔ جن حضرات کو اخبارِ آحاد سے گھبراہٹ اور تکلیف محسوس ہوتی ہے، انھیں سوچنا چاہیے کہ لغت تو شکوک و اوہام کا سمندر ہے، اسے وہ کیسے گوارا کر سکیں گے؟ پھر لغت کا انحصار تمام تر سماع اور تقلید پر ہے۔ جن حضرات کی جھوٹی پیاس اور ہوسِ استسقاء دفاترِ سنت سے پوری نہیں ہو پاتی، لغت کے مکدر چشمے انھیں کیوں کر سیراب کر سکیں گے؟ لغت کی ساخت، اس پر ظروف و احوال کا اثر اور اس کی نقل غیر موثق ذرائع کے ہوتے ہوئے وہ کسی طرح سنت اور آثارِ سلف کی حریف اور رقیب بننے کی اہل نہیں۔ یہ دعویٰ آج کل علمی طور پر پسماندہ دور ہی میں کیا گیا ہے، ورنہ زمخشری اور جاحظ، پھر ان کے بعد ائمۂ اعتزال و تجہم نے بعض احادیث پر تنقید کی جرأت تو شاید کی ہو، لیکن انکارِ حدیث کا حوصلہ ان حضرات کو کبھی نہیں ہوا۔ یہ حوصلہ ہمارے دور کے جہلائے عظام کو ہوا۔ وَذٰلِكَ لِقِلَّةِ الْعِلْمِ وَكَثْرَةِ الْمُمَارَسَةِ بِيَنَابِيعِ الْجَهْلِ وَالْاِقْتِدَاءِ بِجُهَلَاءِ أُوْرُوْبَا.

تجوید:

فنِ تجوید نے قرآن کے الفاظ کی صحت میں بے حد مدد دی ہے۔ معلوم ہے کہ قرآن کو درست پڑھنا شرعاً ضروری ہے، اس لیے فنِ تجوید سے استغنا کی بھی کوئی صورت نہیں۔ فنِ تجوید کا اصل مقصد الفاظ، ان کے مخارج کی صحت اور صفاتِ حروف اور ان کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ گانا اور مخارج میں بلاوجہ تکلف تجوید کا جز بن گیا۔ قاری کا تلفظ صحیح نہ ہو، لیکن اس کی لَے اچھی، یعنی باندازِ غنا اور موسیقی ہو تو اسے زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ آج کل جس قدر غلطی غیر مجود قاری کرتا ہے، اسی قدر مجود قاری قرآنِ عزیز کو خراب کرتے ہیں۔ عام قاری الفاظ کے مخارج، اظہار، اخفا، وقف اور ابتداء میں غلطی کھاتے ہیں، لیکن مجود قاری الفاظ کے زیر و بم اور اسے موسیقی کی تانوں میں لے جا کر قرآن کی بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس میں اعتدال کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید صحیح طور پر پڑھا جائے، اس کے مخارج درست ہوں، لیکن اسے قوالی اور راگ کا انداز نہیں بنانا چاہیے۔ وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً.

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«اِقْرَأُوْا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَأَصْوَاتِهَا، وَإِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَأَهْلِ الْفِسْقِ، فَإِنَّهُ سَيَجِيْئُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ الْقُرْآنَ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ

وَالرَّهْبَانِيَّةِ وَالنَّوْحِ، لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ، مَفْتُونَةٌ قُلُوبُهُمْ وَقُلُوبُ مَنْ يُعْجِبُهُ شَأْنُهُمْ ») [1] اهـ (الجامع الصغير مع فيض القدير: ٢/ ٦٥)

''قرآن کو عرب کی آواز اور لہجے میں پڑھو، اہلِ کتاب اور فساق کے لہجے سے بچو۔ عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو اسے موسیقی کی تانوں میں پڑھیں گے، نوحہ اور رہبانیت کا لہجہ پسند کریں گے۔ قرآن ان کے حلق سے نہیں اُترے گا۔ ایسے قراء اور انھیں پسند کرنے والوں کے دِل فتنے کی نذر ہو چکے ہیں۔''

یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف ہے، لیکن بہت سی صحیح احادیث میں تصنع اور تکلف کی مذمت آئی ہے۔ قرآنِ مجید میں تکلف اور بناوٹ سے منع فرمایا گیا ہے۔

اوقاف:

روزانہ گفتگو میں انسان تسلسل کو کبھی توڑ دیتا ہے، کبھی تھوڑا ٹھہر کر سلسلۂ گفتگو جاری کر دیتا ہے۔ آج کل فنِ تحریر نے ترقی کی ہے، یہ مطلب کالموں سے لیا جاتا ہے۔ فقروں کو تقلیع اور تجدید کے لیے مختلف نشان دیے جاتے ہیں۔ قرآنِ مجید نثر ہے، لیکن اس کے نسق اور ترتیب، فقرات کی تقلیع اور تقسیم میں اعجاز کی شان نمایاں ہے۔ ان مختلف اوقاف کو اگر ملحوظ رکھا جائے تو مطلب کی وضاحت میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اوقاف کے نشانات اور علامات گو متاخرین نے مقرر فرمائے ہیں، لیکن طریقِ قراءت تواتر سے ہم تک آ رہا ہے، جیسے حرکات اور تشکل کی صورتیں بعد میں متعین کی گئی ہیں، لیکن حرکات کا وجود ابتداء ہی سے موجود تھا۔ اعجام اور اہمال اسی وقت سے موجود ہے جب سے عربی زبان دنیا میں ظاہر ہوئی، لیکن جیسے جیسے خط نے ترقی کی، معجم الفاظ کے لیے نقاط کی صورت اور مقام متعین کر دیا گیا۔ اسی طرح اوقاف تو ہمیشہ سے زبان میں رہے، لیکن ان کے احکام، علامات کا تعین بوقتِ ضرورت ہوا۔ جب اس ضرورت نے فن کی صورت اختیار کی تو بعض اصطلاحات اور احکام کا اضافہ اس میں اور ہوا اور بتدریج مباحث اس میں بڑھتے رہے۔ یہ تمام مباحث عقیدے اور دین کی حیثیت تو نہیں رکھتے،

---

[1] المعجم الأوسط (٧/ ١٨٣) امام نور الدین ہیثمی فرماتے ہیں: "رواه الطبراني في الأوسط، وفيه راو لم يسم، وبقية أيضاً" (مجمع الزوائد: ٧/ ٣٥٠) نیز حافظ عبدالرؤف مناوی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "قال ابن الجوزي في العلل: لا يصح، وأبو محمد مجهول، وبقية يروي عن الضعفاء ويدلسهم... وفي الميزان: تفرد عن أبي حصين بقية وليس بمعتمد، والخبر منكر" (فيض القدير: ٢/ ٦٥)

لیکن عام گفتگو میں اور خاص طور پر قرآنِ عزیز میں ان کا لحاظ رکھنا بے حد ضروری ہے، ورنہ بسا اوقات معنی غلط ہو جائے گا۔ قرآنِ مجید کے مقاصد کو اس سے نقصان پہنچے گا۔ ممکن ہے بعض مقامات پر نماز پر اس کا اثر پڑے۔ صحابہ اوقاف کا لحاظ رکھتے تھے۔ سنن بیہقی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے:

"لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِنْ دَهْرِنَا، وَإِنَّ أَحَدَنَا يُؤْتَى الْإِيْمَانَ قَبْلَ الْقُرْآنِ، وَتَنْزِلُ السُّوْرَةُ عَلىٰ مُحَمَّدٍ ﷺ فَنَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا، وَمَا يَنْبَغِي أَنْ يُوَقَّفَ عِنْدَهُ مِنْهَا، كَمَا تَتَعَلَّمُوْنَ أَنْتُمُ الْقُرْآنَ الْيَوْمَ، وَلَقَدْ رَأَيْنَا الْيَوْمَ رِجَالًا يُؤْتَى أَحَدُهُمُ الْقُرْآنَ قَبْلَ الْإِيْمَانِ فَيَقْرَأُ مَا بَيْنَ فَاتِحَتِهِ إِلىٰ خَاتِمَتِهِ، وَمَا يَدْرِي مَا أَمْرُهُ وَمَا زَجْرُهُ، وَلَا مَا يَنْبَغِي أَنْ يُوَقَّفَ عِنْدَهُ مِنْهُ"[1] اھ

"ہم نے کافی وقت گزارا، ہم کو قرآن سے پہلے ایمان دیا گیا، آنحضرت ﷺ پر سورت اترتی، ہم اس کے حلال اور حرام سیکھتے اور اس کے اوقاف معلوم کرتے۔ اب ہم ایسے لوگوں کو جانتے ہیں جن کو قرآن ایمان سے پہلے دیا گیا۔ تلاوتِ قرآن کو فاتحہ سے لے کر والناس تک پڑھتے ہیں، لیکن نہ انھیں امر و نہی کا علم ہے نہ وہ اوقاف کے مواقع کو سمجھتے ہیں۔"

قَالَ النَّحَاسُ: هٰذَا الْحَدِيْثُ يَدُلُّ عَلىٰ أَنَّهُمْ كَانُوْا يَتَعَلَّمُوْنَ الْأَوْقَافَ كَمَا يَتَعَلَّمُوْنَ الْقُرْآنَ"

(الإتقان في علوم القرآن: ١/ ٣٤٢، سنن البيهقي: ٣/ ١٢٠ النشر في القراءات العشر: ١/ ٢٢٤)

"نحاس فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقاف کا علم قرآن ہی کی طرح سیکھا جاتا تھا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ترتیل کا مطلب ہی یہ ہے کہ مخارج درست پڑھے جائیں اور اوقاف کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے سمجھا جا سکتا ہے کہ صحابہ کا اس امر پر اتفاق اور اجماع تھا۔ ابن الانباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی صحت کے لیے اوقاف کا جاننا ضروری ہے۔

واقعہ بھی یہی ہے کہ اس علم کے بغیر قرآن کے معانی اور اس سے مسائل کا استنباط ہی نہیں ہو سکتا۔ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ائمۂ سلف سے یہ علم ہم تک پہنچا ہے۔ متاخرین کا خیال ہے کہ علمِ تجوید کی سند اور اجازت ہی نہیں دینی چاہیے، جب تک علمِ اوقاف کو صحیح طور پر سمجھ نہ لیا جائے۔

[1] المستدرك (١/ ٩١) سنن البيهقي (٣/ ١٢٠)

بعض قراء کا خیال ہے کہ وقف کسی غرض اور مقصد کے خاتمے پر ہونا چاہیے، لیکن جمہور اہلِ علم کا خیال ہے کہ وقف آیات کے خاتمے پر ہونا چاہیے:

"وَاتِّبَاعُ السُّنَّةِ أَوْلٰى، وَمِمَّنْ ذَكَرَ ذٰلِكَ الْحَافِظُ أَبُوْ بَكْرٍ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَغَيْرِهِ، وَأَرْجَحُ الْوَقْفِ عَلٰى رُؤُوْسِ الْآيِ، وَإِنْ تَعَلَّقَتْ بِمَا بَعْدُ" (البرهان للزركشي: ١/ ٣٥٠)

''اس معاملے میں سنت کا اتباع بہتر ہے۔ حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان وغیرہ کتب میں اس کا ذکر فرمایا ہے، ان کے نزدیک راجح یہی ہے کہ آیات پر ہی وقف کیا جائے، گو آیت کا تعلق مابعد کے ساتھ بھی ہو۔''

مسنون یہی ہے کہ آیات کے شروع میں وقف کیا جائے، گو نحوی تحلیل کے لحاظ سے اس کا تعلق دوسری آیت میں موجود ہو۔ حافظ ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ ائمۂ حدیث اور ائمۂ قراءت کا یہی حال ہے۔

علامہ محمد بن محمد جزری رحمہ اللہ (م ۸۳۳ھ) فرماتے ہیں:

"وَكَانَ أَئِمَّتُنَا يُوَقِّفُوْنَنَا عِنْدَ كُلِّ حَرْفٍ، وَيُشِيْرُوْنَ إِلَيْنَا فِيْهِ بِالْأَصَابِعِ. سُنَّةٌ أَخَذُوْهَا كَذٰلِكَ عَنْ شُيُوْخِهِمُ الْأَوَّلِيْنَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِيْنَ، وَصَحَّ عِنْدَنَا عَنِ الشَّعْبِيِّ وَهُوَ مِنْ أَئِمَّةِ التَّابِعِيْنَ عِلْمًا وَفِقْهًا وَمُقْتَدًى أَنَّهُ قَالَ: إِذَا قَرَأْتَ: ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ فَلَا تَسْكُتْ حَتّٰى تَقْرَأَ: ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ﴾ اهـ (النشر في القراء ات العشر: ١/ ٢٢٥)

''ہمارے ائمہ ہمیں ٹھہرا کر اشاروں سے اوقاف سمجھایا کرتے تھے اور یہ طریق انھوں نے اپنے سابق شیوخ رحمہم اللہ سے سیکھا تھا۔ امام شعبی جو تابعین میں علم و فقہ کے لحاظ سے امام تھے، فرماتے تھے: جب تم ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ پڑھو تو اس کے ساتھ ﴿وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْإِكْرَامِ﴾ ملائے بغیر سکوت مت کرو (کیوں کہ معنی غلط ہو جائے گا)۔''

شیخ محمد بن محمد جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِنَّمَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ الْجَوَازَ الْأَدَائِيَّ، وَهُوَ الَّذِيْ يُحْسَنُ فِي الْقِرَاءَةِ،

وَيَرُوْقُ فِيْ التِّلَاوَةِ، وَلَا يُرِيْدُوْنَ بِذٰلِكَ أَنَّهُ حَرَامٌ، وَلَا مَكْرُوْهٌ، وَلَا مَا يُؤَثِّمُ بِهِ، بَلْ أَرَادُوْا بِذٰلِكَ الْوَقْفَ الْاِخْتِيَارِيَّ الَّذِيْ يُبْتَدَأُ بِمَا بَعْدَهُ" (النشر: ۱/ ۲۳۰)

''قراء کی اصطلاح میں جہاں "یجوز" اور "لا یجوز" کا ذکر آتا ہے، اس سے ان کی مراد حسنِ ادا ہے، جس سے قراءت میں خوبصورتی اور رونق نمایاں ہو، اس سے ان کی مراد حرام یا مکروہ یا گناہ نہیں، ان کا مقصد صرف اختیاری وقف ہے۔''

اسی بحث میں فرماتے ہیں:

"وَهٰذَا هُوَ الَّذِيْ اصْطَلَحَ عَلَيْهِ السَّجَاوَنْدِيُ "لَازِمٌ" وَعَبَّرَ عَنْهُ بَعْضُهُمْ بِالْوَاجِبِ، وَلَيْسَ مَعْنَاهُ الْوَاجِبُ عِنْدَ الْفُقَهَاءِ، يُعَاقَبُ عَلٰى تَرْكِهِ، كَمَا تَوَهَّمَهُ بَعْضُ النَّاسِ" اھ (أيضاً: ۱/ ۲۳۱)

''سجاوندی کی اصطلاح میں لازم اور بعض دوسرے قراء کے نزدیک واجب کا لفظ کہتے ہیں، اس سے مراد وجوبِ فقہی نہیں جس کے ترک پر عند اللہ مواخذہ کیا جا سکے۔''

مفصل احکام کے لیے علمِ قراءت کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ابو عمر دانی، سجاوندی، ابن الانباری رحمہم اللہ نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ابن الجزری رحمہ اللہ (۸۳۳ھ) نے "النشر" میں کافی تفصیل فرما دی ہے۔

نسخ کے معانی:

"قَالَ أَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ ابْنُ حَزْمٍ رحمہ اللہ: أَمَّا أَصْلُهُ فَالنَّسْخُ فِيْ اللُّغَةِ عِبَارَةٌ عَنْ إِبْطَالِ شَيْءٍ وَإِقَامَةِ آخَرَ مَقَامَهُ. قَالَ أَبُوْ حَاتِمٍ: اَلْأَصْلُ فِيْ النَّسْخِ هُوَ أَنْ يُحَوَّلَ الْعَسَلُ فِيْ خَلِيَّةٍ وَالنَّحْلُ فِيْ أُخْرٰى"

(كشف الأسرار: ۳/ ۸۷۴، شرح أصول البزدوي، معرفة الناسخ والمنسوخ بهامش جلالين: ۲/ ۱۴۲)

"وَالنَّسْخُ إِبْطَالُ الشَّيْءِ وَإِقَامَةُ آخَرَ مَقَامَهُ"[1] (لسان العرب، ج: ۳)

لغت میں نسخ کا مطلب یہ ہے کہ ایک چیز کو ہٹا کر دوسری اس کی جگہ رکھ دی جائے۔ شہد کی مکھی اور شہد کے خزانوں کو نسخ کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اس کی تعریف یہ ہے:



[1] لسان العرب (۳/ ۶۱)

”رَفْعُ تَعَلُّقِ حُكْمٍ شَرْعِيٍّ بِدَلِيْلٍ شَرْعِيٍّ مُتَأَخِّرٍ عَنْهُ“

(نخبة الفكر، ص: ٨٥، إرشاد الفحول، ص: ١٧٢، حصول المأمول، ص: ٧٩)

”ایک شرعی حکم کا تعلق دوسرے شرعی حکم سے ختم ہو جائے، پہلا منسوخ ہوگا، دوسرا ناسخ۔“

شرائع میں نسخ مسلم ہے۔ ہر آنے والا پیغمبر عموماً پہلے نبی کے بعض احکام کو منسوخ کرتا ہے:

﴿وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ [آل عمران: ٥٠]

”میں تم پر بعض چیزیں حلال کرتا ہوں جو پہلے حرام تھیں۔“

متقدمین ائمۂ اسلام کا نسخ پر اتفاق ہے۔ علمائے اسلام سے اس میں بظاہر کوئی اختلاف منقول نہیں۔ سابقہ کتابیں: تورات، انجیل اور زبور جس حالت میں اس وقت موجود ہیں، وہاں نسخ کی بحث بے سود ہے، وہاں معاملہ مسخ کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ کبھی حواشی متن بن جاتے ہیں، کبھی متن حواشی کی جگہ لے لیتا ہے۔ بعض نسخوں میں بعض آیات ہی ناپید ہیں، اس لیے ان میں نسخ کے بجائے مسخ زیرِ بحث آنا چاہیے، اس لیے علمائے یہود اور نصاریٰ ان صحائف کے متعلق نسخ کی بحث کم کرتے ہیں۔ یہ بات کسی قدر درست بھی ہے، جب پوری کتاب یا اس کا کثیر حصہ مشکوک ہو، وہاں بعض آیات یا احکام کے نسخ کی بحث قطعی غیر مفید ہے۔

قرآنِ مجید میں نسخ:

مسیحی اور یہودی مناظرین قرآنِ مجید میں بعض آیات کے نسخ کو زیرِ بحث لائے اور اس پر انتقامی انداز کی تنقید کی ہے۔ اسی طرح جو مسلمان مسیحی مبلغین اور یورپ کے مستشرقین سے متاثر ہیں، وہ بھی اس مسئلے کی وجہ سے کئی ایک باطل شبہات میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ان حضرات نے بعض دوسرے مخلص، لیکن یورپ زدہ عوام کو شبہات اور شکوک میں مبتلا کر دیا ہے۔

سید احمد خاں، مولوی چراغ علی، محمد علی لاہوری، قادیانی، پرویزی حضرات؛ یہ سب اس مرض میں گرفتار ہیں، اس لیے آج کل یہ مسئلہ واقعی ایک اختلافی مسئلہ بن گیا ہے۔ الحاد پسند حضرات اسے عموماً بحث ونظر کی مجالس میں اُچھالتے رہتے ہیں۔

نسخ پر اعتراض:

جہاں تک اصول کا تعلق ہے، جب آسمانی شرائع میں نسخ کو قبول کر لیا گیا ہے، کسی خاص

کتاب یا کسی خاص مقام پر نسخ کو محلِ اعتراض سمجھنا چنداں معقول معلوم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اگر پوری شریعت کو بدل سکتا ہے تو شریعت کے بعض احکام بھی بدل سکتا ہے۔ تشریع کے لیے مناسب وقت اور اسے بدلنے کے لیے مناسب وقت دونوں اللہ ہی کے حکم میں ہیں اور وہی اس میں کلیتاً مختار ہے، اس میں اس کے علم کا کمال ہے کہ اس نے بوقتِ ضرورت حکم دے دیا، جب اس کی ضرورت نہ رہی، حکم اُٹھا لیا۔ غرض اصول کے طور پر نسخ کے جواز پر کوئی معقول اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

قرآنِ عزیز میں نسخ کا اندازہ:

عام لوگوں کو یہ دقت محسوس ہوتی ہے کہ منسوخ آیات کی تعداد میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ بعض علماء نے اس کی تعداد پانچ صد تک پہنچا دی اور بعض نے پانچ آیات کو مشتبہ سمجھا۔ پہلے ذکر ہوا ہے کہ ائمۂ متقدمین نسخ کو لغوی معنی میں ہی استعمال فرماتے تھے، یعنی ایک حکم دوسرے حکم کی وجہ سے ٹل جائے۔ اگر کسی عام حکم کو خاص کر دیا جائے تو یہ بھی اپنے مقام سے ہٹ گیا۔ اگر کسی حکم میں کوئی قید یا شرط لگا دی گئی تو اسے بھی منسوخ کہنا درست ہو گا، یا کسی حکم کی مدت ختم ہو گئی، یا عام اور متبادر معنی کو نظر انداز کر کے غیر متبادر مفہوم لیا جائے یا کسی منصوص حکم کو مقیس علیہ میں امرِ فارق بیان کیا گیا ہو، یا کسی جاہلی رسم یا پہلی شریعت کے حکم کو ختم کرنا؛ ائمۂ سلف ان تمام مواقع پر نسخ کا لفظ بلا تکلف استعمال فرماتے تھے۔ لغت میں نسخ کا یہی مطلب ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے زائل کر دیا جائے۔ اس استعمال کے لحاظ سے منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو سے بھی بڑھ سکتی ہے۔

اصطلاحی معنی سے منسوخ کی تعداد بہت ہی کم رہ جاتی ہے۔ اگر متعارض آیات میں تطبیق کی کوشش کی جائے تو یہ تعداد اور بھی کم ہو جائے گی۔ حافظ سیوطی نے اصطلاح کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد بیس (۲۰) لکھی ہے۔ امام ابن العربی کی بھی قریباً یہی رائے ہے۔ شاہ صاحب نے ان بیس میں تطبیق کے بعد فرمایا:

"وَعَلٰى مَا حَرَّرْنَا لَا يَتَعَيَّنُ النَّسْخُ إِلَّا فِيْ خَمْسِ آيَاتٍ"

(الفوز الکبیر مع جامع البیان، ص: ۱۰ مطبوعہ فاروقی پریس دھلی)

"ہماری تحریر کے مطابق منسوخ آیات کی تعداد صرف پانچ رہ جائے گی۔"

نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے شاہ صاحب کے ان اصول کے پیشِ نظر پانچ میں بھی تطبیق

کی کوشش فرمائی ہے اور آخر میں فرماتے ہیں:

”و ازینجا دریافتہ باشی کہ در نسخ در ایں پنج آیہ نیز اختلاف است و بر ایں تقدیر منسوخ متعین از خمس آیات ہم کم تر باشد، واللہ اعلم۔“[1] (دليل الطالب إلى أرجح المطالب، ص: ۸۰۲)

مسئلۂ نسخ میں جہاں تک اصل اور نظریے کا تعلق ہے، ائمۂ سنت کے نزدیک صحیح اور درست ہے، اس پر جن حضرات نے اعتراضات کیے ہیں وہ صرف شکوک اور شبہات ہیں۔ یہ شبہات بھی کسی شرعی اساس پر مبنی نہیں۔ منسوخ آیات کی مقدار میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے، بعض نے کسی آیت کو منسوخ کہا، دوسرے نے ترجیح اور تطبیق کی صورت پیدا کر دی۔ متقدمین اور متاخرین میں اصطلاحی اختلاف کی وجہ سے بھی تعداد میں کمی بیشی ہوئی۔ یہ علمی مسئلہ ہے، اس میں نظر و فکر کے لیے راہ کھلی رہنی چاہیے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمہما اللہ نے جس طرح تطبیق کی کوشش فرمائی ہے، ممکن ہے بعض ذہن بعض مقامات کے قبول کرنے میں تامل کریں، یا ترجیح اور تطبیق کی کوئی دوسری راہ پیدا کریں تو علمی اور نظری طور پر اس میں کوئی حرج نہیں ہوگا، بلکہ اگر اس اصل کے مطابق تمام آیات میں جہاں نسخ کا خیال ہے، اگر تطبیق سمجھ میں آجائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ قرآنِ عزیز میں کوئی آیت منسوخ نہیں۔

احادیث کے متعلق نواب صدیق حسن خاں صاحب رحمہ اللہ نے یہی روش اختیار فرمائی ہے۔ حافظ ابن جوزی رحمہ اللہ اکیس احادیث کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ بعض اہلِ علم نے ان کی تعداد انیس بتائی ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نو، دس فرماتے ہیں۔ ابن قیم رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ اس سے کم ہیں۔ حازمی سے ستانوے احادیث کے متعلق نسخ کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ غرض مقدار کا مسئلہ علماء کے نزدیک اعتقادی نہیں، اس میں نظر و فکر کے لیے راہیں کھلی ہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں:

”مقصود دریں موضع ذکرِ احادیث است اکثر از اہلِ علم منسوخیتش رفتہ اند ورنہ در نسخ ایں حدیثہا ہم مارا مقال است۔“[2]

---

[1] یعنی اس سے معلوم ہوا کہ ان پانچ آیات کے منسوخ ہونے میں بھی اختلاف ہے، بنابریں منسوخ کی تعداد پانچ آیات سے بھی کم ہے۔

[2] اس مقام پر ان احادیث کو ذکر کرنا مقصود ہے جن کے منسوخ ہونے کی طرف اہلِ علم گئے ہیں، ورنہ ان حدیثوں کے منسوخ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

پھر زرقانی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”مَذْهَبُ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْأُصُوْلِيِّيْنَ وَالْفُقَهَاءِ أَنَّهُ مَتىٰ أَمْكَنَ الْجَمْعُ بَيْنَ الْحَدِيْثَيْنِ وَجَبَ الْجَمْعُ“ (دلیل الطالب، ص: ۸۰۳)

”ائمہ اور فقہائے محدثین کا خیال ہے کہ جب جمع ممکن ہو تو جمع کی کوشش کرنی چاہیے۔“

اس پر اصرار نظر وفکر سے جی چرانے کے مرادف ہے۔ جب تک کسی نص پر عمل ممکن ہو، اسے مہمل بنانے کی کوشش کرنا، یہ علم و دانش کے ساتھ خصومت ہے۔ ائمۂ اصول نے نسخ کی کئی اقسام ذکر فرمائی ہیں، یہ بھی کوئی بنیادی چیز نہیں، یہ محض علماء کے علمی تجربے ہیں، یہ اعتقاد اور اصولِ دیانت کا مسئلہ نہیں۔

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم:

مرحوم انیسویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوئے۔ مسلک اہلِ حدیث کے لیے یہ خاص ابتلاء کا وقت تھا۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ اور مولانا اسماعیل رحمہ اللہ نے جس تحریکِ جہاد کا آغاز شروع صدی میں کیا تھا، وہ ۱۸۳۱ء مطابق ۱۲۴۶ھ میں بظاہر ختم ہو گئی، اس تحریک کو دبانے کے لیے سکھ اور انگریز دونوں کا سمجھوتہ تھا۔ مجاہدین کے مقابلے میں انگریز جرنیل اور سکھ فوجی دونوں دوش بدوش کام کر رہے تھے۔ تحریک جب ظاہراً ختم ہوئی تو سکھ سیاست نزع کی حالت میں تھی۔ پروانوں کی موت نے شمع کو بھی پیغامِ سحر دے دیا تھا۔ تحریکِ جہاد انڈر گراونڈ ہو گئی تو سکھ سیاست آخری ہچکی لے کر ہمیشہ کی نیند سو گئی۔

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند [1]

لیکن انگریز اپنی عیاریوں کی وجہ سے سیاست کی بساط پر اُبھر آیا۔ آگے وہ رنجیت سنگھ کے جھنڈے کے نیچے لڑ رہا تھا، اب وہ اپنے اقتدار کے لیے میدان میں اُتر آیا۔ مجاہدین کی نقل وحرکت اور ان کے زیرِ زمین ٹھکانوں سے وہ بہت حد تک واقف تھا، اسے ان فقراء کے مخلصانہ طریقِ کار کا بھی کافی علم تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اہلِ توحید کے دلوں میں اور مسلم سیاست دانوں کے قلوب میں ان کے لیے کس قدر احترام ہے، اسے اہلِ بدعت کے رِستے ہوئے ناسور کا علم تھا۔ بریلی، بدایوں اور خیر آباد کی ذہنی سازشوں کا بھی علم تھا، اس لیے اس نے ٹھنڈی سیاست کے سہارے ان تمام طاقتوں کا جائزہ لیا اور ہر طاقت کو اپنے اپنے مقام پر استعمال کیا اور مسلمانوں کی سادہ دلی سے پورا

[1] تو نے دیکھا ہے کہ پروانے کے خونِ ناحق نے شمع کو اتنی امان نہ دی کہ رات کو دن میں بدل دیا۔

فائدہ اُٹھایا۔ یہ سرد اور گرم جنگ اپنی طبعی اور غیر طبعی رفتار کے ساتھ اٹھارویں صدی کے آخری نصف میں داخل ہوگئی۔ صادق پوری خاندان اس وقت تحریکِ جہاد کے پورے ماحول پر محیط تھا۔ مسلم مجاہدین کے وفود مغربی بنگال سے بہار، مشرقی بنگال راجپوتانہ سے ہوتے ہوئے سندھ کے ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے بلوچستان کی برفانی پہاڑیوں میں غائب ہو جاتے تھے۔ سندھ کے مقامِ اتصال سے کبھی پورے پنجاب کو روندتے ہوئے ضلع ہزارہ سے نکلتے، مانسہرہ کالا باغ میں چھپتے چھپاتے بالاکوٹ کے اطراف میں پہنچ جاتے تھے۔ انگریز کے لیے یہ نقل و حرکت نزع کا منظر بنتی جا رہی تھی۔ انگریزی ملازم اور سرکاری دفاتر اس مقدس تحریک کے رضا کار تھے۔

انگریز کی بدحواسی:

اس ضیق میں انگریز بدحواس ہو گیا، اس نے ۱۸۵۷ء میں ایسی احمقانہ حرکتیں کیں کہ اس نے پورے ملک کو اپنے خلاف صف آرا کر لیا۔ ہندو، مسلم، مرہٹے، بہادر شاہ ایسے بوڑھے کمزور بھی انگریز کی موت کے خواب دیکھنے لگے، اس غیر منظّم ہنگامے کی قیادت تو شرعاً مجاہدین اپنے سر نہیں لے سکتے، نہ ہی اس نوعیت کے ہنگامے کی قیادت ان کے نزدیک درست تھی، لیکن انگریز کو بدنام کرنے اور اس کی سیاست کو دنیا میں رسوا کرنے میں جس قدر فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا، وہ پورا پورا اٹھایا گیا۔

انگریز نے ظلم و تعدی سے اس غیر منظّم ہنگامے کو ختم تو کر لیا، لیکن وہ اتنا روسیاہ تھا کہ خود سمجھ دار انگریزوں نے اسے ملامت کی۔ سر سید احمد خاں بالقابہ جیسا انگریز دوست بھی انگریز پر تنقید کرنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ سر سید کا اندازِ تنقید کتنا ہی نرم اور لجاجت آمیز ہو، بہرکیف وہ تنقید تھی، اس نے پورے ہنگامے کی ذمے داری انگریز پر ڈال دی، اس سے ایک شرارت آمیز تبدیلی ہوئی، یعنی کمپنی کے بجائے سارا نظم و نسق ملکہ وکٹوریہ کے سپرد کر دیا گیا۔

مجاہدین پر اس انقلاب کا اثر:

اس تبدیلی سے غالباً کچھ لوگ متاثر ہوئے، لیکن مجاہدین کے نظریات پر اس کا اثر نہ ہوا۔ وہ سمجھتے تھے کہ سکھ ہو یا کمپنی، ملکہ وکٹوریہ ہو یا کوئی اور غیر مسلم طاقت، بہرحال اقتدار غیر مسلم کے ہاتھ میں ہے، اس لیے اسلامی نظام کا مسئلہ ہنوز لا ینحل ہے۔ وہ زیرِ زمین جنگ بدستور جاری رہی اور ملک میں روز بروز مقبول ہونے لگی۔

ایک اور میدانِ کارزار:

۱۸۵۷ء کے بعد مسیحی مشنری اس ملک کے طول وعرض میں پھیل گئے اور اسلام کی دینی حیثیت کو چیلنج کیا جانے لگا، انھیں دیکھ کر آریہ سماج نے بھی اسلام کو ہدف بنایا۔ سوامی دیانند نے اسلام پر چھانے کے لیے یہ وقت مناسب سمجھا، اسی اثنا میں مرزا غلام احمد قادیانی نے جہاد کی تنسیخ کا فتویٰ دے کر انگریز کی بروقت خدمت کی اور تحریکِ جہاد کے پیٹ میں چھرا گھونپ دیا، اور اسلامی صفوں میں انتشار پھیلا کر انگریز کی بہت بڑی خدمت انجام دی اور اسلام کو نقصان پہنچایا۔ اس وقت مسلمان مجاہدین زیرِ زمین میدانِ کارزار سے واپس آنے کے لیے تیار نہ تھے، لیکن انتشار پسند عناصر کے لیے قادیانیوں اور سماجیوں کے لیے میدان کو خالی چھوڑنا، اس میں بھی نقصان کے بہت بڑے مواقع موجود تھے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کی آمد:

اس وقت مرحوم مولانا ثناء اللہ کا وجود قدرت کا ایک کرشمہ تھا۔ ملائے اعلیٰ کی طرف سے اہلِ حق کے لیے ایک عطیہ تھا۔ مرحوم نے بیسویں صدی کے آغاز سے اس علمی جنگ کی تمام ذمے داریاں اپنے کندھوں پر اٹھا لیں اور مجاہدینِ حق کو مطمئن کر دیا کہ وہ اپنی راہ پر چلتے رہیں، اس جنگ کے لیے انھیں بے قرار نہیں ہونا چاہیے۔

مرحوم نے اس کام کو اس طرح سنبھالا، گویا قدرت نے انھیں اسی کے لیے پیدا فرمایا تھا۔ مسیحیت، قادیانیت، بہائیت، روافض، سماجیت سے بیسیوں مناظرات کیے، مسلمانوں کے اندرونی اختلافات کے متعلق بھی پوری اعتدال کے ساتھ گفتگوئیں کیں۔ کبھی مرحوم کا قدم اعتدال کی راہ سے نہیں ڈگمگایا۔ مناظرات میں آپ جذبات سے کبھی مغلوب نہیں ہوئے، متانت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور اُن مجالس میں بھی یہی ان کی کامیابی کا اصول تھا۔

مرحوم میں جامعیت:

مرحوم کو تمام فنون پر کافی عبور تھا اور بوقتِ ضرورت ان سے بلا تکلف استفادہ فرماتے تھے۔ مناظرے کے ساتھ مرحوم خوش بیان مقرر تھے۔ آخر عمر میں سورت واقعہ کے آخری رکوع کا بیان بڑے عارفانہ انداز سے فرماتے۔ تقریر میں عربی، اُردو، فارسی اشعار بکثرت استعمال فرماتے۔

مرحوم بہت بڑے مصنف تھے۔ مرحوم کی اکثر تصانیف مناظرانہ ہیں، ان میں مخالفین کے

شبہات کا دفاع کیا گیا ہے۔ مرحوم نے اس دفاعی جنگ میں قرآنِ عزیز کی خدمت کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ تفسیر ثنائی اُردو زبان میں لکھی۔ ترجمہ اس انداز سے فرمایا کہ آیات میں ربط قائم رہے، پھر تفسیری نوٹ لکھے جس میں قرآن مجید کی تعلیمات کی وضاحت فرمائی گئی۔ اگر اعتراض سامنے آیا تو حواشی میں اس کی وضاحت فرما کر اعتراض رفع فرما دیا۔ یہ تفسیر پہلے شائع ہوئی، اس پر چنداں اعتراضات نہیں ہوئے، اس کے بعد "تفسیر القرآن بکلام الرحمان" لکھی، اس میں مرحوم نے بڑی محنت کی۔ آیات کی تفسیر میں قرآن ہی سے مدد حاصل کی۔ قرآن کی مشکلات کو قرآن ہی سے حل فرمایا۔ مرحوم کا یہ طرز گو اچھوتا نہ تھا، لیکن پورے قرآن میں اس کا التزام بالکل نئی بات تھی جسے علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

مرحوم کی ذہانت:

ذہین آدمی نظریات میں بھی پہلی رایوں کا پابند نہیں رہتا۔ تحقیق پسند طبائع کبھی پرانی راہوں سے الگ راہ تلاش کرتی ہیں۔ مناظر مزاج آدمی کے ذہن پر کچھ اور بھی ذمے داریاں ہوتی ہیں، وہ دشمن کی گرفت سے بچنا چاہتا ہے، اس راہ میں جہاں بیسیوں کو متاثر کرتا ہے، کہیں خود بھی متاثر ہوتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ دیکھی بھالی راہوں سے کوئی الگ راہ تلاش کر لے۔ ابو الحسن اشعری، بیہقی، ابن خزیمہ ار ابن حزم رحمہم اللہ ایسے ائمۂ سنت ہمارے سامنے ہیں، ان حضرات نے جہاں متکلمین پر بھرپور وار کیے ہیں، کہیں کہیں ان سے متاثر بھی نظر آتے ہیں۔ خود متکلمین جنھوں نے فلاسفہ سے ان کی زبان اور اصول میں گفتگو کی، ان کے کئی اصولوں کو پاش پاش کیا، وہاں اہلِ سنت کے حلقوں میں ان کی آبلہ پائی کے تذکرے بھی ملتے ہیں، ان حضرات پر حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ارشاد "لَا لِلْإِسْلَامِ نَصَرُوْا وَلَا لِلْفَلَاسِفَةِ كَسَرُوْا" کتنا جارحانہ حملہ ہے۔ مناظرات میں اس قسم کا تاثر اور تاثیر قدرتی چیز ہے۔

مرحوم مولانا ثناء اللہ صاحب نے تفسیر القرآن میں بعض مقامات پر ایسی راہیں اختیار کیں جو پہلے لوگوں کی نظر میں اجنبی تھیں اور بعض مغلق مقامات کے حل میں ایسے گوشے اختیار فرمائے جو پہلے بزرگوں کے ہاں متعارف نہ تھے، اس سے اختلاف قدرتی امر تھا۔ مولانا نوجوان تھے، طبیعت میں جلال تھا، فنون پر نظر تھی، تھوڑے عرصے میں اختلاف نے مخالفت کی صورت اختیار کی اور مخالفت نے ہنگامہ بپا کر دیا، اس ہنگامے میں بعض بنیادی مسائل پیدا ہو گئے۔ اتباعِ سلف، تفسیرِ سلف کی حجیت، اجماع کا امکان اور اس کی حجیت۔

ابتدا میں مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی، حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیرآبادی، ہندوستان کے بہت سے اکابر مولانا کے خلاف اگلی صفوں میں تھے، لیکن بتدریج اس ہنگامے کا اثر ذہنوں سے اترتا گیا۔ بہت سے لوگ تفسیری تسامحات کو مانتے تھے، لیکن ہنگامے سے بالکل الگ ہو گئے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب کے مخالفین میں غزنوی اکابر حضرت مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی، مولانا عبدالرحیم صاحب اور مولانا عبدالاول صاحب غزنوی رحمہم اللہ اس اختلاف کے اہم عناصر تھے، لیکن ان کی مخالفت معقول اور مسائل کی حد تک تھی اور بوقتِ ضرورت تھی، وظیفہ نہیں تھا۔ جہاں تک خیال ہے ان حضرات نے اپنی ذاتیات کی آلایشوں سے اسے ہمیشہ پاک رکھا۔ یہ حضرات عمر میں مولانا سے بڑے تھے، ان کا علمی اقتدار، زہد و تقویٰ علمی حلقوں میں مسلّم تھا۔ مولانا کی ذہانت، ان کا مناظرانہ انداز بہت کم موثر ہو سکا۔ مولانا بھی ان کا ہمیشہ احترام فرماتے، کوئی تیز لفظ ان کے خلاف نہیں کہتے تھے۔

مولانا سے کچھ معمر مولانا فقیر اللہ مدراسی اور قاضی عبدالاحد صاحب رحمہما اللہ تھے، ان دونوں بزرگوں نے مرحوم کے خلاف بہت کچھ لکھا، لیکن ان کا انداز چنداں جاذب نہ ہو سکا اور اس اثنا میں مولانا اپنی ہمہ گیر خدمات کی وجہ سے علمی حلقوں پر چھا چکے تھے۔ مولانا کی تالیفات اور مناظرات نے ایک ایسا ماحول پیدا کر لیا تھا کہ یہ مخالفت اپنے لیے کوئی حلقہ بھی پیدا نہ کر سکی، صرف آواز تھی، تھوڑے سے تموج کے بعد فضا میں گم ہو کر رہ گئی، اس کے بعد اس مخالفت کی نقل روپڑی حلقوں کی طرف سے ہوتی رہی۔ ابتدا میں چند افراد متاثر بھی ہوئے، لیکن ان حضرات میں اس قدر کمزوریاں اور عملی فروگذاشتیں تھیں کہ اس آواز کو صدا بہ صحرا ہی سمجھنا چاہیے۔ اس کے علاوہ مولانا کا علمی وقار اور تقویٰ اور معاملات میں ذہانت کا اثر اتنا ہی وقیع تھا جس طرح مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی و اخوانہ کا اثر اپنے وقت میں، اس لیے اس اختلاف کو نہ جماعت کے عوام نے کوئی وقعت دی، نہ مرحوم نے اسے کبھی اہمیت دی۔ حضرت جنیدِ وقت قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری، حضرت لقمانِ زماں مولانا عبدالقادر صاحب قصوری رحمہ اللہ نے کئی دفعہ اس نزاع کو ختم کرانے کی کوشش فرمائی، لیکن روپڑی حضرات کی روش کبھی بھی معقول نہیں سمجھی گئی، اس لیے یہ نزاع اور بھی بے اثر ہو گئی۔

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا۔ مرحوم پہلے گوجرانوالہ تشریف لائے، پھر سرگودھا میں مستقل

سکونت اختیار فرمائی۔ ۱۹۴۸ء میں یہ علم و فضل کا بادشاہ اور مسلک اہلِ حدیث کا یکتا خادم آخری نیند سو گیا، اس نوزائیدہ ملک میں جب کہ اس کی خدمات کی بے حد ضرورت تھی۔ جماعت کو نو آموز ہاتھوں میں چھوڑ کر رختِ سفر باندھ لیا اور اپنی آخری آرامگاہ میں سامانِ سفر ڈال دیا۔ آج مولانا ہم میں نہیں، لیکن ان کے آثار ابھی نمایاں ہیں ؎

کہے دیتی ہے شوخی نقشِ پا کی ابھی اس راہ سے گزرا ہے کوئی

مولانا کے باقیاتِ صالحہ:

مرحوم کی پوری عمر پنجاب میں گزری، انتقال پنجاب میں ہوا۔ فرض تھا کہ جماعت اہلِ حدیث پنجاب ان کے علمی آثار کو زندہ رکھتی، لیکن ہمیں اپنے قصور کا اعتراف ہے کہ ہم اس فرض کی ادائیگی میں قاصر رہے۔ برادرِ محترم مولانا محمد داود راز صد ہزار مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے مولانا کی قیمتی یادگاروں کے احیا کا شرف حاصل کیا۔ فتاویٰ ثنائیہ اور حواشی ثنائیہ ایسے عملی ذخیروں کو شائع فرما کر استفادے کا موقع دیا ؎

نگاہِ ناز جسے آشنائے راز کرے وہ اپنی خوبیِ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

وَلَوْ قَبْلَ مَبْكَاهَا بَكَيْتُ صَبَابَةً بِسُعْدَى شَفَيْتُ النَّفْسَ قَبْلَ التَّنَدُّمِ

وَلٰكِنْ بَكَتْ قَبْلِيْ فَهِيْجَ لِيَ الْبُكَاءُ بَكَاهَا فَقُلْتُ: اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ

پیشِ نظر حواشی تفسیر ثنائی اُردو سے بھی لیے گئے ہیں۔ پہلے اِڈیشن میں بعض مقامات کا اندراج مرحوم کی تحقیق کے مطابق ہو گیا، ان میں بعض مقامات سلف کی متعارف راہوں سے مختلف تھے، اس اِڈیشن میں ان مقامات کی اصلاح کر دی گئی اور ائمۂ سلف کے متعارف اور مشہور مسلک کو ترجیح دی گئی ہے۔ مرحوم کے ساتھ انتہائی عقیدت کے باوجود بحمد اللہ ہماری راہ تقلید و جمود کی نہیں۔ جماعت اہلِ حدیث ہند اور اُن کے کارکن خدام مولانا راز وغیرہ سب سلفی العقیدہ ہیں اور اسی عقیدے کی اشاعت جماعت کا مطمحِ نظر ہے۔ خود مرحوم نے بھی تفسیر القرآن کے دوسرے اِڈیشن میں بعض مقامات کی اصلاح فرمائی تھی، مولانا راز نے اسی کا تتبع فرمایا ہے۔

مسئلۂ صفات:

مسئلۂ صفات کے متعلق اب وہ تیسری صدی کی ہنگامہ آرائیاں تو نہیں تھیں، تاہم متکلمین کے

اعتقادی اثرات اب تک قائم ہیں۔ ہمارے زمانے میں اربابِ تقلید کا عجیب حال ہے، وہ بیک وقت تین اماموں کی تقلید کرتے ہیں، عقائد میں ابوالحسن اشعری یا ماتریدی کی، تصوف میں ان کی نظریں شیخ عبدالقادر جیلانی اور باقی متعارف سلاسل کی اقتدا کے لیے بے قرار ہوتی ہیں اور فروعِ فقہیہ میں وہ ائمۂ اربعہ کی تقلید کو واجب فرماتے ہیں، اس کے باوجود انھیں شبہہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ غیر مقلد ہیں۔ اہلِ حدیث اصول اور فروع، عقائد اور فقہی احکام میں آنحضرت ﷺ اور ان کے رفقاء کی اقتدا اور صحابہ کی رایوں کا تتبع ضروری سمجھتے ہیں، اس سے علاحدگی کو وہ کسی قیمت پر گوارا نہیں کرتے۔

مرحوم مولانا ثناء اللہ صاحب مسئلۂ صفات میں متکلمین سے متاثر تھے، اس لیے اکابر جماعت کو ان سے شکر رنجی رہی۔ آخر عمر میں مرحوم نے بھی تاویل کے بجائے تفویض کی راہ اختیار فرمائی تھی، جس کا تذکرہ انھوں نے تفسیر القرآن کے دوسرے اِڈیشن (ص: ۱۲۵) میں مسئلۂ استوا میں تفصیلاً فرمایا ہے، لیکن اس تفویض میں بھی مرحوم کا رجحان اس تفویض کی طرف رہا جسے غزالی نے آخر عمر میں پسند فرمایا تھا۔ معلوم ہے کہ یہ تفویض ائمۂ سنت امام مالک، امام احمد، امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تفویض سے مختلف ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں: مصنفات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وابن قیم رحمہ اللہ والمنار ۱۹۲۵ء۔

یہ چند سطور اظہارِ حقیقت کے طور پر عرض کی گئی ہیں، ورنہ میری کیا بساط کہ ایسے جامع الفنون عالم کے نظریات کے متعلق کچھ عرض کرسکوں۔ مرحوم نے اسلام کی جو خدمات کی ہیں، میرے سامنے ہیں اور مسلک اہلِ حدیث کے لیے انھوں نے جو قربانیاں فرمائی ہیں، میری نظر میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو فردوس میں جگہ دے اور ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے اور توفیق دے کہ ہم ائمۂ سلف کی اقتدا کرسکیں۔

مرحوم جید عالم تھے اور پاک و ہند کے مشہور اہلِ علم اور اہلِ قلم، لیکن مرحوم کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ زہد و ورع کی نمایش اور اس کے لیے تصنع مرحوم کے قریب تک نہیں آیا تھا۔ مجھے مرحوم کا مقام، ان کی متکلمانہ اور مناظرانہ مجبوریاں معلوم ہیں اور مرحوم کے مخالفین کے اندازِ زندگی بھی معلوم ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد مجھے مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ مرحوم بے حد محتاط تھے۔ اکلِ حلال کے متعلق مرحوم کے جذبات بے حد نازک تھے۔ مرحوم الاٹ منٹ کے جھمیلے سے بہت پرہیز کرتے تھے۔ مصنوعی جائداد اور کلیموں کی مبالغہ آمیزیوں سے سخت نفرت تھی، اس کے بالمقابل اربابِ تقویٰ

کی ہوشمندیاں اور صنعت کاریاں بھی دنیا کی نظروں میں ہیں۔ مسائل میں اختلاف ہوسکتا ہے، اعتدال کے ساتھ اس کے متعلق اظہار میں بھی کوئی حرج نہیں، اس میں لغزشیں بھی ہوسکتی ہیں۔

مَنْ ذَا الَّذِيْ مَا سَاءَ قَـ ... طُّ وَمَنْ لَهُ الْحُسْنٰى فَقَط

اصل کسوٹی عمل ہے۔ معاملات میں اللہ تعالیٰ لطیف وخبیر ہے، اس کی نظر ہمارے ظاہر و باطن پر ہے۔ جہاں تک ظاہر حالات کا تعلق ہے، میں نے مرحوم کے حالات کو اکابر اہل اللہ کے برابر پایا۔ اس کی رحمت ہمارے فتوے کی محتاج نہیں، نہ اس کی رحمت ہمارے نمایشی زہد وتقوے کی مرہون ہے۔ استحقاق اور عدمِ استحقاق کا فیصلہ وہی فرمائے گا ؎

إِذَا اشْتَبَكَتْ دُمُوْعٌ فِيْ خُدُوْدٍ ... تَبَيَّنَ مَنْ بَكىٰ مِمَّنْ تَبَاكىٰ

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ. وَصَلَّى اللّٰهُ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلىٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ.

محمد اسماعیل

جامع اہل الحدیث گوجرانوالہ، چاہ شاہان

(ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان)

۹ رصفر المظفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۳۰ راگست ۱۹۶۰ء

مسئلہ درایت و فقہ راوی کا تاریخی و تحقیقی جائزہ

(مقدمہ حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان للعلامۃ عبدالعزیز رحیم آبادی)

عرصہ ہوا میں نے ایک مضمون حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے تجدیدی اثرات کے متعلق لکھا تھا، جس میں عرض کیا گیا تھا کہ آج سے قریباً چار سو سال پہلے گو حکومت مسلمان تھی، لیکن تقلیدی جمود نے فکر و نظر پر پہرے بٹھا رکھے تھے۔ حضرت مجدد سرہندی رحمہ اللہ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ تک یہ جنگ جاری رہی۔ اس جمود کو توڑنے میں برصغیر کی جماعت اہلِ حدیث نے بہت بڑا کردار ادا کیا۔ مضمون کئی اقساط میں شائع ہوا تھا۔[1]

انھیں دنوں برادرِ محترم مولانا رئیس احمد صاحب جعفری کا ایک مکتوب ''الاعتصام'' میں شائع ہوا، جس کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ حدیث کوئی مکتبِ فکر نہیں، بلکہ یہ اس مقدس گروہ کا نام ہے جنھوں نے فنِ حدیث کی تدوین فرمائی، حفظ اور ضبط و کتابت سے اس کے مختلف گوشوں کی حفاظت فرمائی۔ جعفری صاحب کا یہ ارشاد اور استفسار برادرانہ تھا، میں نے اس وقت جو مستحضر تھا، اس کی روشنی میں جواب عرض کر دیا تھا۔[2]

[1] یہ مضمون ہفت روزہ ''الاعتصام'' (۲۴ نومبر ۱۹۶۱ء، شمارہ: ۱۷، جلد: ۱۳) کی متعدد اقساط میں ''تحریک اہلِ حدیث کا مد و جزر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی کے اثرات'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا، جو بعد ازاں کتاب ''تحریک آزادیِ فکر'' میں اشاعت پذیر ہوا۔ نیز دیکھیں: نگارشات مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ (جلد اول)

[2] حضرت سلفی رحمہ اللہ کا مضمون ''تحریک اہلِ حدیث کا مدّ و جزر'' ہفت روزہ الاعتصام میں بالاقساط جاری تھا کہ اسی دوران میں مولانا رئیس احمد جعفری کا ایک مکتوب ''الاعتصام'' (۲۹ دسمبر، ۱۹۶۱ء) میں شائع ہوا، جس میں انھوں نے مسلکِ اہلِ حدیث سے متعلق اپنے بعض تحفظات کا اظہار فرمایا۔ حضرت سلفی رحمہ اللہ نے ''الاعتصام'' (۲۶ جنوری ۱۹۶۲ء) میں جعفری صاحب کے مکتوب کا جواب لکھا، جسے مذکورہ بالا موضوع سے تعلق اور افادیت کے پیشِ نظر ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

''مولانا رئیس احمد جعفری کے جواب میں''

مکرمی! السلام علیکم

''تحریک اہلِ حدیث کا مد و جزر'' کے عنوان سے چند گزارشات ''الاعتصام'' میں بالاقساط شائع ہو رہی ہیں۔ ڈاک سے معلوم ہوتا ہے بعض علمی حلقوں میں یہ پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جا رہی ہیں۔ برادرِ گرامی مولانا رئیس احمد جعفری ←

....

← کا ایک مکتوب ۲۹ دسمبر ۶۱ء کے ''الاعتصام'' میں ان گزارشات کے متعلق شائع ہوا ہے۔

جعفری صاحب کا تاثر یہ ہے کہ میں ان تمثیلی مسائل میں شاید امام شافعی رحمہ اللہ کا حامی ہوں، اس لیے میں نے مسائل میں دلائل پر بحث کے بجائے ''فریاد و فغاں'' سے کام لیا ہے، یا ''نالۂ جانکاہ'' پر اکتفا کیا ہے۔

جعفری صاحب اگر مقالے کی چند باقی اقساط ملاحظہ فرما لیتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ یہ مقالہ ان مسائل کی تحقیق کے لیے نہیں لکھا گیا، بلکہ اس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان فروع میں تحقیق کے دامن سے وابستگی کے بعد کوئی شخص جو راہ چاہے اختیار کرے، لیکن تلخ نوائی نہیں ہونی چاہیے۔ پھر اگر اقران ایک دوسرے کے متعلق کچھ فرمائیں، تو یہ بھی قابلِ برداشت ہے۔ اقران میں اصاغر و اکابر کا تعلق نہیں ہوتا، لیکن یہ بے حد معیوب ہے کہ ملاجیون رحمہ اللہ ایسے متاخر حضرات امام شافعی رحمہ اللہ ایسے اکابر کے متعلق ایسی تلخ زبان استعمال کریں، یا ابن العربی امام شافعی رحمہ اللہ کے علم و فضل کے لیے ممتحن قرار دیے جائیں، یا ابن حزم رحمہ اللہ ایسے محقق اور بے خوف امام کے دامن کو اندلس کے بعض مالکی علماء تار تار کرنا شروع کر دیں، خصوصاً درسیات میں تو اس قسم کا مواد قطعاً نہیں آنا چاہیے، اس سے طلباء میں بے ادبی کے جراثیم پیدا ہوں گے۔

جعفری صاحب نے حفظِ مراتب سے اغماض فرماتے ہوئے امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب الام کا تذکرہ بھی فرما دیا۔ کتاب الام کے بعض مقامات میری نظر میں ہیں، لیکن میں انھیں اس قبیل سے نہیں سمجھتا، تاہم مناظرے سے بچتے ہوئے قبول کرتا ہوں کہ یہ انداز جہاں ہو، جس نے اختیار کیا ہو، میں چاہتا ہوں تشدد کے جواز کے لیے دلیل نہ قرار دیا جائے، بلکہ اس عادت کو روکنے کی کوشش کی جائے۔

اس ضمن میں، میں ائمۂ حدیث اور ناقدینِ رجال کو مستثنیٰ سمجھتا ہوں، اس فن کا مدعا یہی ہے کہ رجال کے حسن و قبح سے آنے والوں کو آگاہ کیا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک روایت تاریخ صغیر میں سفیان سے نقل کی ہے، جس میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تذکرہ نامناسب طور پر ہوا ہے۔ یہ بحث تو آپ فرما سکتے ہیں کہ یہ روایت صحیح نہیں، اس کی نسبت سفیان کی طرف درست نہیں، لیکن نقلِ روایت پر اگر اعتراض کیا جائے تو فن کی افادی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ یقیناً بعض جگہ اقران نے اقران کے متعلق بعض تلخ حقائق کا اظہار فرمایا ہے، اس پر اصولِ روایت کے لحاظ سے اہلِ فن بحث کر سکتے ہیں، لیکن نقلِ روایت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا جعفری کی نزاکتِ طبع کا مجھے پورا پورا احساس ہے، لیکن فن کی افادیت اور ائمۂ فن کی ذمہ داریوں کا احساس اس سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ صغیر (ص: ۱۵۸) میں حمیدی رحمہ اللہ کی ایک رائے نقل کی ہے جو اس سے بھی تلخ ہے، لیکن بخاری کی حیثیت ناقل کی ہے۔ نقلِ علم پر کوئی قدغن نہیں لگایا جا سکتا، ورنہ امانتِ علم میں خیانت کا ارتکاب ہو گا۔ میں چاہتا ہوں کہ مولانا جعفری صاحب فنِ رجال کی طرف زیادہ توجہ دیں، انھیں محسوس ہو گا کہ فن کی ذمہ داریوں کا کیا تقاضا ہے۔ حمیدی اور سفیان رحمہما اللہ دونوں کی آراء کو تحقیق کے بعد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ←

....

کی جلالتِ قدر کے پیشِ نظر لفظ غلط کہا جا سکتا ہے۔ لیکن نقلِ روایت پر کسی کو مطعون نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور حقیقت یہ ہے کہ ان روایات سے مشاہیر ائمہ کی رفعتوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔

اس قسم کا مواد ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب جامع بیان العلم، خطیب رحمہ اللہ کی تاریخ بغداد، امام نسائی رحمہ اللہ کی ضعفاء وغیرہ میں موجود ہے۔ بعض دوسرے اہلِ علم کے متعلق بھی بعض نقول ملتی ہیں۔ ان روایات پر فنی بحث کی جا سکتی ہے، لیکن نقلِ روایت پر احتساب نہیں کیا جا سکتا۔ لِأَنَّ الْعِلْمَ أَمَانَةٌ!

مولانا جعفری کے ارشادات سے پورا پورا اتفاق کرتا ہوں کہ قول پر نظر ہونی چاہیے، قائل کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ اسلام کی خاطر افراد کو خواہ وہ کتنے ہی جلیل القدر کیوں نہ ہوں، نظر انداز کیا جا سکتا ہے، یقیناً ائمہ سے عقیدت اسلام کی ترجمانی ہی کی بنا پر ہے۔ ''اصل مقصد بہر کیف اسلام ہے'' اس جرم کی سزا بے چارے اہلِ حدیث صدیوں سے برداشت کر رہے ہیں۔

غرض اس مقالے میں نہ ان مسائل کی تحقیق ہی مقصد ہے، نہ امام شافعی رحمہ اللہ کی حمایت، نہ کوئی ''نالۂ جانکاہ'' مطلوب۔ آپ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول "عَمَداً مَتْرُوْكُ التَّسْمِيَّةِ" کو وزنی فرمایا ہے، میرا رجحان یہ نہیں، البتہ جمہور کے بوجھ سے بچ کر احادیث کی روشنی میں امہات الأولاد کا مسئلہ سوچنے کے قابل ہے، وہ بھی محض علمی طور پر، اگر علماء میں تلخ نوائی چل نکلنے کی وجہ سے آپ اسے جائز قرار دیتے ہیں تو آپ کو حق ہے، لیکن ادباً گزارش ہے کہ مجھے اس سے اتفاق نہیں۔

اہلِ حدیث اور اس کا مفہوم:

رہا اہلِ حدیث کے متعلق آپ کا فرمان، تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ لفظ اہلِ حدیث فنِ حدیث کے خدام پر ہی بولا جاتا ہے، اس لحاظ سے اہلِ حدیث اور محدث مرادف ہیں:

"وَالْمُحَدِّثُ مَنْ يَّشْتَغِلُ بِالسُّنَّةِ النَّبَوِيَّةِ" (شرح نخبہ لابن حجر)

یہ خدمت تو ظاہر ہے کہ اہلِ سنت کے تمام مکاتبِ فکر نے انجام دی ہے۔ احناف، شوافع، حنابلہ، موالک؛ یہ سب حضرات سنت کو حجت مانتے ہیں، اس لیے قدرتی بات ہے کہ وہ سنت کی خدمت کریں گے۔ حافظ طحاوی رحمہ اللہ، علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ، شیخ الاسلام نابلسی رحمہ اللہ، علامہ ترکمانی رحمہ اللہ اور حافظ زیلعی رحمہ اللہ کی فنی خدمات کو کون نظر انداز کر سکتا ہے؟ اس معنیٰ سے یہ لوگ اہلِ حدیث بھی ہیں اور محدث بھی۔ ممکن ہے اس میں قلت و کثرت کا فرق ہو، بعض اتباعِ ائمہ نے دوسرے بعض سے حدیث کی طرف کم توجہ دی ہو، احناف کے متعلق شوافع اور موالک کا رجحان یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ فیصلہ کرنا ائمۂ رجال یا ائمۂ تاریخ کا کام ہے۔

جعفری صاحب کے ارشاد کے پیشِ نظر یہی کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ سنت کے تمام مسالکِ فکر سے جن اہلِ علم نے حدیث کی خدمت بلحاظِ فن کی ہے، وہ سب اہلِ حدیث ہیں، لیکن حریتِ فکر اور فکری جمود سے اجتناب کے لحاظ سے یہ مکتبِ فکر تمام مکاتبِ فکر سے دیرینہ ہے اور اسلام کے مفہوم سے بہت قریب۔ معلوم ہے کہ اسماء تعارف کے

....

← لیے ہوتے ہیں، ان کا مقام تعریفات میں فوائد و قیود کی طرح ہوتا ہے۔ اختلاف فروع میں ہو یا اصول میں، ان کے لیے عنوان کی ضرورت ہوتی ہے۔ اصل نام تو اسلام ہے، صحابہ کے مقام کے متعلق جب خوارج اور روافض نے غلو کی راہ اختیار کی تو ان میں اعتدال کی راہ کا نام اہلِ سنت متعین ہو گیا۔ اسی طرح جب فقہی جمود اور تقلیدِ ائمہ میں غلو کی صورت اختیار کی گئی تو اعتدال اور حریتِ فکر کی راہ کا نام ''اہلِ حدیث'' یا ''اصحاب الحدیث'' قرار پایا۔ صحابہ میں جب فتنوں کا دور شروع ہوا تو لوگوں نے ''عثمانی'' یا ''علوی'' کے نام اپنے طبعی رجحان کے لیے بطور عنوان مقرر کیے، تو بعض صحابہ نے اس غلو سے بچنے کے لیے اپنے لیے ''محمدی'' کا عنوان مقرر کیا۔[أبو داود: ٤٧٤٩]

مولانا جعفری سے زیادہ کون جانتا ہوگا کہ ائمہ اربعہ کے دورِ امامت کا آغاز تو کہیں دوسری صدی کے اواخر میں ہوتا ہے، اس سے پہلے لوگ صحابہ اور تابعین کی موجودگی میں اہلِ علم کی اقتداء بلا تعیین کرتے تھے اور اشخاص کے بجائے ان کی نظر دلائل پر ہوتی تھی۔ غیر معلوم مسائل میں اپنے اپنے وقت کے اہلِ علم کی طرف رجوع کرتے تھے، اسی طریق کو اس جمود کے بالمقابل اصحاب الحدیث کے عنوان سے تعبیر کیا گیا۔ حدیث: ((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ)) [بخاري: ٦٨٨١] کی تشریح میں سفیان بن عیینہ نے اس طائفہ کا نام ''اصحاب الحدیث'' رکھا ہے۔

حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی کتاب "شرف أصحاب الحديث" اور ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی کتاب "تأويل مختلف الحديث في الرد على أعداء أهل الحديث" اسی مکتبِ فکر کی غماز ہیں۔ ابتدائی صدیوں میں اس مکتبِ فکر کے تمام بزرگ فنِ حدیث کے خادم تھے، اس لیے ان میں خدمت مکتبِ فکر اور خدمتِ فن بیک وقت جمع ہوئے اور عموماً جمع ہی رہے، اس لیے دونوں کے لحاظ سے یہ عنوان ان حضرات پر منطبق ہو گیا۔ اس سے بعض ظاہرین حضرات کو مغالطہ ہوا کہ یہ عنوان صرف خدمتِ فن سے مخصوص ہے، حالانکہ یہ مکتبِ فکر بھی ہے۔ اہلِ حدیث حضرات پر چونکہ فقہی جمود کا وقت کبھی نہیں آیا، خدمتِ فن اور حریتِ فکر ان میں عموماً جمع رہی اور فقہی مسائل میں ان کا تعلق تمام مشہور مکاتبِ فکر سے برابر رہا، یہ حضرات سب کے ہونے کے باوجود کبھی کسی کے دامن سے وابستہ نہیں رہے۔ ایسے لوگوں کا صحیح عنوان ''اہلِ حدیث'' یا ''اصحاب الحدیث'' ہی ہو سکتا ہے، جس کا تذکرہ تقریباً دوسری صدی کے ابتداء ہی سے شروع ہو گیا۔ رجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً یہی مکتبِ فکر تھا، چنانچہ ربیع بن صبیح رحمہ اللہ اسی فکر کے داعی تھے جو عہدِ بنوامیہ میں ہندوستان تشریف لائے۔ محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے ساتھ جو لشکر ساحلِ دیبل پر وارد ہوا، ان کا تعلق اسی مکتبِ فکر سے تھا۔ یہی لوگ فتوحاتِ سندھ کے ہیرو اور پیشرو تھے، کیونکہ ائمہ اربعہ کے مکاتبِ فکر کا تو اس وقت کوئی اتہ پتا ہی نہیں تھا۔

خباب بن فضال، اسرائیل بن موسیٰ اور ابومعشر بن نجیح سندھی رحمہم اللہ کے نام ہندوستان کے اہلِ حدیث کی صف اول میں لیے جا سکتے ہیں۔

ابوبکر محمد بن حسن فورک رحمہ اللہ (٤٠٦ھ) ائمہ تاویل کے ذکر میں فرماتے ہیں:

"وَخَصُّوْا بَتَقْبِيْحِ ذٰلِكَ الطَّائِفَةِ الَّتِيْ هِيَ الظَّاهِرَةُ بِالْحَقِّ لِسَانًا وَّبَيَانًا وَقَهْرًا وَّعُلُوًّا وَإِمْكَانًا، ←

....

←الطَّاهِرَةُ عَقَائِدُهُمْ مِنْ شَوَائِبِ الْأَبَاطِيلِ، وَشَوَائِبِ الْبِدَعِ وَالْأَهْوَاءِ الْفَاسِدَةِ، وَهِيَ الْمَعْرُوفَةُ بِأَنَّهَا أَصْحَابُ الْحَدِيثِ، وَهُمْ فِرْقَتَانِ: فِرْقَةٌ مِنْهَا أَهْلُ النَّقْلِ وَالرِّوَايَةِ الَّذِينَ تَشْتَدُّ عِنَايَتُهُمْ بِنَقْلٍ فِي السُّنَنِ، وَتَتَوَفَّرُ دَوَاعِيهِمْ عَلَىٰ تَحْصِيلِ طُرُقِهَا، وَحَصْرِ أَسَانِيدِهَا وَالتَّمْيِيزِ بَيْنَ صَحِيحِهَا وَسَقِيمِهَا، وَيَغْلِبُ عَلَيْهِمْ ذٰلِكَ وَيُعْرَفُونَ بِهِ وَيُنْسَبُونَ إِلَيْهِ.

"وَفِرْقَةٌ مِنْهَا يَغْلِبُ عَلَيْهِمْ تَحْقِيقُ طُرُقِ النَّظَرِ وَالْمَقَايِيسِ، وَالْإِبَانَةُ عَنْ تَرْتِيبِ الْفُرُوعِ عَلَى الْأُصُولِ، وَنَفْيُ شُبَهِ الْمُلَبِّسِينَ عَنْهَا، وَإِيضَاحُ وُجُوهِ الْحُجَجِ وَالْبَرَاهِينِ عَلَىٰ حَقَائِقِهَا.

"وَالْفِرْقَةُ الْأُولَىٰ كَالْخَزَانَةِ لِلْمُلْكِ، وَالْفِرْقَةُ الْأُخْرَىٰ كَالْبَطَارِقَةِ الَّتِي تَذُبُّ عَنْ خَزَائِنِ الْمُلْكِ الْمُعْتَرَضِ عَلَيْهَا وَالْمُتَعَرِّضِينَ لَهَا" اهـ (مشكل الحديث لابن فورك، ص: ٣)

''مؤولین اور ملحدین نے اس گروہ کی عیب جوئی زبان اور بیان سے پورے قہر اور تکبر سے شروع کر دی جو ہمیشہ سے حق کا حامی رہا ہے۔ ان کے عقائد اباطیل اور بدعات سے پاک ہیں۔ یہ گروہ اصحاب الحدیث کے نام سے مشہور ہے، اس جماعت کے دو حصے ہیں:

''ایک حصے نے نقلِ روایت اور ترویجِ سنن کا ذمہ لے لیا ہے، ان کی توجہ طرقِ احادیث اور اسانید کے حصر اور جمع کی طرف ہے اور صحیح اور سقیم میں تمیز کے ماہر ہیں۔ ان کا یہی مشغلہ ہے جس کی طرف وہ منسوب ہیں۔ اور دوسرے گروہ کا مشغلہ نظر وفکر کی تحقیق اور قیاسات کی صحت اور فروع کی ترتیب اصول کی روشنی میں اور وساوس اور شبہات کا دفعیہ اور حجج و براہین کی تحقیق اور توضیح ہے۔

''پہلا گروہ گویا حکومت کا خزانہ ہے اور ادلہ شرعیہ کے نقود ان کی تحویل میں ہیں اور دوسرا گروہ ان فوجی افسروں کی طرح ہے جو اپنے خزانوں کی حفاظت کے سلسلے میں ہر وقت گوش بر آواز ہے کہ نہ ان خزائن کو کوئی نقصان پہنچ سکے، نہ ہی ان کی طرف کوئی نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔''

گویا عمل کے لحاظ سے اہلِ حدیث کے فرائض تین حصص میں منقسم ہیں۔ احادیث اور سنن کی حفاظت بلحاظِ روایت اور عقائدِ سنت پر مؤولین اور ملحدین کے شبہات کی دیکھ بھال کرنا اور فقہی فروع کو قیاسِ صحیح اور اصولی قواعد پر پیش کر کے اس طریق پر سنت کی حفاظت کرنا کہ نظر و قیاس کی طغیانیاں کتاب و سنت کی نصوص کو کہیں بہا نہ لے جائیں۔ گویا فنِ روایات، علمِ کلام، فقہ اور اصولِ فقہ، مناظرہ اور ان کے لوازم؛ تمام فنون ان کی جولان گاہ ہیں۔ ائمہ حدیث اور سنت کے عساکر ان تمام میدانوں میں حسبِ ضرورت نقل وحرکت میں مشغول ہیں۔ شوافع، موالک اور حنابلہ کو علی الاطلاق اہلِ حدیث سمجھنا بالکل سطحی نظریہ ہے جو جامد تقلید کے شیوع اور عروج کے بعد وضع کیا گیا۔

ورنہ اہلِ حدیث یا اصحاب الحدیث ایک ایسا مکتبِ فکر ہے جس نے تدوینِ سنت کے علاوہ دین کے ہر محاذ پر اپنے فرائض پوری ذمہ داری سے ادا کیے ہیں۔ میں نے اس لفظ کے مفہوم، اس کے تاریخی تذکار اور اس کے مختلف مناہج پر خدمات کا تذکرہ بقدرِ ضرورت سابقہ گزارشات میں کر دیا تھا، غالباً آنے والی اقساط میں جناب ملاحظہ فرمائیں گے۔←

اس سے پہلے جماعت اسلامی کے بعض نشریات میں بھی اس قسم کے خیال کا اظہار فرمایا گیا تھا۔ ایک مضمون حضرت مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کا بھی ''ترجمان القرآن'' میں شائع ہوا۔ مولانا وسیع النظر عالم ہیں، ان کا مطالعہ وسیع ہے، فنون پر بھی نظر ہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اصابتِ فکر سے بھی نوازا ہے۔ مولانا نے اس مضمون میں گویا مولانا مودودی صاحب بالقابہ کے بعض مضامین کو ان کی نوک پلک درست فرما کر ذرا علمی انداز میں شائع فرمایا تھا، مگر ان حضرات کے یہ ارشادات ''تحقیق'' تھے، ان کا نہج مناظرانہ نہیں تھا، مگر مجھے اس سے محسوس ہوا کہ علمی حلقوں میں مسلک اہلِ حدیث کے متعلق یہ غلطی عام ہو رہی ہے۔

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ائمہ حدیث نے ابتداء ہی سے اپنے آپ کو''فرقہ'' کی حیثیت نہیں دی تھی۔ اپنے تشخص اور نظریات کی حفاظت تو کی، لیکن فرقہ پروری کا انداز اختیار نہیں فرمایا، بلکہ دوسرے فرقوں کے ساتھ اختلاف کے باوجود رواداری اور اسلامی وحدت کو ہمیشہ قائم رکھا اور کوشش فرمائی کہ غلط نظریات پر تنقید کے ساتھ اسلام یا سنت کے ساتھ ترادف میں فرق نہ آئے اور کسی فردِ واحد کو ایسی ترجمانی کا موقع نہ دیا جائے کہ وہ اسلام کے پورے سیاہ و سفید کا مالک ہو جائے۔ اس کی اطاعت واجب، اس کی مخالفت گناہ تصور ہونے لگے۔

میں نے محسوس کیا کہ عام علمی حلقے شاید دیانت داری سے ''اہلِ حدیث'' کو ایک فرقہ سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کی دعوت سادہ اسلام کے سوا کچھ نہیں۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بعض کتابیں اور رسائل شائع ہوئے جن میں جماعت اہلِ حدیث کو آڑے ہاتھوں لیا گیا تھا اور ان پر کڑی اور تلخ تنقید کی گئی تھی۔ یہ لٹریچر زیادہ تر دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔

مولانا تھانوی کا خواب:

اسی کے قریب دیوبندی حلقوں میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کا ایک خواب بہت مشہور ہے۔ مولانا تھانوی صاحب نے طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا الشیخ

← میں جعفری صاحب کا ممنون ہوں انھوں نے ایک مخلص اور نیک دل ساتھی کی طرح میری فروگذاشتوں پر توجہ دلائی۔ علی اللہ أجرہ۔

اختصار کے باوجود معاملہ سمع خراشی کی حد تک پہنچ گیا، اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

والسلام

محمد اسماعیل/گوجرانوالہ

محمد نذیر حسین صاحب۔ قَدَّسَ اللّٰہ رُوحَہُ۔ کے درس میں جانے کا ارادہ فرمایا تو انھیں خواب آیا کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کے ہاتھ میں چھاچھ ہے اور وہ طلبہ کو پلا رہے ہیں۔

خواب کی تعبیر واضح اور ظاہر تھی کہ علمی تشنگی اور تحقیق و نظر کے لیے انسان کی فطرت میں جو طبعی سوز ہے، اس کا علاج دہلی کے درس میں ملے گا۔ تقلید و جمود کی سوزش اور جلن کا علاج مولانا نذیر حسین صاحب مرحوم کی چھاچھ میں پنہاں ہے، لیکن مولانا تھانوی نے ماحول کے تاثر اور اپنے رجحانِ طبع کے مطابق سمجھا کہ چھاچھ میں روغن نہیں، اس لیے وہ میاں صاحب کے فیوض سے محروم رہے۔ ان کے خیال میں دہلی کے درس میں فقہ و درایت نہیں ہوگی۔ یہ وہی عامیانہ خیال تھا جو عموماً ائمۂ حدیث اور اہلِ حدیث کے متعلق ان حلقوں میں کافی مشہور ہے۔ حضرت مولانا نے بھی خواب کے متعلق اسی ماحول میں سوچا۔ انسان ماحول کا غلام ہے، ماحول سے بالا ہوکر سوچنا اربابِ تجدید کا وظیفہ ہے، ہر آدمی اس طرح نہیں کرسکتا۔

غرض اہلِ حدیث وائمۂ حدیث کے متعلق ان بزرگوں کے ذہنوں میں راسخ ہے کہ علمائے حدیث اور فقہائے حدیث تفقہ فی الدین سے آشنا نہیں ہیں۔ یہ غلط فہمی اس لیے ہوئی کہ جماعت اہلِ حدیث نے مسلک کی تبلیغ میں ہمیشہ تساہل برتا۔ ہم اور ہمارے مبلغ اپنے مواعظ اور تقاریر میں صلح کل پالیسی اختیار فرماتے رہے۔ تلخی، تیزی، بدزبانی یقیناً بری چیز ہے، لیکن اچھے لفظوں میں حقیقت کی وضاحت میں تساہل کرنا عیب ہے۔ قادیانی، منکرینِ حدیث اپنے خیالات کے اظہار میں جھجک محسوس نہیں کرتے، لیکن ہم لوگ ہمیشہ صلح پسندی میں حقیقت پسندی سے گریز کر جاتے ہیں۔ اب تو کچھ ایسے حضرات پیدا ہو گئے ہیں جو اہلِ حدیث کے ذکر سے بھی شرماتے ہیں، اس لیے عوام میں ایسی غلط فہمیاں پیدا ہونا بالکل قدرتی چیز ہے۔ حق اور صداقت کے اظہار میں شرم نہیں محسوس کرنا چاہیے۔

حضرت مولانا تھانوی مرحوم اور ان کے ہم مشرب بزرگوں کا وہم ہے کہ میاں صاحب مرحوم اور ان کے ہم مسلک علماء میں ظاہریت غالب ہے، تفقہ اور گہرائی نہیں، حالانکہ میاں صاحب مروجہ فقہ حنفی میں اس وقت کے اکابر علمائے احناف سے زیادہ مہارت رکھتے تھے۔ مولانا تھانوی تو اس وقت طالب علم تھے، مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی ایسے اکابر میاں صاحب کے تفقہ، دقتِ نظر اور وسعتِ علم کے معترف تھے۔ مرحوم کے فتاویٰ (۱/۱۰۳) میں اس کی صراحت موجود ہے۔

ایک دو نئے مولوی صاحبان:

ہمارے قریب شیخوپورہ میں ایک دیوبندی بزرگ اقامت پذیر ہیں۔ ان کی ایک کتاب کسی دوست نے عنایت فرمائی۔ کتاب کے ابتدائی اوراق پھٹے ہوئے ہیں۔ نام معلوم نہیں ہو سکا۔ بظاہر یہ کتاب حکیم محمد اشرف سندھو مرحوم کی کتاب "نتائج التقلید" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ افسوس ہے کہ لب و لہجہ کے لحاظ سے یہ کتاب بھی مرحوم حکیم صاحب کی کتاب سے اچھی نہیں۔

اس کتاب میں انھوں نے ان ہی دو چیزوں پر زور دیا ہے کہ اہلِ حدیث کوئی مکتبِ فکر نہیں۔ یہ محض حفاظِ حدیث کا ایک گروہ ہے جن کا مشغلہ حفظِ متون اور اسانید کا ضبط ہے۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں میں تفقہ اور درایت نہیں۔ تیسری اہم لغزش مولانا نے یہ فرمائی کہ وہ فقہ سے مراد یہ جزئیات سمجھتے ہیں جو مروجہ متون اور شروح میں پائی جاتی ہیں۔ ابتدائی اوراق میں فقہاء صحابہ اور تابعین کا ذکر فرمایا اور یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ بزرگ کس معنی سے فقیہ ہیں؟ جبکہ اس وقت یہ مروجہ فقہیں اور ائمۂ اجتہاد موجود ہی نہ تھے، نہ یہ متون موجود تھے اور نہ شروح، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"اسی طرح ہمارے زمانہ کے اہلِ حدیث اپنے آپ کو فرقہ بناتے اور بتاتے ہیں۔ اگر یہ ایک فرقہ ہے تو عہدِ نبوت سے لے کر انگریز کے عہدِ حکومت تک اہلِ سنت کی متعدد شاخوں میں اس فرقہ کو کوئی نہیں جانتا، بلکہ مسلمانوں پر (؟) اہلِ علم پر (؟) اس فرقہ کا وجود انگریز کے جبر و استبداد کا ایک پہلو (؟) اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا ایک فکر ہو سکتا ہے۔" (ص: ۳۱ بلفظہ)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"اہلِ حدیث، اہلِ کلام، اہلِ اصول، اہلِ تفسیر، اہلِ معانی، اہلِ ادب، اہلِ تاریخ: فن کے مدارس اور علم کے طبقات ہیں، مذاہب اور مسالک نہیں ہیں۔ مفسرین کو اہلِ تفسیر، متکلمین کو اہلِ کلام، مؤرخین کو اہلِ تاریخ، محدثین کو اہلِ حدیث کہا گیا اور کہنا چاہیے، مگر اہلِ کلام، اہلِ تاریخ، اہلِ معانی، اہلِ تفسیر کی طرح اہلِ حدیث بھی مذہبی فرقہ نہیں ہے۔"

(ص: ۴۳ بلفظہ)

"کتاب و سنت کے معانی کو اہلِ حدیث محدثین نہیں جانتے تھے۔ ان کا وظیفہ صرف اس

قدر تھا کہ علمِ حدیث کی روایت کرتے، مگر معانی کو تالا لگا ہوا تھا۔ فقہاء نے حدیث کے معانی بیان فرمائے اور لگا ہوا تالا کھولا۔'' (ص: ۳۲ بلفظہ)

مولانا کی زبان اور استدلال میں علمی ثقاہت نہیں، جس کی ایک پڑھے لکھے آدمی سے امید ہونی چاہیے۔ یہ درست ہے کہ ''نتائج التقلید'' کی زبان اور لہجہ بھی خاصہ تلخ ہے۔ مرحوم حکیم صاحب سے انتقام لے لیتے، مگر ائمۂ حدیث پر اتہام انصاف نہ تھا۔

ایک اور مولانا فرماتے ہیں:

''اہلِ حدیث سے وہ حضرات مراد ہیں جو حدیث کے فہم و حفظ اور اس کے اتباع و پیروی کے جذبہ سے سرشار اور بہرہ ور ہوں۔ اہلِ حدیث کا مفہوم جو غیر مقلد حضرات کی طرف سے سمجھا اور سمجھایا جا رہا ہے کہ ترکِ تقلید ہے، سراسر غلط، سولہ آنے باطل اور سو فیصد بے بنیاد ہے۔'' (طائفہ منصورہ، ص: ۴۱)

یہی مؤلف صاحب ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''چونکہ غیر مقلدین حضرات کو فقہ اور اہلِ فقہ سے تنفر اور عناد ہے، اس لیے وہ کسی طرح طائفہ منصورہ کی حدیث کے مصداق نہیں ہو سکتے جس میں ''تفقه في الدين'' کے الفاظ سورج کی شعاعوں کی طرح چمک رہے ہیں اور اس کا اصل اور صحیح مصداق صرف وہ حضرات ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ''تفقه في الدين'' کا ملکہ عطا فرمایا ہے اور وہ ائمۂ دین اور ان کے مقلدین ہیں۔'' انتهىٰ ملخصاً (طائفہ منصورہ، ص: ۱۸)

کسی شخص کی فقہیات کو من وعن اور کلی طور پر قبول نہ کرنا دوسری بات ہے اور فقہ سے نفرت دوسری بات، شتان بينهما۔ اہلِ حدیث میں پہلی بات تو ہے، دوسری سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ قیاس کو حجت ماننے کے بعد فقہ سے نفرت کا کوئی مطلب نہیں۔ فقہ الحدیث میں ائمۂ حدیث کے ضخیم ذخائر موجود ہیں، پھر نفرت کیسے؟ بعض مسائل پر تنقید ضرور ہوئی ہے اور یہ گناہ مقلدینِ فقہائے اربعہ بھی متون اور شروح میں فرماتے ہیں، اگر اس کا معنی نفرت ہے تو ؎

ایں گناہ است کہ در شہر شما نیز کنند[1]

---

[1] یہ ایسا گناہ ہے جو تمھارے شہر میں بھی کیا جاتا ہے۔

مجھے مؤلف محترم کے اس سوئے ظن اور مطاعن سے غرض نہیں، وہ جو چاہیں فرمائیں۔ کتاب کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غالباً خون کے دباؤ کے مریض ہیں، اسی لیے پوری کتاب بلا وجہ ناراضگی اور پراگندہ خیالی کا مجموعہ ہے۔

ان حوالہ جات سے مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات تفقہ فی الدین سے صرف مروجہ فقہی جزئیات اور متعارف دفاترِ فقہ سمجھتے ہیں، حالانکہ آیت کا نزول بہت پہلے ہے۔ جس تفقہ فی الدین کی تعریف قرآن اور سنت میں فرمائی گئی ہے، اس سے محدثین اور علمائے اہلِ حدیث کو وافر حصہ ملا ہے، مگر وہ ان آراء الرجال کو دین نہیں سمجھتے، بلکہ کتاب وسنت کی روشنی میں ان سے استفادہ فرماتے ہیں اور تفقہ فی الدین کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر یہی مؤلف امام ترمذی رحمہ اللہ کی شافعیت کے تذکرے میں مولانا مبارک پوری رحمہ اللہ سے الجھنے کی کوشش فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں:

> ''امام ترمذی رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ کی مخالفت کے باوجود شافعی ہیں، اولاً اس لیے کہ اہلِ علم مقلد، نرے لکیر کے فقیر نہیں ہوتے۔ وہ دلائل کی صحت وسقم کو پرکھتے اور جانتے ہیں اور کمزور دلائل میں اپنے امام کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔'' اھ (طائفہ، ص: ۱۱۴)

اہلِ حدیث بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتے۔ یہ واقعتاً معلوم ہے کہ ان مسالک کے دلائل بسا اوقات کمزور ہوتے ہیں اور ایسے وقت میں ان کا ساتھ چھوڑ دینا کوئی برائی نہیں بلکہ خوبی ہے۔ اس صراحت کے بعد اہلِ حدیث پر ناراضگی بے معنی ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: ''بایں ہمہ وہ اصولی طور پر مقلد ہی ہوتے ہیں۔'' ہماری ادباً یہ رائے ہے کہ ''بایں ہمہ یہ اصولی طور پر غیر مقلد ہیں۔'' بحث لفظی سی رہ گئی۔ آپ خواہ مخواہ ''غیر مقلد'' حضرات پر ناراض ہوتے رہیں، حقیقت تو کھل گئی۔ آپ نے عملاً امام ابو یوسف، امام محمد، امام طحاوی کے متعلق اقرار فرما لیا کہ وہ اپنے امام کی فقہیات میں پورے مقلد نہ تھے۔ وَلَا نَعنِي بِتَرْكِ التَّقْلِيْدِ إِلَّا ذٰلِكَ. [ہمارا بھی ترکِ تقلید سے مقصود بس یہی ہے]

ہمارا اتنا ہی گناہ ہے کہ اشخاص کے بجائے دلائل پر انحصار کرتے ہیں۔ غرض یہ پوری کتاب تضاد اور پراگندہ خیالی کا مجموعہ ہے۔

ان گزارشات سے نہ مؤلف کی تردید مطلوب ہے، نہ اس کتاب کا جواب۔ ہماری گزارش صرف اس مغالطے کا ازالہ ہے جو فقہ کے مفہوم کی تخصیص سے ائمۂ حدیث کے متعلق پیدا ہوا یا پیدا کیا گیا۔

آیات اور احادیث میں جہاں فقہ کا لفظ آیا ہے، اسے اس معنی پر محمول فرمائیں جس سے وہ قرونِ اولیٰ میں منطبق ہو سکے۔ جو فقہیں اس وقت موجود ہی نہ تھیں، انھیں مراد لینا دھوکا ہوگا۔ فروع کے استنباط کا مشغلہ ہمیشہ رہا، لیکن قرونِ خیر میں کوئی شخص کسی دوسرے کی فقہ کا پابند نہ تھا۔ واجب یا فرض کہنا تو بڑی بات ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَإِنَّا نَعْلَمُ بِالضُّرُوْرَةِ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِيْ عَصْرِ الصَّحَابَةِ رَجُلٌ وَّاحِدٌ، اِتَّخَذَ رَجُلًا مِنْهُمْ يُقَلِّدُهُ فِيْ جَمِيْعِ أَقْوَالِهِ فَلَمْ يُسْقِطْ مِنْهَا شَيْئًا، وَأَسْقَطَ أَقْوَالَ غَيْرِهِ فَلَمْ يَأْخُذْ مِنْهَا شَيْئًا، وَنَعْلَمُ بِالضُّرُوْرَةِ أَنَّ هٰذَا لَمْ يَكُنْ فِيْ التَّابِعِيْنَ وَلَا تَابِعِيْ التَّابِعِيْنَ، فَلْيُكَذِّبْنَا الْمُقَلِّدُوْنَ بِرَجُلٍ وَّاحِدٍ سَلَكَ سَبِيْلَهُمُ الْوَخِيْمَةَ فِيْ الْقُرُوْنِ الْفَضِيْلَةِ عَلٰى لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ" (الإعلام: ۱/ ۲۲۲)

"ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ میں ایک بھی ایسا آدمی نہیں جو ایک ہی آدمی کے فقہی اقوال کو کلی طور پر قبول کرے اور دوسرے کے اقوال سے کوئی استفادہ نہ کرے۔ اربابِ تقلید ایک ہی آدمی بتا کر ہماری تکذیب فرمائیں!"

(اِعلام، مطبوعہ ہند)

علمائے حق اور اہلِ حدیث نے ان فقہیات کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب ان آرائے رجال اور متعارض فقہیات کو اغلال و سلاسل کی صورت دے دی گئی اور ایک مجتہد کے ساتھ وابستگی واجب قرار دے دی گئی۔ آج بھی ان فقہیات کو اپنے مقام پر لے آیئے اور انھیں علماء کے افادات اور افکار سمجھیے، ان کے قبول کو واجب نہ فرمایئے، تو معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ سوال فقہیات سے نفرت یا ان کے رد و قبول کا نہیں، سوال صرف اس قدر ہے کہ ایک مجتہد کی تمام فقہیات کو واجب القبول کس نے بنایا؟ یا قرونِ خیر میں آنحضرت ﷺ کے بعد کون بزرگ تھے جن کی ساری فقہیات پر یقین اور عمل واجب قرار دیا گیا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ خود ائمۂ اجتہاد نے بھی اس التزام سے روکا۔ بعض خلفاء نے امام مالک رحمہ اللہ سے فرمایا کہ موطا کو پوری عباسی قلمرو میں آئین کی حیثیت دے دی جائے۔ امام نے اس کا

انکار کر دیا۔[1] اگر اس تقلید و جمود کے لیے شرعی بنیاد ہوتی تو امام مالک رحمہ اللہ خلیفہ کی اس استدعا کو ضرور قبول فرما لیتے۔ ان مولانا صاحب کا ایک اور گرم گرم پیرا سن لیجیے اور ان حضرات کے علم اور اخلاقی رفعت کی داد دیجیے۔ فرماتے ہیں:

''نہایت تعجب ہے اور سخت حیرت ہے کہ بالکل نو اِحداث جماعت اور کل کی پیداوار جب مذاہبِ اربعہ پر تنقید کرتی ہے تو اس کو چوتھی صدی کے بعد کی بدعت قرار دیتی ہے۔ (ہم نہیں بلکہ ملاحظہ ہو: حجة الله (١/ ١٢٢) اور قوت القلوب (٢/ ٣٦)[2] اور اپنا رشتہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے جا ملاتی ہے اور اپنے گھر کا یہ راز اور بھید بھولے سے بھی نہیں بتاتی کہ اس کا بانی مبانی کون تھا؟ علمائے ہند نے اس کے متعلق کیا کہا اور علمائے حرمین نے کیا فتویٰ دیا ہے؟ پہلے یہ کس نام سے موسوم تھی اور اہلِ حدیث کا لقب کب سے اختیار کیا؟ تف ہے اس دیانت پر، حیرت ہے اس تعصب پر اور تاسف ہے اس پردہ پوشی پر، مگر ان کو معلوم ہونا چاہیے:

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالیست   شاید کہ پلنگ خفتہ باشد''

میں کسی چیز کا جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ آپ جو سمجھتے ہیں سمجھیں، جو کہنا چاہتے ہیں کہیں۔ نواب صاحب رحمہ اللہ اور مولانا محمد حسین مرحوم رحمہ اللہ کی رائے کیوں بدلی؟ آپ کے اکابر کا اس میں کہاں تک دخل تھا؟ حرمین کے فتوؤں میں حاجی امداد اللہ، مولانا خیر الدین، مولوی رحمت اللہ مرحوم کیرانوی نے کیا کردار ادا کیا اور ۱۸۵۷ء کے محاربہ میں آپ کے اکابر نے کیا اقدام کیا؟ یہ تاریخ کی امانت ہے، اسے نہ ہلایئے۔ اللہ ہماری اور ان سب بزرگوں کی خطائیں معاف فرمائے۔ ان کی موت کے بعد ان گندے کپڑوں کو اپنے حال پر رہنے دیجیے۔

۱۸۳۱ء کے بعد آپ کے اکابر برسوں کہاں رہے؟ تحریکِ حریت پوری صدی کن ہاتھوں میں رہی؟ یہ تاریخی حقائق ہیں۔ آپ کی تف اور تاسف سے حقائق نہیں بدل سکتے۔ انبالہ کیس میں انگریز

[1] دیکھیں: تقدمة الجرح والتعديل (١/ ٢٩)

[2] نیز امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بدعت تو صرف چوتھی صدی میں پیدا ہوئی، جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مذمت صادر ہوئی ہے۔'' (الإعلام: ٢/ ٢٠٨)

کی نظروں نے کن حریت کے پروانوں پر ہاتھ اٹھایا؟ لاہور کے جیل خانے میں منوں بیڑیوں کے بوجھ کن گلوں اور پاؤں کی زینت رہے؟

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری

مجھے آپ کی تیزی سے دکھ ہوا۔ جب آپ اس داستان کو جانتے ہی نہیں تو اس جوش میں کیوں آتے ہیں؟ امید ہے آپ تاریخ کے اس حصے کو نہیں ہلائیں گے۔ رہے نام! تو آپ ہی سوچیں، آپ پہلے مسلمان تھے، پھر اہلِ سنت ہوئے، پھر حنفی ہوئے، اب دیوبندی ہیں۔ آئندہ معلوم نہیں کیا ہوں گے؟ اس ضمن میں ماتریدی، اشعری، قادری کے بعد شاید اشرفی اور کیا کیا بن جائیں؟!

اللہ کے عطیے:

علم، عقل، تفقہ، صحت، قوت، تیقظ، معاملہ فہمی، فراست، قوتِ تکلم اور حافظہ وغیرہ؛ یہ خدا تعالیٰ کے احسانات ہیں جو اس نے نوعِ انسان میں ودیعت فرمائے ہیں۔ ہر انسان پر ان اوصاف کی نوازش فرمائی گئی، کوئی انسان ان سے محروم نہیں، لیکن پوری نوعِ انسان ان میں مساوی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے عامۃ المسلمین تک، ملوک اور اصحابِ ثروت سے عامۃ الناس تک ان انعامات سے بقدرِ تحمل مستفیض ہیں۔ مختلف طبقات ان انعاماتِ الٰہیہ سے بہرہ ور ہیں۔ ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ [البقرۃ: ۲۵۳] میں تفاوتِ مراتب اور اس فرق کی صراحت فرمائی ہے۔ ﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴾ [یوسف: ۷۶] میں علمی مراتب میں تفاوت کو ظاہر فرمایا ہے۔ باقی انعامات کا بھی یہی حال ہے۔

یہ کبھی نہیں ہوتا کہ ایک شخص مروجہ فقہ پڑھتا رہے تو وہ فقیہ رہے، لیکن معاً جب وہ حدیث پڑھنا شروع کرے تو فقہ اس سے رخصت ہو جائے۔ خود حنفی علماء جو عمر کا معتد بہ حصہ اس مروجہ فقہ میں صرف کر دیتے ہیں، معاملات میں انتہائی بے سمجھ ہوتے ہیں۔ وہ مروجہ متون اور شروح کو کتاب وسنت کی طرح مانتے ہیں۔ ہمارے یہ تقلید پسند حضرات یہاں حکیم اور عطار کی مثال دے کر عموماً خوش ہوتے ہیں۔ وہ مثال بھی فرقِ مراتب کی حد تک درست ہے، لیکن طبقات کی تقسیم کے لحاظ سے بالکل بے معنی ہے۔ مروجہ فقہاء اور فقہ کے ماہرین بھی عملاً عطار ہی نظر آتے ہیں۔

ایک دیوبندی عالم نے ابن جوزی کی کتاب سے جو اوصاف کسی حدیث کے غلط کار طالب علم

کے ذکر فرمائے ہیں، آپ کے قرب و جوار میں آپ کے ہم مسلک حضرات میں بدرجہ اتم موجود ہیں، جناب نے ابن جوزی کی ''نقد العلم والعلماء'' میں جو باب اہلِ حدیث کے متعلق تھا، شوق سے پڑھ لیا ہے۔ ابن جوزی نے فقہاء کی حیلہ سازیوں کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، ایک نظر اسے بھی دیکھ لیں۔ امید ہے معاملہ برابر ہی رہے گا۔ شیطان کی گرفت سے نہ اہلِ حدیث بچ سکتا ہے نہ آپ کا فقیہ۔ إلا من رحم الله!

قدرت کے ان مواہب پر اگر بنظرِ تفقہ غور فرمایا ہوتا تو شاید اس موضوع پر اتنے ورق سیاہ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ ہم میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ شیطانی وساوس سے کلیتًا محفوظ ہے۔إلا من عصمه الله۔ نہ ہی کسی فقیہ کے متعلق یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ بہر لحاظ لغزش سے مبرا ہے۔

فقہ کیا ہے؟

لغت میں فقہ کے معنی علم اور فطانت ہے اور عرفِ شرع میں ایک فن کا نام ہے جس میں فرعی مسائل کی جزئیات مذکور ہوتی ہیں، اور علمِ دین کو بھی فقہ کہتے ہیں:

① ''اَلْفِقْهُ بالْكَسْرِ: اَلْعِلْمُ بِالشَّيْءِ، وَالْفَهْمُ لَهُ وَالْفِطْنَةُ، وَغَلَبَ عَلىٰ عِلْمِ الدِّيْنِ لِشَرَفِهِ'' (قاموس: ج ٤)[1]

② ''اَلْفِقْهُ: فَهْمُ الشَّيْءِ، قَالَ ابْنُ فَارِسٍ: وَكُلُّ عِلْمٍ لِشَيْءٍ فَهُوَ فِقْهٌ، وَالْفِقْهُ عَلىٰ لِسَانِ حَمَلَةِ الشَّرْعِ عِلْمٌ خَاصٌّ، وَفَقِهَ فِقْهًا مِنْ بَابِ تَعِبَ إِذَا عَلِمَ، وَفَقُهَ بِالضَّمِّ مِثْلُهُ، وَقِيْلَ: بِالضَّمِّ إِذَا صَارَ الْفِقْهُ لَهُ سَجِيَّةً'' (المصباح المنير: ج ٢)[2]

③ ''اَلْفِقْهُ: هُوَ التَّوَصُّلُ إِلىٰ عِلْمِ غَائِبٍ بِعِلْمِ شَاهِدٍ، فَهُوَ أَخَصُّ مِنَ الْعِلْمِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ: ﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ [النساء: ٧٨] ﴿وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ [المنافقون: ٧] إِلىٰ غَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْآيَاتِ، وَالْفِقْهُ: اَلْعِلْمُ بِأَحْكَامِ الشَّرِيْعَةِ، يُقَالُ: فَقُهَ الرَّجُلُ فَقَاهَةً إِذَا صَارَ فَقِيْهًا'' (راغب، ص: ٢٩١)[3]

---

[1] القاموس المحيط (ص: ١١٥١)

[2] المصباح المنير للفيومي (٢/ ٤٧٩)

[3] مفردات القرآن (٢٠١/٢)

④ اس کے قریب قریب "أقرب الموارد" اور "مجمع البحار" میں مرقوم ہے:

"فَقِهَ بِالْكَسْرِ إِذَا فَهِمَ وَعَلِمَ، وَبِالضَّمِّ إِذَا صَارَ فَقِيهًا عَالِمًا، وَجَعَلَهُ الْعَرَبُ خَاصًّا بِعِلْمِ الشَّرِيْعَةِ وَتَخْصِيصًا بِعِلْمِ الْفُرُوْعِ مِنْهَا" (مجمع البحار: ج ٣)

باقی معانی کے علاوہ مطلقاً علم اور علم الفروع کو بھی فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ تعبیریں متاخرین نے فرمائیں جب مروجہ فقہ مدون ہوئی۔ لغت سے ظاہر ہے کہ فقہ کسی خاص فن میں محصور نہیں، بلکہ اس لفظ کے معانی اور محمل متعدد ہیں۔ ہر علم "فقہ" کہلا سکتا ہے اور اس تفقہ کے مراتب مختلف ہیں۔

شرعی اصطلاح:

اصطلاحِ شریعت میں فقہ کا لفظ مختلف مقامات پر بولا گیا ہے۔ ہشام بن عبیداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَنْ لَمْ يَعْرِفِ اخْتِلَافَ الْفُقَهَاءِ فَلَيْسَ بِفَقِيْهٍ"

(جامع بيان العلم لابن عبد البر: ٢/ ٤٦)

یعنی جو علماء کے اختلافات کو نہیں جانتا، وہ فقیہ نہیں کہلا سکتا۔

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الْاِخْتِلَافَ لَمْ يَشُمَّ الْفِقْهَ بِأَنْفِهِ" (جامع: ٢/ ٤٦)

یعنی جو علماء کے اختلافات کو نہیں جانتا، اس نے فقہ کو سونگھا بھی نہیں۔

حارث بن یعقوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِنَّ الْفَقِيْهَ كُلَّ الْفَقِيْهِ مَنْ فَقُهَ فِيْ الْقُرْآنِ، وَعَرَفَ مَكِيْدَةَ الشَّيْطَانِ"

(جامع ابن عبد البر: ٢/ ٤٦)

یعنی فقیہ وہ ہے جو قرآن کو سمجھے اور شیطان کے فریبوں کو پہچانے۔

امام مالک سے پوچھا گیا: کیا علماء کے اختلافات سے اہل الرائے کے اختلافات مراد ہیں؟ فرمایا: صحابہ کے اختلافات مطلوب ہیں۔[1]

مجاہد فرماتے ہیں: "اَلْفَقِيْهُ مَنْ خَافَ اللّٰهَ" (جامع: ٢/ ٤٩) "فقیہ اللہ سے ڈرنے والے کو کہتے ہیں۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بروایت حضرت علی رضی اللہ عنہ منقول ہے:

[1] جامع بيان العلم (٢/ ١٠٣) نیز دیکھیں: الفقيه والمتفقه (٢/ ١٥٧)

«أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِالْفَقِيهِ كُلِّ الْفَقِيهِ؟ قَالُوا: بَلىٰ. قَالَ: مَنْ لَمْ يُقْنِطِ النَّاسَ مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، وَلَمْ يُؤَيِّسْهُمْ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ، وَلَمْ يُؤَمِّنْهُمْ مَنْ مَكْرِ اللّٰهِ، وَلَا يَدَعُ الْقُرْآنَ رَغْبَةً عَنْهُ إِلىٰ مَا سِوَاهُ، أَلَا لَا خَيْرَ فِي عِبَادَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَفَقُّهٌ... الخ» (جامع، ص: ٤٤)[1]

یعنی فرمایا: ''میں تمھیں بتا دوں سب سے بڑا فقیہ کون ہے؟ صحابہ نے فرمایا: ضرور بتائیے۔ فرمایا: جو آدمی لوگوں کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ کرے اور اللہ کی تدبیر سے عوام کو بے خوف نہ کرے۔ قرآن سے نفرت اور ماسوا کی طرف توجہ نہ کرے۔ عبادت بلا تفقہ عبث ہے۔''

ابن عبدالبر نے ''جامع بیان العلم'' (ص: ۴۳ تا ۴۹) میں لفظِ فقہ کے مفہوم کا تذکرہ بڑے بسط سے فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا دوسرا ارشادِ گرامی ہے:

« رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرِ فَقِيهٍ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلىٰ مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ »[2]

ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فَسُمِّيَ الْحَدِيثُ فِقْهًا مُطْلَقًا وَعِلْمًا'' (جامع، ص: ۲۷)[3]

''اس میں حدیث کو فقہ سے تعبیر فرمایا ہے۔''

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس اثر کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''لا يأتي هذا الحديث مرفوعاً إلا من هذا الوجه، وأكثرهم يوقفونه على علي رضي الله عنه '' یہ حدیث صرف اس سند سے مرفوع آتی ہے اور اکثر رواۃ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بیان کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی مرفوع سند میں ''إسحاق بن أسيد'' راوی ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' فيه ضعف '' (تقريب التهذيب: ١٠٠)

[2] سنن أبي داود (٣٦٦٠) سنن الترمذي (٢٦٥٦) سنن ابن ماجه (٢٣٠) اس حدیث کو امام ترمذی اور حافظ منذری نے ''حسن'' اور امام ابن حبان، مقدسی، عراقی اور البانی رحمہم اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ امام سیوطی اور بعض دیگر اہلِ علم نے اسے متواتر احادیث میں شمار کیا ہے۔ دیکھیں: كشف الخفاء للعجلوني، برقم (٢٨١٣) نظم المتناثر (ص: ١٤)

[3] جامع بيان العلم (٢/ ٦١)

"لَيْسَ الْفِقْهُ بِكَثْرَةِ الْمَسَائِلِ، وَلٰكِنَّ الْفِقْهَ يُؤْتِيهِ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ خَلْقِهِ"
(جامع: ٢/ ٤٥)

یعنی فقہ زیادہ مسائل جاننے کا نام نہیں، بلکہ فقہ اللہ کی عطا ہے، جسے وہ چاہے دے دے۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم کے (۱/ ۲۳) سے (۱/ ۴۹) تک فقہ اور علم کے متعلق بے حد مفید مواد جمع فرمایا ہے۔ اہلِ علم کو اسے غور سے پڑھنا چاہیے۔ فقہ، علم، حکمت اور رائے کا مفہوم سمجھ میں آجائے گا اور کچھ تعجب نہیں کہ فرح بالعلم کے جراثیم دماغ سے نکل جائیں!

"اَلْفِقْهُ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا" اھ (فقه أكبر، ص: ١٠)

یعنی نفس کی ذمہ داریوں کے سمجھنے کا نام فقہ ہے۔

یونانی علوم کی اشاعت کے بعد جب متکلمین نے مناظرات کا آغاز کیا اور تاویلات کی گرم بازاری ہوئی تو علم الکلام کو بھی "فقہ" سے تعبیر کیا گیا۔ "فقہ اکبر" جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، اسی دور کی کتاب ہے، اسی لیے اس کا یہ نام رکھا گیا۔

فقہ الاجتہاد:

ائمہ اجتہاد رحمہم اللہ کے اجتہادات جب رائج ہوئے تو ان کے اَتباع نے ان اصولوں کی روشنی میں مزید فروع کی تخریج فرمائی اور یہ اثرات اساتذہ سے تلامذہ تک اپنی طبعی افتاد سے پہنچے اور ائمہ اربعہ کے ساتھ اور بہت سے ائمہ اجتہاد کی فقہیں بھی مروج ہوئیں اور جن پر عمل ہوتا رہا، ان کا نام بھی فقہ قرار پایا اور تلامذہ اساتذہ سے اسے وراثتاً لیتے رہے۔ بتدریج اس تعلق نے جمود کی صورت اختیار کی، تو اس فقہ کی دو صورتیں ہوگئیں۔

فقہ المجتہدین یعنی ائمہ اجتہاد کی مجتہدانہ مساعی جو کتاب و سنت سے براہِ راست پیش آمدہ مسائل کا استنباط فرماتے تھے۔ ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں ان پر غور ہوتا اور وقت کے مسائل کو حل فرمایا جاتا۔ اس میں باہم اختلاف بھی ہوتا، غلطی کا امکان بھی ہوتا، اساتذہ، تلامذہ بحث و نظر کے بعد کبھی ایک دوسرے کی رائے کو قبول فرماتے، کبھی اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے، لیکن حسنِ ظن اور محبت کے تعلق بدستور قائم رہتے۔ اس مجتہدانہ فقہ کی عمر ائمہ اجتہاد کے بعد بڑی مختصر رہی، جلدی اس پر جمود طاری ہوگیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ نے چوتھی صدی ہجری کے آخر تک اس کا اندازہ فرمایا ہے۔ اس کے بعد جمود کا دور آگیا اور تحقیق عیب شمار ہونے لگی۔ اذہان کے

خمیر میں احساسِ کہتری سمو دیا گیا۔ لوگ اپنی لاعلمی، کم فہمی کا فخریہ اقرار کرنے لگے اور ائمۂ اجتہاد کی طرح نصوص سے براہِ راست استنباط ختم کر دیا گیا۔

فقہ التقلید:

قریباً چوتھی صدی کے بعد ادلۂ تفصیلیہ سے استدلال بتدریج متروک ہو گیا۔ فقہ کے مروجہ متون کو من و عن قبول کر لیا گیا۔ عام طور پر شروح میں اصل ادلہ سے بہت کم تعرض کیا گیا۔ پہلے بزرگوں سے جو کچھ منقول تھا، اس پر اکتفا کر لیا گیا۔ استدلال اور استنباط کی راہ ترک کر دی گئی۔ یہی متقدمین کی استنباط شدہ فروع کافی سمجھے گئے اور جزوی تعبیر کو، جو کسی امام نے فرمائی، شریعت سمجھ لیا گیا۔ اصل ادلہ یعنی قرآن و سنت، اجماع اور قیاس؛ ان سے تعرض صرف مجتہد کا وظیفہ طے پایا۔ ادلۂ اجتہاد کے دروازوں پر چوتھی صدی کے بعد تالا لگا دیا گیا۔ رسالہ حمیدیہ میں ہے:

"لٰكِنْ مِنْ عَصْرِ أَرْبَعِ مِائَةٍ مِنَ الْهِجْرَةِ النَّبَوِيَّةِ -عَلٰى صَاحِبِهَا أَزْكٰى صَلَاةٍ وَسَلَامٍ- قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ الْأَعْلَامِ، كَمَا يُنْقَلُ مِنْ عُلَمَاءِ الْحَنَفِيَّةِ: إِنَّ بَابَ الْاِجْتِهَادِ قَدِ انْسَدَّ مِنْ ذٰلِكَ التَّارِيْخِ" اھ (ص: ۳۳۸)

یعنی ۴۰۰ھ میں بعض علمائے حنفیہ سے منقول ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔

یعنی یکم محرم ۴۰۰ھ سے فکر و اجتہاد کے دروازے پر تالا پڑ گیا!

یہ رسالہ ایک بہت بڑے ترکی عالم شیخ حسین آفندی الجسری نے سلطان عبدالحمید خان کے دورِ حکومت میں ان کے لیے لکھا تھا۔

اس سے ظاہر ہے کہ فقہ الاجتہاد، جو مجتہدین کا وظیفہ تھا، ختم ہو گئی۔ علمائے حدیث میں تو تفقہ کا امکان باقی رہا، لیکن حضرات احناف نے تفقہ کا دروازہ بند کر دیا۔ جو حضرات اہلِ حدیث پر فہم و تفقہ کا دروازہ بند فرماتے ہیں، وہ اپنے لیے محرم ۴۰۰ھ سے فقہ الاجتہاد کی راہیں مسدود فرما چکے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ آپ کے ہاں "فقہ التقلید" باقی ہو گی، یعنی پہلے بزرگوں کی مظنون مساعی پر قناعت کر لینا، لیکن یہ فقہ قطعی قابلِ فخر نہیں۔ آیندہ اگر ممکن ہوا تو عرض کیا جائے گا کہ یہ فقہ جو آپ کے مدارس میں سالہا سال تک پڑھی جاتی ہے، انتہائی سطحی ہے اور اس کے اکثر مسائل ظاہریت اور حشویت پر مبنی ہیں۔ پہلے بزرگوں کے بعض قواعد اس فقہ کی بنیاد قرار پا گئے۔

اب جو فقیہ سمجھے جاتے ہیں وہ بے چارے ان فروع سے آگے بڑھنے کی جراَت نہیں کرتے۔ کنز، قدوری، ہدایہ، مختصر الوقایہ، شرح الوقایہ وغیرہ کتبِ فقہ میں جس طرح جزئیات مرقوم ہیں انھیں من وعن قبول کر لیا گیا ہے۔ ان کی صحت یا سقم سے بحث کا کسی کو حق نہیں دیا گیا۔ یہ قطعی حرفیت ہے اور ظاہریت۔ ابن حزم رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء نے جو طرزِ عمل حدیث کے ظاہر الفاظ سے روا رکھا، وہی ہمارے ان متاخرین فقہاء نے ان متون اور شروح کے ظواہر سے برتا۔ دوسروں کو حشوی اور ظاہری کہنے والے خود آرائے رجال اور متقدمین اور متاخرین کے فہم پر قانع ہو گئے۔ فقہ کی ان دونوں قسموں کا تذکرہ فقہ کی کتابوں میں بصراحت موجود ہے:

”وَاعْلَمْ أَنَّ الْفَقِيهَ عِنْدَ الْأُصُولِيِّينَ هُوَ الْمُجْتَهِدُ فَقَطْ لَا غَيْرَ، كَمَا يَشْهَدُ بِهِ تَعَارِيفُهُمْ لِلْفِقْهِ، وَعِنْدَ الْفُقَهَاءِ الْحَافِظُ لِلْفُرُوعِ وَأَقَلُّهَا ثُلُثٌ“

(القول المأمول في فن الأصول، ص: ٧)

یعنی فقیہ صرف مجتہد کو کہا جاتا ہے، لیکن فقہاء کے نزدیک جو کم از کم تہائی جزئیات جانتا ہو، فقیہ ہو سکتا ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

”فَالْحَاصِلُ أَنَّ الْفِقْهَ فِي الْأُصُولِ عِلْمُ الْأَحْكَامِ مِنْ دَلَائِلِهَا، فَلَيْسَ الْفَقِيهُ إِلَّا الْمُجْتَهِدُ عِنْدَهُمْ، وَإِطْلَاقُهُ عَلَى الْمُقَلِّدِ الْحَافِظِ لِلْمَسَائِلِ مَجَازٌ، وَهُوَ حَقِيقَةٌ فِي عُرْفِ الْفُقَهَاءِ بِدَلِيلِ انْصِرَافِ الْوَقْفِ وَالْوَصِيَّةِ لِلْفُقَهَاءِ إِلَيْهِمْ“ اهـ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ ”ائمہ اصول کے نزدیک فقیہ مجتہد کا دوسرا نام ہے۔ مقلد پر جسے فقہ کے کچھ مسائل حفظ ہوں، فقیہ کا لفظ مجازاً بولا جاتا ہے، جیسے اگر فقہاء کے لیے وصیت کی جائے تو دونوں پر صادق آئے گی۔“

اس صراحت کے بعد دیوبند یا بریلی کے مدارس میں جو لوگ فقہ کے مروجہ متون اور شروح پڑھتے ہیں اور ادلہ شرعیہ سے ان اجتہادات کی صحت کا موازنہ نہیں فرماتے، یہ سب حضرات ظاہری اور

[1] دیکھیں: رد المحتار (١/ ٨٦)

حشوی ہیں۔ یہ مروجہ متون اور شروح وحروف پر اعتماد اور یقین رکھتے ہیں۔ ادلۂ تفصیلیہ سے فہم و استدلال کا ان پر ''تالا بند'' ہے۔ جب تک مروجہ تقلید سے براءت کا اعلان نہ فرمائیں، ہمارے یہ جدید مصنف اور ان کے رفقاء غور فرمائیں فقہ سے محروم اہلِ حدیث ہیں یا آپ حضرات؟ ''تالا بند'' تو آپ حضرات نے خود فرما دیا، وجوبِ تقلید کے بعد تالا کھلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

صاحبِ مسلّم الثبوت فقہ کی تعریف میں فرماتے ہیں:

" اَلْفِقْهُ حِكْمَةٌ فَرْعِيَّةٌ شَرْعِيَّةٌ، فَلَا يُقَالُ عَلَى الْمُقَلِّدِ لِتَقْصِيْرِهِ عَنِ الطَّاقَةِ"

(۱/ ۵، طبع مصر)

''فقہ فروع شرعیہ حقیقیہ کا نام ہے، پس مقلد کو فقیہ نہیں کہا جائے گا، کیونکہ اسے حقیقت تک رسائی کی ہمت ہی نہیں۔''

نہ اسے اجازت ہے کہ ادلۂ تفصیلیہ میں فقہ و درایت کی روشنی میں غور کرے۔

مسلّم الثبوت کے مصنف ''منہیات'' میں فرماتے ہیں:

"اِعْلَمْ أَنَّ الْفِقْهَ فِيْ الْقَدِيْمِ كَانَ مُتَنَاوِلًا لِعِلْمِ الْحَقِيْقَةِ، وَهِيَ عِلْمُ الْإِلٰهِيَّاتِ، وَعِلْمُ الطَّرِيْقَةِ، وَهِيَ مَبَاحِثُ الْمُهْلِكَاتِ وَالْمُنْجِيَاتِ، وَعِلْمُ الشَّرِيْعَةِ الظَّاهِرَةِ، وَمِنْ ثَمَّ عَرَّفَهُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ بِمَعْرِفَةِ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا، وَسَمّٰى كِتَابَهُ فِيْ الْعَقَائِدِ بِالْفِقْهِ الْأَكْبَرِ، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ ثُمَّ لَمَّا تَصَدّٰى قَوْمٌ بِالْبَحْثِ عَنِ الْعَقَائِدِ، وَسَمُّوْا الْعِلْمَ الْكَافِيَ بِذٰلِكَ بِالْكَلَامِ، أُخْتُصَّ الْفِقْهُ بِالْمَطَالِبِ الْعِلْمِيَّةِ الشَّامِلَةِ لِلتَّصَوُّفِ أَيْضاً، وَهُوَ عِلْمُ الْأَخْلَاقِ، وَمِنْ ثَمَّ قَالَ بَعْضُ الْمُحَقِّقِيْنَ فِيْ شَرْحِ الْمِنْهَاجِ: إِنَّ تَحْرِيْمَ الرِّيَاءِ وَالْحَسَدِ مِنَ الْفِقْهِ، وَصَارَ هٰذَا عُرْفًا، وَاسْتَمَرَّ عَلَيْهِ زَمَانٌ مَدِيْدٌ، ثُمَّ حَدَثَ فِيْ زَمَانٍ لَاحِقٍ اِخْتِصَاصُ الْفِقْهِ بِالْأَحْكَامِ الظَّاهِرَةِ، وَمِنْ ثَمَّ تَرَى كُتُبَ الْفِقْهِ لِلْمُتَأَخِّرِيْنَ خَالِيَةٌ مِنْ عِلْمِ الطَّرِيْقَةِ" اھ (مسلّم الثبوت، ص: ۵ مصر)

''یعنی فقہ کا لفظ ابتداء میں الٰہیات اور علمِ طریقت پر بولا جاتا تھا، اسی لیے امام صاحب نے فرمایا: یہ نفس کی ذمہ داریوں کی معرفت کا نام ہے۔ اور امام صاحب نے اپنی کتاب کا

نام ''فقہ اکبر'' رکھا ہے۔ علم کلام کے بعد یہ لفظ تصوف اور اخلاق پر بھی بولا جانے لگا، اسی لیے ریا اور حسد کی حرمت کو فقہ کہا گیا ہے۔ مدت تک یہی عرف رہا، پھر عرصے کے بعد یہ فقہ الفروع پر بولا جانے لگا۔''

فقہ کا یہ مفہوم گویا مدتوں بعد مشہور ہوا اور متاخرین نے اسے بطور اصطلاح استعمال فرمایا۔ اب اس کی اس قدر شہرت ہوئی کہ قرونِ خیر اور متقدمین کے مفاہیم کا عرفِ عام میں استعمال متروک ہو گیا۔

غزالی فرماتے ہیں:

"اِعْلَمْ أَنَّ مَنْشَأَ الْتِبَاسِ الْعُلُوْمِ الْمَذْمُوْمَةِ بِالْعُلُوْمِ الشَّرْعِيَّةِ تَحْرِيْفُ الْأَسَامِي الْمَحْمُوْدَةِ وَتَبْدِيْلُهَا وَنَقْلُهَا بِالْأَغْرَاضِ الْفَاسِدَةِ إِلىٰ مَعَانٍ غَيْرِ مَا أَرَادَهُ السَّلَفُ الصَّالِحُ وَالْقُرُوْنُ الْأُولىٰ، وَهِيَ خَمْسَةُ أَلْفَاظٍ: اَلْفِقْهُ وَالْعِلْمُ وَالتَّوْحِيْدُ وَالتَّذْكِيْرُ وَالْحِكْمَةُ، فَهٰذِهِ أَسَامٍ مَحْمُوْدَةٌ، وَالْمُتَّصِفُوْنَ بِهَا أَرْبَابُ الْمَنَاصِبِ فِيْ الدِّيْنِ، وَلٰكِنْ نُقِلَتِ الْآنَ إِلىٰ مَعَانٍ مَذْمُوْمَةٍ فَصَارَتِ الْقُلُوْبُ تَنْفِرُ عَنْ مَذَمَّةِ مَنْ يُتَّصَفُ بِمَعَانِيْهَا لِشُيُوْعِ إِطْلَاقِ هٰذِهِ الْأَسَامِي عَلَيْهِمْ.

اَللَّفْظُ الْأَوَّلُ: اَلْفِقْهُ، فَقَدْ تَصَرَّفُوْا فِيْهِ بِالتَّخْصِيْصِ لَا بِالنَّقْلِ وَالتَّحْوِيْلِ، إِذْ خَصَّصُوْهُ بِمَعْرِفَةِ الْفُرُوْعِ الْغَرِيْبَةِ فِيْ الْفَتَاوىٰ، وَالْوُقُوْفِ عَلىٰ دَقَائِقِ عِلَلِهَا، وَاسْتِكْثَارِ الْكَلَامِ فِيْهَا، وَحِفْظِ الْمَقَالَاتِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِهَا، فَمَنْ كَانَ أَشَدَّ تَعَمُّقًا فِيْهَا وَأَكْثَرَ اشْتِغَالًا بِهَا يُقَالُ: هُوَ الْأَفْقَهُ، وَلَقَدْ كَانَ اسْمُ الْفِقْهِ فِيْ الْعَصْرِ الْأَوَّلِ مُطْلَقًا عَلىٰ عِلْمِ طَرِيْقِ الْآخِرَةِ وَمَعْرِفَةِ دَقَائِقِ آفَاتِ النُّفُوْسِ... إِلىٰ أَنْ قَالَ: وَيَدُلُّكَ عَلَيْهِ قَوْلُهُ تَعَالىٰ: ﴿لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾ وَمَا يَحْصُلُ بِهِ الْإِنْذَارُ وَالتَّخْوِيْفُ هُوَ هٰذَا الْفِقْهُ دُوْنَ تَفْرِيْعَاتِ الطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ وَاللِّعَانِ وَالسَّلَمِ وَالْإِجَارَةِ فَذٰلِكَ لَا يَحْصُلُ بِهِ إِنْذَارٌ وَلَا تَخْوِيْفٌ، بَلِ التَّجَرُّدُ لَهُ عَلَى الدَّوَامِ يُقَسِّي الْقَلْبَ وَيَنْزِعُ الْخَشْيَةَ مِنْهُ... الخ" (إحياء علوم الدين: ١/ ٢٤)

''یعنی شرعی علوم میں مذموم اور ناپسند علوم کا اختلاط اور التباس اس لیے ہوا کہ علوم کے اچھے نام جو زمانہ سلف میں بولے جاتے تھے، اپنی فاسد اغراض کے لیے بدل دیے گئے اور ان کو ایسے مطالب پر بولا گیا جن پر قرونِ خیر میں ان کا اطلاق نہیں ہوتا تھا، نہ ہی ائمہ سلف ان الفاظ سے یہ مطالب مراد لیتے تھے۔ یہ پانچ نام ہیں: فقہ، علم، توحید، تذکیر، حکمت۔ یہ بہت اچھے نام ہیں۔ ان کے جاننے والوں کا دین میں بہت بلند منصب تھا، لیکن اب ان کو مذموم معانی پر بولا جانے لگا۔ اب ان سے اور ان کے جاننے والوں سے دل نفرت کرتا ہے، کیونکہ ان ناپسندیدہ معانی پر ان کا اطلاق عام ہو گیا ہے۔ فقہ کے مفہوم میں نقل اور تحویل کے بجائے ان لوگوں نے تخصیص پیدا کر دی ہے۔ اب اسے فتوؤں میں فقہ غیر معروف اور تعجب انگیز فروع پر بولا جاتا ہے۔ اس پر طویل گفتگو اور بال کی کھال اتارنے اور ان کے علل اور وجوہ میں تعمق کا نام فقہ رکھ دیا گیا ہے۔ جو ان میں زیادہ وقت ضائع کرے، اسے ''اَفقہ'' کہا جاتا ہے، حالانکہ قرونِ اولیٰ میں یہ لفظ نفس کے امراض کی پہچان اور علومِ آخرت کی معرفت پر بولا جاتا ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ: ﴿لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾ سے ظاہر ہے کہ دین کے فہم سے جو اِنذار اور خوف پیدا ہوتا ہے، اسے فقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ طلاق، عتاق، لعان، سلم اور اجارہ وغیرہ مسائل کے جاننے سے یہ اِنذار ہوتا ہے نہ خوف، بلکہ صرف ان مسائل میں مشغولیت سے دل اور سخت ہو جاتا ہے اور خشیتِ الٰہی اس سے مفقود ہو جاتی ہے، اسی طرح حکمت سے فلسفہ، توحید سے صفاتِ باری کی نفی، علم سے یونانی علوم یا علمِ کلام، تذکیر سے قصہ گوئی کا پیشہ مراد لے لیا گیا اور اصل مفہوم بالکل ہی نظر انداز ہو گیا۔''

امام غزالی رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا تذکرہ علامہ کاتب چلپی (۱۰۶۷ھ) نے ''کشف الظنون'' (۲/ ۹۱)، نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ''أبجد العلوم'' (۲/ ۵۶۰) اور علامہ سید محمد علی الپشاوری نے ''القول المأمول في فن الأصول'' (ص: ۷) میں اور طاش کبریٰ زادہ (۹۶۳ھ) نے

"مفتاح السعادة" (۳/۳) وغیرہ کتب میں اجمال اور تفصیل سے فرمایا ہے اور غزالی کی اس رائے پر کوئی تنقید نہیں فرمائی، بلکہ اسے پسند فرمایا اور اسے حقیقت پسندی کی نگاہ سے ذکر فرمایا ہے۔

ہمارے یہ بزرگ جب محدثین اور فقہائے حدیث اور ان کے اَتباع پر فقہ و درایت سے بے خبری کا الزام دیتے ہیں تو ان کی مراد متعارف اور فنی فقہ ہوتی ہے جس نے ان حضرات کی درس گاہوں میں صنعت و حرفت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ نزولِ قرآن کے وقت نہ ان فقہی جزئیات کا کوئی وجود تھا نہ فقہ کے ان دفاتر کا۔ استنباط اور استخراجِ مسائل کی ضرورت ہوتی تھی، لیکن اسے فقہ سے تعبیر نہیں کیا جاتا تھا، نہ اس کی پابندی واجب سمجھی جاتی تھی۔ معلوم نہیں کہ یہ فن اگر کسی کو نہ بھی معلوم ہو تو اس میں کیا عیب ہے؟ دنیا میں کئی حرفتیں اور پیشے ہیں، کئی علوم ہیں جن کو آپ حضرات نہیں جانتے۔ اگر یہ "أبواب الحِيَل" نہ معلوم ہوں تو کیا حرج ہے؟ پھر اس فن اور ان جزئیاتِ فقہیہ کے فہم میں بھی تفاوت ہے۔ کئی لوگوں میں انتہائی ظاہریت ہوتی ہے۔ بعض ذرا گہرائی میں چلے جاتے ہیں اور جب سے جامد تقلید کا شوق حضرات علماء کے اذہان پر محیط ہوا ہے، اس وقت سے ظاہریت اور حشویت عروج پر ہے۔ تحقیق اور دقتِ نظر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے کہ اجتہاد مجتہدانِ امت کے سوا باقی لوگوں کے لیے چوتھی صدی کے بعد ممنوع قرار پا چکا ہے۔

ایسے ہی ائمہ حدیث کا معاملہ ہے۔ فقہیات میں ان میں سے بعض کا مقام اتنا اونچا ہے کہ مروجہ فقہوں کے ماہر ان کی رفعتوں کو نہیں پا سکے۔ یہ حضرات نہ صرف فقہ الحدیث کے ماہر ہیں، بلکہ مروجہ فقہوں پر ان کی نظر بہت ہی عمیق ہے۔ وہ ان مروجہ فقہی مذاہب پر بڑی غائر تنقید فرماتے ہیں۔ بخاری، ترمذی، بیہقی، ابن خزیمہ اور ابن ابی شیبہ وغیرہم کی دقتِ نظر اہلِ علم میں مشہور ہے، اس لیے یہ "تالا بند" کا مسئلہ کسی علمی گروہ سے مخصوص نہیں۔ کم و بیش تمام طبقات میں سادہ لوح اور ظاہر بین بھی پائے گئے ہیں۔ یہ عطّار اور حکیم کی مثال بھی اسی نوعیت کی ہے۔ مروجہ فقہی مسالک احناف، شوافع اور موالک میں بھی بڑے بڑے "عطّار" موجود ہیں۔ قدرے سن بھی لیجیے:

1 طہارت کے ابواب میں پانی کی طہارت کا مسئلہ کس قدر سطحی ہے۔ پانی کی مقدار میں دہ در دہ کا تعین بالکل غیر فقہی ہے۔ جن مآخذ سے یہ مقدار اخذ کی گئی ہے، اس میں بھی تفقہ اور درایت

نہیں پائی گئی۔ بعض آثار میں گندے کوڑے کرکٹ کو کنویں کے منہ سے دس ہاتھ دور رکھنے کی ہدایت سے مقدار کا تعین اور پانی جیسی سیال چیز کو اس پر قیاس کرنا؛ اس میں کون سی فقہ ہے؟ شوافع کا استدلال اس سے بہت بہتر ہے۔

2 پھر کنویں کے پانی کی مقدار کو بالکل ہی نظر انداز کر دینا اور بعض غیر مستند آثار پر اس کی بنیاد رکھنا بالکل ظاہریت ہے۔ کنویں کے پانی کے لیے عشر فی عشر کا اندازہ ملحوظ رکھ لیا جاتا تو بھی مقدار میں اجمال بلکہ اہمال ہوتا، لیکن مسئلہ اس قدر بے تُک نہ ہوتا۔

(قاضی خاں: ۱/ ۷، شامی: ۱/ ۱۱۷)

3 موطوءہ لونڈی سے اِثباتِ نسب کے لیے دعوے کی ضرورت پر زور اور مشرق، مغرب میں کسی عورت سے نکاح کرنے اور ملاقات کے متعلق یقین ہو کہ نہیں ہوئی، تو بھی نسبت ثابت ہو جائے گی۔ (شامی: ۲/ ۹۷۴) یہ درایت کی کون سے قسم ہے؟ اور پھر اس پر حدیث «اَلْوَلَدُ لِلْفَرَاشِ»[1] سے استدلال بڑی شنیع قسم کی ظاہریت ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ کی ظاہریت بھی اس کے سامنے سرنگوں ہو گئی!

4 ذکوان مولیٰ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قرآن کریم دیکھ کر امامت کراتے تھے۔[2] اسے عملِ کثیر کی وجہ سے ناپسند کیا اور نماز کو فاسد قرار دیا گیا۔[3] لیکن عورت کے اندام نہانی کو غلط انداز سے دیکھے تو نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا۔ (قاضی خان: ۱/ ۱۱۱)

یہ کہاں کا تفقہ ہے؟ ان جزئیات کو پوری عقیدت سے قبول فرما کر محدثین کو عطّار کہنا دانشمندانہ اندازِ فکر نہیں۔

5 محرماتِ ابدیہ سے نکاح کے بعد منہ کالا کرنے کے بعد شبہ فی المحل کی بنا پر اسے حد سے بچانا

---

[1] صحيح البخاري: كتاب البيوع، باب تفسير الشبهات، رقم الحديث (١٩٤٨) صحيح مسلم: كتاب الرضاع، باب الولد للفراش والتوقي الشبهات، رقم الحديث (١٤٥٧)

[2] صحيح البخاري (١٨٥/٢، مع الفتح) امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ اثر تعلیقاً مجزوماً بہ ذکر کیا ہے، لیکن امام ابن ابی شیبہ (۲/ ۱۲۳) اور امام بیہقی رحمہ اللہ (۲/ ۲۵۳) نے اسے موصولاً بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "هو أثر صحيح" دیکھیں: تغليق التعليق (٢/ ٢٩١)

[3] بدائع الصنائع للكاساني (١/ ٥٤٣)

اور «اِدْرَؤُا الْحُدُوْدَ بِالشُّبُهَاتِ» کی بنا پر بحث کرنا، اس میں ہمیں تو تفقہ سمجھ میں نہیں آتا۔ (قاضی خان: ۱/۳۲۴)

6 خمر کے متعلق جس وسعت سے فقہ حنفی نے پرمٹ دیے ہیں اور خمر کی مختلف اقسام کے احکام جس حوصلہ مندی سے نافذ فرمائے، اس سے حدیث «يُسَمُّوْنَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا»[1] کی تصدیق ہوتی ہے، مگر تفقہ فی الدین کا اس سے ثبوت نہیں ملتا۔ عام حلال و حرام میں احتیاط کے لحاظ سے احناف خاصے نیک نام تھے، لیکن یہ نیک نامی اور احتیاط شراب میں قائم نہیں رہ سکی، بلکہ اہلِ علم میں غیر محتاط روش کی نظیر بن گئی۔

7 نکاحِ حلالہ کو ناجائز اور حرام سمجھنے کے باوجود یہ فتویٰ کہ اس سے پہلے خاوند کے لیے بیوی حلال ہو جائے گی،[2] غایت درجے کی سطحیت ہے۔ اس کی تائید نہ روایت سے ہوتی ہے اور نہ درایت سے، اس تاویلی زنا کا جواز تقلید ہی کی بنا پر ہو سکتا ہے!!

اس قسم کی سیکڑوں جزئیات مروجہ فقہ کے دفاتر میں موجود ہیں جو عقل و شعور کے دامن کو بڑے زور سے جھنجھوڑتی ہیں۔ بجز تقلید اور عصبیت کے ان کے قبول کے لیے ذہن آمادہ نہیں ہوتا۔

ان گزارشات کا یہ مطلب نہیں کہ فقہ حنفی کے سارے مسائل سطحی اور عدمِ احتیاط پر مبنی ہیں، بلکہ بعض مقامات میں انتہائی تفقہ اور گہرائی سے کام لیا گیا ہے اور بڑی محتاط روش اختیار فرمائی گئی ہے، اس لیے دور اندیش اور محقق علماء کی رائے ہے کہ ان مروجہ مسالک سے کسی مسلک کے ساتھ کلی وابستگی نہیں رکھنی چاہیے، "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ"[3] پر عمل ہونا چاہیے۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَمَا أَنَّ الْمَكِّيِّيْنَ وَالْكُوْفِيِّيْنَ لَا يَجُوْزُ تَقْلِيْدُهُمْ فِيْ مَسْأَلَةِ الْمُتْعَةِ وَالصَّرْفِ وَالنَّبِيْذِ، وَلَا يَجُوْزُ تَقْلِيْدُ بَعْضِ الْمَدَنِيِّيْنَ فِيْ مَسْأَلَةِ الْحُشُوْشِ وَإِتْيَانِ النِّسَاءِ فِيْ أَدْبَارِهِنَّ، بَلْ عِنْدَ فُقَهَاءِ الْمُحَدِّثِيْنَ أَنَّ مَنْ شَرِبَ النَّبِيْذَ

---

[1] سنن أبي داود (۳۶۸۸) سنن النسائي (۵۲۵۸) سنن ابن ماجه (٤٠٢٠) اس کی سند کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "جید" قرار دیا ہے۔ (فتح الباري: ۱۰/ ۵۱) نیز اسے امام حاکم، ذہبی اور البانی رحمہم اللہ نے "صحیح" قرار دیا ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " رجاله ثقات " (مجمع الزوائد: ۵/ ۸۳)

[2] الهداية (ص: ۲۵۷)

[3] ترجمہ: "صاف ستھری چیز کو پکڑو اور پراگندہ چیز کو چھوڑ دو۔"

الْمُخْتَلَفَ فِيهِ حُدَّ" اھ (إعلام الموقعين: ۳/ ۲۵۱ طبع منبريه)

یعنی متعہ، بیع، صرف اور نبیذ کے جواز میں اہلِ مکہ اور علمائے کوفہ کی تقلید درست نہیں۔ اسی طرح مدینہ کے بعض علماء کی تقلید مسئلہ حشوش اور "إتيان النساء في الدبر" میں درست نہیں، بلکہ فقہاء محدثین کا خیال ہے کہ جو شخص مختلف فیہ نبیذ پیے گا، اس کو حد لگے گی۔"

ظاہر ہے تمام مسالک اور مذاہب میں بعض مسائل پوری تحقیق اور احتیاط سے تخریج کیے گئے ہیں اور بعض بالکل سطحی ہیں۔ ان میں دقتِ نظر ملحوظ ہے نہ احتیاط، ائمہ حدیث پر طعن سے پیشتر تمام مذاہب کی فقہوں میں ایسے امور پر غور کر لینا چاہیے، ممکن ہے شکایت کا موقع نہ رہے۔ بعض اہلِ حدیث علماء نے بھی مروجہ فقہ کی روش پر بعض کتب تصنیف فرمائیں، جیسے نواب وحید الزمان، نواب صدیق حسن خان، ان میں بھی اس قسم کا غیر محتاط مواد آ گیا ہے جو یقیناً قابلِ قبول نہیں۔

یہ راہ ہی ایسی ہے جس میں لغزش کا امکان یقینی ہے، اور جہاں تک فہم و فراست کا تعلق ہے، اس میں مراتب کا تفاوت تمام طبقات میں پایا جاتا ہے، اور جہاں تک "تالا بند" کا تعلق ہے، اہلِ علم کے مختلف طبقات سے کوئی طبقہ کلیتاً محروم نہیں۔ طعن سے پہلے پورے ماحول پر غور فرما لینا مناسب ہے۔ جس فنی فقہ پر اس قدر ناز کیا جا رہا ہے، اس کا جاننا کوئی خاص خوبی ہے، نہ اس سے محرومی کوئی بڑا عیب ہے۔ فنی فقہ کے جاننے والوں میں بعض حشوی اور ظاہر پرست، بعض دقیق النظر، اسی طرح ائمہ حدیث میں دونوں قسم کے لوگ ہیں۔ یہ کوئی قانون نہیں جو آپ حضرات کے نوکِ قلم پر بار بار آ رہا ہے۔ آپ لوگوں کی جدید تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ حضرات سے اکثر حشوی اور ظاہری ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ کی ظاہریت فقہ کے شروح اور متون میں محصور ہے اور امام داود اور ابن حزم رحمہ اللہ کی ظاہریت قرآن و سنت تک محدود ہے!

الدراية:

لفظ درایت کے لغوی معنی اور متعارف معانی اور جدید اصطلاح میں فرق ہے۔ لغت میں اس کے متعدد مصادر ہیں:

"دَرَاهُ، دَرَى بِهِ، يَدْرِي دَرْيًا وَدَرْيَةً وَدرية وَدَرْيَانًا ودَريانا ودُريا ودراية وَهِيَ الْأَكْثَرُ فِي الْإِسْتِعْمَالِ (ياتى) علمه أَوْ توصل إِلىٰ علمه بضرب

مِنَ الْحِيلَةِ" (محيط المحيط)

آخر میں فرمایا: "عِلْمُ الدِّرَايَةِ عِلْمُ الْفِقْهِ وَأُصُولِ الْفِقْهِ" (۱/ ۸۳)

منجد، القاموس المحيط، المصباح المنير وغیرہ کتبِ لغت میں اس کا معنی علم یا مخصوص توجہ سے کسی چیز کا جاننا مرقوم ہے۔علم فقہ یا اصولِ فقہ یہ مخصوص انداز ہے دینی علوم میں غور و تدبر کا۔اس کا عرفی مفہوم بھی اس کے قریب قریب ہے:

"اَلْعِلْمُ بِدِرَايَةِ الْحَدِيْثِ وَهُوَ عِلْمٌ بَاحِثٌ عَنِ الْمَعْنَى الْمَفْهُوْمِ مِنْ أَلْفَاظِ الْحَدِيْثِ، وَعَنِ الْمُرَادِ مِنْهَا مَبْنِيًّا عَلٰى قَوَاعِدِ الْعَرَبِيَّةِ، وَضَوَابِطِ الشَّرِيْعَةِ، وَمُطَابِقًا لِأَحْوَالِ النَّبِيِّ ﷺ"اھ (كشف الظنون: ۱/ ۱۲۳)

یعنی اس علم میں احادیثِ نبویہ کے معانی اور مقاصد سے عربی زبان کے قواعد اور شریعت کے ضوابط اور آنحضرت ﷺ کے حالات کے مطابق غور کیا جاتا ہے۔

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ "أبجد العلوم" میں فرماتے ہیں:

"وَقَالَ الشَّيْخُ شَمْسُ الدِّيْنِ الْأَكْفَانِيُّ السَّخَاوِيُّ: دِرَايَةُ الْحَدِيْثِ عِلْمٌ تَتَعَرَّفُ مِنْهُ أَنْوَاعُ الرِّوَايَةِ وَأَحْكَامُهَا وَشُرُوْطُ الرِّوَايَةِ وَأَصْنَافُ الْمَرْوِيَّاتِ وَاسْتِخْرَاجُ مَعَانِيْهَا، وَيَحْتَاجُ إِلٰى مَا يَحْتَاجُ إِلَيْهِ عِلْمُ التَّفْسِيْرِ مِنَ اللُّغَةِ وَالنَّحْوِ وَالتَّصْرِيْفِ وَالْمَعَانِيْ وَالْبَيَانِ وَالْبَدِيْعِ وَالْأُصُوْلِ، وَيَحْتَاجُ إِلٰى تَارِيْخِ النَّقَلَةِ" (۲/ ۴۸۳)

یعنی علمِ درایتِ حدیث سے روایت کے اقسام، شروط اور احکام اور مرویات کی اقسام اور ان کے معانی کا استخراج ہوتا ہے، اور اس میں لغت، نحو، صرف، معانی، بیان اور بدیع کی اسی قدر ضرورت ہے جس قدر علمِ تفسیر میں، اور ناقلینِ حدیث کے متعلق تاریخی معلومات یعنی موالید اور وفیات کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔

علامہ احمد بن مصطفیٰ طاش کبریٰ زادہ (۹۶۲ھ) علمِ درایت کے متعلق فرماتے ہیں:

"هُوَ عِلْمٌ يُبْحَثُ فِيْهِ عَنِ الْمَعْنَى الْمَفْهُوْمِ مِنْ أَلْفَاظِ الْحَدِيْثِ وَعَنِ

الْمَعْنَى الْمُرَادِ مِنْهَا مَبْنِيًّا عَلَىٰ قَوَاعِدِ الْعَرَبِيَّةِ وَضَوَابِطِ الشَّرِيْعَةِ مُطَابِقًا لِأَحْوَالِ النَّبِيِّ ﷺ"

''اس کا موضوع احادیثِ نبویہ بلحاظِ معانی اور مقاصد ہے۔ اس کی غایت آدابِ نبویہ کے ساتھ تخلق ہے اور علومِ عربیہ اس کے مبادی ہیں، یعنی اس علم میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور عربی علوم کی روشنی میں احادیث کے معنی اور مفہوم سے بحث کی جاتی ہے۔''

اوپر کی تعریفات سے فنِ درایت کے متعلق چند معلومات حاصل ہوتے ہیں:

1 درایت کوئی مدون فن نہیں، بلکہ عربی زبان اور اس کے متعلقات اور اصولِ فقہ و اصولِ حدیث میں مزاولت اور مہارت سے خود بخود ایک ذہن پیدا ہوتا ہے جس سے حدیث کے مفہوم کی بعض پیچیدگیاں بعض وقت حل ہو جاتی ہیں۔

2 روایت اور رجال کے مباحث میں بھی اس سے فائدہ ہوسکتا ہے، لیکن اس کا زیادہ تر تعلق معانی اور مفہوم سے ہوتا ہے۔ بعض تاریخی مباحث بھی اس سے حل ہو سکتے ہیں۔ رجال کی موالید اور وفیات، اتصال، انقطاع، ارسال اور اعضال وغیرہ کے متعلق بھی اس سے روشنی پڑتی ہے۔ گو ان مباحث کا براہِ راست تعلق اصولِ حدیث سے ہے۔

3 ناقلینِ تاریخ سے نسخ کے مباحث میں بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے، گو اصل اس کا اصولِ فقہ سے تعلق ہے۔

4 حدیث کا طالبِ علم خوب جانتا ہے کہ حدیث کے رواۃ اور اسانید کے متعلق ائمۂ حدیث نے کس قدر محنت فرمائی ہے اور ان کے حالات کی کس قدر چھان پھٹک کی ہے۔

تاریخ بھی ہمارے پاس اسی قسم کی اسانید کے واسطے سے پہنچی ہے۔ تاریخ طبری، البدایہ والنہایہ اور مسعودی وغیرہ میں اسانید کا خاصا التزام کیا گیا ہے، لیکن یہ رواۃ اور اسانید، احادیث کے رواۃ اور اسانید کا مقابلہ نہیں کر سکتے، نہ ہی اس پر اس قدر محنت کی گی ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حدیث حجتِ شرعی ہے اور تاریخ شرعاً حجت نہیں۔

ائمۂ اسلام میں بعض صرف محدث ہیں۔ بعض مؤرخ اور اخباری ہیں۔ بعض دونوں فنون کے ماہر ہیں۔ دونوں میں ان کی تصانیف موجود ہیں، لیکن دونوں کا ذوق ہر مقام پر مختلف ہوتا ہے۔ جب

وہ حدیث اور اس کے رواۃ پر بحث کرتا ہے، اس کی شان اور اندازِ تحقیق اخباری اور تاریخی انداز سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر اخباری روایات احادیث کے خلاف آ جائیں تو ائمہ حدیث اسے تعارض نہیں سمجھتے۔ تطبیق کے بجائے وہ حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور بات بھی معقول ہے۔

فنِ درایت کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات درایت کی وجہ سے ایسے قرائن جمع ہو جاتے ہیں جن کی بنا پر اخباری روایات کو حدیثی روایات پر ترجیح دینا درست معلوم ہوتا ہے۔ درایت کی تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں اہم فائدہ یہی ہے۔

محض شخصی عقل اور تجربہ، قرائن کی بنیاد نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اساس پھر بھی روایت اور واقعات پر ہونی چاہیے۔ عقلی استحالات ایک مستند قصے کی تغلیط کے لیے کافی نہیں، بلکہ اگر صحیح روایات کی تغلیط محض عقلی احتمالات سے کی جائے تو اس کا مطلب روایت اور رواۃ دونوں کی تکذیب ہو گا، اور اگر ان قرائن کی بنیاد کوئی دوسری حدیث ہو تو اعتماد روایت پر اور قرائن ترجیح کا موجب ہوں گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ سنت کو اس فن کی ضرورت چند وجہ سے ہوئی، چونکہ روایت بالمعنی کے متعلق ائمہ میں پہلے ہی سے اختلاف تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ روایت بالمعنی کا رواج عام تھا۔ حدیث کا ایک طالبِ علم جانتا ہے کہ ایک حدیث کس قدر مختلف الفاظ سے مروی ہوتی ہے۔ خود قرآن عزیز پہلے انبیاء کی تاریخ کو متعدد مقامات پر مختلف الفاظ میں ذکر فرماتا ہے۔ اسے روایت بالمعنی ہی کہا جا سکتا ہے۔ ائمہ حدیث اس اجازت کے بعد یقین فرمانا چاہتے تھے کہ کہیں حدیث کا اصلی مقصد ہی اختلافِ تعبیرات کی وجہ سے پریشانی کی نذر نہ ہو جائے، اس لیے انھوں نے فنِ درایت کو عربی علوم کی اساس پر قائم فرمایا۔

فقہائے عراق:

حضرات عقلائے عراق نے دو فتوے اور بھی دیے جن کی بنا پر درایت کی ضرورت اور بھی زیادہ محسوس ہونے لگی۔ نماز میں فارسی قراءت کا مسئلہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب تھا۔[1] مطولات میں اس کے متعلق رجوع اور اقرار دونوں امر منقول ہیں اور قائل اور مخالف دونوں فریق موجود۔ گو ائمہ حدیث بلکہ دوسرے ائمہ اس کے قائل نہیں، تاہم اہلِ علم کی محفل میں یہ مسئلہ ما بہ النزاع ضرور ہے۔

[1] الهداية (ص: ٤٧) بدائع الصنائع (١/٢٩٦) نیز دیکھیں: فتح الباري (١٣/ ٥١٧)

اس سے روایت بالمعنی کے جواز کو مدد ملتی ہے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ علومِ عربیہ اور اس کے متعلقات کی روشنی میں مضبوط احتساب کیا جائے کہ اصل مقصد گم نہ ہونے پائے۔

علمائے عراق نے فخریہ فرمایا کہ ہم مراسیل کو بھی حجت سمجھتے ہیں۔ شامی نے ابوابِ وصیت میں فرمایا کہ اگر کوئی آدمی اہلِ حدیث کے نام پر کوئی چیز وقف کرے تو یہ وصیت حنفی طالب علموں کو بھی شامل ہوگی، کیونکہ یہ مرسل کو بھی حجت سمجھتے ہیں۔ (رد المحتار: ۳/ ٥٦٥) اہلِ حدیث بننے کا شوق بڑا مبارک ہے اور وقف پر قبضہ بھی خوب! لیکن بحث تو یہ ہے کہ مرسل کو علی الاطلاق حدیث کہنا درست ہے؟ امام شافعی رحمہ اللہ نے ''الرسالة'' میں یہ بحث مفصل ذکر فرمائی ہے۔ (الرسالة: ٤٦٢) اور واضح فرمایا ہے کہ مرسل کو حدیث کہنا یا سمجھنا کہاں تک درست ہے۔ کل ممکن ہے کوئی عالم زورِ بیان میں یہ فرما دیں کہ اصل اہلِ حدیث ہم ہیں، کیونکہ ہم موضوع احادیث کو بھی مانتے ہیں، تو ہم ان بزرگوں کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟!

صورت جو بھی ہو، ان وجوہ کی بنا پر محدثین اور ائمۂ سنت کا یہ خطرہ ایک حقیقت معلوم ہوتا ہے، اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ ان فتوؤں کی زد اور نقصان سے بچنے کے لیے کچھ پابندیاں عائد کی جائیں، تاکہ نقلِ احادیث میں علماء کی طغیانیاں اصل مقصد کو بہا کر نہ لے جائیں اور مراسیل، مقطوعات کی آڑ میں موضوع اور مختلق چیزیں آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو جائیں، اس لیے اس حفاظتی تصور کا نام علمِ درایت رکھا گیا اور زیادہ تر اس کا انحصار لغت اور علومِ لسانیہ پر رکھا گیا، تاکہ روایت کا مفہوم صحیح طور پر آگے منتقل ہو۔ مراسیل کی طرح کوئی غلط اور غیر یقینی نوشتہ آنحضرت ﷺ کی طرف نسبت نہ پا جائے۔

فقہ راوی:

جن مقاصد کے لیے بعض اہلِ علم نے درایت کی ضرورت کو محسوس فرمایا، انھی مقاصد کے لیے فقہائے عراق نے فقہ راوی کی قید لگائی، تاکہ نصوص کا مفہوم صحیح ادا ہو اور روایت بالمعنی میں اس سے مدد مل سکے اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی صحیح تعبیر مخاطب تک پہنچ سکے۔ گو درایت اور فقہ کے مصطلح مفہوم میں فرق ہے، لیکن مفہوم کے ادا میں ان دونوں ذرائع سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اور یہ واقع میں صحیح بھی ہے اور ضروری بھی، لیکن ائمۂ حدیث اور فقہائے محدثین اس قسم کی قیود سے بے نیاز تھے۔ اسانید

کے ضبط اور متون میں مختلف الفاظ کے حفظ و ادا سے ان کے طبائع میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ فنی لطافتوں کے علاوہ ذوقی طور پر سمجھتے تھے اور ہر صاحبِ فن کا اپنے فن میں یہی حال ہوتا ہے۔ وہ فن کی لطافتوں کو ذوق سے سمجھتے ہیں۔ معلوم ہے موجدینِ فنون نے فنون کتابوں سے نہیں پڑھے، ہاں ذوق کی سلامتی ان فنون کی ایجاد کا موجب ہوئی۔ اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، معانی اور بیان وغیرہ تمام فنون تصنیف وتالیف اور تدوین سے پہلے ذوقِ سلیم ہی کے مرہون تھے۔

لیکن حدیث جن لوگوں کا فن نہیں تھا، حفظ و ضبط میں ان کا انداز محدثانہ نہ تھا، ان حضرات نے ذوق کا کام ان فنون سے لیا اور پوری نیک دلی سے احادیثِ نبویہ اور ان کے مفاہیم اور مقاصد پر غور کیا، فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔ علماء اپنے اپنے انداز سے خدمت کرتے رہے اور ان اصول وقواعد کی راہ میں کوئی بے اعتدالی راہ نہ پاسکی۔

بے اعتدالی کا دور:

جب یونانی علوم نے اسلامی علوم پر یورش کی اور غیر مسلم اہلِ علم اسلام سے مانوس ہوئے۔ اسلامی علوم وعقائد ان کے خیالات وعقائد سے متصادم ہوئے تو بے اعتدالی کی راہیں پیدا ہونا شروع ہوئیں۔ یہ اصطلاحات جن مقاصد کے لیے وضع کی گئی تھیں، ان کے بالکل خلاف استعمال ہونے لگیں۔ صفاتِ باری تعالیٰ کی تاویل کا نام تفقہ اور درایت رکھ لیا گیا اور ائمۂ سنت کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کر دیا گیا۔ حق گوئی کا نام حشویت، حرفیت اور ظاہریت رکھ کر ان کو بدنام کیا گیا۔ ان کی بلاتاویل سادہ روش کو غیر فقہی کہہ کر ان کے خلاف بداعتمادی کی فضا قائم کی گئی۔ فقہائے اسلام نے جن لوگوں کے لیے یہ اصطلاحات ایجاد کی تھیں، وہ بھی تاویل میں اس طغیانی اور تخریبِ عقائد میں اس اندھیر کے قائل نہ تھے۔

فلاسفۂ اسلام اور متکلمین نے اپنے جدید افکار سے اسلام اور اس کے عقائد میں تشکیک پیدا کر دی۔ بجائے اس کے کہ درایت اور تفقہ سے روایت بالمعنی کی امکانی اغلاط سے بچا جاتا، تاویل سے بھی گزر کر تحریف کی سرحدوں کو عبور کرنا شروع کر دیا گیا۔ امام سرخسی (۴۹۰ھ) حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق ابن عباس اور یزید بن اصم رحمہ اللہ کی دو متعارض احادیث میں اپنے مسلک کے مطابق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یزید بن اصم رحمہ اللہ سے زیادہ فقیہ تھے:

”وَهٰذَا التَّرْجِيْحُ لَيْسَ إِلَّا بِاعْتِبَارِ تَمَامِ الضَّبْطِ مِنَ الْفَقِيْهِ، وَكَانَ الْمَعْنٰى فِيْهِ أَنَّ نَقْلَ الْخَبَرِ بِالْمَعْنٰى كَانَ مَشْهُوْرًا فِيْهِمْ فَمَنْ لَّا يَكُوْنُ مَعْرُوْفًا بِالْفِقْهِ رُبَّمَا يَقْصُرُ فِيْ أَدَاءِ الْمَعْنٰى بِلَفْظِهِ بِنَاءً عَلٰى فَهْمِهِ، وَيُؤْمَنُ مِثْلُ ذٰلِكَ مِنَ الْفَقِيْهِ“ (أصول سرخسي: ۱/ ۳۴۹)

یعنی یہ ترجیح اس لیے دی گئی کہ فقیہ راوی مفہوم کو بہتر ضبط کر سکتا ہے، چونکہ صحابہ میں روایت بالمعنی عام تھی، غیر فقیہ راوی کبھی حقیقت تک رسائی سے قاصر رہتا ہے اور فقیہ راوی کے متعلق یہ خطرہ نہیں ہوتا۔

اس وقت یہ ظاہر کرنا مطلوب نہیں کہ یہ ترجیح درست ہے یا محلِ نظر؟ گزارش صرف اس قدر ہے کہ فقہ راوی کی شرط درایت کی طرح روایت بالمعنی کی مضرت سے بچنے کے لیے تھی، لیکن آہستہ آہستہ اسی فقہ راوی کی بنا پر بیسیوں احادیث کو ذبح کر کے رکھ دیا گیا اور بیسیوں ثقہ رواۃ بلکہ صحابہ کو اس مصطلح تفقہ اور درایت کی بنا پر غیر مستند قرار دے دیا گیا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی گئی۔ (شامی: ۱/ ۵۷)

نقدِ روایات اور فقہ:

اس میں کچھ شک نہیں کہ فقہائے حنفیہ اور ائمہ اصول میں فقہ راوی کی شرط تنقیدِ روایات میں کافی مشہور ہے۔ امام سرخسی ایسے اکابر رجال بھی فقہ راوی کی بنا پر تنقید اور ترجیح کا بکثرت تذکرہ فرماتے ہیں۔ نکاحِ میمونہ رضی اللہ عنہا کے سلسلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے یزید بن الاصم رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں: ”اَلْبَوَّالُ عَلٰى عَقِبِهِ“۔ یزید بن الاصم کے متعلق علمائے رجال کا خیال ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ صحابی نہ بھی ہوں تو اکابر تابعین سے ہوں گے۔[1] ان بزرگوں کے متعلق یہ اندازِ تنقید اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ ابن سعد فرماتے ہیں: ”ثِقَةٌ كَثِيْرُ الْحَدِيْثِ“[2] فقہ راوی کی زد سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے اکابر صحابہ بھی نہیں

[1] حافظ علائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ذَكَرَهُ بَعْضُهُمْ فِي الصَّحَابَةِ، وَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ تَابِعِيٌّ، وَحَدِيْثُهُ مُرْسَلٌ“ (جامع التحصيل، ص: ۳۰۰) نیز دیگر اہلِ علم نے بھی انھیں تابعی قرار دیا ہے۔ دیکھیں: الثقات للعجلي (۲/۳۶۰) الإصابة (۶/۶۹۳) تهذيب التهذيب (۱۱/ ۲۷۳)

[2] الطبقات الكبرىٰ لابن سعد (۷/۴۷۹)

بچ سکے، بلکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تو بہت زیادہ تختۂ مشق رہے۔[1] ان ہی حضرات سے سن کر روافض اور منکرینِ حدیث نے پاکباز صحابہ رضی اللہ عنہم پر طعن و تشنیع کرنا شروع کر دیا اور عجیب یہ ہے کہ فقہ کا ان حضرات کے ہاں کوئی پیمانہ نہیں کہ کتنی فقہ ان حضرات کو نقلِ روایت میں مطمئن کر سکتی ہے؟ فقہ سے محروم تو صحابہ میں سے کوئی نہ تھا۔ جب کوئی پیمانہ معین نہ ہو، اس قسم کی جرح مذاق بن کر رہ جائے گی۔

یقین ہے کہ یہ حضرات ارادتاً صحابہ کی بے ادبی کرنا نہیں چاہتے، لیکن عیسیٰ بن ابان اور امام سرخسی سے لے کر بزدوی اور ملا جیون تک تمام اصاغر و اکابر یہ وظیفہ کریں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہیں، تو عزت کیا رہی؟ غالباً یہ تاثر روافض اور معتزلہ سے لیا گیا ہے۔ دوسرے ائمہ بھی مجتہد اور فقیہ ہیں، لیکن کسی کو صحابہ پر اس طرح حرف گیری کی جرأت نہیں ہوئی، یہ جامد تقلید کے مصائب ہیں۔

عشق زینہا بیش کر دست کند[2]

فقہ راوی کا اثر:

متقدمین نے یہ شرط روایت بالمعنی کے خطرات سے بچنے کے لیے لگائی تھی، حالانکہ روایت بالمعنی کا رواج صحابہ میں عام تھا۔ تدوین کے بعد تو الفاظ جو بھی تھے، محفوظ ہو گئے۔ اب تو وعظ و تقریر میں ہو سکتا ہے روایت بالمعنی کی ضرورت کبھی ہو۔ درس و تدریس اور تدوین اور روایت میں اس کی ضرورت ہی نہیں، تاہم متاخرینِ فقہائے حنفیہ نے جو اعتزال سے متاثر تھے، انھوں نے اسے بڑا غلط برتا۔ یونانی نظریات کا نام فقہ رکھا گیا، متکلمین کی موشگافیوں کو فقہ سمجھا گیا، اعتزال کی گمراہیوں کو ہدایت سے تعبیر کیا گیا۔ مامون کے دور سے متوکل کے زمانے تک ائمۂ سنت پر جو ابتلاء آیا وہ اسی قسم کی فقہ کا نتیجہ تھا۔ یہ فقہ ائمۂ اربعہ سے پہلے شروع ہو چکی تھی۔ احناف میں اسے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ بشر مریسی ۲۲۸ھ، قاضی عیسیٰ بن ابان ۲۲۱ھ اور قاضی بشر بن ولید کندی اسی قسم کی فقہ کے پیداوار ہیں۔ بشر مریسی وہی بزرگ ہیں جنھوں نے مامون کے دربار میں شیخ عبدالعزیز کنانی سے خلقِ قرآن پر مناظرہ کیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے "کتاب السنة" میں ان کے متعلق عجیب انکشافات فرمائے ہیں:

[1] دیکھیں: أصول البزدوي (ص: ۱۵۹) أصول السرخسي (۳۴۰/۱) أصول الشاشي (ص:۲۷۵) نیز دیکھیں: توضيح الكلام (۴۲/۲)

[2] ترجمہ: "یہ سب عشق کی کارستانی ہے۔"

"أُخْبِرْتُ عَنْ يَحْيىٰ بْنِ أَيُّوبَ قَالَ: كُنْتُ أَسْمَعُ النَّاسَ يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْ الْمُرَيْسِيِّ فَكَرِهْتُ أَنْ أُقْدِمَ عَلَيْهِ حَتّٰى أَسْمَعَ كَلَامَهُ لِأَقُوْلَ فِيْهِ بِعِلْمٍ فَأَتَيْتُهُ فَإِذَا هُوَ يُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلىٰ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقُلْتُ لَهُ: إِنَّكَ تُكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلىٰ عِيْسىٰ فَأَهْلُ ذٰلِكَ هُوَ، وَلَا أَرَاكَ تُصَلِّيْ عَلىٰ نَبِيِّنَا وَنَبِيُّنَا أَفْضَلُ مِنْهُ؟ فَقَالَ لِيْ: ذٰلِكَ كَانَ مَشْغُوْلًا بِالْمِرْأَةِ وَالْمُشْطِ وَالنِّسَاءِ" (١/ ٣٠)

یعنی یحییٰ بن ایوب فرماتے ہیں: یہ لوگ بشر مریسی کے متعلق باتیں کرتے تھے، میں نے ذاتی علم کے بغیر کوئی اقدام مناسب نہ سمجھا۔ میں اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت مسیح پر بہت درود پڑھتا تھا۔ میں نے کہا، حضرت مسیح بے شک درود کے اہل ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ ان سے افضل ہیں ان پر درود کیوں نہیں پڑھتے؟ اس نے کہا: وہ شیشہ، کنگھی اور عورتوں ہی میں مشغول رہتے تھے۔

بشر کی زندقت کا تذکرہ "الفوائد البهية" (ص: ٢٦) اور "الجواهر المضية" (١/ ١٦٤) میں بھی مرقوم ہے، اور اسی طرح "میزان الاعتدال" (١/ ١٥٠) میں ہے:

"بِشْرُ بْنُ غِيَاثٍ الْمُرَيْسِيُّ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ لَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّرْوَى عَنْهُ، تَفَقَّهَ عَلىٰ أَبِيْ يُوْسُفَ فَبَرَعَ وَأَتْقَنَ عِلْمَ الْكَلَامِ، ثُمَّ جَرَّدَ الْقَوْلَ بِخَلْقِ الْقُرْآنِ، وَقَالَ قُتَيْبَةُ: بِشْرٌ الْمُرَيْسِيُّ كَافِرٌ"

یعنی بشر مریسی بدعتی گمراہ ہے، اس سے روایت درست نہیں۔ امام ابویوسف سے فقہ پڑھی، مہارت کے بعد خلقِ قرآن کا قائل ہو گیا۔ قتیبہ فرماتے ہیں: وہ کافر ہے۔

قاضی بشر بن ولید کندی خلیفہ معتصم باللہ کی طرف سے قاضی مقرر ہوئے، آخر میں خلقِ قرآن کے مسئلے میں توقف کرنے لگے۔ (میزان الاعتدال: ١/ ١٥٢)

حالانکہ اکابر اہلِ سنت اس وقت جیل خانوں میں تھے۔ قاضی عیسیٰ بن ابان نے فقہ راوی کو اچھالا اور احادیث میں ترجیح کی اس شرط سے بے حد کام لیا۔ روایت بالمعنی سے پیدا ہونے والے خطرات سے بچنے کے لیے جو اصل وضع فرمایا گیا، وہ خود ایک مستقل خطرہ بن گیا اور ان اعتزال پسند فقہاء نے آنحضرت ﷺ کے عشاق اور ان کی بہت سی مرویات کو ذبح کر کے رکھ دیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مصراۃ کے متعلق حدیث ان حضرات کی نظر میں آ گئی، [1] ورنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کی تلاش میں حجاز کے پہاڑ چھان مارتے، نماز کی جگہوں کے ساتھ پیشاب کے مواقع کا بھی تتبع فرماتے، ان کی فقہ پر کوئی حرف نہیں آیا، حالانکہ یہ مواقع نہ عبادات تھے نہ عادات، بلکہ محض اتفاقات تھے، لیکن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیچارے حدیثِ مصراۃ کی وجہ سے ہر اصولِ فقہ کے طالبِ علم کی زبان پر ان کے غیر فقیہ ہونے کا وظیفہ جاری ہے۔ [2] وَلَيْسَ ذٰلِكَ إِلَّا مِنْ آفَاتِ التَّقْلِيْدِ وَالْجُمُوْدِ!

فقہ راوی کی شرط اور اکابر حنفیہ:

ہمارے مدارس کا یہ حال ہے کہ وہ فقہ راوی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں جیسے کسی آیت کا مفہوم بیان فرما رہے ہیں، یا کوئی متواتر حدیث، حالانکہ قدماء احناف کے ہاں اس کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ وہ نقدِ روایت یا ترجیح میں اس شرط کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتے۔ ''اصول بزدوی'' میں فقہ راوی کا ذکر فرماتے ہوئے مثال کے طور پر دو غیر فقیہ بزرگوں کا تذکرہ فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت

[1] ''حدیثِ مصراۃ'' سے مراد وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اونٹ اور بکری کا دودھ روک کر مت بیچا کرو۔ جس شخص نے ایسا جانور خرید لیا، وہ دو چیزوں میں مختار ہے۔ اگر اسے وہ جانور پسند آ جائے تو اپنے پاس رکھ لے، لیکن اگر اسے وہ جانور پسند نہ آئے تو واپس کر دے اور واپس کرتے ہوئے اس جانور کے ساتھ کھجور کا ایک صاع بھی ادا کرے۔ (صحيح البخاري، برقم (٢٠٤١، ٢٠٤٣) صحيح مسلم، برقم (١٥١٨) ''مصراۃ'' ایسے دودھ دینے والے جانور کو کہا جاتا ہے جسے فروخت کرنے سے چند دن قبل دھویا نہیں جاتا اور اس کا دودھ نہیں نکالا جاتا، تاکہ فروخت کے وقت دودھ زیادہ نظر آنے پر اس کی قیمت بڑھ سکے۔

[2] چنانچہ قاضی ابو طیب طبری اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم جامع منصور میں بیٹھے ہوئے تھے کہ خراسان کا ایک حنفی نوجوان آیا اور اس نے مصراۃ (دودھ روکا ہوا جانور) کے بارے میں سوال کیا اور دلیل کا بھی مطالبہ کیا۔ جواب دینے والے نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مصراۃ کے بارے میں حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اسے جواب دیا تو وہ حنفی نوجوان کہنے لگا: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تو حدیث مقبول نہیں ہوتی! قاضی ابو طیب کہتے ہیں کہ ابھی اس نے اپنی بات پوری نہیں کی تھی کہ مسجد کی چھت سے ایک بہت بڑا سانپ گرا، جسے دیکھ کر لوگ بھاگ گئے اور وہ نوجوان بھی بھاگ گیا۔ سانپ بھی اس نوجوان کے پیچھے بھاگنے لگا تو لوگوں نے اسے کہا: توبہ کر لو! توبہ کر لو! چنانچہ اس نوجوان نے کہا: میں توبہ کرتا ہوں، تو سانپ غائب ہو گیا اور اس کا کوئی نام و نشان نظر نہ آیا۔ (المنتظم لابن الجوزي: ٩/ ١٥٥، تاريخ الإسلام للذهبي: ٣٥٤/٤، سير أعلام النبلاء: ٢/ ٦١٩) حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس واقعے کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: " إسنادها أئمة " یعنی اس سند کے رواۃ سبھی امام ہیں۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ، اس کے بعد اس شرط کا فائدہ ذکر فرمایا:

”وَوَجْهُ ذٰلِكَ أَنَّ ضَبْطَ حَدِيْثِ النَّبِيِّ ﷺ عَظِيْمُ الْخَطَرِ، وَقَدْ كَانَ النَّقْلُ بِالْمَعْنَى مُسْتَفِيْضًا فِيْهِمْ، فَإِذَا قَصُرَ فِقْهُ الرَّاوِيْ عَنْ دَرْكِ مَعَانِيْ حَدِيْثِ النَّبِيِّ ﷺ وَإِحَاطَتِهَا لَمْ يُؤْمَنْ أَنْ يَّذْهَبَ عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ مَعَانِيْهِ“
(أصول بزدوی: ٦٩٩)[1]

یعنی حدیث کے نقل کا معاملہ خطرناک ہے اور صحابہ میں روایت بالمعنی کا رواج عام تھا۔ اگر راوی فقیہ نہ ہو تو ممکن ہے کہ حدیث کے مفہوم میں لغزش ہو جائے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ صحابہ کو غیر فقیہ کہنے سے ان کی تحقیر مطلوب نہیں، بلکہ امام صاحب بسا اوقات بعض شرائط سے غیر فقیہ صحابہ کی احادیث قبول فرما لیتے تھے:

”فَإِنَّ مُحَمَّدًا يَحْكِيْ عَنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعٍ أَنَّهُ احْتَجَّ بِمَذْهَبِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ وَقَلَّدَهُ، فَمَا ظَنُّكَ فِيْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ“ (اصول بزدوی: ٧٠٠)[2]

امام محمد فرماتے ہیں: امام صاحب کبھی انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی بھی تقلید فرما لیتے تھے اور وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ غیر فقیہ تھے۔“

تعجب ہے کہ اس خطاب کے لیے یہی بے چارے دو یا تین صحابہ مثال کے طور پر ملے ہیں، باقی ایک لاکھ کے پس و پیش غالباً سب فقیہ ہوں گے!

اصول بزدوی کے شارح عبدالعزیز بن احمد بخاری (۷۳۰ھ) فرماتے ہیں:

”اِعْلَمْ أَنَّ مَا ذَكَرْنَا مِنِ اشْتِرَاطِ فِقْهِ الرَّاوِيْ لِتَقْدِيْمِ خَبَرِهِ عَلَى الْقِيَاسِ، هُوَ مَذْهَبُ عِيْسَى بْنِ أَبَانَ، وَاخْتَارَهُ الْقَاضِي الْإِمَامُ أَبُوْ زَيْدٍ، وَخَرَّجَ عَلَيْهِ حَدِيْثَ الْمُصَرَّاةِ وَخَبَرَ الْعَرَايَا، وَتَابَعَهُ أَكْثَرُ الْمُتَأَخِّرِيْنَ، فَأَمَّا عِنْدَ الشَّيْخِ أَبِي الْحَسَنِ الْكَرْخِيِّ وَمَنْ تَابَعَهُ مِنْ أَصْحَابِنَا فَلَيْسَ فِقْهُ الرَّاوِيْ بِشَرْطٍ لِتَقْدِيْمِ خَبَرِهِ عَلَى الْقِيَاسِ، بَلْ يُقْبَلُ خَبَرُ كُلِّ عَدْلٍ ضَابِطٍ إِذَا لَمْ يَكُنْ مُخَالِفًا لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الْمَشْهُوْرَةِ، يُقَدَّمُ عَلَى الْقِيَاسِ، قَالَ أَبُو الْيُسْرِ:

---

[1] أصول البزدوي (ص: ١٥٩)

[2] مصدر سابق

وَإِلَيْهِ مَالَ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ، لِأَنَّ التَّغْيِيرَ مِنَ الرَّاوِيْ بَعْدَ ثُبُوْتِ عَدَالَتِهِ وَضَبْطِهِ مَوْهُوْمٌ" (۲/ ۷۰۳)[1]

یعنی روایت کی ترجیح اور تقدیم کے لیے فقہ راوی کی شرط صرف قاضی عیسیٰ بن ابان اور بعض متاخرین کا مذہب ہے۔ ابو زید دبوسی نے اسے پسند فرمایا اور مصراۃ اور عرایا کی حدیث کو اسی اصل پر تخریج کیا، اور شیخ ابو الحسن کرخی اور ان کے اتباع اس شرط کو قبول نہیں فرماتے۔ ان کا خیال ہے کہ عادل اور ضابط راوی کی خبر بہرحال قیاس پر مقدم ہو گی۔ ابوالیسر فرماتے ہیں: اکثر فقہائے حنفیہ کا یہی مذہب ہے، کیونکہ ثقہ راوی کی روایت کے بعد معنی کی تبدیلی کا سوال محض وہم ہے۔

امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ وہ مصراۃ کی حدیث کو صحیح سمجھتے تھے۔ بالکل انہی خیالات کا اظہار شارح حسامی نے "غاية التحقيق" میں کیا ہے۔ (ص: ۱۶۵، ۱۶۶)

صاحب "دراسات اللبيب" نے اس مقام پر عجیب پرمغز اور مختصر بحث فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں:

① فقہ راوی کو تحمل اور صدقِ روایت میں کوئی اثر نہیں۔

② صحابہ میں یہ امکان ہی نہیں کہ روایت بالمعنی میں ایسی غلطی کریں جس سے حدیث کا مقصود فوت ہو جائے۔

③ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے الفاظ ضبط کرنے کی کوشش فرماتے تھے، کیسے ممکن ہے کہ معنی ادا کرنے میں وہ غلطی کریں؟

④ وہ لوگ اہلِ زبان تھے، ان سے ادائے معنی میں غلطی کا احتمال کہاں ہو سکتا ہے؟ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسا دانشمند آدمی جس کی طرف بوقتِ ضرورت عبادلہ ایسے فقہاء صحابہ رجوع فرماتے تھے۔

⑤ آنحضرت ﷺ نے ان کے حق میں حفظ کے لیے دعا فرمائی، جس کا یہ اثر ہوا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے اس کے بعد نسیان نہیں ہوا۔[2] (اگر یہ حفظ بلا فہم ہو یا غلط فہمی کا امکان موجود

---

[1] كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي (۲/ ۵۵۸)

[2] صحيح البخاري: كتاب العلم، باب حفظ العلم، رقم الحديث (۱۱۹) صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم، باب من فضائل أبي هريرة الدوسي رضي الله عنه، رقم الحديث (۲۴۹۲)

ہو تو اس دعا سے کیا فائدہ؟)

۶ جو لوگ صحیحین کے رجال کے خصائص کو جانتے ہیں، انھیں معلوم ہے کہ ان میں ادنیٰ اور معمولی آدمی بھی آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی غلط تعبیر نہیں کرسکتا۔

۷ آخر میں فرماتے ہیں: "وَلِهٰذَا قَالَ شَيْخُ الْحَنَفِيَّةِ صَاحِبُ الْكَشْفِ وَالتَّحْقِيقِ فِي التَّحْقِيقِ: وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنَ السَّلَفِ اشْتِرَاطُ الْفِقْهِ مِنَ الرَّاوِيِ فَثَبَتَ أَنَّهُ قَوْلٌ مُسْتَحْدَثٌ، بِمِثْلِ هٰذَا لَا يُنْسَبُ إِلىٰ أَبِي حَنِيفَةِ رَحِمَهُ اللّٰهُ" اھ

(دراسات اللبيب، ص: ۳۱۵، ۳۱٦)

یعنی شیخ ابن ہمام جو احناف میں محقق بھی ہیں اور صاحبِ کشف و کرامت بھی، فرماتے ہیں کہ فقہ راوی کی شرط ائمہ سلف میں کسی سے بھی منقول نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ من گھڑت بات ہے۔ ایسی بات امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب نہیں کی جاسکتی۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ حدیث کی صحت میں فقہ راوی کو کوئی دخل نہیں، اس کے لیے حفظ و ضبط کے بعد صدق اور مروءت کی ضرورت ہے۔ فقہ راوی کا مفہوم سے تعلق ہے۔ اگر حدیث کا متن مختلف الفاظ سے مروی ہو تو فقہ راوی کی بنا پر بعض الفاظ کو ترجیح دی جاسکتی ہے، لیکن فقہ راوی کی بنا پر نہ کوئی متن گھڑا جاسکتا ہے، نہ کسی صحیح متن کا انکار کیا جاسکتا ہے۔ اس شرط سے شرح معانی میں کام لیا جاسکتا ہے، اس کی بنا پر اقرار یا انکارِ حدیث کے لیے کوئی وجہِ جواز نہیں۔ صحابہ کا مقام تو اس سے کہیں بلند ہے کہ قاضی عیسیٰ بن ابان، سرخسی اور دبوسی ایسے عجمی حضرات ان کی زبان دانی پر بحث کریں!

پھر فقہ کے مراتب مختلف ہیں۔ اس کی حیثیت کلی مشکّک کی ہے۔ یہ کسی مقام پر بھی رد و قبول کے لیے معیار نہیں قرار پاسکتی، تاوقتیکہ اس کے لیے مقدار اور پیمانہ مقرر نہ کرلیا جائے۔ ایسی غیر معین اور غیر موقت چیز کو معیار قرار دینا خود درایت کے خلاف ہے، اور پھر احناف نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روزہ میں دن کو بھول کر کھانے کے متعلق اپنا لی ہے،[1] حالانکہ وہ بھی قیاس کے خلاف ہے!

یہ پرانی درایت اور فقہ ہے جسے اہلِ علم نے ابتداءً اچھے مقاصد کے لیے تجویز کیا۔ اس کا جو

[1] یعنی جس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر کوئی شخص روزے کی حالت میں بھول کر کھا لے یا پی لے تو وہ اپنا روزہ پورا کرے، کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے۔ صحيح البخاري، رقم الحديث (۱۸۳۱) صحيح مسلم، رقم الحديث (۱۱۵۵)

حشر ہوا اور جس قدر غلط مقاصد اس سے حاصل کیے گئے، وہ سابقہ گزارشات سے، جنھیں بڑے اختصار سے عرض کیا گیا، ظاہر ہے۔ اب نئی درایت پر غور فرمایئے، جس کی تاسیس ہمارے ملک کے نیچری حضرات نے فرمائی۔ بعض علماء نے جان کر یا سادگی سے اس درایت کی تائید کی اور اب پورے لا دینی مقاصد کے لیے اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔

نئی درایت:

سابقہ درایت یا فقہ علمی دور کی پیداوار تھی۔ اہلِ بدعت سے تو بحث نہیں، اہلِ علم نے اس کا استعمال خاصی احتیاط سے کیا اور اسے معیار کا مقام نہیں دیا، اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف اس سلسلے میں جو کچھ منسوب کیا گیا، وہ قابلِ تامل ہے۔ حضرت امام کی طرف اس کی نسبت صحیح معلوم نہیں ہوتی ہے۔ اب ایک نئی درایت اور اس کا پسِ منظر ملاحظہ فرمایئے جو حال ہی کی پیداوار ہے۔

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ کا اصل فن تو تاریخ تھا، لیکن ابتدائے عمر میں وہ حنفیت کے بہت بڑے حامی تھے۔ "سیرۃ النعمان" ان کے اسی دور کی یادگار ہے۔ مولانا شبلی مرحوم ان ایام میں علی گڑھ یونیورسٹی سے بھی متعلق تھے جس کے بانی مرحوم آنریبل سر سید احمد خان صاحب تھے۔

یہ وہ دور تھا جب مغل حکومت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا جو ۱۸۵۷ء کے فسادات کے بعد ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کو ختم کرنے کے لیے انگریز نے جس درندگی کا مظاہرہ کیا اور جس بے دردی سے اس نے عوام، علماء، سیاستدان، شعراء و اصحابِ قلم اور تجّار کو پھانسیاں دیں۔ دار پر لٹکایا؛ ان ہیبت ناک مظالم کی نظیر شاید دورِ ماضی میں نہ مل سکے۔ ملک میں خوف و ہراس اور نفرت کے جو جذبات انگریز کے خلاف دلوں میں موجود تھے، شاید وہ صدیوں تک دلوں سے محو نہ ہو سکتے۔

انگریز نے اس کے متعلق صحیح طریقِ عمل کے بجائے ملک میں تفریق، خلفشار اور فرقہ پروری کی راہ اختیار کی اور یہ انتقامی جذبہ انبالہ کیس سے قاضی کوٹ سازش کیس تک جاری رہا، جس میں زیادہ تر علمائے اہلِ حدیث ہی ان ستم آرائیوں کا شکار ہوئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز مشنری آئے جن کی سرپرستی مغربی حکومتیں سیاسی مصالح کی بنا پر اور مسیحی عوام عقیدت کی نظر سے کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے بڑے وسیع پیمانے پر اسلام کے خلاف جارحانہ حملے شروع کیے۔ دوسری طرف آریہ سماجی

تحریک بھی انہیں اسلحہ سے مسلح ہو کر میدان میں آ گئی۔ تیسری طرف قادیانی نبوت نے اپنے مخصوص علم کلام کا ہمرنگِ زمین جال پورے ہندوستان میں پھیلا دیا۔ مذہبی آزادی کے موہوم دعوے کی بنا پر شیعہ، سنی بریلوی گروہ باہم الجھ گئے اور پورا ملک میدانِ کارزار بن گیا۔ رسائل، اخبارات اور تردیدی لٹریچر اور مناظرات کی وہ گرم بازاری ہوئی کہ بظاہر ملک میں گھمسان کا رن محسوس ہوتا تھا۔ انگریز کی سیاست پوری طرح کامیاب ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کے مظالم بالکل طاقِ نسیاں کی نذر ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کے فسادات سے جو عارضی اتحاد ہوا تھا، وہ ذہنوں سے محو ہو گیا۔ اس ضمن میں علمائے حق اور اہل توحید نے بالکل ظاہر قرآن و سنت کی روشنی میں اپنا فرض ادا کیا۔ تقریر و تحریر سے حقیقت واضح فرمائی۔ اس کے ساتھ بنگال سے پشاور اور بالاکوٹ تک انگریز کے خلاف سیاسی جنگ بھی ہوتی رہی۔ انگریز کو پوری ایک صدی شمالی سرحدوں پر پریشان رکھا گیا۔

سرسید اور ان کے رفقاء:

سرسید احمد خاں بالقابہ اور ان کے چند رفقاء سیاسی طور پر انگریز کے حامی تھے، لیکن مذہباً اس کے خلاف تھے۔ ان حضرات نے مشنریوں، سماجیوں اور غیر مسلم گروہوں کے خلاف ہزاروں صفحات لکھے۔ نیت کا علم تو اللہ کو ہے، بظاہر معلوم ہوتا ہے یہ حضرات ان غیر مسلم حملوں سے مرعوب ہو گئے۔ ظواہر کتاب و سنت کے بجائے ان حضرات نے تاویل اور حقائق کے انکار کی راہ اختیار فرمائی۔ قادیانی لٹریچر کا انداز بھی قریباً یہی تھا۔

سرسید کی نیچر اور شبلی کی درایت:

ان حضرات نے اساسی طور پر عقل کو حَکَم قرار دیا۔ جو چیز ان کی عقول سے بالا ہوتی، اس کا انکار کر دیتے اور بڑی سنجیدگی سے فرماتے: ''یہ نیچر اور فطرت کے خلاف ہے!'' یہ نیچر اور فطرت عموم اور شمول کے لحاظ سے درایت اور فقہ راوی سے کچھ ملتی جلتی تھی، نہ اس ''فقہ و درایت'' کا کوئی پیمانہ تھا، نہ اس ''نیچر اور فطرت'' کا کوئی اصل اور مقدار ہے۔ اندھے کی لاٹھی ہے، جس طرف گھوم جائے، گھوم جائے۔ سرسید بالقابہ اور ان کے رفقاء نے اس کا استعمال قرآن پر بھی کیا اور حدیث پر بھی۔ قرآن سمجھ میں نہ آتا تو حسبِ منشا تاویل کرتے اور حدیث کا انکار کر دیتے۔ اور ''نیچر'' کا معیار ہر آدمی تھا۔ یہ نام بھی کچھ غیر علمی اور دینی حلقوں میں غیر متعارف بلکہ غیر مانوس تھا۔ یورپ زدہ حضرات نے شاید پسند کیا

ہو، دینی حلقوں میں اسے قطعی مقبولیت حاصل نہ ہوسکی، بلکہ رد وتردید کا ایک ہنگامہ بپا ہوگیا۔ سرسید بڑے پختہ کار تھے، وہ اس اختلاف پر برہم نہیں ہوئے، اپنی کہتے رہے۔

علامہ شبلی وقت کے مشاہیر سے تھے۔ ان کا تاریخی مطالعہ بہت سے ہم قرن علماء سے بہتر تھا۔ وہ حنفی مذہب کے اس خلا کو محسوس فرماتے تھے جو قلتِ حدیث اور کثرتِ آراء کی وجہ سے دینی حلقوں میں مسلّم تھا۔ دوسرے ائمہ کی حدیثی خدمات سے بھی یہ بات بہت واضح تھی۔ احناف اس میدان میں بڑی دیر سے تشریف لائے۔ دوسرے ائمہ اور ان کے اَتباع اور ائمۂ حدیث بہت آگے نکل چکے تھے۔ یہاں پورا کارخانہ تقلید و جمود کے سہارے چل رہا تھا، اس لیے انھوں نے ان شخصی آراء کی ترجمانی لفظ ''درایت'' سے فرمائی اور اسے نہ صرف حدیث کا نعم البدل فرمایا، بلکہ احادیث کے انکار و تاویل کے لیے حربے کے طور پر استعمال فرمایا۔ یہ لفظ علمی حلقوں میں مانوس تھا اور پرانی اصطلاح بھی تھی، پھر یہ سرسید کے ''نیچر اور فطرت'' سے بہتر تھی۔ مولانا نے صرف اس کی تعریف میں کچھ تصرف فرمایا، اس سے غالباً سرسید کو بھی کچھ سہارا ملا۔ قلتِ حدیث اور آراء پسندی کے خلا کے لیے بھی اس سے ''معذرت'' کا کام لیا۔

درایت کی تعریف:

مولانا شبلی درایت کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

> ''درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کیا جائے کہ وہ طبیعت کے اقتضاء، زمانہ کی خصوصیتیں، منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائنِ عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے۔''

1. دیکھیے اس تعریف میں وہ قیود نہیں جن سے مفہوم یا معنی کی تصحیح میں مدد مل سکے، یعنی عربیت میں مہارت کا کوئی تذکرہ نہیں۔
2. ''جب کوئی واقعہ'' کے الفاظ سے کچھ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس سے حدیث کے واقعات مراد ہیں یا عام دنیوی حوادث۔ بظاہر آپ کا انداز تاریخی حوادث کی تحقیق کے متعلق معلوم ہوتا ہے جو بلاسند ہم تک پہنچیں اور محض خرص و تخمین سے صحت کا اندازہ لگانا پڑے۔
3. پھر ''اقتضائے طبیعت'' بالکل مہمل جملہ ہے۔ طبائع کے اقتضاء میں اتنا ہی اختلاف ہے جس قدر

خود انسانی طبائع میں۔ اقتضاء طبائع کے تابع ہے، یہ تنقید کا معیار کیسے ہوگا؟ بے دین طبائع کے تقاضے دینی طبائع سے مختلف ہوں گے۔ عالم اور بے علم کے مقتضیات بھی مختلف ہوں گے۔ بچے، جوان، بوڑھے، تاجر، مزدور، بادشاہ، غریب، آقا اور غلام؛ سب کے تقاضے مختلف ہوں گے۔ ان تقاضوں کی صحت خود محلِ نظر ہے، یہ کسی دوسری چیز کے لیے قانون کیسے بن سکیں گے؟

4. ہر زمانے کے خصائص الگ الگ ہوتے ہیں۔ قرونِ خیر کے خصائص بعد کے قرون سے کافی حد تک مختلف ہیں۔ قرونِ خیر کے واقعات کی نسبت اس وقت کے عقلی قرائن سے تو سمجھ آ سکتی ہے اور اس وقت کے اہلِ علم نے یقیناً ان عقلی قرائن کو ملحوظ رکھا ہوگا، لیکن اس وقت کے حوادث کو آج کے قرائن سے کیسے پرکھا جائے؟ جب کہ زمانے کی خصوصیات بالکل مختلف ہیں!

5. ہر واقعہ میں منسوب الیہ کے حالات کا جائزہ واقعہ کے سمجھنے میں واقعی مفید ہو سکتا ہے اور عقلی قرائن کے ساتھ نسبت اور تعلق فہم میں معاون ہو سکتا ہے، لیکن یہ شرط بہت ہی مجمل ہے۔ جب واقعہ ہو، قدرتی طور پر حقیقت پسند طبائع قرائن اور منسوب الیہ کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں، لیکن یہ جائزہ اور عقلی قرائن کا استعمال صدیوں کے بعد نہیں ہونا چاہیے۔ ایک شاگرد اپنے استاد سے ایک حدیث نقل کرتا ہے، اس وقت کے لوگ ان ناقلین کو ذاتی طور پر جانتے ہیں، اس سلسلے میں ان کی آراء سے مفید معلومات حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن صدیوں کے بعد جب کہ افکار اور اذہان اور ان پر غور و فکر کا معیار ہی بدل چکا ہو، اب آپ گڑے مردے اکھاڑنا شروع کریں۔ ہم قرن اور رفقاء ہی حالات کا صحیح تجزیہ کر سکتے ہیں۔

6. پھر عقلی قرائن کیا چیز ہیں؟ اگر کتاب و سنت اصل ہیں تو معیار ان کو ہونا چاہیے۔ عقل بھی وہی درست ہوگی جو اس پیمانے میں ناپی جائے۔ سر سید احمد خاں نے نیچر اور عقل کو اتنی اہمیت دی کہ قرآن کو بھی اس سے ناپنا شروع کر دیا۔ انبیاء کے معجزات ان کی عقل میں نہ آ سکے، انھوں نے انکار کر دیا۔ احادیث جو ان کے فہم سے بالا تھیں، ان کا قتلِ عام کیا۔ اس لیے عقلی قرائن پر جب تک پابندی نہ لگائی جائے اس فتنے سے کوئی بھی نہ بچ سکے گا، اور پھر اصل قرآن و سنت نہ رہے، بلکہ تم لوگ اصل ٹھہرے جن کی عقل کو کتاب و سنت کی تصریحات کے لیے حَکَم قرار دیا گیا۔ گویا قرآن و سنت کے مفہوم کا تعین ہماری عقل کرے گی جس کا نام سر سید نے

فطرت اور قانونِ قدرت رکھا، اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ تانگہ گھوڑے کے آگے جوت دیا گیا۔ جن عقول کی اصلاح و تربیت کے لیے قرآن و سنت نازل فرمائے گئے تھے، وہی عقل قرآن اور سنت پر مسلط کر دی گئی۔

یہ الٹی بہ نکلی برہمن کو بہا لائی

معلوم ہوتا ہے مولانا شبلی، سرسید سے متاثر ہوئے۔ مولانا نے سرسید سے جو تاثر لیا انھوں نے اسے اصطلاحاً علمی انداز دیا۔ معلوم نہیں سرسید بالقابہ نے اس سے کیا اثر لیا؟ واقعات کچھ اس طرح بدلتے رہے کہ مولانا شبلی نے علی گڑھ کالج کو خیر باد کہا اور تصنیف و تالیف کے لیے انھوں نے فرعی فقہیات کے بجائے کلام اور تاریخ کی راہ اختیار کی اور دوبارہ فرعی مباحث کی طرف رخ نہیں فرمایا، لیکن ان کے اس نظریے سے علمائے حدیث کی تنقیص کا پہلو پیدا ہوتا تھا، اس لیے اہلِ حدیث حلقوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں درایت کے اس مفہوم کا علمی محاسبہ کیا گیا اور اس پر کڑی تنقید کی۔

زیرِ طباعت کتاب "حسن البيان فيما في سيرة النعمان"، "الإرشاد في أمر التقليد والاجتهاد" مؤلفہ مولانا ابو یحییٰ شاہ جہان پوری، "سيرة البخاري" اور اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں لکھی گئیں۔ چونکہ مرزا قادیانی کا بھی حدیث کے متعلق اسی قسم کا انداز تھا، اس لیے "إشاعة السنة النبوية" میں مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم و مغفور نے اس کا بڑا مفصل علمی محاسبہ فرمایا، کیونکہ انکارِ حدیث کے لیے یہ بڑی سہل اور قریبی راہ تھی۔

اسی اثناء میں مولوی عبداللہ چکڑالوی، مولوی حشمت علی نے حدیث کا انکار کیا اور یہ تحریک ملتان، گجرات، ڈیرہ غازی خاں وغیرہ مقامات میں کچھ چل نکلی۔ یہ لوگ چونکہ نہ تو عالم تھے، نہ اچھی زبان لکھ سکتے تھے، اس لیے قریباً یہ تحریک ناکام ہوگئی۔ اب اس کی نوک پلک درست کر کے اپ ٹوڈیٹ طور پر اسے مسٹر پرویز چلا رہے ہیں، لیکن ابتداء ہی سے اس تحریک کے لیڈروں کا نہ ظاہری کیریکٹر ہے نہ اخلاص۔ غالب امید یہ ہے کہ اس سے بد مذہبی اور بے دینی ضرور بڑھے گی، لیکن تحریک ناکام ہوگی، سنت کا نام نہیں مٹ سکے گا۔ یورپ زدہ طبقہ حدیث کا انکار کرتا ہے، اس فن کو مشکوک سمجھتا ہے، لیکن اہلِ قرآن کہلانا پسند نہیں کرتا، البتہ نماز، روزہ، حج، زکاۃ سے گریز کے لیے ان لوگوں کی آڑ لیتا ہے۔

درایت اور برادرانِ احناف:

حنفیت کی بریلوی شاخ کا زیادہ تر زور بدعات کی ترویج اور گانے پر ہے۔ ان کو استدلال اور معقولیت سے کچھ زیادہ تعلق نہیں۔ وہ زیادہ کام جذبات اور نعروں سے لیتے ہیں اور مولانا شبلی، سرسید اور حضرات دیوبند کو وہ وہابی سمجھتے ہیں، اس لیے وہ اس مصنوعی درایت سے بہت کم متاثر ہوئے۔ اس درایت سے معجزات، کرامات اور فقیروں کے فرضی قصوں کا بھی خاتمہ ہوتا تھا، اس لیے انھوں نے اسے قابلِ قبول نہیں سمجھا، بلکہ حضرات دیوبند کے سنجیدہ اور دور اندیش بزرگوں نے اس درایت کو اہلِ حدیث ہی کی طرح ناپسند کیا اور اس کے خلاف لکھا۔ ''أصح السیر'' مؤلفہ مولانا دانا پوری میں اس قسم کا مواد کافی ملتا ہے۔

لیکن آج کل نو آموز دیو بندی اہلِ قلم اس سے متاثر ہوئے اور یہ اس لیے کہ اس نظریے سے احناف میں قلتِ حدیث سے جو خلا تھا، اسے درایت سے پاٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فقہاء کے لیے اس مصنوعی اور ظاہری تفوق سے یہ حضرات مطمئن ہو گئے اور یہ غور نہ فرما سکے کہ دراصل یہ انکارِ حدیث کا زینہ ہے۔ جماعتِ اسلامی کی قیادت اور احناف کا یہ گروہ اس درایت کو بہت اچھال رہا ہے۔ ''مسلکِ اعتدال'' ایسا مسموم لٹریچر ان حضرات کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔

درایت کا اثر مروجہ فقہ پر:

حالانکہ درایت کا اثر جس قدر حدیث پر پڑتا ہے، اس سے کہیں زیادہ فقہ حنفی کے بعض ابواب اور حصص پر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر ابوابِ طہارت میں پانی کے مسئلے پر غور فرمایئے۔ ہمارے ملک میں مدت سے اس کے بعض مسائل پر بحث چل رہی ہے، مثلاً پانی کی طہارت کا مسئلہ جس کا قدرے ذکر اوپر بھی آ چکا ہے:

1. مائے کثیر کی مقدار میں احناف اور شوافع میں اختلاف ہے۔ احناف دہ در دہ کے متعلق فرماتے ہیں اس پر نجاست کا اثر نہیں ہوتا اور شوافع قلتین کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ نجاست سے متاثر نہیں ہوتا جب تک اس کے اوصافِ ثلاثہ نہ بدل جائیں۔ موالک کسی مقدار کے قائل نہیں۔

درایت کا فیصلہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک کسی چیز میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو، اسے کیوں پلید کہا جائے؟ قلیل اور کثیر میں امتیاز درایت کے خلاف ہے۔ اگر سنت کو ان قیود و سلاسل سے

آزاد رکھا جا سکے تو حدیثِ قلتین اصولِ روایت پر تنقید کے بعد قابلِ قبول ہو گی۔ احناف کی مقدار غیر منصوص ہے، پھر نجاست اور طہارت کا فیصلہ روایت کے خلاف ہو گا۔

2 تالاب اور کنویں میں نجاست کے لحاظ سے جو فرق کیا گیا ہے بالکل درایت کے خلاف ہے۔ کیا برتن کی ہیئت کو بھی طہارت اور نجاست میں دخل ہے؟ یعنی برتن گول اور گہرا ہو تو ٹنوں پانی ادنیٰ نجاست سے پلید ہو جائے اور برتن طویل اور عریض ہو تو وقوعِ نجاست سے رنگ، بو اور مزہ کے بدلنے کا انتظار کیا جائے؟ یہ تفریق قطعاً خلافِ درایت ہے۔ حکمِ نجاست پانی کی مقدار پر ہونا چاہیے، برتن کی وضع کیسی کیوں نہ ہو۔

3 پھر تطہیر کے لیے ڈولوں کا تعین آثار سے ثابت ہو یا اہلِ علم کے ارشادات سے، درایت کا اس میں کوئی فرق نہیں۔ فرض کیجیے آپ پلید کنویں کی تطہیر کے لیے بیس ڈول مقرر فرماتے ہیں۔ انیسواں ڈول آپ نکال رہے ہیں، اس وقت ڈول پلید ہے، ڈول کا پانی پلید ہے، کنواں پلید ہے، کنویں کی دیواریں پلید ہیں، ڈول سے جو پانی گر رہا ہے، وہ پلید ہے۔ جب بیسواں ڈول اوپر کی طرف حرکت کرتا ہے، کنویں کی ساری فضا طاہر مطہر ہو جاتی ہے۔ یہ بیسواں ڈول تمام گندے جراثیم کو بیک جنبش ختم کر دیتا ہے۔ درایت کی کسوٹی پر تو یہ طہارت سمجھ میں نہیں آتی!

صاحبِ ہدایہ کا ارشاد ہے:

"مَسَائِلُ الْبِئْرِ مَبْنِيَّةٌ عَلَى اتِّبَاعِ الْآثَارِ دُوْنَ الْقِيَاسِ" (۱/ ٤٥)

"کنویں کے مسائل کا انحصار آثار پر ہے، قیاس پر نہیں۔"

سوال یہ ہے آیا یہ آثار درایت کی زد میں نہیں آتے؟ صحیح مرفوع احادیث تو درایت کی وجہ سے محلِ نظر ہوں اور جن آثار کے متعلق اتنا بڑا مقتدر عالم فیصلہ دے کہ یہاں قیاس کو کوئی دخل نہیں، وہ کیسے قابلِ عمل ٹھہریں گے؟ قیاس اور درایت کے مفہوم میں اصطلاحاً فرق ہو سکتا ہے، مقاصد کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں، پھر امام کے دونوں مقتدر شاگرد کنویں کو جاری پانی کا حکم دیتے ہیں۔

(شامی: ۱/ ۲۱۷)

امام صاحب اور قیاس:

علماء نے ایسے مسائل کا تذکرہ فرمایا ہے جہاں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے قیاس کو صرف اس لیے

ترک فرمایا کہ وہ نص کے خلاف تھے، مثلاً:

1 رمضان المبارک میں بھول کر کھا پی لینا۔ قیاس چاہتا ہے کہ روزہ ٹوٹ جائے۔ امام صاحب نے فرمایا کہ نہیں ٹوٹتا، کیونکہ احادیث میں آیا ہے۔[1]

(مناقب إمام اعظم رحمه الله ضميمه الجواهر المضية، ص: ٧٤)

2 امام صاحب رحمہ اللہ کا خیال تھا کہ انگلیوں کی دیت کم و بیش ہے، قیاس کا یہی تقاضا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ انگلیاں برابر ہیں۔[2]

3 قیاس کی بنا پر امام صاحب رحمہ اللہ کا خیال تھا کہ حیض زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہو سکتا ہے۔ جب امام صاحب کو معلوم ہوا کہ حدیث اس کے خلاف ہے تو امام کے نزدیک حیض کی آخری میعاد دس دن رہ گئی۔[3]

4 امام صاحب رحمہ اللہ عید کے پس و پیش نوافل پسند نہیں کرتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھر پر نوافل پڑھتے تھے تو امام صاحب رحمہ اللہ نے رجوع فرما لیا۔[4]

متذکرہ مسائل مولانا شبلی مرحوم کی ''درایت'' کے یقیناً خلاف ہیں۔ قرائن کے مقتضیات میں زیادہ تر قیاس ہی کارفرما ہے اور پھر قیاس تو ائمہ اربعہ اور ائمہ حدیث کے نزدیک شرعی حجت ہے۔ اس کے لیے اہلِ علم کے نزدیک کچھ اصول و ضوابط ہیں، اور جس درایت کا ذکر مولانا شبلی فرماتے ہیں، اس کا ذکر احناف، شوافع، موالک، حنابلہ کسی نے بھی نہیں فرمایا۔ اس کا ذہن یا تصور سر سید احمد خاں نے دیا، الفاظ علامہ شبلی مرحوم نے دیے۔ کم فہم اور نو آموز علماء نے صرف اس لیے اپنا لیا کہ مولانا شبلی نعمانی نے

[1] دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (١٨٣١) صحيح مسلم، رقم الحديث (١١٥٥)

[2] صحيح البخاري:كتاب الديات، باب دية الأصابع، رقم الحديث (٢٥٠٠) نیز دیکھیں: فتح الباري (١٢/ ٢٢٥) المغني لابن قدامة (٩/ ٦٣٢)

[3] دیکھیں: بدائع الصنائع للكاساني (١/ ١٥٥)

[4] نمازِ عید کے بعد عید گاہ میں نوافل پڑھنا ثابت نہیں ہے، لیکن نمازِ عید کے بعد گھر پر نفل نماز پڑھنا درست ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید سے قبل کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے، لیکن جب واپس گھر جاتے تو دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ سنن ابن ماجه، برقم (١٢٩٣) مسند أحمد (٣/ ٣٦) مستدرك حاكم (١/ ٢٩٧) اس حدیث کی سند کو حافظ ابن ملقن، ابن حجر، بوصیری، سیوطی، زرقانی اور البانی رحمہم اللہ نے ''حسن'' اور امام حاکم اور ذہبی رحمہما اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

اس درایت کا ذکر ائمہ حدیث کی تنقیص میں کیا ہے اور فقہائے حنفیہ کی جس سے (بظاہر) برتری اور تفوق ثابت کرنے کی سعی کی ہے۔ آج کل کے دیوبندی لٹریچر میں اس درایت کا تذکرہ بڑی کثرت سے ہوتا ہے اور یہ حضرات نہیں جانتے کہ یہ درایت انکارِ حدیث اور انکارِ معجزات کے لیے چور دروازہ ہے۔ ائمہ سنت اور ان کے اَتباع سے کسی نے بھی اس درایت کا تذکرہ نہیں فرمایا اور اشارات کھینچ تان کر پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ قانون اور اصل کے طور پر نہیں، بلکہ ضمنی اور وقتی تذکرہ ہے اور بس..!

حسن البیان اور حسن البیان والے:

زیرِ نظر دور کی دوسری کتابیں جو علمائے اہلِ حدیث کے قلم سے نکلیں یا محقق دیوبندی علماء نے لکھی ہیں، ان سب میں اس درایت پر تنقید فرمائی گئی اور اسے ناپسند کیا گیا اور انکارِ حدیث کے کھٹکے کا اظہار کیا گیا۔ (ملاحظہ ہو: "أصح السیر" مولانا عبدالرؤف دانا پوری، سیرت بخاری مولانا مبارک پوری، الارشاد مولانا حکیم ابو یحییٰ شاہجہان پوری اور بحر زخار وغیرہ)

ان سب بزرگوں نے اس درایت کے خطرات کو محسوس فرمایا اور یہ حسن البیان آپ کے سامنے ہے اور اس کے مباحث آپ کی نظر میں۔ کتاب کے بعض مباحث میں اختصار کی وجہ سے ممکن ہے وقتی طور پر تشنگی محسوس ہو اور بعض مقامات میں مناظرانہ تنقید کا انداز بھی آ گیا ہے، مگر "سیرۃ النعمان" میں جو انداز علامہ مرحوم نے اختیار فرمایا، یہ تقابل ایک طبعی امر تھا، تاہم درایت اور فقہ راوی سے جو خطرہ محسوس کیا، وہ بالکل صحیح تھا۔ شبلی صاحب نے ائمہ حدیث کے متعلق جو تصور پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، مستحسن نہ تھی، اس لیے فن حدیث کے ساتھ عقیدت مندانہ وابستگی رکھنے والوں کا اسے برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔ تفقہ، فقہ راوی، استحسان، استصحابِ حال وغیرہ مصطلحات اصل سنت کے ذخائر پر بے اعتمادی کی مختلف تعبیرات ہیں۔ قرآنِ عزیز میں انبیاء علیہم السلام کی تاریخ کا جس طرح ذکر فرمایا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اربابِ فقہ و درایت ان ہی ہتھیاروں سے آسمانی ہدایات کی مخالفت کرتے رہے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی اساسی تعلیمات پر تعجب کا اظہار کرتے رہے ہیں:

﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴾ [صٓ: ۵]

"اتنے آلہہ کی جگہ ایک اللہ عجیب ہے۔ فقہ و درایت، عقل و دانش اسے قبول کرنے سے اِبا کرتے ہیں۔"

﴿ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴾ [القمر: ٢٤۔ ٢٥]

''کیا ہم اپنے ایک ہم جنس کی اطاعت کریں، یہ تو عقل و شعور کے خلاف ہے۔ کیا ہمارے ہوتے اس کو نبوت مل جائے، یہ جھوٹ اور شرارت پسندی کی بات ہو گی۔''

توحید اور نبوت ایسے مسائل اس وقت کی فقہ و درایت پر گراں گزر رہے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور ان کا انتخاب دونوں ان کے لیے تعجب کا موجب تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب ذاتِ حق کی معرفت اور حقوق العباد کے تحفظ کے متعلق اپنی قوم سے خطاب فرمایا اور ان کو ان معاصی سے روکا، تو اس وقت کے دانش منداور دولت مند لوگوں نے بڑی معصومیت سے جواب دیا:

﴿ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ﴾

[هود: ٨٧]

''کیا تمھاری نماز کا یہی مطلب ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کی عادات کو چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسبِ منشا لین دین نہ کریں۔''

آسمانی احکام اور انبیاء علیہم السلام کی راہ میں وقت کے دانشمندوں کا اندازِ فکر و درایت ہمیشہ حائل رہی۔

قیاس، درایتِ قدیمہ، تفقہ، فقہ راوی، درایتِ جدیدہ، استحسان، استصحابِ حال، مصالح مرسلہ؛ یہ ایسی اصطلاحات ہیں کہ ان کی افادیت کے ساتھ قرآن اور سنت کے فیصلوں کو مسترد کرنے کے لیے چور دروازوں کا استعمال ہمیشہ کیا گیا۔ ائمہ سنت کو تقلید، حشویت اور حرفیت کے طعن دے کرامت پر تاویل کی راہ کھول دی گئی۔ ان فسادات میں فقہاء اور حکام برابر کے شریک ہوئے۔ ہزاروں ائمہ دین قتل کیے گئے اور سیکڑوں جیل خانوں کی تاریکیوں میں سالہا سال تک دادِ صبر دیتے رہے۔ علمائے حدیث ہی سب سے زیادہ مبتلائے مصائب رہے۔ وقت کی ستم ظریفیاں ملاحظہ فرمایئے کہ اس دور کے دانشمند اور درایت پرور بشر مرّیسی اور اس قماش کے لوگ محقق اور مجتہد سمجھے جاتے تھے، اور امام ابو یوسف، امام ابو حنیفہ، امام احمد، امام مالک، امام شافعی اور تمام ائمہ سنت اور حفاظِ حدیث کو مقلد اور حشوی کہا جاتا، تاہم وہ پھر بھی علم و بصیرت کا دور تھا۔ علمائے حق کی اس وقت کثرت تھی۔ ان خرافات کے باوجود بھی لوگ اہلِ حق کی قدر کرتے تھے۔

آج کی درایت :

لیکن سر سید و علامہ شبلی مرحوم کے ازدواج سے جو درایت پیدا ہوئی، یہ نہ تو کسی علمی ضرورت کا تقاضا ہے، نہ یہ اہلِ علم کا دور ہے۔ ہوا و ہوس کی ان طغیانیوں میں اندھے کے ہاتھ میں لاٹھی دے دی گئی ہے جسے بلا تامل گھمایا جا رہا ہے۔

كَبَهِيْمَةٍ عَمْيَاءَ قَادَ زِمَامَهَا
أَعْمَى عَلىٰ عِوَجِ الطَّرِيْقِ الْحَائِرِ

حضرت مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ :

حضرت علامہ شبلی نعمانی اور مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے حالات میں ایک گونہ مناسبت معلوم ہوتی ہے۔ شبلی مرحوم نے ''سيرة النعمان'' کے علاوہ شاید ایک آدھ رسالہ فرعی اختلافات پر لکھا ہو، اس کے بعد انھوں نے قلم کا رخ اس طرف سے بالکل پھیر دیا۔ باقی عمر علمی اور تعلیمی خدمات میں صرف فرمائی۔ ندوۃ العلماء کی تاسیس فرمائی، جس میں فقہی تنگ نظری اور فرعی مسائل پر عصبیت نما مباحث بالکل نہیں تھے۔ ادب اور تاریخ کی خدمت اس درس گاہ کا اہم کردار تھا اور تصنیف و تالیف کے سلسلے میں بھی بقیہ عمر میں ان کی توجہ علمِ کلام اور تاریخ کی طرف ہوگئی۔ خاص طور پر سیرت النبی ان کا دل پسند موضوع تھا، جس کی تکمیل ان کے وفادار اور محقق تلمیذ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے فرمائی۔ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ رَحْمَةً وَّاسِعَةً وَجَعَلَ الْجَنَّةَ مَثْوَاهُمْ.

یہی حال حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی ۔قدس الله روحه۔ کا تھا۔ ابتدائے عمر میں زیر طباعت کتاب ''حسن البیان'' لکھی۔ ''هداية المعتدي'' اور ایک آدھ رسالہ شاید شیعہ کے متعلق لکھا اور رہوارِ قلم بالکل رک گیا۔ مولانا کے حقیقت پسند مزاج نے محسوس فرمایا کہ ان مذہبی، فقہی اور فرقہ وارانہ منازعات کی اصل علت ہندوستان میں انگریز کی بالا دستی ہے۔ جب تک یہ دیو ملک میں کارفرما ہے، ملک میں امن ممکن نہیں۔ اس ضمن میں مولانا کے سامنے دو پروگرام تھے، سیاسی اور تبلیغی۔ سیاسی کے لیے دو طریقِ کار تھے، اول تحریکِ مجاہدین کی سرپرستی، جو اس وقت انگریز کے مظالم کی وجہ سے انڈر گراؤنڈ ہو چکی تھی، اکابرِ دیوبند اس سے تعلق توڑ چکے تھے، اکابرِ پٹنہ اپنی زندگیاں اس راہ میں وقف کر چکے تھے اور لاکھوں روپیہ مرحوم کی وساطت سے تحریک کو ملتا تھا۔ مرحوم

خود بڑے دولت مند اور بڑے زمیندار تھے۔ ان کا تعلق اچھے کھاتے پیتے خاندان سے تھا۔ واجبی ضروریات کے بعد پوری آمدن تحریکِ مجاہدین میں صرف فرماتے تھے۔ مرحوم کے یہ خیال تحریک عدمِ تعاون سے برسوں پہلے تھے۔

دوسرا طریقہ انگریزی مال کے بائیکاٹ کا تھا۔ خود موٹا گاڑھا کھدر گھر کا بنا ہوا پہنتے۔ سردیوں میں کشمیری شال استعمال فرماتے۔ قلم سے لکھتے۔ نب اور انگریزی قلم کا استعمال سخت ناپسند فرماتے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم تبلیغی امور میں ان کے شریکِ کار تھے۔ مولانا نے تبلیغ کے لیے آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کی تاسیس، مدرسہ سلفیہ آرہ (بہار) کی سرپرستی فرمائی، ساتھ ہی انگریز کے خلاف جہاد کا محاذ بھی برابر کھولے رکھا۔

مولانا مرحوم کے مزاج میں عجیب تنوع تھا، ایک طرف وہ ان حضرات کے ساتھ اہلِ حدیث کانفرنس کی سٹیج پر کام کرتے، دوسری طرف مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی رحمہ اللہ صوفی ولی محمد مرحوم فتوحی والہ، اکبر شاہ آف سخانہ، مولوی الٰہی بخش بمبانوالہ، قاضی عبدالرحیم صاحب، قاضی عبید اللہ، قاضی عبدالرؤف (قاضی کوٹ) اور مولانا عبدالقادر صاحب قصوری کے ساتھ جماعتِ مجاہدین کا کام کرتے تھے، اور یہ کام اس راز داری اور خوبصورتی سے ہوتا تھا کہ انگریز کی عقابی نگاہیں برسوں اس کا سراغ نہ لگا سکیں۔ معلوم نہیں یہ اطلاع کہاں تک درست ہے کہ مرحوم کی گرفتاری کے احکام اس دن پہنچے جب مرحوم اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر جنت کے دروازے پر پہنچ کر داخلے کی اجازت کے لیے دستک دے رہے تھے اور ﴿طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ﴾ [الزمر: ٧٣] کی آواز کے منتظر تھے۔ پولیس جنازہ دیکھ کر واپس آ گئی، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، آمین.

میں نے مرحوم کو پہلی دفعہ وزیر آباد میں دیکھا۔ جمعہ کے دن مولانا فضل الٰہی صاحب رحمہ اللہ کے ہاں کھانا تناول فرما کر مسجد اہلِ حدیث میں آئے۔ مرحوم حضرت الاستاذ الامام مولانا الشیخ حافظ عبدالمنان صاحب نے ممبر خالی فرما دیا۔ میری عمر غالباً اس وقت دس گیارہ سال ہوگی۔ وعظ میں عجیب رقت تھی۔ غالباً وعظ اخلاص فی العمل کے موضوع پر تھا۔ میں صغر سنی کے باوجود انتہائی رقت محسوس کر رہا تھا اور پورے مجمع پر یہ کیفیت طاری تھی۔ مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ ارشاد ان کے متعلق بالکل حرف بحرف صحیح تھا ؎

اثر لبھانے کا پیارے تیرے بیان میں ہے
کسی کی آنکھ میں جادو، تیری زبان میں ہے

اس کے بعد مولانا کئی دفعہ تشریف لاتے رہے، زیارت ہوتی رہی، لیکن بچپن کی وجہ سے استفادہ کی جرأت نہ ہو سکی۔ ﴿وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا﴾ [الأحزاب: ٣٨]

پھر میں ۱۶۔۱۹۱۷ء میں دہلی آیا، وہاں بھی زیارت کا موقع ملتا رہا۔ عموماً مجلس میں خاموشی ہوتی۔ یہ مبارک مجلس ہلّہ گلّہ اور قہقہہ دونوں سے خالی ہوتی۔ آخری زیارت علی گڑھ اہلِ حدیث کانفرنس کے اجلاس میں ہوئی۔

مدراس کانفرنس میں غالباً کسی نے یہ شعر پڑھا ؎

کیا خوب ہوتا وہ بھی گر آج زندہ ہوتے
عبدالعزیز نامی "حسن البیان" والے

پوری مجلس اشک بار ہو گئی۔ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم اکثر یہ شعر پڑھتے اور آنکھیں برسنے لگتیں۔ مرحوم کو مولانا رحیم آبادی رحمہ اللہ سے والہانہ محبت تھی اور وہ ان کی رفاقت پر ہمیشہ فخر فرماتے۔

آہ! یہ مقدس گروہ ﴿فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الأحزاب: ٢٣] کے خدائی قانون کے مطابق اپنی وفاداریاں نباہ کر اللہ کے پیارے ہو گئے۔ اب یہ بوجھ ایسے کندھوں پر آ گیا ہے جن کے دامن میں سیاہ کاریوں اور غلط نوازیوں کے سوائے کچھ بھی نہیں۔ "كَبَّرَنِي مَوْتُ الْكُبَرَاءِ" کا منظر سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے وہ اخلاص اور حسنِ عمل کی نعمت سے نوازے، اور توفیق دے کہ عمر کی یہ آخری گھڑیاں ایمان اور اخلاص کے ساتھ ختم ہو جائیں۔

کوسِ رحلت بکوفت دست اجل
اے دو چشم وداع سر بکنید
اے کفِ دست ساعد و بازو
ہمہ تودیع یک دگر بکنید

از فریب و فسوں ایں دنیا
من نہ کردم شما حذر بکنید
برہن اوفتادہ دشمن کام
آخر اے دوستاں گذر بکنید [1]

هٰذَا آخِرُ مَا أَرَدْنَا إِيْرَادَهُ فِيْ هٰذِهِ الْمَقَالَةِ، وَالْمُقَامُ يَقْتَضِيْ التَّفْصِيْلَ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلىٰ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ.

ابوالخیر محمد اسماعیل سلفی، چاہ شاہاں گوجرانوالہ
(۸ شوال ۱۳۸۵ھ = ۳۱ جنوری ۱۹۶۶ء)

[1] موت کے ہاتھ نے کوچ کا نقارہ بجا دیا، لہٰذا اے میری دو آنکھو! سر کو الوداع کہو۔ اے ہاتھ کی ہتھیلی، کلائی اور بازو سب ایک دوسرے کو الوداع کہو۔ اس دنیا کے دھوکے اور فریب سے میں نہیں بچ سکا، تم بچ کر رہنا۔ مجھ گرے ہوئے پر دشمن (موت) کا وار چل گیا، آخر اے دوستو! ایک دفعہ آ کر مل جاؤ۔

تنوير العينين في إثبات رفع اليدين

(تالیف: شاہ اسماعیل شہید دہلوی۔ ناشر: ادارۃ اشاعۃ السنۃ۔ لاہور ۱۹۵۵ء)

النهضة السلفية في الهند والباكستان:

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على من كان نبياً وآدم بين الماء والطين، وأصحابه وأزواجه وذرياته أجمعين.

١ـ أظن ـولست معتدياًـ أن عامة سلاطين مغول، وإن كانوا مسلمين، لكن أعمالهم وأساس حكومتهم لم تكن دينياً قرآنياً، بل أكثر ملوكهم ـما خلا الآحاد منهمـ كانوا مسرفين، مضاهين بالمشركين من الهنادك، فاسقين، معتادين للفجور، بالغين فيه حداً نهائياً.

وآخر ملوكهم الملك معظم بن اورنگ زيب المعروف ببهادر شاه، حين كانت الرشاشات الإنجليزية تمطر، وتهطل على منابر سور "دهلي" والسلطة المغولية كانت عشية أو ضحاها، كان مكباً على قبر الولي المشهور نظام ـرحمه الله تعالىٰـ يدعو ويستغيث منه النصرة للمغول وولايتهم. من هنا اعتقل ١٨٥٧م، وحبس في بلدة "رنگون" وقضي عليه في الحبس ١٨٦٤م، ونال ما يناله كل من خالف السنن الإلٰهية. وظهيرة مغول صارت ليلاً داجياً مظلماً. ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ [الرعد:١١]

فليعلم القراء مبلغ السلاطين المغولية من الإسلام والعلم وحقيقة التوحيد!

٢ـ آثارهم:

ومن آثارهم الباقية الشنيعة:

١ـ نظام الدولة اللاديني.

٢ـ رسوم و عوائد كفرية.

٣ـ بدعات هاجمة و فقدان علوم القرآن والسنة.

٤ـ تقاليد جامدة و أفكار فاترة.

٥ـ قحط المعاهد الدينية والمفكرين من العلماء.

ترى ظلمة حالكة وليلاً داجياً من قصور الحكومة إلى عرائش الفقراء، وإن ترى ضرمة تشرق في مقام فمن المساعي الذاتية لأهل العلم وأصحاب الفكر، والحكومة لم تكن تبالي من ذلك بشيء، دينها المقابر وفكرتها القباب، والأعياد عليها، وهمّهم شدّ الرحال إلى المزارات.

٣ـ أهل العلم و أفكارهم:

ومن عواطفهم الدينية العميقة الغائرة أنهم كانوا يرجون بل يسعون لحياة مثل هذا النظام البالي والسلطة اللادينية الضعيفة إن أمكن ذلك، لكن الأقدار تحيط بالأفكار.﴿سُنَّةَ اللهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيْلًا ﴾ [الأحزاب: ٦٢]

إن هلال مغول اعتنق بالأفول سنة ١٨٥٧م وقام مقامها نظام لا ديني بحت، ترأسها الحكومة البريطانية بواسطة شركة تجارية إنجليزية، وبعد برهة من الزمن زالت الواسطة، وصارت الأعلام البريطانية ترفرف في جوّ الهند. وكانت سانحة أليمة أن دار الإسلام الفقهي صار دار الكفر في ساعات قلائل تُعدّ على البنان.

٤ـ المفكرون:

ومن رحمة الله أن المفكرين من أصحاب الدين كانوا موجودين وقتئذ، فانصدعت بذلك قلوبهم، وحاك ذلك في صدورهم، وهم، وإن كانوا شرذمة، أحاطوا بالأفكار ونتائجها النهائية، وأتوا على ما أورثت الحوادث بالأقضية الفاصلة الباتة، والأمور الآتية كانت بين أعينهم:

١ـ آثار المغول الأخلاقية.

٢ـ ما نشأ من سلطة الإنجليز بعد سقوط المغول.

٣ـ وقوة النفوذ والمقاومة من المسلمين الذين أحاط بهم اليأس والقنوط.

وكانوا عالمين يقيناً بينابيع الجنيهات الإنجليزية ونبطها، وأين تجري مياهها وسيولها، وقد علموا أن أول و أشد من وجد وتأثر من هذه الحوادث الموجعة الفاجعة هم أهل التوحيد والسنة، وأكثر من فرح بذلك واغتنم هم طاغية الروافض، وطوائف أهل البدعة، والمشركون من الهند والأفاغنة.

وأكثر من تأذى وأوذي في ذلك هم أهل التوحيد السلفيون، الذين أُخذوا واعتقلوا، وأُخرجوا من ديارهم إلى المفاوز النائية والمياه المظلمة (انڈيمان) وصُلبوا واختنقوا، اللهم ارحمهم رحمةً واسعةً حافلةً.

ما عفوت، ولا أعفو، ولا يوفقني الله العفو عن إنجليز، فإن كل ذلك كان عن مكره ودهائه، وخبثه وشقائه، وطمعه وعنائه. إني أرى المخانق معلقة حبالها وصناديد أهل التوحيد مخنوقة عليها أجسامهم، دماؤهم وسعت بلادهم من طرائف أموالنا وتلادنا، فكم من عروس قد أيّموها، وكم من صغير في حجر أمه قد أيتموه.

اللهم دمر ديارهم، وخرب بنيانهم، وأنزل بهم بأسك الذي لا ترده عن القوم المجرمين.

لولا اغترار الأغبياء والأوغال من المسلمين بدهائهم لكانت الأحوال اليوم على غير ما هي عليه اليوم، ولكانت نجد الشعب وغورها معمورة نضرة بغناء التوحيد والإسلام، وترفرف أعلامهم في جو الشعب وسمائه.

ما كل ما يشتهيه المرء يدركه تجري الرياح بما لا تشتهي السفن

٥ـ العوائق:

قد علمنا، وكل الناس يعلم، أن الدياجي والغيوم التي سدّت أفق الشعب، وأحاطت بأقطارها القاصية والدانية، وابتلي الشعب المريض

النحيف بمفاسدها، هي نتيجة الأمراض الموروثة من مغول وعاقبة السياسة الإنجليزية الخبيثة الدنسة، وليست معرفتها بعسير على الأذكياء العارفين بأحوال الشعب، لكن الغافلين قد يعسر عليهم العثور على حقيقة العوامل الإنجليزية التي لعبوا بها بعقول الشعب وفطانتها، وبأي قيمة لم يكن يرضى الإنجليز بفوز أي نهضة إصلاحية في أقطار البلاد الإسلامية و أعماقها؛ لأن أساس حكومته على افتراق البلاد والتشعب فيها، وأن تكون أعضاء الشعب وسكانها على ضد الآخر، يلتذ الإنجليز أن يحضر المتحاربون بين يديه يطلبون منه العدل، ولسان الميزان يكون في يده، يرفعها ويخفضها كيف يشاء حسب المصالح والحكم عنده، والفريقان مكبان بين يديه ناكسي رؤوسهم!

٦ـ الأعواز والمشاكل:

لا يخفى على العارف بأحوال الشعوب والملل، الأعواز التي تعتري وتحسم النهضة الإصلاحية في مثل هذه الأحوال إذا طرأت على جو البلاد، وكم تجب لذلك من نظرة عميقة ليعلم كيف يكون الأثر الحافل التام سيما إذا كان المجتمع فاسداً منتناً، وصعوبة ذلك أظهر من أن يتجشم له بالاستدلال والحجة. وإذا عرض عليهم الدين القديم الصافي الساذج ما يمكن لهم أن يسمعوا ذلك فضلًا أن يدينوا وينقادوا له. الحال أن رغائب الحكومة ونظامها المادي يكون على ضد ذلك كله، هذه هي المعوقات التي كانت بين يدي هذه النهضة وقوادها الأذكياء الأعلام.

قد اختار الله لذلك الإمام، الثقة، العادل أحمد ولي الله (المتوفىٰ ١١٧٦هـ) وتلامذته البررة الكرام، ومعه أبناءه أئمة الهدى الشيخ العلامة عبدالعزيز (المتوفىٰ ١٢٣٩هـ) والشيخ الفاضل رفيع الدين (المتوفىٰ ١٢٤٩هـ) والشيخ العلامة عبد القادر (المتوفىٰ ١٢٤٣هـ) والشيخ العلامة الإمام عبد الغني

(المتوفى ١٢٢٧هـ) -رحمهم الله رحمة واسعة- وحفيده الكريم إسماعيل بن عبد الغني الشهيد في سبيل الله، كلهم قد قضوا ما وجب عليهم وأمكن لهم.

تصانيفهم مثل: حجة الله، وإزالة الخفاء، والمصفى، والمسوى، وتراجم القرآن الفارسية، والأردوية، وتحفة اثنا عشرية في الرد على الروافض، وتقوية الإيمان، وغيرها، هذه بضاعة سامية إذا أمعنت فيها النظر علمت وجه الأمر ونهجه، وموقفه ومقامه، والطريق الموصل إليه عندهم- رحمهم الله.

٧- الحلم والأناة:

ويتضح عندك مع هذه الأعواز والقلاقل أن في عملهم هدوءًا وطمانينة، يظهر منه السكون والأناة والنظر إلى العواقب الحكيمة الراسخة، فإنه -رحمه الله- لأول ما ذكر في حجة الله البالغة الرد على البدعات الاعتقادية، وما كاد أو عسى أن ينشأ من الشبهات بسبب العلوم الأوربية وما يوازيها من العوائد الشعبية الراسخة فيهم.

وهو -رحمه الله- حاد من طريق المناظرات الرسمية والمجادلات العرفية في ذكر العقائد الإسلامية، وبيّن أصول التطبيق بين الأدلة، وأوضح حِكم العبادات ومصالحها.

ثم ذكر داء الأمم أعني: التقليد والجمود الذي حدث، وابتليت به الأمة بعد المائة الرابعة، فتكلم عليه، وبسط القول فيه بحيث اتضح الطريق وسهل، وزلل السبيل للمحدثين وفقهائهم، وأزال الظنون والسوآت التي أنشأها أدوار الجمود والتقليد وعلماء السوء، وبحث ونقر عن المسائل الفقهية بأن أزال عنها العصبية وحمية الجاهلية، وهيأ الطبائع للتحمل والسماع عمن يخالف المسلك المتعارف بين العوام.

٨- تصانيف الإمام ولي الله رحمه الله:

إذا طالعت تصانيفه -رحمة الله عليه- سوى التصوف نعثر على أمور

ثلاثة: الإسلام ونظامه السياسي الكامل، والرد على البدعات الاعتقادية، وفي ضمنها: مسألة الخلافة على رأي أهل السنة، والعبادات والمصالح الملحوظة فيها.

وأبناؤه الكرام هم أصحاب التدريس والتعليم، ولهم تصانيف وتاليفات، قد وطنوا فيها طبائع، ومهدوا الأذهان للقضاء على البدعات والرسوم والعوائد الشركية بالبيان الحاد الموجع بحيث لا ترى له نظيراً في ملفوظات أبيهم الإمام ولي الله، وترى لهجتهم واضحة وصقعاً في أصواتهم الناصعة، وتكلموا على الفروع الفقهية على طريقة فقهاء المحدثين والسلف الصالح من الصحابة والتابعين، وتكلموا على نهج تعتاد الطبائع الأدبية لسماعه، وقد كانوا يتكلمون في المسائل النزاعية بأصوات خافضة هادئة، والآن صرحوا بها، وجهروا بألسنة حادة مفصّحة، وفيما يظهر ذلك من فتح العزيز في الكلام على التقاليد الفقهية الفرعية، وبيّن أن سوى الحنفية أيضا مسلمون يمكن أن يكونوا أحسن حالاً منهم، وتكلم بحيث ينقض سحر التقليد عروةً عروةً.

٩ـ نشأة النهضة:

في هذه الآونة، وإن لم تظهر النهضة السلفية كالحركة الحية الناشئة النامية لكن سهل لها الطريق واستوى السبيل.

١٠ـ النهضة وارتقاؤها:

ويصعب علينا العلم بأن الارتقاء التدريجي في هذه النهضة، هل سبقه فكر ناضج وشورى محكمة، أو كان اتفاقاً حادثاً من غير فكر سابق؟ لكن لا يرتاب العاقل أن كل ما وقع، وقع على نهج محكم وأساس حكيم قويم سديد، ما قاله الأول بسهولة ولين، قاله الثاني مؤسساً

عليه، مثاله: المسائل النزاعية في الفروع العملية، كرفع اليدين في المواضع الأربعة، والتأمين بالجهر في القراءة خلف الإمام، فأظهر الإمام ولي الله رأيه فيها مفتياً ومحققاً، وابنه عبد العزيز صرح ذلك ملقناً ومرجحاً، وشهيد الحق إسماعيل أظهر وأعلن وجهر وصرح ببعض ذلك على رؤوس المنابر والنوادي والمجالس.

وظني أنه هو مؤسس النهضة السلفية في شعاب الهند وأقطارها، والحق أن هذا جهاد منه، وإعلام بالسنة عند فساد الأمة، وبلادنا لم تعرف فيها هذه السنن، والعمل بها كان كقبض على جمر، وبعض العامة كانوا يظنون هذا فرقاً بين الحنفية والوهابية بل ميزة بين الكفر والإسلام. وهكذا ما قاله في تقوية الإيمان. نعم، الأوقات لم تكن موافقة، والجو كان مغبراً، والشر مستطيراً، فهو -رحمه الله- أعلن، وهتك الستور و لم يبال بما تؤول إليه الأحوال. هذا هو الفرق بين المجدد وبين عامة العلماء. والمجدد يعرف الأحوال ويتكلم بحسبها.

١١ـ ظهور النهضة:

أعلن الشهيد بما في قلبه، وصقع به في السكك والأسواق، ثم عمل به هو ورفقته العظام، وهذه أعوان ظهور النهضة السلفية، وحينئذ صارت النهضة حركة حية عامية ثورية، وهذه آونة إصلاح المفاسد التي ورثناها من المغول، وأن يضرب عليها ضرباً نهائياً باتاً بإعلان الجهاد على الفور من غير تريّث وتأخير.

أعلنت جمعية المجاهدين بالجهاد على خلاف السيخ الذين أفسدوا على المسلمين في بنجاب، دينهم وأخلاقهم، وأعلنت بأن نظام الحكومة يكون دينياً خالصاً قرآنياً بحتاً مؤسساً على الكتاب والسنة.

السيد أحمد شهيد، والشاه إسماعيل الشهيد -رحمهما الله- هاجرا

دهلي، وتركا رونقها، قصورها وأسواقها، ونزلا في ثغور بشاور بعد ما عبرا الجبال الشاهقة والطرق الصعبة النائية خوفاً من إنجليز؛ لأنه كان حامياً للسيخ، وعمرا ثغور الأفاغنة بين الثلوج المشرقة الباردة.

فحمي الوطيس واستحر القتال، وبعد برهة من الزمن كسروا ثورة السيخ، ونهبت ثروتهم.

واختيار هذه النواحي والنزول في هذه المناطق الصعبة والأودية الغائرة لا يعرفه إلا العالمون بمنطق الحروب وعللها، والكشف عن أسبابه لا يسعه المقام لضيقه وغموض أسبابه.

وكل ذلك كان على طبق السنة النبوية ـعلى صاحبها ألف صلاة وتحيةـ قاتلوا وجاهدوا بغير إضاعة ساعة واحدة في جهاد الأقلام ونشر الصحف المطبوعة فإن الجهاد حياة بنفسه لا يحتاج إلى دعاية مزخرفة كاذبة.

والقوم كأنهم ملائكة أحسّوا بما يجب عليهم في هذه الآونة والأحوال، عملوا بما استطاعوا مع قلة الأسباب، سلاحهم الفقر والتوكل والإنابة إلى الله، فجرى القتال إلى زمان، وبعد برهة صفا الجو، وأسفرت الغبراء، وانتشرت قوة السيخ، وظهر الوهن والفتور في سجاياهم الوحشية فكانوا هباءً منثوراً.

والمجاهدون لم يستفيدوا من هذه الفتوحات شيئاً بسبب غدرة غلاة المسلمين من أهل البدعة معهم لكن انحلال ثورة السيخ كان قدراً مبرماً باتاً حتماً. هذه المحاربات أثرت على السيخ شفاهاً جهراً، ولا بد من ذلك، لكن الروافض والمبتدعة أيضاً لم يتخلصوا من نتائجها، حصل فيهم القلق والاضطراب، فأتوا بالفتاوىٰ ضد الوهابية المزعومة عندهم، المفروضة بينهم، المبغوضة فيهم، فقسموها بين الأفاغنة القاطنين في هذه الثغور، وأثاروا الفتنة ضد النهضة الناشئة للحرية

الفكرية والسياسية لكن ما أفادتهم تلك الثوران شيئاً بل استفاد منه الإنجليز فانشب أظفارهم على بنجاب بعد السيخ، وما حصل لأشرار الرافضة والمبتدعة غير خفي إلا أنهم هدؤا تحت ظلال إنجليز الحارة لا برد فيها ولا كرامة.

وقائد الحركة الإمام السيد أحمد البريلوي، و وزيره وصديقه الحميم الشاه إسماعيل انتقلا إلى جوار رحمة الله، وقتلا شهيدَين في سبيل الله، ونالا منال الشهداء ـعليهم رحمة الله تعالىٰ. وبعد كسر القوة السياسية وسقوط هذه النهضة الدينية السلفية انكسرت وانحلت فكرة الحكومة الإسلامية في الآونة الحالية، فإنا لله وإنا إليه راجعون!

١٢ـ تقسيم الأعمال:

بعد ذلك اضطر قواد النهضة ورفقتهم من بقية السيف أن ينظموا الأمور، ويقسموها على نهج آخر حسب الظروف والأحوال، قسم تكفلوا للمقاصد السياسية، كما كانوا ضد الإنجليز، وتنضيد الجنود والعساكر لذلك، وأنفقوا لذلك أعمارهم الثمينة الخطيرة، لكن ما أفاد ذلك إلا حاجة في نفس يعقوب قضاها، مع إنفاق الملايين من الأموال والنفوس فلم تسمن ولم تغن من جوع، والقسم الآخر ضمنوا تكميل ما بقي من أعمال الصلاح والإصلاح مثل: تنظيم المدارس والدراسات على نهج يؤيد الفكرة السلفية والنظرية الحديثية، وتوزيع كتب السنة وشرحها والتحشية عليها حسب ما يقتضيه مصالح النهضة، والرد على البدعات والعوائد الشركية، والقضاء على الجمود والتقليد وكل ما يضاد حرية الفكر.

١٣ـ الفوز والخسارة:

الآن وإن نتأسف على الخسارة السياسية والعجز عن إقامة الدولة الدينية لكن تعترينا سرور وأريحية بأننا قد قضينا على البدعات، وأخرجنا

العادات والرسوم الشركية عن أوطانها، وصفا الجو كثيراً للعمل بالسنة والتمسك بها، وسعينا في طبع دواوين الحديث وتراجمها ما نفخر عليه، ويزيدنا سروراً انهزام جنود التقليد وسقوط بلادها. ﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ [الأنبياء: ٤٤]

هذا إمامنا وسيدنا الأستاذ الشيخ السيد محمد نذير حسين تلميذ الصدر الحميد شيخ الآفاق مولانا محمد إسحاق ابن بنت الشاه عبد العزيز، وتلميذه المحترم أخذ منه العلوم وأخذ منه الإجازة بعد السماع حين أراد الهجرة والارتحال إلى بيت الله الحرام (١٢٥٨هـ) والأستاذ المحدث العلامة حسين بن محسن الأنصاري اليمني ثم البهوفالي ما أغزر فيوضه وأوفر تلاميذه! ـ رحمهما الله رحمة واسعة حافلة.

وهذا إمامنا وشيخنا الأستاذ الإمام الملك السيد نواب صديق حسن خان البهوفالي ما أرفق وبله! تصانيفه الغالية الثمينة انتشرت شرقاً وغرباً واستفاد منه العامة والعلماء.

ومع ما ابتلينا به من المساعي العنيدة ضد النهضة بلغ عددنا في هذه البلاد إلى ملايين وشعبنا ـ والحمد لله ـ لا يعجز ولا يفتر عن أي مقاومة بأي وجه كانت.

لنا مدارس، والجوامع، والنوادي، والمجالس، وحلق لدروس الكتاب الحكيم.

١٤ ـ اليوم:

بعد الخلاف العريض مع الإنجليز والمحاربات الطويلة الباردة على ضده حصل شيء من الفتور في صفوف السنة، وثلمات قصار في نظمهم، وحصل قليل من الملل في عزائمهم، ونحن، وكثير من خلص أصحابنا، ساعون في جمع كلمة أهل التوحيد السلفيين، ونرجو من إخواننا السلفيين من محي التوحيد والسنة أن يواصلونا في جمع كلمة أهل التوحيد، ويعاونونا للوصلة في أطراف البلاد النائية؛ لأن في

الصوت الاجتماعي قوة في الآونة الجمهورية، وندعو الله أن يوفقنا لجمع الكلمة والنصرة لدينه، إنه حميد مجيد.

ونرجو أن هذه السطور تفيد معرفة ما للناطقين بالضاد مع إخوانهم السلفيين في بلاد الهند وباكستان، وندعو الله أن يوفقنا لجمعية عالمية سلفية تكون وسيلة للإخوة، والوداد العام بين السلفيين خاصة والمسلمين عامة. والحمد لله رب العالمين.[1] (جمادى الأولىٰ ١٣٤٧ھ الموافق يناير ١٩٥٥ء)

ہند و پاک میں سلفی نشانات:

[اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ كَانَ نَبِيًّا وَآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ، وَأَصْحَابِهِ وَأَزْوَاجِهِ وَذُرِّيَّاتِهِ أَجْمَعِيْنَ.

1- ''اگر میں حد سے تجاوز نہیں کر رہا تو میرا گمان ہے کہ عام مغل بادشاہ گو مسلمان تھے لیکن ان کے اعمال اور حکومت کی بنیاد دینی اور قرآنی ہرگز نہیں تھی، بلکہ چند ایک کے سوا اکثر مغل سلاطین فضول خرچ، مشرک ہندوؤں کے نقال اور فسق و فجور میں مبالغے کی حد تک ڈوبے ہوئے تھے۔

جب انگریزی بندوقیں دہلی کے در و دیوار پر آگ برسا رہی تھیں اور مغلیہ سلطنت اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی تو اس وقت آخری مغل بادشاہ معظم بن اورنگزیب المعروف بہادر شاہ ظفر، مشہور ولی نظام الدین اولیاء کی قبر پر سجدہ ریز تھا اور اس سے مغلوں اور ان کی سلطنت کے لیے مدد کی فریاد کر رہا تھا۔ وہیں ۱۸۵۷ء میں وہ گرفتار ہوا اور رنگون میں قید کر دیا گیا۔ اور پھر قید ہی کی حالت میں ۱۸۶۴ء میں اُس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ جو الٰہی قوانین کے ہر مخالف کا مقدر ہوتا ہے وہی اس کا بھی مقدر ٹھہرا۔ اس طرح مغلوں کا تابناک سورج سیاہ کالی رات میں بدل گیا۔ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾[2] [الرعد: ۱۱]

مندرجہ بالا سطور سے قارئینِ کرام کو مغل بادشاہوں کے ہاں اسلام اور علم کے مبلغ اور توحید کی حقیقت کا اندازہ ہو جانا چاہیے!

---

[1] مجلة الاعتصام الأسبوعية، لاهور، العدد الثلاثون من المجلد الخامس والعشرين.

[2] ترجمہ: ''بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے، یہاں تک کہ وہ اسے بدلیں جو ان کے دلوں میں ہے۔''

ان کی باقیات:

ان کے باقی ماندہ بھیانک آثار کچھ یوں ہیں:

1. ملحدانہ نظامِ حکومت۔
2. کفریہ رسوم ورواج۔
3. ہجوم آور بدعات اور قرآن وسنت کے علوم کا فقدان۔
4. جامد روایات اور مردہ افکار۔
5. دینی اداروں اور علماء ومفکرین کا قحط۔

بادشاہوں کے محلات سے لے کر غریبوں کی جھونپڑیوں تک ہر جگہ اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا تھا۔ اگر کہیں آگ کا کوئی سلگتا ہوا انگارہ نظر آتا تو یہ علماء اور مفکرین کی محض ذاتی کوششوں کا نتیجہ تھا، وگرنہ حکومت کو ایسی کسی چیز کی کوئی پروا نہیں تھی۔ اس کا دین صرف قبروں اور مزاروں کی زیارت کا اہتمام کرنا اور اس کی سوچ محض گنبدوں کی تعمیر اور ان پر میلے لگانے تک محدود تھی۔

3- علماء اور ان کے خیالات:

ان کے گہرے دینی جذبات کی گہرائی محض اتنی ہی تھی کہ اگر ممکن ہو سکے تو یہ فرسودہ نظام اور کمزور و بے دین اقتدار کسی نہ کسی طرح باقی رہ جائے، بلکہ وہ اس کے لیے کوشاں بھی رہے، لیکن تقدیر بہر کیف خیالات کو گھیر لیتی ہے۔ ﴿سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾[1] [الأحزاب: ٦٢]

بالآخر ۱۸۵۷ء میں سلطنتِ مغلیہ کا چاند ڈوب گیا اور اس کی جگہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے سے برطانوی حکومت کے زیرِ نگرانی ایک خالص بے دین نظام نے لے لی۔ کچھ ہی عرصے کے بعد یہ واسطہ بھی ختم ہو گیا اور ہندوستان کی فضا میں برطانوی پرچم لہرانے لگے۔ یہ ایک دردناک سانحہ تھا کہ محض چند ساعتوں میں، جنھیں انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے، فقہ کی اصطلاح میں دارالاسلام دارالکفر میں تبدیل ہو گیا۔

4- مفکرین:

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس وقت کچھ دینی مفکرین بھی موجود تھے۔ اس سانحے پر ان کے

---

[1] ترجمہ: ''اللہ کے طریقے کی طرح ان لوگوں میں جو پہلے گزرے اور تو اللہ کے طریقے میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔''

دل پھٹ گئے اور ان کے سینوں میں غم نے مستقل ڈیرے ڈال لیے۔ وہ اگرچہ تعداد میں تھوڑے تھے لیکن انھیں ان افکار اور ان کے حتمی نتائج کا مکمل ادراک تھا۔ ان حالات کے پیشِ نظر انھوں نے فیصلہ کن اقدامات کیے، جبکہ مندرجہ ذیل حقائق ان کے سامنے تھے:

1. مغلوں کے اخلاقی اثرات۔
2. سلطنتِ مغلیہ کے سقوط کے بعد انگریزی اقتدار سے پیدا ہونے والے حالات۔
3. مسلمانوں میں، جنھیں مایوسی نے چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا، اقتدار اور مزاحمت کی قوت۔

ان مفکرین کو انگریزی پونڈوں کے سرچشموں کا بخوبی علم تھا کہ ان کے پانی ندی نالے اور سیلاب کہاں چلتے ہیں۔ انھیں اس حقیقت کا بھی علم تھا کہ ان تکلیف دہ اور جگر پاش حالات سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والے لوگ اہلِ توحید و سنت ہیں۔ اس موقعے پر سب سے زیادہ خوشی کا اظہار جن لوگوں نے کیا اور اس سے بھرپور فائدہ اٹھایا ان میں رافضی ٹولہ، بدعتی گروہ، ہندو مشرک اور افغانی (خوانین) شامل تھے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ اذیت اور تکلیف اہلِ توحید، اہلِ حدیث نے اٹھائی۔ انھیں پکڑا گیا، گرفتار کیا گیا، گھروں سے نکال کر دور دراز مقامات میں پھینک دیا گیا، جزائر انڈیمان میں کالے پانی کی سزا دی گئی، سولیوں پر لٹکایا گیا اور ان کے گلے گھونٹ دیے گئے۔

اے اللہ! انھیں اپنی وسیع رحمت کے سائے میں جگہ عطا فرما۔

میں انگریز کو معاف کر سکتا ہوں نہ کروں گا، اور نہ اللہ مجھے انھیں معاف کرنے کی توفیق ہی دے۔ یہ سب کچھ اسی کی مکاری، چالاکی، خباثت، بدطینتی، سنگ دلی، درشتی اور لالچ کا کیا دھرا تھا۔

مجھے اب بھی وہ پھانسی گھاٹ نظر آرہے ہیں جن پر ابھی تک توحید کے علمبرداروں کے جسم لٹکے ہوئے ہیں اور ان کا خون ہر طرف بکھرا ہوا ہے۔ آج بھی ان کے گھر ہمارے نفیس اور قدیمی اموال سے بھرے پڑے ہیں۔ کتنی ہی دلہنوں کو انھوں نے بیوہ کر دیا اور کتنے ہی بچوں کو ان کی ماؤں کی گودوں میں یتیم کر دیا۔ اَللّٰهُمَّ دَمِّرْ دِيَارَهُمْ وَخَرِّبْ بُنْيَانَهُمْ وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِيْ لَا تَرُدُّهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ.

اگر مسلمانوں میں کچھ کم عقل اور ابلہ فریب قسم کے لوگ انگریزوں کی مکاری سے دھوکا نہ کھاتے تو ان کے حالات وہ نہ ہوتے جو آج ہیں بلکہ تمام وادیاں اور گھاٹیاں نغمۂ توحید و اسلام سے معمور ہوتیں اور فضا میں اسلام کے جھنڈے لہرا رہے ہوتے۔

مَا كُلُّ مَا يَشْتَهِيهِ الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ   تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

''ہر وہ چیز جس کی آدمی تمنا کرتا ہے اسے پا نہیں لیتا، ہوائیں کشتیوں کی مرضی کے خلاف بھی چلتی ہیں۔''

5- رکاوٹیں:

ہم سب اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ قوم پر جو سیاہ اندھیرے اور کالے بادل چھائے ہوئے ہیں، ہر دور ونزدیک کا علاقہ ان ظلمتوں کی زد میں ہے۔ یہ بیمار قوم جن خرابیوں میں مبتلا ہے، یہ ان مغلیہ موروثی امراض کا نتیجہ اور انگریز کی گندی اور خبیث سیاست کا انجام ہے جسے قوموں کے حالات سے باخبر رہنے والے دانشمندوں کے لیے پہچاننا کوئی مشکل نہیں، البتہ خوابِ غفلت میں پڑے ہوئے بے خبر افراد کے لیے ان انگریزی عوامل کی حقیقت پہچاننا مشکل ہوسکتا ہے جن کے ساتھ وہ قوم کی عقل اور ذہانت سے کھیلتے رہے ہیں۔

انگریز کسی بھی قیمت پر کسی بھی اسلامی خطے میں کسی بھی اصلاحی تحریک کی کامیابی پر خوش نہیں ہوسکتا، کیوں کہ انگریزی حکومت کی بنیاد ہی اس قاعدے پر قائم ہے کہ ملکوں اور خطوں میں افتراق اور انتشار پیدا کیا جائے اور افرادِ قوم اور ساکنانِ وطن باہم دست وگریبان رہیں۔

انگریز اس کیفیت سے لذت اٹھاتا ہے کہ متحارب گروہ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو کر اس سے عدل کی بھیک مانگیں اور ترازو اس کے ہاتھ میں ہو۔ وہ جس طرح چاہے اپنی حکومت اور مصلحت کے پیشِ نظر اسے اونچا یا نیچا کر سکے اور دونوں گروہ اس کے سامنے سر پھینک کر کھڑے ہوں۔

6- مشکلات:

اقوام وملل کے احوال سے واقفِ حال پر وہ مشکلات مخفی نہیں ہیں جو ان جیسے حالات میں اگر ملک کی فضا ان سے مکدر ہو جائے تو کسی بھی اصلاحی تحریک کے لیے پریشانیاں کھڑی کر سکتی ہیں۔ پھر ان پریشانیوں سے نپٹنے کے لیے گہرے غور وفکر کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کے بھرپور اثرات کا جائزہ لیا جا سکے، خصوصاً جب معاشرہ بھی فاسد اور گندا ہو۔ اس صعوبت کا اندازہ کرنے کے لیے کسی دلیل اور حجت کی ضرورت نہیں۔

جب ان کے سامنے صاف، بے لاگ، قدیم اور سادہ دین پیش کیا جاتا، چہ جائیکہ وہ اسے اپنا

لیتے اور اس کے تابع فرمان ہو جاتے، ان کے لیے اسے سننا بھی ناممکن تھا، جبکہ دوسری طرف یہ حالت تھی کہ حکومتی خواہشات اور اس کا مادی نظام بھی اس کے مخالف تھا۔ اس تحریک اور اس کے ذہین و فطین راہنماؤں کے سامنے یہ تمام تر مشکلات سر اٹھائے کھڑی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے احمد بن عبدالرحیم المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م۱۱۷۶ھ) جیسے ثقہ و عادل امام اور ان کے نیک و معزز شاگردوں کو منتخب فرمایا، اور ان کے ساتھ ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز (۱۲۳۹ھ)، شاہ رفیع الدین (۱۲۴۹ھ)، شاہ عبدالقادر (۱۲۴۳ھ) شاہ عبدالغنی (۱۲۲۷ھ) اور ان کا پوتا شاہ اسماعیل بن عبدالغنی شہید بھی شامل تھے۔ ان تمام حضرات نے اس سلسلے میں مقدور بھر اپنی ذمے داری ادا کی۔

ان کی تصانیف حجۃ اللہ، ازالۃ الخفاء، مصفی، مسوی، قرآن کریم کے فارسی اور اردو تراجم، روافض کے رد میں تحفہ اثنا عشریہ اور تقویۃ الایمان وغیرہ، یہ وہ قیمتی سرمایہ ہے کہ اگر ان پر غور کیا جائے تو معاملے کی صورت، منہج، طریقِ کار، موقف و مقام اور راستہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

7- حلم و بردباری:

ان مشکلات اور اضطرابات کے باوجود یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان کے کام میں ایک طرح کا ٹھہراؤ اور اطمینان تھا جس سے سکون، بردباری اور انجام میں حکیمانہ اور مضبوط غور وفکر نظر آتا تھا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ میں سب سے پہلے ان اعتقادی بدعات اور ان رسوم و رواجات اور مغربی علوم کی وجہ سے پیدا ہونے والے شبہات کا رد ذکر کیا ہے۔ شاہ صاحب نے اسلامی عقائد بیان کرتے ہوئے رسمی مناظرانہ انداز اور جدلیاتی اسلوب سے گریز کیا ہے، اور دلائل کے درمیان تطبیق دینے کے اصول اور عبادات اور ان کی حکمتوں اور مصلحتوں کو بیان کیا ہے۔

اس کے بعد انھوں نے قوموں کی اصل بیماری یعنی تقلید اور جمود کا ذکر کیا ہے جو چوتھی صدی ہجری کے بعد امتِ مسلمہ پر وبا بن کر چھا گئی۔ انھوں نے تقلید پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ گفتگو فرمائی ہے اور محدثین اور فقہاء کے لیے راستہ آسان اور واضح کر کے دکھایا ہے، اور ان تمام شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے جو تقلید اور جمود کے ادوار اور علمائے سو کی پیداوار ہیں۔ نیز فقہی مسائل کی بحث و تحقیق کرتے ہوئے تعصب اور جاہلانہ ہٹ دھرمی کا قلع قمع کر دیا ہے اور نفوس کو عوام میں متعارف مسلک کی مخالفت کرنے والے کی بات سننے اور برداشت کرنے کے لیے تیار کر دیا ہے۔

8- شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصانیف:

شاہ صاحب کی تصوف کے علاوہ تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں تین امور نظر آتے ہیں:

1. اسلام اور اس کا مکمل سیاسی نظام۔
2. اعتقادی بدعات کا رد، اس ضمن میں اہلِ سنت کی رائے کے مطابق مسئلۂ خلافت بھی آجاتا ہے۔
3. عبادات اور ان کی حکمتیں۔

شاہ صاحب کے نامور فرزند بھی اصحابِ تدریس و تعلیم تھے۔ انھوں نے اپنی تصانیف میں بڑے تند اور سخت انداز میں بدعات اور شرکیہ رسوم و رواجات کی بیخ کنی کرنے کے لیے ذہن سازی کی ہے۔ یہ انداز ان کے والد کے ملفوظات اور تصانیف میں نظر نہیں آتا۔

ان کا لہجہ بڑا واضح، بے لاگ اور آواز میں ایک طرح کی کھنک ہے۔ انھوں نے فقہی فروعات پر محدثین فقہاء اور صحابہ و تابعین و سلف صالحین کے طریقے کے مطابق گفتگو کی ہے۔ ان کی گفتگو کا انداز ایسا تھا کہ مہذب طبائع اسے سننے کی عادی تھیں۔ پہلے وہ اختلافی مسائل پر آہستہ آواز اور پرسکون لہجے میں بات کرتے تھے۔ اب انھوں نے کھلے عام اور دوٹوک انداز میں ان پر گفتگو کرنا شروع کر دی۔ یہ حقیقت فتح العزیز میں واضح ہوتی ہے جس میں انھوں نے یہ بات بیان کی ہے کہ دنیا میں احناف کے علاوہ بھی مسلمان ہیں جو ان سے بہتر ہو سکتے ہیں۔ اور تقلید پر اس انداز میں گفتگو فرمائی ہے کہ اس کے تار و پود بکھیر دیے ہیں۔

9- تحریک کی ابتدا:

ان دنوں سلفی تحریک اگرچہ ایک زندہ اور ترقی پذیر تحریک کی طرح ظاہر نہیں ہوئی لیکن اس کا راستہ ضرور آسان اور ہموار کر دیا گیا۔

10- تحریک کا ارتقا:

ہمارے لیے یہ بات جاننا مشکل ہے کہ اس نشأۃِ ثانیہ کی تحریک کے تدریجی ارتقا کے پیچھے کوئی ٹھوس فکر اور مضبوط شوریٰ تھی یا بغیر کسی سابقہ فکر کے یہ ایک محض اتفاقی حادثہ تھا لیکن ایک صاحبِ عقل اس بات میں شک نہیں کر سکتا کہ جو بھی ہوا ایک ٹھوس مستحکم اور دانشمندانہ منہج اور اساس کے مطابق تھا۔ پہلے نے جو بات نرم اور آسان انداز میں کہی وہی بات دوسرے نے اسی پر بنیاد رکھ کر کہی۔ اس کی

مثال عملی فروع میں اختلافی مسائل کی ہے، جیسے چار جگہوں میں رفع الیدین کرنا، بلند آواز سے آمین کہنا، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قراءت کرنا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ان مسائل میں اپنی محققانہ اور مفتیانہ رائے دی ہے، ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تلقین کرتے ہوئے اس کی صراحت کی ہے، جبکہ شہید برحق شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے منبروں پر، مجلسوں میں اور جلسہ گاہوں میں بے لاگ انداز میں کھلے عام اس کا اظہار کیا ہے۔

میرا یہ گمان ہے کہ بلادِ ہند میں سلفی تحریک کے بانی مبانی شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ ہیں۔ سچ یہ ہے کہ یہ ان کا جہاد اور امت میں فساد کے وقت سنت کا اعلان ہے۔ ہمارے علاقوں میں یہ سنتیں غیر معروف تھیں۔ ان پر عمل کرنا ہاتھ میں آگ کے انگارے پکڑنے کے مترادف تھا۔ بعض عام لوگ احناف اور وہابیوں کے درمیان یہی فرق خیال کرتے تھے بلکہ یہ کفر اور اسلام کے درمیان خطِ امتیاز تھا۔ اسی طرح شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان میں جو فرمایا ہے اسے بھی کفر و اسلام کا معیار قرار دے رکھا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حالات غیر موافق تھے اور فضا غبار آلود تھی۔ ہر طرف شر پھیلا ہوا تھا لیکن انھوں نے انجام سے بے پروا ہو کر پردے چاک کر دیے اور ببانگِ دہل اعلان کر دیا۔ یہ ہے فرق عام علماء اور ایک مجدد کے درمیان۔ مجدد حالات سے واقفیت رکھتا ہے اور انھی کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

11- تحریک کا ظہور:

شاہ صاحب کے جو دل میں تھا انھوں نے اس کا اظہار کیا اور گلیوں بازاروں میں اپنی آواز بلند کی۔ پھر انھوں نے خود اور ان کے رفقائے کار نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ یہ اس سلفی تحریک کے ظہور کا آغاز تھا۔ پھر یہ تحریکِ بیداری ایک زندہ عوامی اور انقلابی تحریک بن گئی۔ اب یہ ان مفاسد کی اصلاح کا وقت تھا جو مغلوں سے ہمیں ورثے میں ملے۔ اس کے بعد فوراً انھوں نے ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لیے اعلانِ جہاد کر دیا۔

جماعتِ مجاہدین نے سکھوں کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا جنھوں نے پنجاب میں مسلمانوں کے دین اور اخلاق کو بگاڑ دیا تھا۔

شاہ صاحب نے یہ اعلان کیا کہ حکومت کا دینی نظام خالص قرآنی اور کتاب و سنت کے مطابق ہوگا۔ سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید نے دہلی سے ہجرت کی، اس کی رونق، محلات اور بازاروں کو خیر باد کہا اور انگریز کے ڈر سے، جو سکھوں کا خیر خواہ تھا، بلند و بالا پہاڑ عبور کر کے پشاور کی

حدود میں ڈیرے ڈال لیے اور ٹھنڈی چمکدار برفوں کے درمیان افغانیوں کی سرحدوں کو آباد کر دیا۔ جنگ کی ابتداء ہوگئی اور قتال کے میدان سج گئے۔ کچھ عرصے کے بعد انھوں نے سکھوں کے انقلاب کو توڑ دیا اور ان کی دولت لوٹ لی۔

ان مشکل علاقوں اور گہری کھائیوں کو میدانِ قتال منتخب کرنے میں جو حکمت تھی جنگی ماہرین اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہاں ان اسباب کا کھوج لگانے کا مقام نہیں۔

یہ سارا کام سنت کے مطابق تھا۔ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر انھوں نے اپنا وقت قتال اور قلمی جہاد میں گزار دیا۔ مطبوعہ لٹریچر عام کیا۔ جہاد اپنی ذات میں ایک زندگی ہے جسے کسی جھوٹے پروپیگنڈے اور خوشنما اعلان کی ضرورت نہیں۔

یہ جماعت گویا فرشتوں کی جماعت تھی جنھوں نے محسوس کر لیا کہ ان جیسے حالات میں ان پر کیا ذمے داری عائد ہوتی ہے۔ اسباب کے نہ ہونے کے باوجود انھوں نے اپنی استطاعت کے مطابق عملی اقدامات کیے۔ فقر، توکل اور رجوع الی اللہ ان کے ہتھیار تھے۔ ایک وقت تک میدانِ قتال لڑائی کی آگ سے بھڑکتا، سلگتا اور جلتا رہا۔ اس کے بعد فضا صاف ہوگئی، غبار چھٹ گیا، سکھوں کی قوت تتر بتر ہوگئی، ان کی وحشیانہ جبلتوں پر کمزوری اور سستی کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہو گئے اور وہ بکھرے ہوئے غبار کی طرح ہوا ہو گئے۔

مجاہدین غالی بدعتی مسلمانوں کی غداری کے سبب ان فتوحات سے کچھ فائدہ نہ اٹھا سکے، لیکن سکھ انقلاب ٹوٹ گیا جو تقدیر کا حتمی فیصلہ تھا۔

ان لڑائیوں نے سکھوں کے زور کو توڑ کر رکھ دیا۔ ایسا ہونا ہی تھا لیکن بدعتی اور رافضہ بھی ان کے نتائج سے محفوظ نہ رہ سکے۔ وہ بے چینی اور اضطراب کا شکار ہو گئے اور انھوں نے وہابیوں کے خلاف خود ساختہ، فرضی اور بغض کی بدبو سے بھرپور فتوؤں کی بھرمار کر دی۔ ان فتوؤں کو انھوں نے سرحدی افغانیوں میں تقسیم کیا اور اس سیاسی اور فکری حریت کی کوکھ سے جنم لینے والی تحریک کے خلاف فتنے کی آگ بھڑکا دی لیکن یہ اشتعال انگیزی بھی ان کے کسی کام نہ آئی، بلکہ انگریز اس سے فائدہ اٹھا گیا اور اس نے سکھوں کے بعد پنجاب میں اپنے پنجے گاڑ لیے اور ان شر انگیز بدعتیوں اور رافضہ کے ہاتھ رونے دھونے کے سوا کچھ نہ آیا، لیکن انگریزی تخت کے گرم سائے تلے، جس میں ٹھنڈک تھی نہ عزت، یہ پرسکون ہو گئے۔

تحریک کے قائد سید احمد بریلوی رحمہ اللہ اور ان کے وزیر اور دلی دوست شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ

راہِ حق میں جان کا نذرانہ پیش کر کے رحمتِ حق کے پڑوسی بن گئے اور شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔ سیاسی قوت ٹوٹ جانے اور اس دینی سلفی تحریک کے سقوط کے بعد موجودہ صورت حال میں اسلامی حکومت قائم کرنے کا خواب ٹوٹ گیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!

12- کاموں کی تقسیم:

اس کے بعد تحریک کے قائدین اور رفقائے کار، جو تلوار کی زد میں آنے سے بچ گئے، امور کی ایک اور طرح کی تنظیم اور تقسیم کے لیے مجبور ہو گئے جو حالات اور واقعاتی صورت حال کے مطابق تھی۔ کچھ لوگوں کو سیاسی مقاصد کے شعبے کے ساتھ منسلک کر دیا گیا۔ یہ انگریز کے خلاف تو تھے ہی، اس مقصد کی خاطر فوج سازی کرنے کی ذمے داری بھی انھی کی تھی۔ اس کام کے لیے انھوں نے اپنی قیمتی جانیں تک گنوا دیں اور ہزاروں ملین خرچ کر ڈالے، مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہوا۔

ایک شعبہ اصلاحِ احوال کی تکمیل کے لیے قائم کیا گیا جس کا کام ایسے انداز کے مطابق مدارس اور تدریس و تعلیم کی تنظیم کرنا تھا جو سلفی نقطۂ نظر کے مطابق ہو۔ تحریک کے مفاد کے مطابق کتبِ حدیث کی تقسیم کی جائے اور ان کی شرح اور حاشیہ نگاری کا کام کیا جائے۔ بدعات اور شرکیہ رسوم و رواجات کا جواب دیا جائے، تقلید و جمود اور ہر اس سوچ کا قلع قمع کیا جائے جو حریتِ فکر کے خلاف ہو۔

13- کامیابی اور نقصان:

اب اگرچہ ہم سیاسی نقصان اور دینی حکومت قائم نہ کر سکنے کی وجہ سے کفِ افسوس ملتے ہیں، تاہم اس وقت ہم اطمینان کا سانس لیتے ہیں اور خوشی ہماری نس نس میں پھیل جاتی ہے کہ ہم نے بدعات کا خاتمہ کر دیا، شرکیہ رسوم کو ان کے وطنوں سے مار بھگایا اور سنت پر عمل کرنے اور اسے اختیار کرنے کے لیے فضا کسی قدر صاف ہو گئی۔ ہم نے احادیث کے مجموعوں کی اشاعت کے لیے کوشش کی، ان کے تراجم کیے، اور آج ہمیں اس کام پر فخر ہے اور ہماری خوشی مزید دو بالا ہو گئی جب تقلید کے لشکر دُم دبا کر بھاگ گئے اور اس کے تسلط کا خاتمہ ہو گیا۔ ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۚ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ [1] [الأنبياء: ٤٤]

[1] ترجمہ: ''پھر کیا وہ دیکھتے نہیں کہ بے شک ہم زمین کو آتے ہیں، اسے اس کے کناروں سے گھٹاتے آتے ہیں، تو کیا وہی غالب آنے والے ہیں؟''

یہ ہمارے امام اور استاذ شیخ نذیر حسین محدث دہلوی ہیں جو شہرۂ آفاق محدث مولانا شاہ محمد اسحاق کے شاگرد تھے۔ انھوں نے شاہ اسحاق الصدر الحمید سے علم حاصل کیا اور ان سے سماعِ حدیث کے بعد جب انھوں نے ۱۲۵۸ھ میں مکہ مکرمہ ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو ان سے اجازتِ حدیث بھی لی۔ اسی طرح استاذ محدث علامہ حسین بن محسن انصاری یمنی بھوپالی بھی ہیں۔ ان دونوں کے فیض اور شاگردوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ ایسے ہی شیخ امام نواب صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ بھی ایک بحرِ بے کنار تھے۔ ان کی قابلِ قدر تصانیف مشرق و مغرب میں پھیل گئیں اور عوام اور علماء سب نے ان سے استفادہ کیا۔ اس تحریک میں ہمیں تعصب اور عناد کی جس قدر کوششوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کے باوجود ہماری تعداد دنیا میں لاکھوں تک پہنچ چکی ہے، اور الحمد للہ، ہماری قوم ہر طرح کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر طرح سے تیار ہے۔

ہمارے مدارس ہیں، مساجد ہیں، مجالس ہیں اور کتاب وسنت کے دروس کے سلسلے ہیں۔

14- آج:

انگریز کے ساتھ طویل جدو جہد اور لمبی سرد جنگ کے بعد اگرچہ اہلِ سنت کی صفوں میں کچھ سستی اور ان کے نظام میں کچھ رخنے پیدا ہو چکے ہیں اور ارادوں میں کمزوری بھی واقع ہو چکی ہے، تاہم ہم اور ہمارے بہت سارے مخلص ساتھی اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اہلِ توحید سلفی حضرات کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ہم توحید وسنت کا احیا کرنے والے اپنے سلفی بھائیوں سے امید کرتے ہیں کہ وہ اہلِ توحید کی اس شیرازہ بندی میں ہمارے ساتھ ملیں اور دور دراز کے علاقوں میں اس صف بندی کی کوشش میں تعاون کریں، کیوں کہ جمہوری دور میں اجتماعی آواز ایک قوت رکھتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں صف بندی اور اس کے دین کی نصرت کی توفیق دے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ چند سطریں اہلِ عرب کو ان کے پاکستان و ہندوستان میں سلفی بھائیوں کے متعلق حالات کے بارے میں باخبر کرنے کے سلسلے میں معاون ثابت ہوں گی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دست بستہ عرض گزار ہیں کہ وہ ہمیں ایک عالمی جمعیت اہلِ حدیث قائم کرنے کی توفیق دے جو سلفی حضرات کے درمیان خصوصاً اور تمام مسلمانوں کے درمیان عموماً بھائی چارے اور عمومی محبت کا ذریعہ ہو۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ‘‘]

شرف أصحاب الحديث

(تالیف: حافظ ابوبکر خطیب بغدادی۔ ناشر: مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان ۱۹۶۴ء)

الحمد لله الذي شيد علوم النبوة بالأسانيد السداد، وأعانها برجال العلم، إذ ظهر في الأرض الفساد، والصلاة والسلام الأتمان على من أسس الفقه والحكمة بأسند الأوتاد، وعلىٰ أتباعه آخذي ألوية العلم حتى يقوم الأشهاد، وعلىٰ حاملي علوم السنة، و رافعي أخبار النبوة إلى يوم المعاد.

ظهر الإسلام، ودياجير الجهل أحاطت بلاد العروبة، وما حولها من الهند والسند وأقطارهما القاصية والدانية، وعمت الظلمة الشرق والغرب، ظلمات بعضها فوق بعض، إذا أخرج يده لم يكد يراها، ومن لم يجعل الله له نوراً فما له من نور. وكل ذلك في قيادة أئمة الكفر، قد أحاط بهم الجمود، وحرية الفكر هاجرت من هذه الأوطان، وخمود الذكاء عمت ينابيع الفطنة القاصية منها والدانية، ولا بد من القضاء عليه ليقضي الله أمراً كان مفعولا، فإن كل من عليها فان، ويبقىٰ وجه ربك ذوالجلال والإكرام.

فلله أبوك! طلع الذكاء من شعاب فاران، وأضاءت به قلل سلع وبلاد غطفان، وشاع الضياء، وأشرقت الأرض بنور ربها، ووضع الكتاب فكان ما كان.

وانتشر هذا النور، وأعانه نور القرآن والسنة، واستضاء به الشرق والغرب، وكاد الجهل تضمحل وتذوب، والجمود و عوائد الكفر ترحل حيثما تحل عساكر النبوة، وانهزمت جنود التقليد والخمود، وتفرقوا أيدي سبا، جند ما هنالك مهزوم من الأحزاب.

حرية الفكر:

وكان الحال على هذا النمط إلىٰ آخر القرون المشهود لها بالخير، يسأل العالم، ويقبل قوله من غير تعيين وتقييد برأي شخص معين، و فيهم الفقهاء الكبار والعلماء العظام، ومن هدىٰ بهديهم، وفوق كل ذي علم عليم. والاجتهاد بالمعنى المصطلح المعهود لم يكن إذ ذاك موجوداً، ولا علوم الاجتهاد الشائعة المصطلحة عند المتأخرين من الفقهاء والأصوليين، بل الاعتماد علىٰ التقوىٰ وسلامة الفطرة، والأصل عندهم قوله ﷺ: «إنما شفاء العي السؤال»[1] رواه أصحاب السنن.

والعلماء حينئذ متوافرون، كلما حللت بلدة أو قرية، وجدت عالما من الصحابة أو فقيهاً من التابعين و أتباعهم، يدرسون في الفقه والحديث، يفتون أحيانا، وأحيانا يفوّضون الأمر إلى غيرهم، تارة يجيبون، وتارة يعترفون بعدم العلم. وإذا وجدوا في المسألة نصاً من الكتاب والسنة فرحوا، وأجابوا مما فيها من غير شك وريبة، وإذا اضطروا إلى رأي وحكم بغير نص، فكروا وشاوروا، فأحياناً قالوا به، وما أحسن قولهم: إن كان صحيحاً فمن الله، وإن كان غير صحيح فمني ومن الشيطان. ويصرحون بأن هذا رأينا، إن وجدتم رأيا أحسن منه فاقبلوه، وإن وجدتم نصا يخالف قولنا فاضربوا بقولنا الحائط من غير إلزام وإجبار على التقليد.

والأئمة الأربعة وأكثر أصحابهم نسجوا علىٰ تلك المنوال، ونصوصهم في ذلك متوافرة متظاهرة. عليك بسنن الدارمي، و جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البر، و حجة الله البالغة لمجدد الهند الإمام ولي الله الدهلوي، والميزان للشعراني، وأعلام الموقعين للإمام ابن القيم، وغير ذلك من أسفار أئمة السنة، رضوان الله عليهم أجمعين.

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٣٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٥٧٢)

هكذا أو قريباً من ذلك الأحوال إلىٰ آخر المائة الرابعة لم يجتمعوا علىٰ جواز تقليد شخص معين فضلًا عن الوجوب أو حصر أهل السنة في تقليد الأربعة وغيرهم، بل أكثر أهل العلم صرحوا بالنهي عن التقليد المعين كما قال ابن مسعودﷺ: لا يقلدن أحدكم دينه رجلا، إن آمن آمن، وإن كفر كفر، فإنه لا أسوة في الشر. و أيضاً قال عبيد الله بن المعتز: لا فرق بين بهيمة تنقاد وإنسان يقلد. (جامع بيان العلم لابن عبد البر: ٢/ ١١٤)

وأيضاً قال ابن مسعودﷺ: أُغد عالما أو متعلما، ولا تغد إمعة فيما بين ذلك" (ابن عبدالبر: ٢/ ١١٢)

وقال سلمان: أما زلة العالم فإن اهتدى فلا تقلدوه دينكم. (٢/ ١١١)

وقال في حجة الله البالغة عن اليواقيت والجواهر عن أبي حنيفة أنه كان يقول: لا ينبغي لمن لم يعرف دليلي أن يفتي بكلامي، وقال الإمام مالك: ما من أحد إلا و مأخوذ من كلامه و مردود عليه إلا رسول اللهﷺ، وقال الشافعي: إذا صح الحديث فهو مذهبي، وقال أحمد: لا تقلدني ولا تقلد مالكا ولا الأوزاعي ولا النخعي، وخذ الأحكام من حيث أخذوا من الكتاب والسنة وعن أبي يوسف وزفر وغيرهما أنهم قالوا: ليس لأحد أن يفتي بقولنا ما لم يعلم من أين قلناه. (حجة الله: ١/ ١٢٦)

هذا مذهب الأئمة وطريقهم في المسألة، ولا نعلم من أين جاء المتأخرون بوجوب التقليد المعين من العلماء؟!

ما نعني بذلك:

الحقيقة ما قلناه، والحرب لم تزل دائراً بين أهل الحديث وبين دعاة التقليد. ينال كل من الآخر، يقلون ويكثرون بحسب ما تيسر لهم من الأسباب المادية من القضاء والتوسل بالسلاطين والحكام، كما ذكره المقريزي في الخطط بأن جمع الحديث وتدوينه كان عاما في البلاد الإسلامية، والعمل به كان

أصلًا أصيلًا عندهم، كما كان في عهد الصحابة والتابعين، والناس يرحلون لطلب الحديث الواحد الأيامَ الكثيرةَ، والمنازل البعيدة. يعرف ذلك من نظر في كتب الحديث، وعرف سير الصحابة والتابعين، حتى قام هارون الرشيد بالخلافة، و ولىٰ القضاء أبا يوسف القاضي بعد سنة سبعين ومائة، فلم يقلد أمر القضاء في المصر والشام والعراق أحد إلا بأمره وإشارته، فكان سبب شيوع الحنفية في تلك البلاد.

وقام الخليفة المنتصر المرتضىٰ بن هشام بالأندلس، و ولّى القضاء يحيىٰ ابن يحيىٰ بن كثير، وهو من تلامذة مالك وأصحابه، وابن وهب و ابن القاسم، فكانت قيادة الفتوىٰ بيده، ولا يتولّى القضاء أحد إلا بأمره وإشارته؛ فغلب هنالك مذهب مالك بعد الأوزاعي، وكان أفريقية الغالب عليه السنن والآثار إلىٰ أن جاء عبد الله بن فروج بالحنفية، وجاء سحنون بالمالكية، وصار القضاء في أصحابه، يتصاولون على الدنيا تصاول الفحول على الشول. انتهى مختصراً (الخطط: ٤/ ١٤٤)

وأهل الحديث لم يطوفوا أبواب السلاطين، ولا طلبوا القضاء، كما طلبه أصحاب الأئمة وتلاميذهم، فاضمحل أمرهم، ولم يتوسّلوا إلا بفضل الله ورحمته، كما قال رسول اللهﷺ: «لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق لا يضرهم من خذلهم»[1] (الحديث)

ولفظة: أهل الحديث، والسلفي، والأثري، وأصحاب الحديث، وأهل السنة مرادفة، لا تدل إلا على هذه الحقيقة التي ذكرناه، وهي مرادفة للإسلام نفسه.

واعلم رحمك الله! أن لفظة أهل الحديث لا نعني به ترك التقليد والجمود فقط، بل لا بد بعد ذلك من الالتزام بالكتاب والسنة وفهم النصوص علىٰ دأب الصحابة والتابعين، أصحاب القرون المشهود لها بالخير. فإن الفوضوية واتباع الهوىٰ وإعجاب كل ذي رأي برأيه ممنوع عندهم عن أصله بالمرة، فلتكن من ذلك علىٰ حذر.

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٢٠)

وإنهم ـأدام الله بقاءهمـ ما زالوا يذبون عن السنة، يتبعونها، وينفون عنها تحريف الغالين وانتحال المبطلين، قد وفقهم الله ومنّ عليهم بخدمة السنة حفظاً وضبطاً، وجمعاً وتدويناً، و درساً و تعليماً، و فقها و درايةً، فإنهم هم الموفّقون لذلك، وإن شاركهم في ذلك بعض أتباع الأئمة فضلًا من الله ونعمة.

ومن التسامح قول بعض القاصرين بأنهم أصحاب الفن وحفاظ الحديث فقط، من غير فقه و دراية، لا يعدون إلى أمر سوى الحفظ والضبط والتحاور في الأسانيد والرجال، من غير اجتهاد في الفهم ودقة نظر في الفقه والدراية في المعاني والمقاصد. إن ذلك إلا وهم منهم، بل القوم هم العالمون بالمصالح العامة، والعارفون بمقاصد الإسلام الذين جاهدوا فيه وأفتوا بحسب ما تقتضيه المصالح.

وهذا الوهم نشأ إما من الانغماس في بحار العصبية أو قلة النظر في أسفار القوم وتواريخ الفرق والمذاهب، فإن أصحاب الحديث فيهم الفقهاء والمؤرخون والقراء والمحدثون، هم هذّبوا أصول الفقه، ودوّنوا قواعده، وأسّسوا الرواية على الدراية والدراية على الرواية، ودوّنوا الحديث، وبوّبوا، وغاصوا في بحار الفقه والكلام، أكثرهم أئمة في كل فن. وحرية فكرهم تظهر في مسارح الأسفار ودقة نظرهم تسبر إذا تقاولت الأنظار. هم فلاسفة السنة ومتكلموها، هم أدباء الإسلام الماهرون في الفنون بألوانها. وقد اعترف بذلك أئمة الإسلام في غير موضع.

قال إمام الأشعرية الفقيه النظار أبوبكر محمد بن حسن بن فورك (٤٠٦هـ): إن أصحاب الحديث على قسمين: فرقة منها هي أهل النقل والرواية الذين تشتد عنايتهم بنقل السنن، وتتوفر دواعيهم على تحصيل طرقها، وحصر أسانيدها، والتمييز بين صحيحها وسقيمها، فيغلب عليهم ذلك، فيعرفون به، وينسبون إليه، وفرقة منهم يغلب عليهم تحقيق طرق النظر والمقاييس والإبانة عن ترتيب الفروع

على الأصول، ونفي شبه الملبسين عنها، وإيضاح وجوه الحجج والبراهين على حقائقها. (مشكل الحديث وبيانه، ص: ٣٣)

فقد ظهر مما ذكرنا أن أصحاب الحديث صنفان: صنف أصحاب حفظ و ضبط، وقسم أصحاب فكر و نظر، يرتّبون الفروع على الأصول، ويربطون الأحكام مع العلل، وهم أصحاب الفقه والنظر.

قال الإمام عبد الكريم الشهرستاني في الملل والنحل: "المجتهدون من أئمة الأمة محصورون في صنفين، لا يعدون إلىٰ ثالث: أصحاب الحديث وأصحاب الرأي" (الملل: ٢/ ٤٥)

معلوم أن الشهرستاني من المتكلمين، وهو يعترف بأن أهل الحديث صنف من المجتهدين، ومعلوم أن المجتهد في زمن الشهرستاني لا يصير مجتهداً بفن واحد فقط، بل لا بد له من العبور علىٰ فنون شتى، بل المهارة التامة واجبة في بعضها، وأي معنى للاجتهاد إذا لم يتفكر بفكرة حرة فيما يحول حولهم من المسائل، ويتفكر بحكم وراء فكرة العامة.

وقد ذكر الشعراني عن أبي بكر بن عياش (١٩٣هـ) يقول: أهل الحديث في أهل الإسلام كالإسلام في سائر الأديان. (الميزان الصغرى، ص: ١٥٦)

ولنختم هذا البحث بما قاله الإمام العلامة شيخ الإسلام ابن تيمية الحراني في منهاج السنة النبوية: ومذهب أهل السنة والجماعة مذهب قديم معروف قبل أن يخلق الله أبا حنيفة ومالكاً والشافعي وأحمد، فإنه مذهب الصحابة الذين تلقوه عن نبيهم، ومن خالف ذلك كان مبتدعا عند أهل السنة والجماعة. (١/ ٢٥٦)

فقد ظهر مما ذكرنا من نصوص الأئمة أن أهل الحديث، وإن خصهم الله لخدمة السنة وضبط ألفاظها ومعانيها، فإنهم اختصوا بأفكار حرة عتيقة عن التقليد وراء آراء الرجال وأفكارهم. وأفكارهم تساوي بل تزيد وتضعف رتبتهم من أفكار أئمة التقليد، وهذه الحقيقة نعبر حين ننسْب أنفسنا بأهل الحديث والأثر

أو سمينا بالسلفي، وليس في ذلك إلا حذار أو احتظار عن التقليد الشخصي الذي هو داء عضال للأذهان الصافية، واتباع السنة النبوية والاقتداء بأئمة السلف.

نهضة السنة واتباع السلف:

قد ثبت بما ذكرنا فيما مضىٰ أن المسلمين كلهم -أولهم عن آخرهم أو أكثرهم- كانوا أهل الحديث بالمعنىٰ المذكور في قرون الخير ومئات من السنين بعدهم حتى أن الجنود الإسلامية التي ألقت رحالها علىٰ ساحل الهند في قيادة البطل الجرئ محمد بن القاسم (٩٢هـ) والتي تسورت جبال الفرس، ومصت مياه الثلوج على قلل جبال كابل وما حولها في زمن الخليفة الثاني الإمام العادل عمر ابن الخطاب، والأمويون الذين عبروا بحار الغرب حين تسلط عساكر السفاح على المدينة وباقي بلاد الإسلام، كلهم كانوا علىٰ طريقة السلف أحراراً عن هذه التقاليد المصطلحة، لأن كل ذلك الحوادث حدثت في المائة الأولىٰ و أوائل المائة الثانية، والأئمة الأربعةؒ لم يخلقهم الله إلىٰ الآن، ومن كان حينئذ في حيز الوجود لم يصل إلى شعاب الإمامة والقيادة، فأين التقليد والتقييد بمذاهبهم التي قد أحاطت بالأذهان بعد المائة الرابعة؟!

وإن شئت أن تعلم دبيب هذه الطامة وتدرج هبوطها على أذهان الأذكياء من المسلمين، فانظر المجلد الأول من تذكرة الحفاظ للذهبي (١/ ١٥٨، ٢/ ٦٢٨ جديد) وإن شئت أن تعلم أن أذكياء الأمة الذين لم ينقادوا لهذا، فانظر التاج المكلل للإمام العلامة النواب صديق حسن خان، وسواه من أسفار أئمة الحديث والرجال.

ثلة من الآخرين:

وقد ظهرت آثار النهضة السلفية الحديثية في الهند بعد مدة في أوائل المائة الحادية عشر، و أول من أظهرها وكسر أغلال تقاليد البدعة هو مجدد هذه المائة وإمام هذه النهضة القدوة الشيخ أحمد بن عبد الأحد الفاروقي الحنفي

السرهندي (١٠٣٤هـ) هو بحسب الحال وإن كان ينتسب إلى الحنفية، لكنه من أعداء الجمود، وأعظم هدفه القضاء على البدعات الرائجة، ومن أصحابه الذين استفادوا من علومه الحبر العلامة بيهقيُّ زمانه القاضي ثناء الله الفاني فتى (١٢٤٥هـ) والفاضل العلامة مرزا مظهر جان جانان، والإمام الثقة المقدام، الشاه ولي الله الدهلوي وأبناءه الكرام، كلهم مع صعوبة الأحوال خالفوا البدع والتقاليد العامة الرائجة في الالتزام بالمذهب المعين، وقد ذكر في التفهيمات أنه يختار مذهب فقهاء المحدثين، ويستعيذ بالله من رسوم الصوفية، وكذلك أبناءه نقدوا الفقه وأصوله، ولا تغتر بعزوهم وميلهم إلى الحنفية، فإن ذلك لاقتضاء الأحوال وبجمود العوام على التقاليد الرائجة.

وفور رحمة الله:

والمائة الحادي عشر والثاني عشر توفرت وعمت فيه رحمة الله على خلقه، وانبعثت دواعي عطفه على العرب والعجم بأن نبعت نهضات دينية، أحدها في نجد، وهي الدعوة النجدية، والداعي إليها هو عبقرية الدهر الإمام القدوة محمد بن عبد الوهاب، وأعانه على ذلك أسرة كريمة سعودية، وهذه الدعوة فيما نعلم كانت في الأول دينية خالصة فاستحالت سياسية دينية، وقد يسر الله لها بنعمته العامة الفوز والقبول في هذه البلاد، وتأثرت منها الحجاز واليمن والمصر والعراق، ففي كل هذه البلاد لها أعوان وأنصار، وهم إلى الآن أقرب البلاد إلى الدعوة المحمدية أصلح الله حالهم، وعافاهم عن الضلالات التي عمّت لهم البلوىٰ في بلاد الغرب من الفحش والتعري والبغاء وقلة الحياء والخروج عن الدين وترجيح الوطنية على الدعوة الإسلامية وترجيح الفراعنة على الإسلام ودعايته.

والثانية: النهضة الإسلامية التي قام بها زعيم الإسلام جمال الدين الأفغاني وأصحابه ورفقته، أعني بذلك سيد محمد عبده، والسيد رشيد رضا، و تلاميذهم الكرام.

والثالثة: النهضة السلفية في الهند. هذه النهضات الثلاثة وإن اختلفت مساعيهم، وافترقت أعمالهم وأحوالهم فإنهم متفقون في أمرين: الدعوة إلى التوحيد الخالص المتنقى من أدناس الشرك والبدعة، والدعوة إلى الكتاب والسنة والاجتناب عن الجمود والتقليد مع التمسك بطريقة السلف الصالح من الصحابة والتابعين والأئمة المجتهدين.

النهضة السلفية في الهند:

وقد أتم الله هذه النهضة في البلاد الهندية بعد وقعة بالا كوت ١٢٤٦هـ بالإمام الصدر الحميد محمد إسحاق ابن بنت الشاه عبد العزيز دهلوي (١٢٦٣هـ) ثم تلميذه الشيخ الإمام السيد محمد نذير حسين الدهلوي (١٣٢٠هـ) ثم تلاميذه الكرام الشيخ أستاذ الأساتذة محمد بشير السهسواني (١٣٢٦هـ) والشيخ الأستاذ الإمام عبد الله الغازيفوري (١٣٣٧هـ) و المجاهد الكبير الشيخ التقي إبراهيم الآروي، والثقة المجاهد الإمام عبد العزيز الرحيم آبادي.

والشيخ المحدث شريف حسين الدهلوي (١٣٠٤هـ) والإمام الحجة الشيخ شمس الحق الديانوي، والإمام عبد الرحمان المباركفوري (١٣٥٣هـ) وإمام الأتقياء الشيخ عبد الله الغزنوي وأبناءه الكرام، والأستاذ الكبير الإمام المحدث الحافظ عبد المنان الوزير آبادي (١٣٣٥هـ) والأستاذ الكبير الشيخ غلام حسن السيالكوتي، والشيخ المحامي الكبير الأستاذ عبد القادر القصوري، والشيخ إسماعيل الدلاوري، والأستاذ فضل الحق الدلاوري، والأستاذ عبد القادر الفشاوري، وكثير سواهم، لا يحصيهم إلا الله، قد أحاطوا أقطار الهند شرقاً وغرباً، وجنوباً وشمالًا، ودرساً وتعليماً، و تصنيفاً و تأليفاً رحمهم الله.

وقد اعتضد هذه النهضة حركة سلفية يمنية من تلامذة الإمام محمد بن علي الشوكاني (١٢٥٠هـ) قرأ عليه، ومكث عنده دهرا طويلًا الشيخ الإمام القدوة عبد الحق البنارسي (١٢٨٦هـ) والمجاهد العظيم العلامة ولايت علي البهاري

(١٢٦٩هـ) والعلامة الشاعر الشهير فاخر زائر إلٰه آبادي، له ديوان في الدعوة إلى طريقة السلف وذم التقليد، لخّصه العلامة النواب صديق الحسن البوفالي، و حضرة النواب صديق الحسن أيضاً ممن استفاد من فيوض العلامة الشوكاني و الصنعاني، وأفاض علومه، وجاء بكتبه القيمة حين سافر إلى الحجاز.

المخالفون لهذه النهضة:

وقد خالف هذه الحركة فرق ثلاث:

الأول: الروافض، لأنهم خالفوا أئمة السنة قديماً و حديثاً في العقائد، وميلهم العام إلى الاعتزال في الصفات وغيرها، وأئمتهم عندهم في الحقيقة أنبياء، وأعمالهم أيضاً تخالف أهل السنة والحديث.

والثاني: هم دعاة البدعة في الهند، والمشركون عباد القبور، فإن دينهم العوام، كل ما تفعل العوام من القبائح والمعاصي فهؤلاء يطلبون لهم المآخذ والأدلة من الكتاب و السنة.

والثالث: الأحناف المنتسبون إلى فقهاء العراق، وهم شركاءنا في التوحيد، ومع هذا يدعون إلى التقليد والجمود خوفاً من التوهّب، لأن لفظة الوهابية اشتركت بحسب العرف بين إخواننا النجديين الذين استفادوا العلم والخير من الإمام محمد بن عبد الوهاب الحنبلي وبين أصحاب الحديث الهند الذين فازوا بهذه النعمة عن إمام هذه النهضة وداعيها الإمام الشهيد إسماعيل بن عبد الغني بن شاه ولي الله السلفي.

وهؤلاء الفقهاء الأمجاد من أبناء ديوبند يخافون من الوهابية، ويرتعشون عنها، ويسبّون الإمام محمد بن عبد الوهاب، عليه شآبيب رحمة الله. يقول شيخ الجامعة الديوبندية السيد أنور شاه في كتابه فيض الباري (١/ ١٧١):

"أما محمد بن عبد الوهاب النجدي فإنه كان رجلا بليداً قليل العلم فكان يتسارع إلى الحكم بالكفر، ولا ينبغي أن يقتحم في هذا الوادي

إلا من يكون متيقظاً متقنا عارفاً بوجوه الكفر وأسبابه" انتهٰى

و قال رحمه الله: في حق تقوية الإيمان:

"في محق الرسومات كتاب للشاه إسماعيل رحمه الله سماه: إيضاح الحق الصريح، وهو أجود من كتاب تقوية الإيمان، فإنه تحتوي على مضامين علمية، وكتابه تقوية الإيمان فيه شدة، فقلّ نفعه حتى أن بعض الجهلة رموه بالكفر من أجل هذا الكتاب" (فيض الباري على صحيح البخاري: ١/ ١٧٠)

هذا ما نصّه الشيخ السيد أنور شاه الكاشميري في حاشيته على البخاري. نحن نعلم أن الاستاذ أنور من رجال العلم، له نظر بسيط في المتون و الأسانيد، وهو من فحول الحنفية تيقظاً و بصراً في الحديث، مع أنه شيخ الحديث في جامعة ديوبند، لم يفرق ولم يعثر على الفرق بين مقام العلم عامة، وبين مقام التجديد. فالعالم قد يفرح بعلمه المصطلح، ولا يتجاوز نظره إلى إصلاح ما أفسد الدهر من طبائع الناس فيتكلم بالعلم المصطلح عنده غير ملتفت إلى ما تقتضيه الأحوال، فيقول بألفاظ درسية كلامية، ويفرح بما عنده من العلم متفوّهاً بفوائد القيود متعرضاً إلى ما يتعارف الطلبة والمدرسون غير مبال بشدة المرض وأحوال المريض من الضعف والذبول، فعلمه مع فرحه البالغ لا يفيد شيئاً، ولا يغني من جوع، والمجدد ينظر بدقة وغموض إلى ما ابتلي به العامة والخاصة من أمراض القلب وشيوع الضلال والجمود فيهم، وإلى علل و أسباب أنتجت فيهم هذه الكوارث المهلكة فيتكلم العامة بلسانهم والخاصة بلسانهم.

انظر إلى مجدد وقته إسماعيل الشهيد الدهلوي، تكلم رجالًا في "عبقاته"، وتكلم رجالًا في "تقوية الإيمان" فلسانه في كلا المقامين فيه تغاير بيّن، لو تكلم العامة بلسان "عبقات" ما أفاد شيئاً، ولم يرجع إلا بخفي حنين، ولو تكلم في عبقاته بما تكلم في تقوية الإيمان ما أفاد بفائدة، ولم يعد بعائدة، فإسماعيل مجدد الوقت عرف المقامين، وسبر الرجال، وأفاد كلاً بما يجب له، والمسكين

أنور شاه رحمه الله لم يرتفع مقامه من مقام التدريس، فهو صادق في مقامه غير ملام فيما قال، لأنه لم يمارس من مقاصد التجديد والإصلاح ما مارسه إسماعيل الشهيد.

وكذلك الإمام القدوة محمد بن عبد الوهاب هو إمام الحضر والبدو، لم يتكلم في لهجة المتكلمين والمناطقة، وهو -رحمه الله وأعلى الله مقامه- لم يكن مدرساً في الجوامع والمدارس، بل هو خالط الناس، وعرف أمراضهم الظاهرة والباطنة فكلّمهم بلسان يفهمونه، وعالجهم بمعالجات قد تمرن وتدرب هو وأمثاله بها، والأستاذ الثقة أنور مدرس محقق في جزئيات الفقه، حافظ للكنز والهداية، فعرف دقائقها الفقهية، ومقام الإصلاح والتجديد أرفع منه بمرات، فإن المبتلىٰ بالرخص المجرب للحيل لا يعرف مقام أرباب العزائم، ولا يعرج معارج أهل التجديد.

والعجب من جرأة الشيخ أنور أنه يزعم الإمام المجدد محمد بن عبد الوهاب "بليداً قليل العلم" والتجربة تشهد أن ذكاء الشيخ أنور و علمه لم يفد شيئاً سوى الجمود و التقليد، و محمد بن عبد الوهاب صار إمام النهضة، وأصلح الله به بلاد النجد واليمن والحجاز، وتأثر من علومه السامية العراق والشام والمصر، وعم فيوضه إلى أقطار البلاد الشاسعة، فقلة علمه وبلادة طبعه أسمىٰ وأحسن من ذكاء الشيخ أنور، وعلمه لم يتجاوز من الجزئيات الفقهية والمسائل الخلافية الفرعية.

واختلاف الروافض وتكفير أهل البدعة لا ينقص من مقام هذين الإمامين شيئاً. فمن الذي لم يكفروه؟ ومن الذي سلم من لسانهم؟ وظني أن من حرم من إيذاءهم فقد حرم رحمة الله الواسعة. فلينظر الأستاذ محمد أنور أنه مع ميله إلى البدعة وغموسه في بحار التصوف المصطلح المستحدث، هل سلم من فتاواهم؟

هل لم يكفّروه وشيوخه؟

وقال الشيخ حسين أحمد -رئيس التدريس في دار العلوم ديوبند، في رسالته "الشهاب الثاقب" (ص: ٤٦) حيث يذكر الإمام محمد بن عبد الوهاب النجدي فيقول: "اعلموا أن محمد بن عبد الوهاب ظهر أمره في أوائل القرن الثالث عشر في نجد، وكانت له عقائد فاسدة، ونظريات باطلة، فلذلك قتل، و قاتل أهل السنة، وأجبرهم أن يذعنوا لعقائده ونظرياته، وكان يستحل نهب أموالهم، ويظن أن في قتلهم أجرا وثواباً، سيما أهل الحجاز، فإنه آذاهم أشد الإيذاء، وكان يسب السلف الصالح، ويأتي في شأنهم بغاية سوء الأدب، وقد استشهد كثير منهم على يديه، والحاصل أنه ظالم باغ سفاك فاسق، ولذلك أبغضته العرب أشد من اليهود والنصارىٰ. إلى آخر ما قاله مترجما وملخصاً.

والحق أن الاستاذ حسين أحمد سكن في المدينة المنورة سنين عديدة في زمن الشريف والأتراك، وهو قد عرف عقيدة الإمام محمد بن عبد الوهاب، وكتاب التوحيد للإمام محمد بن عبد الوهاب، وبعض شروحه قد طبعت مراراً في الهند، ووزّعت مجاناً في مكاتب الهند ومدارسها، وقد عمّت دراسة عقائد علماء النجد وتصانيفهم وتاريخ ملوكهم قبل ذلك بسنين، وكتاب ملوك العرب لأمين الدين الريحاني، وكتاب حاضر العالم الإسلامي- الترجمة العربية -من الأمير شكيب أرسلان مع حواشيه المفيدة العلمية طبعت وعمّت حتى لم يخل عنه مكتبة في الهند ولا باكستان، فاعتذار بعض الناس أن الاستاذ حسين أحمد لم يعرف عقائد أهل نجد، ولم يطلع على نظرياتهم عذر لا يعبأ به ولا يعتمد عليه، بل الأستاذ خاف من أهل البدعة والشرك البريلويين، وارتعش أن ينسبه الناس إلى الوهابية، فسبّ الإمام وعلماء نجد، ونسب إليهم ما ليس فيهم. أعاذنا الله من الجبن وسوء المنقلب.

ومن العجائب أن الاستاذ حسين أحمد قلّما يذكر في كتابه "الشهاب الثاقب" أهل التوحيد والسنة إلا و يطعن فيهم بالوهابية، وقلّما يذكرهم إلا

ويصفهم بالوهابية الخبيثة. انظر: الشهاب (ص: ٥٩ سطر ٢٠ و ص: ٦٠ سطر ١٤ و ص: ٦١ سطر ٣) و قلما ذكرهم في هذا الكتاب إلا ونسبهم إلى الخبث، وذكر في الفرق بين الديوبندية والوهابية أنا نتوسل بالأنبياء بل برجال شجرة أهل التصوف كالچشتية والنقشبندية وما سواهما من مشايخ السلاسل، ويقول: والوهابية لا يتوسّلون، وذكر أن الأنبياء أحياء عندنا حياة حقيقية غير برزخية، بل سعيه أنه يمد باعه إلى البريلوية، ويلقي عليهم إلقاء يقين أن الديوبندية والبريلوية سواء في تلك المسائل، والوهابية الخبيثية مخالفون لنا في ذلك!!

أنا ممن يعلم الأستاذ حسين أحمد، وأعرف أعماله السياسية القيمة، وأعلم ابتلاءه وامتحانه وأيامه في سلطة إنجليز لكن تعتريني حيرة واستعجاب من عصبيته وضيق صدره في المسائل الفرعية الفقهية ومجادلاته مع أهل التوحيد. أنا من محبيه بالغيبة، وإن لم أره، ولم أقرأ له كتابا إلا كتابه هذا: الشهاب الثاقب. أظنني شاكاً في علمه و ذكائه وحدة نظره وغفلته عن عواقب هذه التعصبات، فإنه يقول قولًا سخيفاً أشبه بالكذب لا يبالي بما قال. يقول في كتابه هذا: إن الوهابية يسيئون الأدب بحضرة النبيﷺ، ويقولون: ليس له علينا إلا فضيلة قليلة، وليس له علينا حق ولا إحسان، ولا يفيدنا شيئا بعد موتهﷺ. تقول أكابر الوهابية: إن عصاي هذه أنفع لنا من النبيﷺ، أذود به الكلاب وأدفعهم به، والنبيﷺ لا ينفع شيئاً. (الشهاب، ص: ٥٣)

قد رأينا كتب الشيخ محمد بن عبد الوهاب وأتباعه من علماء نجد، ما رأينا ذلك في كتبهم، ولم يحول لها حسين أحمد، ولا أحد من رفقاءه وتلاميذه، لعله رحمه الله تلمذ على إمام أهل البدعة الداعي إليها أحمد رضا البريلوي! وكذلك هو يتنفر من أهل الحديث السلفيين أشد النفار. ما أشبه كتابه هذا بكتب أحمد رضا وأتباعه، والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم.

وخليل أحمد، و حسين أحمد، و حسين علي من كبراء ديوبند، فإنهم خوفاً من التوهّب يسبون أهل التوحيد، ويعاندونهم كل العناد، فما بالهم

وهداهم فروا من المطر وقاموا تحت الميزاب!

يقول الشيخ أنور في مسألة زيادة الإيمان ونقصانه: أما الحافظ ابن تيمية فإنه وإن نسب الزيادة والنقصان إلى إمامنا رحمه الله لكن في طبعه سورة وحدة، فإذا عطف إلى جانب عطف، ولا يبالي، وإذا تصدى إلى أحد تصدى ولا يحاشي، ولا يؤمن مثله من الإفراط والتفريط، فالتردد في نقله لهذا، وكان حافظاً متبحراً"

(فيض الباري: ١/ ٥٩)

فلينظر العاقل العارف بأحوال الرجال: هل لرأيه هذا قيمة علمية؟ لعل الشيخ الأستاذ المغفور محمد أنور لم يعلم أن نقده هذا على ابن تيمية قد أسقط رتبته العلمية في أعين أهل المعرفة، ولعل أكثرهم يضحكون على رأيه السخيف الملوث بالعصبية. يطعن على ابن تيمية بالسورة، والحق أنه السائر والثائر عليه- رحمه الله- والعصمة لله، كيف اجترأ على تنقيص ابن تيمية، وهو الإمام الحجة الثقة المتقن الخواض في بحار العلوم، العارف بأقوال الرجال، واختلاف المذاهب. إن لم تؤمن على نقله فالعالم كله يؤمن بنقله، ويعتمدون على علومه الجمة الزاخرة، وهل هذا إلا سورة منك رحمك الله! نشأت بين العصبية المنتنة والبغض الشديد بأهل التوحيد والسنة المتمسكين بأذيال الدعوة السلفية، كأنك رحمك الله كوثري أوانك، وتركماني زمانك، لا تخاف في مؤمن إلّا ولا ذمّة؟

أيش تقول: إن محمد بن عبد الوهاب بليد قليل العلم، وتقوية الإيمان لشدته لم تفد شيئاً، وابن تيمية لسورته لا تعتمد على نقله، أهذا علمك وذكاءك رحمك الله؟ ألا ترى أن التوحيد الخالص القرآني قد عم أقطار البلاد بمساعي هؤلاء الأئمة رحمهم الله؟ صدق المجربون: إن الخفاش لا تفيدها ضوء الشمس وإن كان نصف النهار.

والإمام الخطيب:

ولد رحمه الله ٣٩٢هـ والتحق إلى جوار رحمة الله ٤٦٣هـ، وهذا أوان شيوع

التقليد بعد ظهوره. ارتحل حفاظ الحديث وفقهاؤه والمحبون له واحدا بعد آخر، والجهل عم وطم، وحيث لا يجد الرجل السكون والطمانينة إلا بعلم غيره، وهو في ذاته لا يعرف الحق من الباطل، والنور من الظلمة، ينظر بعين غيره، ويسمع بسمع الغير، والقلب نائم غير يقظان. إذا فقد الحديث فأين الفقه والدراية؟ إذا تهدم الجدار فالنقوش تابعة له.

والإمام الخطيب ينظر إلى هذه الطامة وهو حي يرزق، فلعله كتب هذا الكتاب "شرف أصحاب الحديث" يعظ الناس ويذكرهم أيام الحمى ونزول الحسان الأبرار فيها، ويهديهم إلى رجال العلم الذين تتجافى جنوبهم عن المضاجع، يذكرون الله قياما وقعودا وعلىٰ جنوبهم. يحفظون متون السنة وأسانيدها، يقودون الكرائم بأزمتها، ويحيطون الشوارد برمتها، يذودون الأوابد عن حياض النبوة أن تردها، وينخلون الضعاف والأكاذيب أن تختلط بالصحاح والحسان، ليميز الله الخبيث من الطيب، ويحيىٰ من حي عن بينة ويهلك من هلك عن بينة، والله يختص برحمته من يشاء.

وبعين هذه النية تعرض الجمعية السلفية هٰذه الكراثة العظيمة الشريفة، ونرجو من أرباب الخير القبول والإقبال، من قبل أن يأتي يوم لا بيع فيه ولا خلال، والحمد لله أولًا وآخراً، والصلاة والسلام علىٰ رسوله محمد وآله وأصحابه وأتباعه أجمعين.

إسماعيل بن إبراهيم السلفي، عفا الله عنهما وغفرلهما

ربيع الأول ١٣٨٤هـ جولائی ١٩٦٤ء

[جب اسلام کا ظہور ہوا، اس وقت مشرق ومغرب اور عرب وعجم کے آفاق واکناف پر ظلمت وجہالت کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ انسانیت کی قیادت کفر کے اماموں کے ہاتھوں میں تھی؛ جو ہر طرف سے جمود کا شکار تھے۔ آزادیِ فکر یہاں سے رخصت ہو چکی تھی، عقل وفکر کے چشمے خشک ہو چکے تھے اور اس (جامد ذہنیت) کا خاتمہ گوشۂ دیوار بن چکا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کی راہ ہموار

ہو جو اس نے روزِ اول سے کر رکھا تھا۔

پھر فاران کی چوٹیوں سے عقل و ذہانت کا سورج طلوع ہوا جس کی کرنوں نے مکہ و مدینہ کی وادیوں، چوٹیوں اور اطراف و اکناف کو منور کر دیا اور زمین اپنے رب کے نورِ ہدایت سے چمک اُٹھی۔ یہ نورِ ہدایت اور قرآن وسنت کی روشنی ہر طرف پھیل گئی، جس سے مشرق ومغرب نے روشنی اور راہنمائی حاصل کی۔ اس کے سامنے جہالت مدقوق اور کمزور ہوگئی۔ جہاں جہاں لشکرِ نبوت نے ڈیرے ڈالے، وہاں وہاں سے کفر و جمود نے اپنا بستر سمیٹ لیا اور تقلید و تنگ نظری شکست خوردہ ہو کر اِدھر اُدھر بکھر گئی۔

آزادیِ فکر:

قرونِ اولیٰ تک یہی روش رہی کہ علماء سے پوچھا جاتا، لیکن کسی مخصوص شخص کی رائے کی پابندی نہیں کی جاتی تھی۔ اس وقت ایک سے بڑھ کر ایک عالم اور فقیہ موجود تھا، لیکن متاخرین فقہاء اور اصولیوں کے ہاں جس اصطلاحی اجتہاد کا ذکر کیا جاتا ہے، اس وقت اس کا وجود نہیں تھا۔ تقوے اور سلیم الفطرتی پر اعتماد ہوتا اور رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ان کے نزدیک قاعدے کی حیثیت رکھتا تھا: «إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ» (رواہ أصحاب السنن) ''ناواقفیت کا علاج پوچھنا ہے۔''

اس وقت علماء کثیر تعداد میں موجود تھے۔ ہر بستی اور ہر شہر میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے کوئی نہ کوئی عالم اور فقیہ مل جاتا جو فقہ کی تعلیم دیتا۔ بسا اوقات وہ فتویٰ دے دیتے اور کبھی کسی دوسرے کی طرف بھیج دیتے۔ کبھی جواب دیتے اور کبھی عدمِ علم کا اعتراف کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لیتے۔ جب پوچھے گئے مسئلے میں انھیں قرآن و حدیث سے کوئی نص اور دلیل مل جاتی تو اس پر خوش ہوتے اور کسی شک اور تردد کے بغیر اس کے مطابق جواب دیتے۔ جب انھیں کسی نص کے بغیر کوئی فیصلہ دینا پڑتا اور اپنی رائے ظاہر کرنی پڑتی تو پھر وہ سوچتے اور مشورہ کرتے، اس کے بعد کوئی رائے ظاہر کرتے تو ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے: اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے، اگر غلط ہے تو میرے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ بلکہ بعض صاف صاف کہتے: یہ ہماری رائے ہے، اگر تمھیں کوئی اس سے اچھی رائے مل جائے تو اس کو قبول کر لو، اگر تمھیں کوئی نص مل جائے جو ہمارے قول کے مخالف ہو تو ہمارے قول کو دیوار پر دے مارو، تقلید ضروری نہیں ہے۔

ائمۂ اربعہ اور اُن کے اکثر ساتھیوں کا یہی طرزِ عمل تھا۔ اس بارے میں ان کے واضح اقوال موجود ہیں جنھیں سنن دارمی، ابن عبدالبر کی جامع بیان العلم وفضلہ، مجددِ ہند امام ولی اللہ دہلوی کی ”حجة الله البالغة“، شعرانی کی ”المیزان“، ابن قیم کی ”أعلام الموقعین“ اور اہلِ سنت کی دیگر بڑی بڑی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تقریباً چوتھی صدی کے اواخر تک یہی حالات رہے۔ علماء کسی مخصوص فرد کی تقلید کے جواز پر بھی اکٹھے نہیں تھے، وجوب یا اہلِ سنت کو ائمۂ اربعہ یا دیگر کی تقلید میں محصور و مقید کرنا تو ایک طرف رہا، بلکہ اکثر اہلِ علم نے واضح الفاظ میں مخصوص و متعین شخص کی تقلید سے منع کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”لَا يُقَلِّدَنَّ أَحَدُكُمْ دِينَهُ رَجُلًا، إِنْ آمَنَ آمَنَ، وَإِنْ كَفَرَ كَفَرَ، فَإِنَّهُ لَا أُسْوَةَ فِي الشَّرِّ“

”تم میں سے کوئی بھی اپنے دین میں کسی بھی آدمی کی تقلید نہ کرے کہ اگر وہ ایمان لائے تو وہ بھی ایمان لائے اور اگر وہ کفر کرے تو وہ بھی کفر کرے۔ برائی میں کوئی نمونہ نہیں۔“

عبداللہ بن معتز رحمہ اللہ کا قول ہے:

”لَا فَرْقَ بَيْنَ بَهِيمَةٍ تُنْقَادُ وَإِنْسَانٍ يُقَلِّدُ“

”ایک مطیع جانور اور مقلد انسان میں کوئی فرق نہیں۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”عالم بن کر چل یا متعلم (سیکھنے والا) بن کر چل، ابن الوقت نہ بن۔“

سلمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

”جہاں تک عالم کی لغزش کی بات ہے، اگر وہ صحیح بھی ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔“

”حجة الله البالغة“ میں یواقیت و جواہر کے حوالے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول منقول ہے، وہ کہا کرتے تھے:

”جو میری دلیل نہیں پہچانتا، اس کے لیے میرے کلام کے مطابق فتویٰ دینا جائز نہیں۔“

امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے سوا ہر ایک کے کلام سے لیا بھی جا سکتا ہے اور رد بھی کیا جا سکتا ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے: ''صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔''

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''میری تقلید کر نہ مالک کی نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی، احکام کو وہیں سے لے جہاں سے اُنھوں نے لیا، یعنی کتاب وسنت سے۔''

ابو یوسف اور زفر رحمہما اللہ وغیرہ سے منقول ہے کہ انھوں نے کہا:

''کسی کے لیے اس وقت تک ہمارے قول کے مطابق فتویٰ دینا جائز نہیں جب تک وہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے کہا ہے۔''

یہ اس مسئلے میں ائمہ کا مذہب اور طریق تھا۔ اب نا معلوم متاخرین کسی مخصوص عالم کی تقلید کے وجوب کو کہاں سے لے آئے ہیں؟!

ہماری مراد:

حقیقت وہی ہے جو ہم عرض کر آئے ہیں۔ اہلِ حدیث اور تقلید کے علمبرداروں کے درمیان جنگ مسلسل جاری ہے، دونوں ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ بادشاہوں، سلاطین اور احکام کے ساتھ تعلقات، قضا اور دیگر مناصب پر تقرری جیسے حاصل ہونے والے مادی اسباب کے حسبِ حال ان کی تعداد کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔

مقریزی نے اپنی کتاب "الخطط" میں ذکر کیا ہے کہ اسلامی بلاد وممالک میں حدیث کی جمع وتدوین عام تھی، اس پر عمل ہی ان کے ہاں اصل چیز تھی، جس طرح صحابہ کرام کے زمانے میں ہوتا تھا۔ لوگ ایک حدیث کے حصول کے لیے کئی دنوں اور دور دراز کے علاقوں کا سفر کرتے۔ جو شخص کتبِ حدیث میں غور کرتا ہے اور صحابہ وتابعین کی سیرت وسوانح سے کچھ واقفیت رکھتا ہے وہ اس سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

پھر ہارون الرشید خلیفہ بنا تو اس نے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کو قاضی القضاۃ مقرر کیا، اس وقت مصر، شام اور عراق میں ان کے حکم اور مشورے کے بغیر کوئی بھی قاضی نہیں بن سکتا تھا۔ یہ ان ممالک میں فقہ حنفی کے عام ہونے کا سبب بنا۔ اُندلس میں خلیفہ منتصر مرتضٰی بن ہشام خلیفہ

بنا اور اس نے یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر کو قاضی مقرر کیا۔ یہ امام مالک کے شاگردوں اور ساتھیوں میں سے تھے، فتوے کی قیادت ان کے ہاتھ میں تھی، ان کے حکم اور مشورے کے بغیر کوئی قاضی مقرر نہیں ہوتا تھا، اس لیے وہاں اوزاعی کے بعد مالک کا مذہب غالب ہو گیا۔ افریقہ میں سنن اور آثار غالب تھے، یہاں تک کہ عبداللہ بن فروج وہاں حنفیت لے کر آیا۔ سحنون مالکیت لے کر آیا تو وہاں قضا اس کے اصحاب میں محصور ہو گئی۔ وہ دنیا پر اس طرح ٹوٹ پڑتے جس طرح اونٹ برتن میں بچے ہوئے تھوڑے سے پانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔

محدثین بادشاہوں کے دروازوں کے چکر لگاتے نہ قضا کی تمنا رکھتے تھے، لیکن ائمہ کے اصحاب اور شاگرد ان کے پیچھے پیچھے دوڑتے تھے، اس لیے ان کو وہ رواج نصیب نہ ہوا جو اَتباعِ مذاہب کو حاصل ہوا۔ وہ صرف اللہ کے فضل اور رحمت پر توکل رکھتے تھے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ»

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر ظاہر اور قائم رہے گا، ان کو چھوڑنے اور رسوا کرنے والے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔''

اہلِ حدیث، سلفی، اثری، اصحابِ حدیث اور اہلِ سنت کے الفاظ مترادف ہیں، جو اسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں جو ہم نے بیان کی ہے اور وہ خود اسلام کے مترادف اور ہم معنی ہے۔

یاد رہے! ہم لفظ اہلِ حدیث سے صرف ترکِ تقلید مراد نہیں لیتے، بلکہ اس کے بعد کتاب و سنت کی پیروی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعینِ عظام رحمہم اللہ کے طریقے اور سمجھ کے مطابق کتاب و سنت کی نصوص کو سمجھنے کا التزام بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک بے اصولی، خواہش پرستی اور رائے پسندی اصلاً ممنوع ہے۔ اس لیے اس سے احتیاط برتنی چاہیے۔

وہ ہمیشہ سے سنت کا دفاع، اس سے غلو پسندوں کی تحریف اور باطل پرستوں کی فرقے بندی کی تردید کرتے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ و ضبط، جمع و تدوین، درس و تدریس اور فقہ و درایت کے متعدد پہلوؤں سے سنت کی خدمت کی توفیق عنایت فرمائی، گو اس کام میں اللہ کے فضل و احسان سے ائمہ کے بعض پیروکار بھی ان کے شریک رہے ہیں۔

کچھ کوتاہ فہموں کی یہ بات انتہائی زیادہ تسامح اور بھول پن پر مبنی ہے کہ وہ لوگ صرف

اصحابِ فن اور حدیث کے حافظ تھے، فقہ و درایت سے اُنھیں کوئی سروکار نہیں تھا، ان کا کام حفظ و ضبط اور اسانید و رجال میں گفتگو سے آگے نہیں تھا، فہمِ حدیث اور معانی و مقاصد اور فقہ و درایت میں غور و فکر ان کے پیشِ نظر نہیں تھا۔ یہ ان کا محض وہم ہے۔ محدثین مصالح عامہ سے واقفیت رکھتے تھے اور اسلام کے مقاصد سے بھی اچھی طرح آگاہ تھے، اس میں انھوں نے بھرپور اجتہاد سے کام لیا اور مصالحِ شریعت کو مدِنظر رکھ کر فتوے دیے۔

یہ وہم یا تعصب کا نتیجہ ہے یا محدثین کے مجموعوں اور فرق و مذاہب کی تاریخ میں کوتاہ بینی کا شاخسانہ، کیوں کہ محدثین میں فقہاء بھی گزرے ہیں، مورخین بھی اور قراء بھی، انھوں نے ہی فقہ کے اصول و قواعد کی تدوین و تہذیب کی، روایت کی درایت اور درایت کی روایت پر بنیاد رکھی، حدیث کی تدوین اور ابواب بندی کی اور فقہ و کلام کے سمندروں کی غوطہ زنی کی۔ ان میں سے اکثر ہر فن میں امامت کے درجے پر فائز تھے۔ علمی مباحث میں ان کی آزادیِ فکر اور دقتِ نظری کھل کر سامنے آتی ہے۔ وہی اہلِ سنت کے فلاسفہ اور متکلمین، اسلام کے ادباء اور مختلف فنون کے شاہسوار تھے۔ ائمہ اسلام نے کئی مواقع پر اس کا اعتراف کیا ہے۔

فقیہ، متکلم اور اشاعرہ کے امام ابوبکر محمد بن حسن بن فورک (۴۰۶ھ) کا قول ہے:

"اصحابِ حدیث کی دو اقسام ہیں: ایک گروہ نقل اور روایت کے ساتھ شغف رکھتا ہے، ان کی زیادہ توجہ نقلِ احادیث، طرق کے حصول، اسانید کے حصر اور صحیح اور ضعیف احادیث کے درمیان فرق کرنے پر مرکوز ہے، وہ اس کام میں طاق ہیں اور اس کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔ دوسرے گروہ پر غور و فکر کرنے کے طریقوں، استدلالات، اصول کی بنیاد پر فروع کی ترتیب، تلبیس کاری کرنے والوں کے شبہات کے ازالے اور دلائل و براہین کی دلالتوں کو واضح کرنے کا رجحان غالب ہے۔"

اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ حدیث کی دو اصناف ہیں: ایک صنف کا تعلق حفظ و ضبط سے ہے اور دوسری کا تعلق فکر و نظر سے، وہ اصول پر فروع کو ترتیب دیتے ہیں اور احکام کو علتوں کے ساتھ مربوط کرتے ہیں، یہ اصحابِ فقہ و نظر ہیں۔

امام عبدالکریم شہرستانی "الملل والنحل" میں لکھتے ہیں:

''ائمۂ مجتہدین کی صرف دو اقسام ہیں، کوئی تیسری قسم نہیں، ایک اصحابِ حدیث، دوسرے اصحابِ رائے۔''

شہرستانی ایک نامور متکلم تھے، وہ اعتراف کرتے ہیں کہ اہلِ حدیث مجتہدین کی صنف سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ شہرستانی کے زمانے میں مجتہد ایک ہی فن کے ساتھ مجتہد نہیں بن جاتا تھا، بلکہ اس کے لیے کئی فنون سے گزرنا ضروری تھا، بلکہ بعض میں مکمل مہارت ضروری ہوتی ہے۔ اگر مجتہد درپیش مسائل میں آزادی کے ساتھ سوچ نہ سکے اور عام لوگوں کی سوچ کو مدنظر رکھ کر غور نہ کر سکے تو اجتہاد کا کیا معنی رہ جاتا ہے؟!

شعرانی نے ابوبکر بن عیاش (۱۹۳ھ) کا یہ قول ذکر کیا ہے:

''اہلِ حدیث اہلِ اسلام میں تمام ادیان میں اسلام کی طرح ہیں۔''

ہم اس بحث کا خاتمہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حرانی رحمہ اللہ کے اس قول کے ساتھ کرتے ہیں جو انھوں نے ''منهاج السنة النبوية'' میں ذکر کیا ہے:

''اہلِ سنت والجماعت کا مذہب ایک قدیم مذہب ہے جو اللہ تعالیٰ کے ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کو پیدا کرنے سے پہلے سے معروف ہے۔ یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے جنھوں نے اسے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا۔ جو اس کی مخالفت کرتا ہے وہ اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک بدعتی ہے۔''

ہم نے ائمہ کے جو اقوال نقل کیے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ حدیث کو سنت کی خدمت اور اس کے الفاظ و معانی کے ضبط کے لیے مخصوص کیا ہے، لیکن وہ آزادانہ افکار کے مالک بھی تھے جو لوگوں کے افکار و آراء کی تقلید سے یکسر آزاد تھے۔ ان کے افکار ائمۂ تقلید کے افکار کے برابر، بلکہ رتبے میں ان سے بہت بلند ہیں۔ جب ہم اپنے آپ کو اہلِ حدیث، اہلِ اثر کی طرف منسوب کرتے ہیں، یا اپنے آپ کو سلفی کہتے ہیں تو اس وقت ہم اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہیں، اس میں تقلیدِ شخصی سے خبردار اور منع کیا جاتا ہے جو صاف ذہنوں کے لیے سنت کی پیروی میں اور اسلاف کی اقتداء میں لاعلاج مرض کی حیثیت رکھتی ہے۔

تحریک اتباعِ سنت و اقتدائے سلف:

ہماری گذشتہ معروضات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ اور اس کے بعد کئی صدیوں تک تمام مسلمان یا ان کی اکثریت مذکورہ معنی میں اہلِ حدیث ہی تھی۔ وہ اسلامی لشکر جنھوں نے ۹۲ھ میں نامور شاہسوار محمد بن قاسم کی زیرِ قیادت ہندوستان کے ساحلوں پر ڈیرے ڈالے، وہ افواجِ اسلام جنھوں نے امامِ عادل خلیفہ ثانی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ سعید میں ایران و افغانستان پر چڑھائی کی، وہ اموی سپاہ جس نے مغرب کے سمندروں کو عبور کیا، وہ سب اسلاف کے طریقے پر کاربند تھے اور اِن خود ساختہ تقلیدی مذاہب سے آزاد تھے، کیوں کہ یہ تمام واقعات پہلی صدی اور دوسری صدی کے آغاز میں رونما ہوئے اور اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے ائمۂ اربعہ کو پیدا نہیں کیا تھا اور جو اس وقت پیدا ہو چکا تھا وہ ابھی امامت اور قیادت کے درجے کو نہیں پہنچا تھا تو وہ تقلید اور ان کے مذاہب کی پابندی کہاں تھی جس نے چوتھی صدی کے بعد ذہنوں کو جکڑا؟

اگر آپ سمجھدار مسلمانوں کے ذہنوں میں اس مصیبت اور آفت کی دراندازی اور سرایت کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں تو ذہبی کی ”تذکرة الحفاظ“ (۱/ ۱۵۸، ۲/ ٦٢٨ جدید) کا مطالعہ کریں۔ اگر آپ اُمت کے ان ذہین لوگوں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں جو اس مصیبت کے سامنے سپر انداز نہیں ہوئے تھے تو نواب صدیق حسن خان قنوجی کی ”التاج المکلل“ اور ائمۂ حدیث و رجال کی دیگر کتب کا مطالعہ کریں۔

عہدِ متاخر کی ایک جماعت:

گیارھویں صدی کے آغاز میں ایک مدتِ مدید کے بعد ہندوستان میں جدید سلفی تحریک کے آثار ظاہر ہوئے۔ سب سے پہلے جس نے بدعتِ تقلید کی بندشوں کو توڑا اور آزادیِ فکر کی نوا بلند کی، وہ اس صدی کے مجدد اور اس تحریک کے سرخیل، مجدد الفِ ثانی سید احمد بن عبدالاحد فاروقی حنفی سرہندی (۱۰۳۴ھ) تھے۔ وہ گو مسلکاً حنفی تھے، لیکن جمود کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ ان کا سب سے بڑا ہدف مروجہ بدعات کا خاتمہ تھا۔ آگے چل کر بیہقیِ زمانہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) مرزا مظہر جانِ جاناں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے فاضل بیٹوں نے اس سوچ اور منہج کو آگے بڑھایا۔ ان سب نے حالات کی ناہمواری اور مساعدت کے باوجود رائج بدعات کی مخالفت کی اور ایک مخصوص

مذہب کی تقلید اور پابندی کے خلاف آواز بلند کی۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ’’تفہیمات‘‘ میں ذکر کیا ہے کہ وہ فقہائے محدثین کے مذہب کو اختیار کرتے ہیں اور صوفیوں کی رسوم سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اس طرح ان کے فرزندوں نے فقہ اور اصولِ فقہ پر تنقید کی۔ ان کے حنفیت کی طرف رجحان سے دھوکا نہ کھائیں، یہ اس وقت کے حالات اور عوام کے رائج الوقت تقلیدی مزاج پر جمود کی وجہ سے تھا۔

رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے:

گیارھویں اور بارھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑی فیاضی کے ساتھ اپنی رحمت کی اور عرب و عجم پر اس کی شفقت کے سائے اُمنڈ آئے، اس وقت کئی دینی تحریکوں نے جنم لیا۔ نجد میں نجدی دعوت کی بہار آئی، اس دعوت کے امام نابغۂ روزگار امام محمد بن عبدالوہاب نجدی تھے۔ سعودی عرب کے شاہی خاندان نے ان کی بھرپور مدد کی۔ ہمارے علم کے مطابق یہ دعوت پہلے خالص دینی دعوت تھی، اس کے بعد دینی سیاسی دعوت بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم سے ان علاقوں میں اس دعوت کو قبولیت بخشی، ان تمام ممالک میں اس دعوت کے حامی اور ہمنوا موجود تھے اور یہ علاقے اب تک دعوتِ محمدی کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حالات کی اصلاح فرمائے۔ ان کو فحاشی، عریانی، بدکاری، حیا باختگی، دین بے زاری اور اسلامی دعوت پر وطن پرستی کی ترجیح اور فرعونیت پسندی جیسی گمراہیوں سے محفوظ رکھے جو ایک وبا کے طور پر پھیل رہی ہیں۔

دوسری دعوت: اسلامی بیداری اور وحدتِ امت کی تحریک جس کا آغاز زعیمِ اسلام جمال الدین افغانی نے سید محمد عبدہ، سید رشید رضا مصری اور اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کے ساتھ مل کر کیا۔

تیسری دعوت: ہندوستان میں سلفی تحریک۔ ان تینوں تحریکوں کی کوششیں، اعمال اور حالات اگرچہ ایک دوسرے سے علاحدہ اور مختلف تھے، لیکن یہ سب تحریکیں دو مقاصد میں متفق تھیں: ایک شرک و بدعات کی گندگی سے پاک خالص توحید کی دعوت اور دوسرے کتاب و سنت کی دعوت، تقلید و جمود سے اجتناب اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینِ عظام اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کے منہج و مسلک کی پیروی۔

ہندوستان میں سلفی تحریک:

ہندوستان میں اللہ تعالیٰ نے اس تحریک کو واقعۂ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ) کے بعد شاہ عبدالعزیز

دہلوی (۱۲۶۳ھ) کے نواسے شاہ محمد اسحاق، پھر ان کے شاگرد سید نذیر حسین محدث دہلوی (۱۳۲۰ھ) اور ان کے شاگرد مولانا بشیر احمد سہسوانی (۱۳۲۶ھ)، حافظ عبداللہ غازی پوری (۱۳۳۷ھ) مجاہدِ اعظم مولانا ابراہیم آروی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا شریف حسین محدث دہلوی (۱۳۰۴ھ)، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا عبدالرحمان مبارک پوری (۱۳۵۳ھ)، مولانا عبداللہ غزنوی اور ان کے قابل و فاضل بیٹوں، حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا غلام حسن سیالکوٹی، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا اسماعیل دلاوری، مولانا فضل حق دلاوری، مولانا عبدالقادر پشاوری اور ان کے سوا بے شمار علمائے اہلِ حدیث کے ہاتھوں پورا کیا، جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ انھوں نے ہندوستان کے کونے کونے میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعے علومِ سنت کا احیا اور قال اللہ وقال الرسول کی آوازیں بلند کر دیں۔

اس تحریک نے علامہ محمد بن علی شوکانی (۱۲۵۰ھ) کے شاگردوں پر مشتمل یمنی سلفی تحریک سے بھی بھرپور قوت حاصل کی۔ علامہ عبدالحق بنارسی (۱۲۸۶ھ) اور مجاہدِ عظیم مولانا ولایت علی بہاری (۱۲۶۹ھ) ایک مدت تک علامہ شوکانی کی صحبت سے مستفید ہوتے رہے۔ مشہور شاعر علامہ فاخر زائر الہ آبادی کا تقلید کی مذمت اور اسلاف کے منہج کی دعوت کے موضوع پر ایک دیوان ہے، نواب صدیق حسن خاں نے اس کی تلخیص کی ہے۔ علامہ نواب صدیق حسن خاں قنوجی بھی علامہ شوکانی اور صنعانی کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے والوں میں شامل ہیں، وہ جب حجاز گئے تو ان کی قیمتی کتابیں لے کر آئے۔

سلفی تحریک کے مخالفین:

تین گروہوں نے اس تحریک کی مخالفت کی جو حسبِ ذیل ہیں:

① روافض: کیوں کہ یہ زمانۂ قدیم ہی سے ائمۂ اہلِ سنت کے مخالف رہے ہیں اور صفات وغیرہ میں مسلکِ اعتزال کی طرف عمومی رجحان رکھتے ہیں، ان کے ائمہ ان کے نزدیک حقیقت میں انبیاء ہیں۔ نیز ان کے تمام اعمال اہلِ سنت اور اہلِ حدیث کے خلاف ہیں۔

② ہندوستان میں بدعت کے علمبردار اور قبر پرست مشرک، ان کا دین عوام ہے۔ عوام جو گناہ اور برے اعمال کرتے ہیں، ان کا کام ان کے لیے کتاب وسنت سے دلائل تراشنا ہے۔

④ فقہائے عراق کی طرف نسبت رکھنے والے احناف، یہ توحید میں ہمارے شریک ہیں، اس کے باوجود وہابیت سے خوف کھاتے ہیں اور تقلید و جمود کی دعوت دیتے ہیں، کیوں کہ لفظِ وہابی عرفِ عام میں امام محمد بن عبدالوہاب نجدی سے علم و خیر کا استفادہ کرنے والے ہمارے نجدی بھائیوں اور ہندوستان کے اہلِ حدیث کے درمیان مشترک ہے، جو اس تحریک کے امام اور داعی شاہ اسماعیل شہید بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ محدث سلفی کے توسط سے اس نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔

یہ عظیم فقہاء، فرزندانِ دیوبند وہابیت سے خوف کھاتے ہیں، یہ لفظ سن کر ان پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے اور امام محمد بن عبدالوہاب کو گالیاں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر کروڑوں رحمتیں برسائے۔

دیوبند کے شیخ الحدیث علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اپنی کتاب ''فیض الباری'' (۱/ ۱۷۱) میں لکھتے ہیں:

''محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک کند ذہن اور کم علم آدمی تھا۔ وہ کفر کا حکم لگانے میں بہت جلد بازی سے کام لیتا، حالانکہ اس وادی میں اسی کو کودنا چاہیے جو بیدار مغز، ماہر اور کفر کے وجوہ و اسباب کو اچھی طرح جانتا ہو۔''

نیز وہ ''تقویۃ الایمان'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رسومات مٹانے میں شاہ اسماعیل کی ایک کتاب ہے جس کا نام ''إیضاح الحق الصریح'' ہے، یہ تقویۃ الایمان سے زیادہ عمدہ ہے، کیوں کہ یہ علمی مضامین پر مشتمل ہے، لیکن ان کی کتاب تقویۃ الایمان میں ایک طرح کی شدت ہے، اس لیے اس کا فائدہ کم ہو گیا، بلکہ بعض جاہلوں نے ان کو اس کتاب کی وجہ سے کافر تک کہہ دیا۔''

یہ علامہ انور شاہ صاحب کے الفاظ ہیں جو انھوں نے بخاری پر اپنے حاشیے میں فرمائے ہیں۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ علامہ انور شاہ صاحب نامور عالمِ دین ہیں، متون و اسانید پر گہری نظر رکھتے ہیں اور حدیث میں بصیرت رکھنے والے بلند پایہ اور ماہر حنفی علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ مزید برآں مدرسہ دیوبند کے شیخ الحدیث بھی ہیں، اس کے باوجود مقامِ تجدید اور عمومی طور پر مقامِ علم میں فرق بھانپ نہیں سکے۔ عالم بسا اوقات اپنے اصطلاحی علم پر خوش ہوتا ہے، لیکن اس کی نظر ان خرابیوں کی اصلاح تک نہیں پہنچ پاتی جو لوگوں کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہوتی ہیں، وہ اپنے اصطلاحی علم

کے مطابق گفتگو کرتا ہے، لیکن حالات کا کیا تقاضا ہے؟ اس سے اس کو کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ درس میں کلامی الفاظ استعمال کرتا ہے، اپنے علم پر نازاں ہوتا ہے، اساتذہ اور طلبہ کے ہاں متعارف علوم کے بارے میں بڑے نکتے بیان کرتا ہے، لیکن مرض کی کیا شدت ہے؟ مریض کس قدر کمزور ہو چکا اور مرجھا چکا ہے؟ اس کو اس کی کوئی پروا نہیں ہوتی تو اس کا علم اپنی فراواں خوشی کے باوجود کچھ سود مند ثابت نہیں ہوتا۔ لیکن مجدد بڑی گہرائی اور باریک بینی سے عام و خاص کے امراضِ قلب اور ان میں پھیلتی ہوئی گمراہی و جمود کا جائزہ لیتا ہے، وہ ان اسباب و نتائج پر غور کرتا ہے جو ان میں ان ہلاکت خیز حوادث کا باعث بنتے ہیں۔ پھر وہ عوام کو عوام کی زبان میں اور خواص کو خواص کی زبان میں مخاطب کرتا ہے۔

اپنے وقت کے مجدد شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ کو دیکھیں، جنھوں نے اپنی کتاب ''عبقات'' میں بھی ایک طبقے کو مخاطب کیا ہے اور ''تقویۃ الایمان'' میں بھی ایک طبقے کو، لیکن دونوں جگہوں پر ان کی زبان مختلف ہے اور اس میں واضح فرق نظر آتا ہے۔ اگر وہ عام لوگوں کو ''عبقات'' کی زبان میں مخاطب کرتے تو ان کو کچھ سمجھ نہ آتی، اسی طرح اگر ''عبقات'' میں وہ زبان استعمال کرتے جو انھوں نے ''تقویۃ الایمان'' میں کی ہے تو اس کا کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا تو سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ، جو اپنے وقت کے مجدد تھے، دونوں مقامات اور اُن کے تقاضوں کو جانتے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو اچھی طرح پرکھا اور ہر ایک کی ضرورت کے مطابق اس کو فائدہ پہنچایا، لیکن بے چارے انور شاہ صاحب مقامِ تدریس سے بلند نہیں ہو سکے، اس لیے وہ اپنے مقام پر سچے ہیں تو ان کی بات کا کیا برا منانا! تجدید و اصلاح کا جو کام سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے کیا، انھوں نے وہ شعبہ اختیار ہی نہیں کیا۔

اسی طرح امام اور قائد محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ جو شہریوں کے بھی امام ہیں اور دیہاتیوں کے بھی، انھوں نے بھی متکلمین اور منطقیوں کی زبان استعمال نہیں کی۔ آپ رحمہ اللہ کسی مسجد یا مدرسے میں مدرس نہیں تھے۔ آپ نے عوام کے ساتھ ملاپ رکھا، ان میں اُٹھے بیٹھے، ان کی ظاہری اور باطنی بیماریوں کی تشخیص کی، پھر ان کے ساتھ ان کی زبان ہی میں گفتگو کی اور ان کا وہی علاج کیا جو مناسب تھا۔ دوسری طرف استاذ با اعتماد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ فقہی جزئیات کے محقق، کنز و ہدایہ کے حافظ اور فقہی دقائق کے رموز آشنا ہیں، لیکن مقامِ اصلاح و تجدید اس سے کہیں بلند ہے۔ رخصتوں اور حیلوں کے امراض میں مبتلا شخص اربابِ عزائم کے مقام کو پہچان سکتا ہے نہ اہلِ تجدید کی بلندیوں کو چھو سکتا ہے!!

علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کی جرأتِ رندانہ پر تعجب ہوتا ہے جو امام اور مجدد محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو کند ذہن اور کم علم خیال کرتے ہیں، جب کہ تجربہ گواہی دیتا ہے کہ علامہ صاحب کی ذہانت اور علم نے تقلید و جمود کے سوا کوئی فائدہ نہیں دیا، لیکن دوسری طرف محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ تحریکِ تجدید کے امام بن گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں یمن و حجاز کی قسمت پھیر دی۔ عراق و شام و مصران کے بلند و مبارک علوم سے مستفید ہوئے اور ان کے فیوض و برکات دور دور تک پھیل گئے۔ ان کی کم علمی اور کند ذہنی علامہ انور صاحب رحمہ اللہ کی ذہانت اور علم سے کہیں بہتر اور اعلیٰ ہے جو فقہی جزئیات اور فروعی اختلافی مسائل سے آگے نہیں بڑھ سکا!

روافض کا اختلاف اور اہلِ بدعت کی تکفیر ان دونوں اماموں کی شان میں کوئی کمی نہیں کرتی، کس کو انھوں نے کافر نہیں کہا؟ کون ان کی زبان سے محفوظ رہا ہے؟ میرے خیال میں جو ان کی ایذاء رسانی سے محروم ہے، وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ خود علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ ہی دیکھ لیں، جو بدعت کی طرف رجحان رکھنے اور خود ساختہ تصوف کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کے باوجود کیا ان کے فتوؤں سے محفوظ رہ سکے ہیں؟ کیا انھوں نے ان کو اور اُن کے شیوخ کو کافر نہیں کہا؟

علامہ حسین احمد مدنی (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) اپنے رسالے ''شہابِ ثاقب'' کے صفحہ (۴۶) پر امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تیرھویں صدی کے اوائل میں محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کا آغاز ہوا، اس کے عقائد و نظریات فاسد اور باطل تھے، اس لیے اس نے لڑائیاں لڑی، اہلِ سنت کو قتل کیا، ان کو اپنے عقائد و نظریات قبول کرنے پر مجبور کیا، وہ ان کا مال لوٹنا حلال سمجھتا تھا، ان کو قتل کرنا بالخصوص اہلِ حجاز کو مارنا کارِ ثواب سمجھتا تھا، اس نے ان کو سخت اذیتیں پہنچائیں، وہ سلف صالحین کو گالیاں دیتا تھا، ان کی گستاخیاں کیا کرتا تھا اور ان میں سے بہت سے لوگ اس کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ مختصراً وہ ظالم، باغی، سفاک اور فاسق تھا، اس لیے عرب اس سے یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ نفرت کرتے تھے....''

حالاں کہ سچ یہ ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کئی سالوں تک شریفِ مکہ اور ترکیوں کے زمانے میں مدینہ منورہ سکونت پذیر رہے ہیں۔ وہ امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے عقیدے سے

آ گاہ تھے۔ امامَ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی ”کتاب التوحید“ بعض شروح سمیت ہندوستان میں کئی مرتبہ چھپی اور مفت تقسیم ہوئی ہے۔ نیز علمائے نجد کے عقائد، تصانیف اور اُن کے بادشاہوں کی تاریخ کا مطالعہ عام تھا۔ امین الدین ریحانی کی کتاب ”ملوك العرب“ اور امیر شکیب ارسلان کی کتاب ”حاضر العالم الإسلامي“ اپنے مفید اور علمی حواشی سمیت مطبوعہ اور عام تھیں اور ہندوستان کا کوئی مکتبہ ان سے خالی نہیں تھا، اس لیے کسی کا یہ عذر پیش کرنا کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اہلِ نجد کے عقائد سے آ گاہ نہیں تھے اور اُن کے نظریات سے واقفیت نہیں رکھتے تھے، ایک نا قابلِ اعتماد عذر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ مولانا بدعتیوں، مشرکوں اور بریلویوں سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ ان کو وہابیت کی طرف منسوب نہ کر دیں، اس لیے انھوں نے امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ اور علمائے نجد کو گالیاں دیں اور اُن کی طرف ایسی خصلتیں منسوب کر دیں جو ان میں موجود نہیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ بد انجامی اور بزدلی سے بچائے!

کتنی عجیب بات ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی جیسے ہی اپنی کتاب شہابِ ثاقب میں اہلِ توحید وسنت کا ذکر کرتے ہیں تو ان پر وہابیت کی تہمت لگا دیتے ہیں، انھیں جہاں ذکر کرتے ہیں خبیث وہابی کہہ کر پکارتے ہیں۔ دیکھیں (ص: ۵۹ سطر ۲۰، ص: ۶۰ سطر ۱۴، ص: ۶۱، سطر ۳)۔ پھر دیوبندیت اور وہابیت کے درمیان فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہم انبیاء کے وسیلے کے قائل ہیں، بلکہ اہلِ تصوف کے تمام سلسلوں جیسے چشتی، نقشبندی اور دیگر سلسلے ہیں، ان سب کے وسیلے کے قائل ہیں، لیکن وہابی وسیلے کے قائل نہیں، پھر وہ ذکر کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک انبیائے کرام حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں، برزخی زندگی کے ساتھ نہیں۔

وہ بریلویوں کو یہ باور کروانے کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان مسائل میں بریلویت اور دیوبندیت دونوں برابر ہیں، صرف خبیث وہابی ان مسائل میں ہمارے مخالف ہیں!

میں مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کو اچھی طرح جانتا ہوں، ان کے عظیم الشان سیاسی کارناموں سے آ گاہ ہوں، انگریزی دور میں ان کی ابتلاء وآزمایش سے بھی واقف ہوں، لیکن مجھے ان کے تعصب، تنگ نظری، ان فروعی فقہی مسائل میں شدت پسندی اور اہلِ توحید کے ساتھ مخاصمانہ رویے پر انتہائی حیرت ہوتی ہے۔ میں نے اُنھیں نہیں دیکھا، لیکن میں ان کی غیر موجودگی میں ان کا قدر دان

ہوں، میں نے ان کی ایک ہی کتاب ''شہابِ ثاقب'' پڑھی ہے تو مجھے ان کے علم، ذکاوت اور عاقبت اندیشی میں شک محسوس ہونے لگا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے وہ ان تعصّبات کے انجام بارے آگاہ نہیں تھے! وہ انتہائی سخیف باتیں کر جاتے ہیں جو جھوٹ سے ملتی جلتی ہیں، لیکن اُنھیں کوئی پروا بھی نہیں ہوتی، مثلاً: وہ اپنی اس کتاب میں لکھتے ہیں:

''وہابی رسول اللہ ﷺ کی گستاخی کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی کو ہم پر کچھ ہی برتری حاصل ہے، آپ ﷺ کا ہم پر کوئی حق ہے نہ احسان، آپ اپنی موت کے بعد ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے، وہابیوں کے اکابرین کا کہنا ہے کہ میری یہ لاٹھی نبی اکرم ﷺ سے زیادہ مفید ہے، اس سے میں کتوں کو ڈراتا اور دور کر سکتا ہوں، لیکن نبی کوئی فائدہ نہیں دیتے۔''

ہم نے علامہ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی کتابیں بھی پڑھی ہیں اور ان کے پیروکار نجدی علماء کی بھی، ہمیں تو ایسی کوئی بات ان کی کتابوں میں نہیں مل سکی! پھر حیرت ہے مولانا مدنی نے کوئی حوالہ دیا ہے نہ ان کے کسی ساتھی اور شاگرد ہی نے۔ لگتا ہے انھوں نے امامِ بدعت احمد رضا بریلوی کی شاگردی اختیار کی ہوئی ہے۔ اسی طرح ان کو اہلِ حدیث اور سلفیوں سے بھی شدید نفرت ہے، ان کی یہ کتاب احمد رضا اور اس کے پیروکاروں کی کتابوں کا رنگ لیے ہوئے ہے۔

مولانا خلیل احمد، حسین احمد اور حسین علی اکابرینِ دیوبند میں شمار ہوتے ہیں اور یہ سب وہابیت کے الزام کے خوف سے اہلِ توحید کو دشنام طرازی کرتے ہیں اور ان کے خلاف شدید عداوت رکھتے ہیں، ان کا حال تو یہ ہے کہ بارش سے بھاگے تو پرنالے کے نیچے آ کھڑے ہوئے!

علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ ایمان میں کمی بیشی کے مسئلے پر بات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اگرچہ ایمان میں کمی بیشی کی نسبت ہمارے امام کی طرف کی ہے، لیکن وہ تیز مزاج تھے اور گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ ہو جاتے، جس کی طرف جھکتے تو جھکتے ہی جاتے، جس کے خلاف ہو جاتے تو اس کو قطعاً نہ بخشتے۔ جو اس مزاج کا حامل ہو وہ افراط و تفریط سے محفوظ نہیں ہوتا، اس لیے ان کی نقل کی صحت میں تردد ہے، اگرچہ وہ حافظ اور عالمِ متبحر تھے۔''

صاحبِ عقل اور رجال کے حالات سے واقف انسان غور کر کے بتائے کہ کیا ان کی اس رائے کی کوئی علمی قدر و قیمت ہے؟ شاید علامہ مرحوم کو علم نہیں کہ ان کی اس تنقید نے اہلِ معرفت کی نگاہوں میں ان ہی کے علمی رتبے کو گرا دیا ہے۔ شاید اکثر ان کی اس سخیف اور تعصب آلودہ رائے پر ہنستے ہوں۔ وہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو تلون مزاجی کا الزام دے رہے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ خود ان کے خلاف اپنی بھڑاس نکال رہے ہیں۔ عصمت تو اللہ ہی کے لیے ہے، لیکن ان کو ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر تنقید کی جرأت کیسے ہوئی، جو امام، حجت، علوم کے پختہ اور جامع، عالم، اقوالِ رجال اور اختلافِ مذاہب سے پوری واقفیت رکھتے تھے؟ اگر آپ کو ان کے نقل اور حوالے پر اعتماد نہیں تو کیا ہوا، ساری دنیا ان کی نقل پر اعتماد اور ان کے وسیع علوم پر اعتبار کرتی ہے۔

یہ مولانا صرف آپ کی تیز مزاجی اور چشم آلودی ہے اور اللہ آپ پر رحم کرے، مسئلہ یہ ہے کہ آپ نے سلفی دعوت کے حاملین اور توحید و سنت کے متوالوں کے خلاف نفرت بھرے ماحول میں تربیت پائی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ اپنے زمانے کے کوثری اور اپنے وقت کے ترکمانی ہیں، آپ کو کسی اسلامی رشتے ناتے کا کوئی خیال نہیں!

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں کہ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کند ذہن، کم علم ہیں، تقویۃ الایمان نے اپنی شدت پسندی کی وجہ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تنگ مزاجی کی وجہ سے ان کی نقل پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا؟! کیا یہ آپ کی ذہانت اور علم ہے! اللہ آپ پر رحم کرے! کیا آپ دیکھتے نہیں کہ خالص قرآنی توحید ان ائمہ کی کوششوں کے نتیجے میں اطرافِ عالم میں پھیل چکی ہے؟! تجربہ کاروں نے کیا خوب کہا ہے کہ سورج نصف النہار پر بھی ہو تو چمگادڑ کو اس کی روشنی کوئی فائدہ نہیں دے پاتی!

امام خطیب بغدادی:

۳۹۲ھ کو ان کی ولادت ہوئی اور یہ ۴۶۳ھ ہجری میں اپنے خالق کو پیارے ہو گئے۔ یہ تقلید کے عہد کے بعد اس کے عام ہونے کا وقت تھا۔ حفاظِ حدیث اور فقہاء ایک ایک کر کے اس دنیا سے کوچ کر گئے تھے، جہالت کا راج قائم ہو چکا تھا۔ آدمی دوسرے کے علم پر اعتماد کرتا تھا، لیکن خود اس کو حق و باطل اور نور و ظلمت کی کوئی پہچان نہیں تھی، وہ دوسرے کی آنکھ سے دیکھتا اور اس کے کان سے سنتا۔ دل سویا اور خوابِ غفلت میں کھویا ہوا تھا، جب حدیث ہی نہ رہے تو فقہ و درایت کس کام کی اور کہاں ملے

گی؟! اگر دیوار گر جائے تو نقوش اس کے تابع ہوتے ہیں!

امام خطیب اپنی زندگی میں اس مصیبت کو دیکھتے، شاید انھوں نے یہ کتاب یعنی "شرف أصحاب الحدیث" لوگوں کو اس سنہرے دور اور ان رجال کے بارے میں بتانے کے لیے تحریر کی تھی جن کے پہلو رات کے وقت بستر پر نہیں لگتے تھے، وہ کھڑے بیٹھے اور پہلو کے بَل اللہ کو یاد کرتے تھے، انھوں نے سنت کے متون اور اسانید کی حفاظت میں دن رات ایک کر دیے، بکھرے ہوئے معارف کو یکجا کیا، نبوت کے مقدس حرم کا دفاع کیا اور کسی بد کے ہوئے کو اس کی طرف رخ کرنے کی اجازت نہ دی۔ صحیح اور حسن احادیث کو کمزور اور موضوع روایات سے چھان پھٹک کر علاحدہ کیا، تاکہ خبیث اور طیب علاحدہ علاحدہ ہو جائیں، تاکہ جو زندہ رہے تو دلیل کے ساتھ اور جو مرے تو دلیل کے ساتھ، اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے۔

اسی نیت و ارادے کے ساتھ جمعیت اہلِ حدیث یہ عظیم الشان رسالہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہے اور اربابِ خیر سے اُمید ہے کہ وہ اس پر توجہ دیں گے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلًا وَّآخِرًا، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ أَجْمَعِيْنَ]

معیار الحق

(تالیف: میاں نذیر حسین محدث دہلوی۔ ناشر: مکتبہ نذیریہ لاہور ۱۹۶۵ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ، وَعَلٰی أَتْبَاعِهِ الْهَادِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ، مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنَ الْغَارَةِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ، سِيَّمَا الْأَئِمَّةُ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَمَنْ مَعَهُمْ مِنَ الْفُقَهَاءِ الْمُحَدِّثِيْنَ، وَأَتْبَاعِهِمْ مِنْ أَئِمَّةِ السُّنَّةِ وُرَوَاةِ الْمِلَّةِ الْمُجَاهِدِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ الدِّيْنِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَعَلٰی آلِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَاتِهٖ أَجْمَعِيْنَ إِلٰی يَوْمِ الدِّيْنِ.

ائمۂ سنت کے نزدیک بنیادی اصول چار ہیں۔ تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے: قرآن وسنت، اجماعِ امت اور قیاس۔ ان میں بھی اصل قرآن وسنت ہے۔ اجماع اور قیاس کا ماخذ بھی قرآن وسنت ہے۔ کتاب وسنت کے خلاف نہ اجماع ہوسکتا ہے نہ قیاس۔ قرآن وسنت دونوں کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے لیا ہے۔ حفاظِ قرآن نے قرآن کے الفاظ کو حفظ کیا اور الفاظ کے مختلف لہجوں کو ضبط کیا، حرکات وسکنات کو پوری احتیاط سے امت تک پہنچایا۔ فصحائے عرب اور جن قبائل اور علاقوں کی زبان مستند تھی، قرآنِ عزیز کی قراءت میں اس کا پورا پورا خیال رکھا۔ آج پوری ذمے داری سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآنِ عزیز ہمارے پاس پوری طرح محفوظ ہے، اس میں کمی ہوئی ہے نہ زیادتی۔

حفاظِ حدیث نے سنت کے متون اور اسانید کو پوری ذمے داری اور محنت سے ضبط کیا، جیسے قرآنِ عزیز میں بعض لوگوں نے خبط پیدا کرنے کی کوشش کی، اسی طرح سنت میں بھی بعض غلط کار، اہواء پرست اور تعصب پسند حضرات نے وضع وتخلیق کا سلسلہ شروع کر دیا اور سیکڑوں احادیث بنا ڈالیں۔ آنحضرت ﷺ اپنے مقام کو سمجھتے تھے، قرآنِ عزیز کی صریح نصوص اس کی موید تھیں کہ آنحضرت ﷺ

کا قول، فعل، سکوت، اجتہاد؛ سب حجتِ شرعی ہیں، یقیناً لوگ اس مقامِ رفیع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور غلط چیزیں آں حضرت ﷺ کی طرف منسوب کر کے اپنی بدعات اور خرافات کی ترویج کے لیے بہانہ تلاش کریں گے۔ آں حضرت ﷺ نے پوری صاف گوئی سے اس کے عواقب کو واضح فرمایا:

"عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ"[1]

"جس نے جان کر میری طرف کوئی جھوٹی اور غلط بات منسوب کی، اسے اپنا مقام جہنم میں بنانا چاہیے۔"

یہ حدیث حضرت جابر، عبداللہ بن عباس، حضرت زبیر، حضرت سمرہ، حضرت انس بن مالک، ابو قتادہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے دارمی اور سنت کے باقی دفاتر میں بتواتر منقول ہے۔ اس کے بعد اس آبرو باختہ گروہ نے آنحضرت ﷺ کی طرف غلط چیزیں منسوب کیں، خود عذابِ الیم میں مبتلا ہوئے اور عوام کے لیے گمراہی کا سامان بہم پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ نے ائمۂ حدیث اور حفاظِ سنت کو توفیق مرحمت فرمائی، انھوں نے چھان پھٹک کر سچ اور جھوٹ کو الگ الگ کر دیا۔

اس وقت تین قسم کا ذخیرہ امت کے پاس موجود ہے:

1. بالکل صحیح، جہاں انسانی کوشش اور امکان کی حد تک صحیح احادیث کو ضعاف اور اکاذیب سے الگ کر دیا گیا ہے۔
2. موضوع اور مختلق، جسے چھانٹ کر الگ موضوعات کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ اس میں ان لوگوں کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے جنھوں نے اس معصیت کا ارتکاب کیا ہے، تاکہ چور کے ساتھ وہ مال بھی برآمد ہو جائے جسے چرا لیا گیا ہے۔ اَللّٰهُمَّ بَرِّدْ مَضَاجِعَهُمْ، وَارْفَعْ دَرَجَاتِهِمْ.
3. مخلوط مواد، ایسا ذخیرہ جس میں صحیح، ضعیف، مختلق؛ ہر قسم کی احادیث موجود ہیں، جو اہلِ علم کو محنت اور بصیرت کی دعوت دے رہی ہیں۔ طالبِ حق ان اسباب اور ذرائع کو استعمال کریں جو حق و باطل کی پہچان کے لیے بنائے گئے ہیں اور کھرا اور کھوٹا الگ الگ کر لیں۔

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (١١٠) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٨٤٤)

یہ دین کی بہت بڑی خدمت تھی جو صدیوں کی محنت اور دیدہ ریزی سے کی گئی، گویا علمائے امت کے ان کارناموں کی بدولت ہمیشہ کے لیے امت کو آنحضرت ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔

اس حفاظت کا تعلق صرف قوتِ حافظہ سے ہی نہیں، بلکہ اُمت نے اس کے لیے کئی جدید علوم ایجاد کیے، علمِ رجال، علمِ موالید، علمِ وفیات، معرفۃ البلدان، علم الآباء و الابناء، کتابت میں مخصوص اصطلاحات، علمِ اصولِ حدیث؛ یہ تمام علوم اور ان کے علاوہ کئی فنون کی ایجاد صرف اسی فن کی حفاظت کے لیے کی گئی۔ شروحِ حدیث، لغۃ الحدیث، سنن اور جوامع، احکام، معاجم، اطراف؛ غرض کئی قسم کے تحفظات تھے جو اُمت نے اس فن کی افادیت و قدردانی کے لیے ایجاد فرمائے۔ یہ سب اسی لیے تھا کہ مقامِ نبوت کی معرفت اور حفاظت اسی صورت میں ہوسکتی تھی کہ یہ فن محفوظ رہے۔ اگر حدیث شرعی حجت نہ ہوتی، اس کی حیثیت عام تاریخی ذخیرے کی ہوتی تو ان خطیر مساعی اور عظیم الشان تحفظات کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ انسانیت کا تقاضا ہے کہ اپنے اکابر کی اس میراث کی حفاظت کی جائے، کیوں کہ مقامِ نبوت اور دین کی حفاظت کا اصل طریق یہی ہے۔

تفقہ فی الدین:

قرآن اور سنت کی حفاظت کے باوجود دنیا کے حوادث لا متناہی ہیں اور کتاب و سنت کی راہنمائی کے سوا ان حوادث سے عہدہ برآ ہونا ممکن نہیں، اس لیے لازماً اہلِ علم اور اصحابِ بصیرت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ قرآنِ عزیز کا ارشاد ہے:

﴿ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [النحل: ٤٣]

”جب کسی چیز کا علم نہ ہو تو اہلِ علم کی طرف رجوع کرو۔“

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: « إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ »[1]

”انجان آدمی کے لیے صحت مند طریقہ یہی ہے کہ وہ اہلِ علم کی طرف رجوع کرے۔“

یہ ایک فطری جذبہ تھا۔ ہر زمانے میں اہلِ علم نے اس ذمے داری کا احساس فرمایا۔ وقت کی ضرورت اور ماحول کے مطابق کتاب و سنت کے تقاضوں کو پورا فرمایا۔ آوارگی سے بچتے ہوئے غیر منصوص حوادث کے فیصلے نصوص، یعنی کتاب و سنت کی روشنی میں کیے اور اس کے ساتھ وقت کے

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٣٣٦) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٥٧٢)

مصالح اور ضرورتوں کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔

صحابہ، تابعین، تبع تابعین کی زندگیاں اسی میں صَرف ہوئیں۔ ہر شہر میں، ہر علاقے میں حاجت مند اپنی مشکلات میں علماء کی طرف رجوع کرتے رہے، بلکہ خود اہلِ علم دوسرے اہلِ علم سے مستفید ہوتے رہے اور تمام لوگ بلا تعصب اور بلا تخصیص اپنے اپنے علاقے اور ماحول کے علماء سے مسائل پوچھتے رہے اور ان کے مطابق عمل کرتے رہے۔ اگر کسی مسئلے میں اختلاف ہوا تو اسے فرقے بازی کا رنگ نہیں دیا گیا، بلکہ اساتذہ اور تلامذہ ایک دوسرے کے خلاف فتوے دیتے رہے اور اسے گوارا کیا گیا۔ صحابہ اور تابعین کے بعد ائمۂ اربعہ اور ان کے شاگردوں میں بھی یہی صورت جاری رہی۔ مذاہبِ اربعہ کی مروجہ کتبِ فقہ اس کی شاہد ہیں۔ ہر ایک کے فتوے ایک دوسرے کے خلاف ان میں مرقوم ہیں۔ آزادیِ فکر اور اصلاح و تجدید کا یہ واجبی تقاضا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کلی طور پر کسی کی اطاعت نہ کسی پر فرض ہو نہ واجب۔ یہ عقیدت کی وابستگی اِباحت سے آگے نہیں بڑھنی چاہیے۔ اطاعت کے وجوب و فرضیت کا مقام آنحضرت ﷺ کے لیے مخصوص رہنا چاہیے۔ مقامِ نبوت کا یہ تقاضا قطعاً قابلِ تقسیم نہیں۔ جو اطاعت کا مقام آنحضرت ﷺ کو حاصل ہے، وہ کسی کو امت سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

یہ صورتِ حال پہلی صدی سے چوتھی صدی تک بدستور جاری رہی۔ علماء کے ساتھ عقیدت، مشکلات میں ان کی طرف رجوع، ان کا احترام؛ یہ دین کا مزاج ہے۔ اس لیے علماء کے ساتھ عقیدت تو قدرتی چیز تھی، بتدریج اس میں غلو آنے لگا۔ جن ائمہ سے تعلق تھا ان کے مقابل دوسرے ائمہ سے عقیدت کم ہونے لگی، بلکہ تنقید اور تیزی کے اثرات بھی زبان اور قلم سے ظاہر ہوتے رہے۔

فقہائے حنفیہ نے اصولِ فقہ میں ایسے جذبات کا کافی اظہار فرمایا اور شیخ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) کی تصنیفات میں امام شافعی، ابن حزم وغیرہ ائمہ کے خلاف لہجہ خاصا تلخ ہے، اس قسم کی تلخی چوتھی صدی سے پہلے کم ہے۔ جونہی دنیا میں تقلید کا رواج ہوا، علماء کے لہجے تلخ ہونے لگے اور سوئے ادب کا انداز بڑھتا گیا۔

ائمہ کے صحیح احترام کا طریق تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ان سے محبت کرنے والے بحث و نظر کی

راہوں میں ان کے نقشِ قدم پر چلتے، ان کی طرح علوم میں دقتِ نظر پیدا کر کے مسائل کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے اور اجتہاد کی راہوں کو کھلا رہنے دیتے۔ ہر وقت اسباب و علل پر غور فرماتے اور قرآن وسنت کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل حل فرماتے۔

لیکن ہوا یہ کہ ائمہ کی محبت کے ساتھ کچھ بے عمل، بے محنت، غبی ہونے کے ساتھ احساسِ کمتری کے مریض علم و دانش کی بستیوں میں آباد ہونے لگے اور یہ ذہن پیدا کرنا شروع کر دیا کہ تم دین اور شریعت کو کہاں سمجھ سکتے ہو۔ اجتہاد ونظر کے دروازے کھلے ہونے کے بجائے اس طرح بند کر دیے جیسے نبوت کی راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتداء میں تو ائمہ کے اصولوں کو سامنے رکھ کر بعض فروع کی تخریج کی گئی، لیکن بتدریج وہ مستخرج جزئیات ہی مستقل شریعت قرار پا گئیں۔ ان کے سہارے پر متون اور کچھ شروح محافلِ درس کی زینت بن گئے، ان جزئیات کا حفظ و ضبط اور اُن حروف و الفاظ کی پابندی منتہائے علم تصور ہونے لگی۔ کتاب وسنت سے استخراجِ مسائل کو شجرِ ممنوع تصور کیا جانے لگا۔

ہمارے جمود کا یہ حال ہے کہ بارہ بارہ سال مدارس میں صَرف کرنے کے بعد ایک عالم متونِ فقہ کو مقدس ماننے لگا، قدوری اور کنز الدقائق اصل دین شمار ہونے لگے۔ گویا احساسِ کمتری اور جمود نے مزمن مرض کی صورت اختیار کر لی۔ ائمہ کے احترام کے نام سے یہ جو کچھ کیا گیا، حضرات ائمہ اور اُن کے پاکیزہ مقاصد کو ذبح کرنے کے مترادف تھا۔ گویا علم کی ترقی اور اجتہاد کی سربلندیوں کے لیے ان بزرگوں نے جو مساعی کی تھیں، انھیں غارت کر کے رکھ دیا گیا۔ الفاظ کی پرستش اور حشویت کا نام فقہ رکھ دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک امام یا عالم کی محبت نے دوسرے کے ساتھ بغض کی صورت اختیار کر لی اور احادیثِ نبویہ کی تقسیم اس طرح ہو گئی کہ گویا میراث بٹ رہی ہے۔ ہر امام اور اس کے مقتدی اپنے اپنے حصے پر قابض ہو رہے ہیں۔ دوسرا اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اگر کوئی شافعی کسی حدیث پر بحث کرنا چاہے تو استاد یہ کہہ کر مطمئن کر دے گا کہ یہ احناف یا اہلِ کوفہ کی حدیث ہے اور یہ اہلِ حجاز کی، اور طالبِ علم اس سے مطمئن ہو جائے گا کہ میرا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں، یہ دوسرے امام کی ہے!

چوتھی صدی کے بعد تقلید کا رواج عام ہو گیا۔ ائمہ کی علمی اور اجتہادی کوششیں اپنے اپنے

حلقوں میں محدود ہو کر رہ گئیں۔ پانچویں چھٹی صدی کی فقہیات بالکل کتاب وسنت کے برابر سمجھی گئیں۔ سائل جب علمائے دین سے شریعت کے متعلق سوال کرتا ہے تو ہمارے ملک کے علماء بلا تامل ہدایہ، درمختار اور شامی، عالمگیری وغیرہ کی عبارات لکھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ ہم نے شریعت کی بات بتا دی اور حق ادا ہو گیا۔ وہ قرآن یا حدیث کا نقل کرنا ضروری نہیں سمجھتے، حالاں کہ یہ ایک خاص مکتبِ فکر کی ترجمانی ہے جو بالکل ممکن ہے کہ قطعی طور پر غلط ہو۔ یہی حال شافعی، مالکی اور حنبلی فقہوں کا ہے، کسی کو عین شریعت یا شریعت کا مرادف نہیں سمجھا جا سکتا۔

اجتہاد کی بندش:

اسی عقیدت اور احساسِ کمتری کی بنا پر چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کی بندش کا فیصلہ کر دیا گیا۔ "رسالة حميدية في حقيقة الديانة الإسلامية وحقيقة الشريعة المحمدية" (ص: ٣٢٨) میں پوری وضاحت سے اجتہاد کی بندش کا ذکر فرمایا:

"وَلٰكِنْ مِنْ عَصْرِ أَرْبَعِ مِائَةٍ مِنَ الْهِجْرِيَّةِ النَّبَوِيَّةِ -عَلٰى صَاحِبِهَا أَزْكَى الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ- قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ الْأَعْلَامِ كَمَا يُنْقَلُ عَنْ عُلَمَاءِ الْحَنَفِيَّةِ: إِنَّ بَابَ الْاِجْتِهَادِ قَدِ انْسَدَّ مِنْ ذٰلِكَ التَّارِيْخِ"

بعض علماء خصوصاً علمائے حنفیہ سے منقول ہے کہ اس تاریخ سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔

یہ رسالہ ایک ترک عالم شیخ حسین آفندی جسر نے سلطان عبد الحمید کی حکومت میں سلطان کے لیے لکھا، اس کے بعد بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ ہمتیں قاصر ہیں، عزائم ختم ہو چکے ہیں، اس لیے ان لوگوں کی رائے درست ہے کہ اجتہاد بند ہے:

"لٰكِنْ إِذَا دُقِّقَ النَّظَرُ يَظْهَرُ أَنَّ مَا قَالَهُ أُولٰئِكَ الْأَعْلَامُ هُوَ الْمُوَافِقُ لِلصَّوَابِ وَعَيْنُ الْحِكْمَةِ" (رساله حميدية، ص: ٣٢٨)

''دقتِ نظر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی رائے اجتہاد کی بندش کے متعلق صحیح ہے۔''

وقتِ معین پر اجتہاد کا بند کرنا ایسا معلوم ہوتا ہے گویا یہ کوئی خدائی حکم ہے، حالاں کہ قرآن و سنت میں کوئی حکم نہیں کہ اجتہاد فلاں صدی میں بند ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت یہ قوت مخلوق

سے سلب فرمالیں گے۔ یہ ساری جمود کی کارستانی ہے۔ ائمۂ مجتہدین نے کب یہ دعویٰ فرمایا تھا کہ ہم مجتہد ہیں، یا ہمیں مجتہد سمجھا جائے، بلکہ ان کے علمی کارناموں اور دینی خدمات اور کتاب وسنت کی اشاعت کی وجہ سے آنے والے لوگوں نے انھیں مجتہد سمجھا۔

چوتھی صدی کے بعد:

چوتھی صدی کے بعد واقعی یہ تصور عام ہوگیا کہ اب کوئی مجتہد نہیں ہوسکتا۔ جن لوگوں کے قلمی کارنامے ائمۂ اجتہاد کی طرح روشن اور نمایاں تھے، ان کے متعلق بھی یہ لفظ بولنے کی بظاہر جرأت نہ ہو سکی۔ ارشادِ نبوی ہے:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ»[1]

''دنیا میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے جو حق کی حمایت کرتے رہیں گے اور انھیں ناکام اور ذلیل نہیں کیا جا سکے گا۔''

طبقات کی کتابیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ رہے جو لوگوں کی نفرت کے باوجود ان پابندیوں سے آزاد رہے اور براہِ راست کتاب وسنت سے استدلال فرماتے رہے۔ "تذكرة الحفاظ" للذهبي، "الديباج المذهب"، "البدر الطالع"، "التاج المكلل"، "شذرات الذهب"، "طبقات السبكي"، "طبقات الحنابلة"، وغیرہا سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے لوگ ہر زمانے میں ملتے رہے ہیں۔

ہندوستان میں اسلام:

تیسری صدی ہجری کے آخر تک خراسان، ایران میں ائمۂ حدیث کی کثرت تھی۔ محدثین عموماً وطنیت کے لحاظ سے فارسی تھے، اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان اطراف میں شوافع کا کافی اثر رہا، چناں چہ شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الشیرازی مصنف مہذب فیروز آباد کے رہنے والے تھے۔ فیروز آباد فارس کا شہر ہے۔ اور بھی بہت سے مشاہیر ائمۂ شوافع ان اطراف میں شمار کیے جا سکتے ہیں، اس کے بعد ماوراء النہر میں احناف اور شوافع کی باہمی آویزشوں اور حکومت کے سیاسی مصالح نے یہاں اہلِ حدیث شوافع کو ختم کر دیا۔ جس طرح ایران میں تشیع کو غلبہ حاصل ہوا، اسی طرح

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (١٩٢٠)

بعض علاقوں میں احناف کو غلبہ حاصل ہوا، اسی طرح جب مغل فاتحین ہندوستان میں داخل ہوئے، ان کے اثر سے ہندوستان میں احناف کی کثرت ہوگئی۔

عرب فاتحین جو سمندر کی راہ سے ۹۲ھ کے پس و پیش سندھ میں وارد ہوئے، یہ سب اہلِ حدیث تھے، اس وقت تقلیدِ ائمہ رحمہم اللہ کا دور شروع ہی نہیں ہوا تھا۔ چند سال بعد مرکز میں خلفشار کی وجہ سے واپس چلے گئے، ان کے اخلاقی اور دینی آثار زیادہ دیر نہ رہ سکے۔ سلطان محمود شافعی تھے، وہ باطنی فرقے کی سازشوں اور مسلم آزاریوں کو روکنے اور ان کی قوت ختم کرنے لیے آئے اور واپس چلے گئے۔ عمومی طور پر مغل بادشاہ حنفی المذہب تھے اور علماء بھی غالباً اسی خیال کے تھے، اس لیے ہندوستان کے علاقوں میں حنفی مسلک کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا اور اب تک ہے۔ حکومت اور علماء جب ایک خیال کے ہوں تو عوام کا ان سے تاثر قدرتی بات ہے۔

تقلید اور جمود:

حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ کا ایک اندازِ فکر ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس مکتبِ فکر کے بانی ہیں۔ اگر عوام اس سے متاثر ہوں تو اس میں کوئی عیب نہ تھا، بشرطیکہ اس میں جمود نہ ہو اور دوسرے مکاتبِ فکر سے نفرت نہ پیدا کی جائے، ان مکاتبِ فکر پر عمل کے لیے بھی راہیں کھلی ہوں۔ افسوس ہے کہ ہندوستان کیا، کہیں بھی اس معاملے میں وسعتِ ظرف کا ثبوت نہ دیا گیا۔ سوڈان، مصر، حجاز، عراق، ایران اور ہندوستان؛ جہاں ایک مکتبِ فکر کو تمکن حاصل ہوا، اس نے دوسروں کے لیے زمین کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ اگر کبھی وسعتِ ظرف کا تھوڑا بہت اثر پایا گیا تو یہ انھیں لوگوں میں تھا جن کو فنِ حدیث کے ساتھ تعلق تھا، جیسے علامہ شیخ علی المتقی صاحبِ کنز العمال (م ۸۷۵ء) اور شیخ محمد طاہر پٹنوی مولف "مجمع البحار" (م ۹۸۶ھ) اور حضرت شیخ الامام احمد الفاروقی سرہندی (۱۰۳۴ھ) وغیرہم رحمہم اللہ۔ یہ حضرات فروع میں عملاً حنفیت سے متاثر تھے، لیکن ان حضرات میں جمود تھا نہ تعصب۔

لیکن عام اہلِ علم، جو حدیث سے متاثر نہ تھے، ان میں جمود بھی تھا اور تعصب بھی۔ اس لیے ان حضرات کی اصلاحی مساعی کے باوجود جمود اور عصبیت کو فروغ ہوتا رہا۔ حضرت شیخ احمد مجدد الفِ ثانی کے دور سے معلوم ہوتا ہے کہ تقلید اور جمود کی مضرتوں کا احساس زیادہ ہوا اور اس کی اصلاح کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ فرمائی گئی، چناں چہ حضرت مجدد صاحب کے محترم رفقاء سے شیخ شمس الدین،

مرزا مظہر جانِ جاناں، جن کا سلسلۂ نسب محمد بن حنفیہ سے ملتا ہے، فروعی مسائل میں احناف کی روش سے انحراف فرماتے اور مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کے چھوٹے لختِ جگر شاہ محمد یحییٰ وقتی جمود سے کھلا تصادم فرماتے تھے۔ مجدد صاحب کی روش کے متعلق نواب صاحب مرحوم نے فرمایا:

"ثُمَّ إِنَّهُ بَاحَثَ الْمَلَاحِدَةَ فِيْ زَمَانِهِ، وَجَادَلَهُمْ بِقَلَمِهِ وَلِسَانِهِ، وَرَدَّ عَلَى الرَّوَافِضِ، وَحَقَّقَ الْفَرْقَ بَيْنَ الْبِدْعَةِ وَالسُّنَّةِ، وَأَقْسِيَةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَاسْتِحْسَانَاتِ الْمُتَأَخِّرِيْنَ، وَالتَّعَارُفِ عَنِ الْقُرُوْنِ الْمَشْهُوْدِ لَهَا بِالْخَيْرِ، وَمَا أَحْدَثَهُ النَّاسُ فِيْ الْقُرُوْنِ الْمُتَأَخِّرَةِ، وَتَعَارَفُوْهُ فِيْمَا بَيْنَهُمْ، فَرَدَّ بِذٰلِكَ مَسَائِلَ مِمَّا اسْتَحْسَنَهَا الْمُتَأَخِّرُوْنَ مِنْ فُقَهَاءِ مَذْهَبِهِ، وَكَانَ فَقِيْهاً مَاتُرِيْدِيًّا حَرِيْصًا عَلَى السُّنَّةِ مُجْتَهِدًا فِيْهِ"[1] اھ

"حضرت مجدد رحمہ اللہ نے ملحدین سے مباحثات کیے اور ان کے ساتھ قلم اور زبان سے جہاد کیا، روافض کا رد کیا، سنت اور بدعت میں فرق فرمایا، ائمۂ اجتہاد کے قیاس اور متاخرین کے استحسان میں فرق واضح فرمایا اور قرونِ خیر کے معروفات اور متاخرین کی بدعاتِ مالوفہ میں امتیاز فرمایا اور اپنے مسلک کے علماء کی بدعات پر رد کیا۔ وہ عقیدتاً ماتریدی تھے اور اتباعِ سنت کے عاشق۔"

مجدد الفِ ثانی اور شاہ ولی اللہ:

مجدد الفِ ثانی کی مساعی جو مصالح وحکم کے پردوں میں مستور تھیں، حضرت شاہ ولی اللہ کے دور میں اور زیادہ نکھر گئیں۔ احناف اور شوافع میں متاخرین کے جمود کی وجہ سے جو بُعد واضح ہو چکا تھا، اسے حتی المقدور کم کرنے کی کوشش فرمائی اور علماء اور عوام کو کتاب وسنت سے زیادہ مانوس فرمایا اور اس امر پر زور دیا کہ یہ مکاتبِ فکر کوئی مستقل حقیقت نہیں، اصل چیز قرآن وسنت ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات، انصاف اور عقد الجید میں تقلید کے وجود کے معمے کو پوری طرح حل فرمایا۔ یہ اوراق اس کی تفصیل کے متحمل نہیں۔ شاہ صاحب کا یہ اثر ہوا کہ احناف سے بدعت پسند حضرات نے تو شاہ صاحب کو بالکل نظر انداز کر دیا اور احناف کا توحید پسند گروہ چوں کہ حدیث کے ساتھ تعلق اور تعارف کی وجہ

[1] أبجد العلوم (٣/ ٢٢٦)

سے شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ممنون ہے، اس لیے ان سے عقیدت کا اظہار تو کرتے ہیں، لیکن حضرت کے اس پروگرام سے وہ متفق نہیں، نہ وہ اس پر مطمئن ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ قرونِ وسطیٰ کے جمود کو پھر دعوت دیں اور کتاب وسنت سے تعلق مشروط رکھیں کہ اگر وہ عراق اور کوفے کی راہ سے آئے تو اسے منظور کر لیا جائے اور اگر حجاز یا مصر کی راہ سے آئے یا وہ ائمۂ سلف اور قرونِ خیر کے اندازِ فکر کا ترجمان ہو تو حتی الامکان اسے قبول نہ کیا جائے اور اس راہ میں ہر رکاوٹ ڈالی جائے، چناں چہ ان کے مرکز اب بھی اسی کوشش میں مصروف ہیں۔

شیخ الکل حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ (م ۱۳۲۰ھ):

اس دور کے دو بزرگ ہیں جنھیں خدمتِ سنت اور طریقۂ سلف کے اِحیا میں بلند ترین مقام حاصل ہے، حضرت نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم بھوپال اور شیخ الکل نذیر حسین صاحب دہلوی۔ نواب صاحب ریاست میں با اختیار مقام کے باوجود تصنیف وتالیف اور دینی مشاغل کی طرف راغب تھے اور تقلید و جمود کے خلاف ان کے قلم نے اتنا کام کیا جو شاید کوئی جماعت بھی مشکل سے کر سکے۔ مرحوم کی تصانیف مختلف فنون میں سیکڑوں تک پہنچی ہیں۔ حضرت میاں صاحب کے پاس اللہ پر توکل اور مسجد کی چٹائیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

میاں صاحب مولانا اسحاق رحمہ اللہ کے شاگرد تھے اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے سلسلے کے ساتھ والہانہ عقیدت تھی۔ علومِ آلیہ اور عالیہ میں پوری مہارت تھی۔ جامع العلوم تھے۔ مزاج میں تواضع اور انکسار تھا۔ تملق اور لجاجت نام کے لیے طبیعت میں موجود نہ تھا۔ لالچ اور طمع ایسے امراض سے ذہن بالکل صاف تھا۔ فنِ حدیث کی اشاعت اور مسلکِ سلف کی خدمت کو زندگی کا مقصد سمجھتے تھے۔ مشاہرات کا نہ یہ دور تھا نہ طبیعت میں اس کے لیے کوئی مقام۔ زمانے کے اتفاقات سمجھیے کہ حضرت شاہ اسحاق کی ہجرت کے بعد اسی مسند پر دین کی خدمت کا موقع میسر آیا۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے تقلیدِ مروج اور جمود کے خلاف جرأت مندانہ قدم اُٹھایا تھا، لیکن جہاد کی مشغولیت اور اس کے مصالحوں کے تقاضوں کی بنا پر اس کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے۔ میاں صاحب نے اسے مقصدِ حیات قرار دیا اور تمام مشاغل سے فی الجملہ الگ ہو کر اس میں مشغول ہو گئے اور پوری عمر اس میں صَرف فرما دی۔ پوری عمر نہ نقل مکانی کی ضرورت محسوس کی اور نہ کسی خوف و ہراس نے پروگرام کی تبدیلی پر مجبور کیا۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب ایسی ہیبت ناک صورت نے بھی میاں صاحب پر کوئی اثر نہ کیا۔ شہر پر

توپیں آتش باری کر رہی تھیں، ادھر مسندِ درس گرم تھی۔ اسباق شروع تھے، طلبہ خائف تھے، لیکن حضرت میاں صاحب پر اس کا کوئی اثر نہ تھا۔ وہ بدستور تدریس کے سلسلے میں تشریف لاتے۔

۱۸۵۷ء کا انقلاب بالکل بے قاعدہ تھا۔ انگریزوں کی بدکرداریوں کے سبب تقریباً پورے ملک میں پھیلا، لیکن بدنظمی کی وجہ سے ناکامی پر منتج ہوا۔ میاں صاحب نے اس میں انگریز عورت کو باغیوں سے بچایا اور اسے پناہ دی۔ یہ بالکل اسلامی تعلیمات کے مطابق تھا۔ عورت پر ہاتھ اٹھانا شرعاً درست نہ تھا۔ باغی اور آوارہ مزاج لوگوں نے اسی بہانے سے میاں صاحب کے مکان پر حملہ کیا اور ایذاء پہنچائی، اس کی اطلاع رضی الدولہ بہادر میرزا قدرت اللہ بیگ نے بہادر شاہ ظفر شاہ دہلی کو دی۔ بادشاہ نے شہزادوں کو حکم دیا کہ وہ اس ہنگامے کو فرو کروائیں اور میاں صاحب سے دعا کے لیے عرض کریں، کیوں کہ ہمارے بزرگ مشکلات میں اہل اللہ سے دعا کرایا کرتے تھے۔ (روزنامچہ ۱۸۵۷ء مولفہ عبداللطیف)

اسی روزنامے میں میاں صاحب کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا:

"ہمانا مولانا از سادات حسنی و حسینی است۔ در حدیث پایۂ اجتہاد گرفت، در فقہ برتری مایہ در اصول آ گاہی کمال دارد، و در علمِ تفسیر بے مثال است، امروز در علم و عمل بے نظیر است، شب باز و سفید کار است ہر آئینہ در پرستش ایزدی بزرگی گرفت بہ پژوہش ایزدگی ستردگی یافت"[1] (روزنامچہ ۱۸۵۷ء۔ ص:۱۰۴)

افکار اور مذہبی خیالات میں اختلاف کے باوجود میاں صاحب کے علم و عمل اور اخلاق کی پاکیزگی مسلّم تھی۔ واقعاتِ دارالحکومت دہلی (۳/ ۲۵۹) میں میاں صاحب کا ذکر بڑے اچھے الفاظ میں کیا گیا ہے اور انھیں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین اور شاہ اسحاق رحمہم اللہ کے شاگرد ظاہر کیا گیا ہے اور آپ کی تصنیفات "معيار الحق"، "واقعة الفتوى دافعة البلوى"، "ثبوت الحق" اور "فلاح الولي" کا ذکر کیا گیا ہے۔[2]

وفورِ علم کے ساتھ میاں صاحب اخلاقِ فاضلہ میں اکابرِ ملت سے پوری پوری مماثلت رکھتے

---

[1] حضرت مولانا (میاں صاحب) حسنی و حسینی سادات سے ہیں۔ حدیث پر ان کی گرفت بہت مضبوط ہے۔ فقہ میں برتری حاصل ہے۔ اصول میں کمال دسترس ہے۔ علم تفسیر میں بے مثال ہیں۔ علم و عمل میں بے نظیر ہیں۔ شب زندہ دار اور تزکیہ نفس کے خوگر ہیں۔ عبادتِ الٰہی میں عظیم مرتبے کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی جستجو میں درجۂ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔

[2] ان تصنیفات کے لیے دیکھیں: تاریخ اہلِ حدیث از ڈاکٹر محمد بہاء الدین (۴/ ۲۹۷۔۳۰۳)

تھے۔ صحتِ فکر، تدبر اور دور اندیشی میں میاں صاحب آپ اپنی نظیر تھے۔ مخالفین کی کثرت کے باوجود ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ دہلی سے نہ بھاگنا، متحارب طاقتوں سے نہ اُلجھنا، نہ مرعوب ہونا انتہائی تدبر تھا۔ حلم و دیانت میں میاں صاحب کا مقام بہت اونچا تھا۔ علماء کی جماعت میں میاں صاحب نظریاتی اختلاف کے باوجود بڑی عزت سے دیکھے جاتے تھے۔ سر سید احمد خاں علی گڑھی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، ڈپٹی احمد حسن، نواب ضمیر مرزا ایسے اعاظمِ رجال کو میاں صاحب سے استفادے کا شرف حاصل تھا۔

میاں صاحب کے تلامذہ کا تاثر:

میاں صاحب کے تلامذہ کے مزاج اور طریقِ کار میں عجیب تنوع معلوم ہوتا ہے۔ ہر ایک نے اپنی استعداد کے مطابق مرحوم سے اثر لیا۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی، حاجی علی جان رحمہ اللہ کا خاندان، انگریز کے سخت مخالف تحریکِ مجاہدین کے حامی بنے اور تحریکِ مجاہدین جب ۱۸۳۱ء کے بعد زیرِ زمین چلی گئی تو ان حضرات کی مخلصانہ مساعی سے تحریک زندہ رہی اور ۱۹۴۷ء تک انگریز کے لیے وبالِ جان بنی رہی۔

پنجاب میں مولانا عبدالقادر قصوری وکیل، مولانا عبدالاول غزنوی، مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی، مولانا ولی محمد فتوحی والے، مولانا اکبر شاہ سخانہ اس تحریک کے سرگرم رکن اور موید تھے۔ وللتفصیل موضع آخر.

ایک جماعت کا رجحان تدریس کی طرف تھا، جن میں مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی، مولانا عبدالمنان صاحب وزیر آبادی، مولانا حافظ محمد صاحب لکھوی اور مولانا عبدالقادر صاحب لکھوی رحمہم اللہ۔ وَسِوَاهُمْ خَلْقٌ لَا يُحْصُوْنَ.

بعض کا رجحان تصنیف و تالیف کی طرف تھا، مولانا شمس الحق صاحب ڈیانوی، مولانا عبدالرحمان صاحب مبارک پوری، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا حافظ محمد صاحب لکھوی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولانا احمد غزنوی رحمة الله عليهم أجمعين۔

بعض کا رجحان مناظرانہ تھا، مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولانا عبدالحکیم صاحب نصیر آبادی وغیرہم رحمہم اللہ۔

بعض وعظ و تقریر میں نابغۂ دوراں تھے، مولانا محمد علی بوپڑہ، مولانا محمد صاحب لکھوی اور مولانا عبدالوہاب ملتانی دہلوی وغیرہم رحمہم اللہ۔

شیخ کی جامعیت کے یہ تاثرات تھے جو تلامذہ میں مختلف طور پر پائے گئے۔ ہر ایک نے شیخ سے حسبِ استعداد اخذ کیا اور اسی تاثر کے ماتحت اپنے اپنے ماحول میں خدمت فرمائی۔ بنگال، سندھ، آسام وغیرہ ممالک کے تلامذہ کا مجھے علم نہیں، نہ ان کے اسمائے گرامی معلوم ہیں، نہ ان کے اعمال سے واقفیت۔ عرب میں شیخ سید محمد نصیف جدہ، شیخ عبداللطیف آل شیخ نجد، شیخ ابوبکر خوقیر مکہ مکرمہ، یہ حضرات مسلم دوست اور توحید و سنت کے خادم ہیں اور حضرت میاں صاحب کے علمی فیوض کے شاہد ہیں اور ان کے تلمذ پر نازاں۔

میاں صاحب کا اخلاص:

زیرِ طبع کتاب ''معیار الحق'' میاں صاحب نے ''تنویر الحق'' کے جواب میں لکھی تھی۔ یہ کتاب حضرت میاں صاحب کے ایک شاگرد محمد شاہ نے لکھی تھی، لیکن نواب قطب الدین صاحب مرحوم کے اسمِ گرامی سے شائع کی گئی تھی۔ محمد شاہ صاحب پاک پٹن ضلع منٹگمری کے رہنے والے ایک معمولی طالبِ علم تھے اور نواب قطب الدین صاحب مغفور مشہور عالم تھے اور میاں صاحب کے ہم سبق۔ بعض مصالح کی بنا پر یہ کتاب ان کے نام سے شائع کی گئی تھی، لیکن میاں صاحب نے اپنی رفعتوں سے بے نیاز ہو کر اپنے شاگرد کو مخاطب کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں فرمائی۔ آج کل ہمارے علماء کا یہ حال ہے کہ وہ کسی اپنے ہمسر سے بھی خطاب پسند نہیں فرماتے اور یہاں ایک معمولی شاگرد سے تخاطب میں بھی توہین کا احساس نہیں فرمایا گیا۔

حضرت کی متانت:

معیار الحق کا لب و لہجہ مصنف کی متانت اور سنجیدگی کا شاہد ہے، اس وقت کے تصنیفی انداز کو دیکھا جائے تو معیار الحق ٹھنڈی سنجیدہ کتاب ہے، حالاں کہ بحث و مناظرہ کی کتاب ہے، لیکن اس کا انداز محققانہ ہے۔ طعن و تشنیع کے بغیر نفسِ مسئلہ پر بحث فرمائی گئی ہے۔ اصل مسئلے میں کوئی خلا نہیں چھوڑا گیا۔ ہر تشنگی کو علمی حوالوں سے پورا کر دیا گیا ہے۔

معیار الحق کے لہجے کی پسندیدگی، دلائل کی فراوانی اور استدلال کی پختگی نے حضرت امام الہند خطیب الملک یگانۂ روزگار اپنے وقت کے بلند پایہ عالم مولانا ابو الکلام آزاد کو اتنا متاثر کیا کہ وہ اپنے آبائی خیالات کو خیر باد کہہ کر میاں صاحب کے ہمنوا ہو گئے، حالاں کہ مولانا کے والد بزرگوار حضرت مولانا

خیر الدین صاحب سخت قسم کے بریلوی تھے۔ وہ اپنی حنفیت کے سامنے مولوی احمد رضا خاں صاحب کی بریلویت کو بھی مشکوک سمجھتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کے خاندان سے علمی استفادے کے باوجود ان کے اصلاحی پروگرام پر تنقید فرماتے تھے، لیکن معیار الحق نے اس خاندانی مقلد اور غالی حنفی کو اپنی آغوشِ عاطفت میں تسکین بخشی۔ (ملاحظہ ہو: آزاد کی کہانی، ص: ۳۶۶)

میاں صاحب نے تقلید کی متعدد اقسام لکھیں، ہر ایک کے حکم کو واضح فرمایا۔ کسی کے مدح و ذم میں مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا۔ مولانا آزاد نے معیار الحق کے متعلق فرمایا کہ معیار الحق سنجیدگی اور دلائل کے لحاظ سے بہت وزنی تھی۔ فریقِ مخالف نے اس کے خلاف جو کچھ لکھا، اس میں وہ وزن نہ تھا۔ مولانا کے الفاظ کسی دوسری جگہ مذکور ہیں۔

حضرت کی امن پسندی:

میاں صاحب کا ذہن قطعاً تفریق پسند نہ تھا۔ دہلی شہر میں رہتے ہوئے اور تلامذہ کے حلقے میں بے حد وسعت کے باوجود میاں صاحب نے الگ جمعہ قائم نہیں فرمایا، بلکہ مدت العمر شاہی مسجد کے حنفی امام کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا فرماتے رہے۔ مغل دربار تک تعارف اور شناسائی کے باوجود جمعہ علاحدہ کرنا پسند نہ فرمایا۔ حضرت میاں صاحب کے انتقال کے بعد احناف کے تشدد اور عصبیت کی وجہ سے دہلی میں اہلِ حدیث اور احناف کے متعدد جمعے قائم ہو گئے۔

دہلی میں علماء کی کثرت تھی۔ مختلف مکاتبِ فکر کے جید علماء دہلی میں موجود تھے، لیکن کبھی کسی سے کسی اہم اور قابلِ ذکر آویزش کی اطلاع نہیں ملی۔ نہ مناظرہ بازی اور چیلنج پسندی کے آپ عادی معلوم ہوتے ہیں۔ میاں صاحب کے اسی مزاج کو بھانپ کر مرزا غلام احمد نے اپنی شہرت کے لیے دہلی میں یہ میدانِ مناظرہ گرم کیا۔ مرزا غلام احمد ایسے عوامی اور نمایش پسند آدمی کے لیے یہ بہترین راہ تھی۔ میاں صاحب نے اپنے وقار اور مقام کے لحاظ سے توجہ نہ فرمائی۔ اس اشتہار بازی اور مناظرہ پروری کی اطلاع پا کر مولانا محمد بشیر صاحب سہسوانی پہنچ گئے۔ حیاتِ مسیح پر مناظرہ شروع ہوا، مرزا صاحب مناظرہ درمیان میں چھوڑ کر واپس قادیان پہنچ گئے۔

ابتذال اور عوامیت:

معیار الحق، فتاویٰ نذیریہ اور بعض دوسری تصانیف سے معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب کے

ذوق میں ابتذال اور عوامیت نہ تھی۔ پوری کتاب علمی مباحث پر مشتمل اور اندازِ بیان علمی ہے، اسے عوامی بنانے کی کوشش نہیں فرمائی۔ علمی حلقے بھی اس سے متاثر ہو سکتے تھے اور ہوئے، حالاں کہ اس دور میں "جامع الشواهد في إخراج الوهابيين عن المساجد" اور "انتظام المساجد" ایسی مبتذل اور عامیانہ کتابیں شائع کی گئیں، مگر میاں صاحب کے ذوق پر ان کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ میاں صاحب کے تلامذہ اور متوسلین نے ان کے جواب نرم گرم ہر طرح دیے۔ جامع الشواہد ایسی گھٹیا کتاب کا بڑا متین جواب مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے جو اسی نام سے شائع ہوا۔[1] افسوس ہے کہ یہ متانت دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ بریلی، بدایوں، لدھیانہ اور دہلی کے علمی مراکز اس قسم کا ردی لٹریچر شائع کرنے لگے، علمی مسائل کو بازاری انداز سے شائع کیا جانے لگا۔ حضرت میاں صاحب کے انتقال کے بعد بلکہ ان کی حیات کے آخری ایام میں یہ وبا عام ہوگئی، نہ اہلِ حدیث حضرات اس سے بچے نہ بریلی اور دیوبند اس سے محفوظ رہے۔ علمی تدریسی مسائل بازار کا سودا بن کر عوام کے لیے بدگمانی اور سنجیدہ حضرات کے لیے مضحکہ کا موجب بنے۔

میاں صاحب کا تحمل:

۱۳۰۰ھ مطابق اکتوبر ۱۸۸۳ء میاں صاحب حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اتفاقاً مولوی رحمت اللہ کیرانوی مرحوم اور حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم اور مولانا خیر الدین صاحب مرحوم پہلے وہاں موجود تھے۔ کچھ اور علمائے کرام ہندوستان سے صرف اس لیے حجاز پہنچے کہ میاں صاحب کو وہاں گرفتار کروا دیں، اور رسالہ ''جامع الشواہد'' کا عربی ترجمہ کر کے ترکی کے گورنر کے سامنے پیش کیا، حالاں کہ وہ ان حضرات نے ہی یہاں شائع کروایا تھا۔ تعجب ہوتا ہے مذہبی تعصب کتنے بڑے بڑے اعاظمِ رجال کو ایسے کبائر پر آمادہ کر لیتا ہے، وہ ان غلط بیانیوں میں نہ اپنے مقام کو سوچتے ہیں اور نہ مستقبل کی بدنامی سے گھبراتے ہیں۔ اس کی تفصیل مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے ''اشاعۃ السنۃ''

---

[1] اس کے پہلے حصے کا نام "الكلام النباه في رد هفوات من منع مساجد الله" ہے اور دوسرے حصے کا نام "إبراء أهل الحديث والقرآن مما في جامع الشواهد من التهمة والبهتان" ہے۔ یہ کتاب حضرت حافظ صاحب غازی پوری کے دیگر گیارہ رسائل سمیت راقم الحروف کی تحقیق سے دار ابی الطیب گوجرانوالہ کی طرف سے ''مجموعۂ رسائل'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

(جلد نمبر ۶، ص: ۱۰، ۱۱) میں دی ہے اور ''الحیاۃ بعد المماۃ'' (ص: ۴۰۸) میں بھی موجود ہے۔ گورنر ترکی کو جب حقیقتِ حال کا علم ہوا تو میاں صاحب کو باعزت بَری کر کے اپنی نگرانی میں مدینہ منورہ بھیجا، ان حضرات کو سخت تنبیہ کی، لیکن میاں صاحب مرحوم نے اس کے متعلق کوئی انتقامی کارروائی نہ وہاں کی اور نہ واپس دہلی آ کر کسی رنج کا اظہار فرمایا، بلکہ صفح جمیل پر عمل فرمایا، حالاں کہ یہاں پہنچ کر انتقامی طور پر بہت کچھ کیا جا سکتا تھا، لیکن اس خیرِ مجسم نے کسی انتقامی کارروائی کے لیے آمادگی کا اظہار نہ فرمایا۔

أُولٰئِكَ آبَائِيْ فَجِئْنِيْ بِمِثْلِهِمْ إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ الْمَجَامِعُ

''معیار الحق'' کی اشاعت:

میاں صاحب کا عام مشغلہ درس و تدریس تھا۔ تنویر الحق کی اشاعت کے بعد ضرورتاً اس موضوع پر قلم اُٹھایا اور مسئلے کے ہر پہلو کو واضح فرمایا، اس کا اثر علمی حلقوں پر شدید ہوا۔ مخالف بہت سٹ پٹائے۔ انصاف پسند لوگوں نے سنجیدگی سے اس بات پر غور کیا کہ جب قرآنِ عزیز اُتر رہا تھا اور آنحضرت ﷺ اس کی تبلیغ اور تشریح میں مشغول تھے، اس وقت ائمۂ مجتہدین، جن کے مذاہب مروج ہیں، موجود ہی نہ تھے، بلکہ پیدا نہ ہوئے تھے، ان کی تقلید واجب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور جب ائمہ پیدا ہوئے، ان کے علوم اور فیوض سے دنیا متعارف اور متاثر ہوئی، اس وقت فرضیت اور وجوب کا زمانہ گزر چکا تھا۔ پیغمبر کے سوا کسی کو استحباب کا بھی حق حاصل نہیں، فرض، واجب تو بڑی چیز ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ اور تابعین کے وقت ایسے مجتہد، صلحاء اور اتقیاء کی جماعت موجود تھی، نہ انھوں نے اپنی تقلید کے لیے دعوت دی نہ آنحضرت ﷺ نے ان کی تقلید کے لیے اشارہ فرمایا اور فرضاً کوئی اشارہ ہے تو انھیں چھوڑ کر مفضول کو بلا وجہ کیوں ترجیح دی جائے؟!

مسئلہ بڑا صاف تھا، اس لیے خواص کیا، عوام نے بھی اس سے اثر لیا۔ اس اثر کی تلافی کے لیے معیار الحق کے جواب میں اس وقت جہاں تک میرا خیال ہے، دو کتابیں شائع کی گئیں، ارشاد الحق مولفہ مولانا ارشاد الحق صاحب رام پوری اور انتصار الحق مولفہ مولانا ارشاد حسین رام پوری۔[1] پہلی

[1] یہاں کتابوں کے نام میں مولف رحمہ اللہ کو کچھ تسامح ہوا ہے۔ معیار الحق کے جواب میں دو کتابیں شائع ہوئی تھیں: ① انتصار الحق از مولانا ارشاد حسین رامپوری۔ ② مدار الحق از محمد شاہ پنجابی۔ جن کے جواب میں حضرت میاں صاحب کے تلامذہ نے چار کتب لکھیں: ① براہین اثنا عشر از مولانا امیر حسین سہسوانی ② تلخیص الانظار از مولانا احمد حسن دہلوی ③ البحر الزخار از مولانا شہود الحق عظیم آبادی ④ اختیار الحق از مولانا احتشام الدین مراد آبادی رحمہم اللہ۔

کتاب میری نظر سے نہیں گزری، اس کے متعلق مولانا آزاد فرماتے ہیں:

''اسی زمانے میں معیار الحق دیکھی اور اس کا جواب ارشاد الحق مولفہ مولانا ارشاد الحق صاحب رام پوری کا، اور مجھ پر معیار الحق کی سنجیدہ اور وزنی بحث کا بہت اثر پڑا اور صاحبِ ارشاد الحق کا علمی ضعف صاف صاف نظر آ گیا۔''

(مولانا آزاد کی کہانی خودان کی زبانی، ص: ۳۶۶ مولفہ عبدالرزاق صاحب)

انتصار الحق اس وقت میرے سامنے ہے، مولانا ارشاد حسین صاحب نے لکھی، لیکن مولانا اس پتھر کو نہیں اٹھا سکے جو معیار الحق نے ان کی راہ میں ڈال دیا تھا۔ مولانا مرحوم نے تشقیق فرما کر مسئلے کو اُلجھانے کی کوشش فرمائی ہے، لیکن وہ مسئلے کے منہ پر تشکیک کا غبار بھی نہیں ڈال سکے۔ ویسے یہ کتاب معیار الحق سے بڑی تقطیع پر شائع ہوئی ہے، اس سے ضخیم بھی زیادہ ہے۔

بتدریج یہ مسئلہ مجلسی اور عوامی ہو گیا ہے۔ ہر طرف سے عامیانہ انداز میں اس پر گفتگو ہونے لگی، ہر فریق نے جذباتی طور پر عوام کو اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا۔ متون اور شروحِ فقہ کی بعض جزئیات کو اشتہاری صورت میں عوام کے سامنے رکھا گیا۔ ہر فریق نے عوامیت اور ابتذال کی راہ اختیار کی، جس کی بدولت یہ نزاع انگریزی عدالتوں تک پہنچ گئی۔ مساجد سے اخراج تک کی نوبت آئی۔ دونوں طرف کے اہلِ علم خالص دینی مسئلے کے لیے خالص کفر کی عدالتوں میں پہنچ گئے، اس ہنگامے کی صدائے بازگشت پریوی کونسل تک اثر انداز ہوئی، اس صورت پر کسی فریق کو بھی فخر مناسب نہیں۔ ''اَلْبَادِيْ أَظْلَمُ'' درست ہے، لیکن ''فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ''، بھی آخر قابلِ فخر مقام ہے۔

معیار الحق مدت ہوئی بازار سے غائب تھی۔ برادرِ عزیز مولانا محمد حنیف صاحب یزدانی قصوری کی توجہ قابلِ صد ستایش ہے۔ انھوں نے اس قیمتی کتاب کی اشاعت کے لیے کمرِ ہمت باندھی۔ ضرورت تھی کہ کتاب ایڈٹ کی جاتی۔ اس پر تھوڑی سی محنت کی جاتی۔ کتابوں کے حوالے بقیدِ صفحات دیے جاتے۔ عربی عبارات کے تراجم سلیس زبان میں ہوتے۔ میاں صاحب نے جو نسخہ طبع فرمایا تھا، میں نے سنا ہے اس میں تراجم بالکل نہ تھے۔ میں نے جو نسخہ دیکھا ہے اس میں کچھ تراجم ہیں، لیکن ان کی زبان صاف نہیں۔ خدا کرے مولانا یزدانی نے ان تمام ضرورتوں کا احساس فرما لیا ہو اور کتاب

عمدہ کاغذ، عمدہ طباعت اور سلجھے انداز سے بازار میں آئے۔ جو بھی صورت ہو، کتاب کی طباعت مغتنم ہے۔ یہ علمی میراث ہے، اسے ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

میں اُمید رکھتا ہوں کہ اگر کچھ مدت ان مباحث اور مناظرات کو رہنا ہے تو یہ ابتذال، تمسخر، استہزا اور استحقار کا انداز ختم ہو جائے۔ علمی مباحث منجھے ہوئے انداز میں علماء کے سامنے آئیں۔ علماء اور اربابِ علم ان پر غور کریں۔ عوام جھگڑوں کے بجائے عملی زندگی کو درست کرنے کی کوشش کریں۔

اب ضرورت ہے کہ "الحیاۃ بعد المماۃ" کی اشاعت اچھے انداز پر کی جائے۔ اس میں کچھ مباحث کا اضافہ ہو۔ پڑھنے والا محسوس کرے کہ یہ ایک محدث کی سوانح ہے۔ اُمید ہے کہ آل پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس اس کی طرف توجہ دے گی۔ کراچی میں اس کا جو نسخہ شائع ہوا ہے، اسے دیکھ کر شرم بھی محسوس ہوتی ہے اور دُکھ بھی ہوتا ہے۔ ان جواہر پاروں کو صرف مالی منفعت سے شائع نہیں کرنا چاہیے۔ پاکباز بزرگ ہمارے اسلاف ہیں، وہ ہماری دکان کا سامان نہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، إِنْ أُرِيْدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ، وَمَا تَوْفِيْقِيْ إِلَّا بِاللّٰهِ.

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

شعبان المعظم ۱۳۸۴ھ

اکمل البیان

(تالیف: حافظ عزیز الدین مراد آبادی۔ ناشر: مکتبہ سلفیہ لاہور۔ ۱۹۶۵ء)

قدرتِ الٰہیہ کی نیرنگیوں پر تعجب ہوتا ہے۔ انسان کچھ سوچتا ہے، اس کی بصیرت مستقبل کے متعلق اپنی صوابدید سے فیصلے کرتی ہے، لیکن قدرت کا بے نیاز ہاتھ انھیں بدل کر رکھ دیتا ہے۔

آج سے قریباً ڈیڑھ سو سال پہلے (متحدہ) ہندوستان سے ایک تحریک اُٹھی، جس کی قیادت حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ (۱۲۴۶ھ۔ ۱۸۳۱ء) اور مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ (۱۲۴۶ھ۔ ۱۸۳۱ء) نے فرمائی۔ ان کے سامنے دو مقصد تھے، ہندوستان میں ایسے نظام کا قیام و نفاذ جس کی اساس قرآن و حدیث پر ہو اور قرآن و سنت کے فہم میں جمود اور توحیدِ خالص کے راستے میں حائل بدعات و رسوم کو ہٹا کر اس کی تعلیمات کو شائع کرنا۔ پہلا مسئلہ دین کے ساتھ سیاسی بھی تھا، اس لیے اس کے پورے ماحول پر سیاست محیط ہو گئی۔ انگریز، سکھ، افغان اور ہندوستان کے اہلِ بدعت سب ہی اس سے خائف تھے اور اس کے عواقب کے منتظر۔ یہ اربعہ عناصر باہم دیگر بعض شدید اختلافات کے باوجود اس تحریک کو ناکام کرنے کے لیے متفق تھے۔ انگریز اور سکھ تو کھلے میدانِ جنگ میں نبرد آزما تھے۔ افغان غداریوں میں مشغول اور شرک پسند اور خوگرانِ بدعت ہندوستانی حضرات کفر کے فتوؤں کی بھرمار کرنے میں مصروف تھے۔

معرکۂ بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ۔ ۱۸۳۱ء) کے سانحۂ جان گداز کے بعد یہ تحریک مختلف صورتوں اور قیادتوں کے تحت ایک صدی سے زائد عرصہ تک چلتی رہی اور پاکستان بننے تک شمال مشرقی سرحد پر انگریز کو ہمیشہ پریشان رکھا، مگر افسوس کہ اندرونی پریشانیوں اور بیرونی سازشوں کی وجہ سے اس مقدس تحریک کا یہ پہلو عملی طور پر کافی کمزور رہا۔

دوسرے مقصد کے لیے مولانا محمد اسماعیل شہید۔قدس اللہ روحہ۔ نے کتاب "تقویة الإیمان"

اور "تذکیر الإخوان"، لکھیں اور شائع فرمائیں۔ "تذکیر الإخوان" گو دوسرے کے نام سے شائع ہوئی، مگر تحریک کی معنویت کو سمجھنے والے جانتے ہیں کہ تذکیر، تقویۃ الایمان کا ہی دوسرا حصہ ہے۔ دونوں کتابیں کلمۂ توحید کی وضاحت ہیں۔ پہلا حصہ لا الٰہ الا اللہ کی تشریح اور دوسرا محمد رسول اللہ کی توضیح۔ دونوں کتابوں کی بڑی کثرت سے اشاعت ہوئی۔ ان کی روشنی نے لاکھوں دلوں کو منور کیا اور کروڑوں مردہ روحوں کو ان سے اللہ تعالیٰ نے زندگی بخشی۔ تحریک کا یہ پہلو کافی کامیاب رہا۔ سمجھنا چاہیے کہ توحید و سنت کی اشاعت اور جمود کے خلاف ہزاروں زبانیں جو نغمہ سرا ہیں، انھیں کی بدولت ہیں۔ تقویۃ الایمان کی زبان، اندازِ بیان، پھر نصوصِ قرآن و حدیث کے مضامین کی دلنواز چاشنی نے فضا کو ایسا مسحور اور اذہان کو اتنا متاثر کیا کہ ہزارہا دلوں نے اس کی تعلیمات کو قبول کیا۔ چناں چہ لاکھوں کی تعداد میں یہ کتاب ہر سال شائع ہوتی اور گھروں میں پڑھی جاتی ہے۔

اس دنیا کا مزاج ایسا ہے کہ بعض عناصر اچھی سے اچھی چیز کی مخالفت پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ تقویۃ الایمان کی مخالفت میں بدایوں اور بریلی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اسی کیمپ کے ایک مراد آبادی بزرگ مولوی نعیم الدین نے (جن کا انتقال ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۸ء میں ہوا) تقویۃ الایمان کی تردید میں پھر ایک کتاب لکھی، جس کو مخالف کیمپ نے بہت اُچھالا۔ شاید اس لیے کہ یہ تالیفِ لطیف سب وشتم کے مسالے سے چٹ پٹی اور مغالطوں سے بھرپور تھی۔ مولوی نعیم الدین نے اپنے زعم میں "مدلل" کرنے کا اپنا حق خوب استعمال فرمایا ہے، جس سے تقویۃ الایمان اور عقیدۂ توحید کی قرآنی اور نبوی تشریح میں شکوک اور شبہات خام علموں اور ناواقفوں کے لیے اُبھر سکتے تھے۔

اندریں حالات حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم (متوفی ۱۳۶۷ھ۔ ۱۹۴۸ء) نے ضرورت محسوس فرمائی کہ اس کے اغلاط کو رفع اور مغالطات کا پردہ چاک کیا جانا چاہیے۔ چناں چہ مرحوم کی مردم شناس نگاہ نے مراد آباد ہی کے ایک صاحبِ علم بزرگ جناب مولانا عزیز الدین صاحب (مرحوم) کا جواب کے لیے انتخاب فرمایا۔ مولانا جواب لکھ کر اخبار "اہلِ حدیث" میں طبع کراتے رہے، جس کا سلسلہ کئی سال جاری رہا۔ بعدہ کافی عرصہ تک اخبار میں سلسلۂ طباعت بند رہا، لیکن معلوم ہوتا ہے مولانا عزیز الدین رحمہ اللہ نے جواب کی تکمیل کر دی تھی، مگر خدا جانے کیا موانع پیش آئے کہ کتاب طبع نہ ہو سکی، تا آنکہ پاکستان بن گیا۔ مولانا مرحوم امرتسر سے سرگودھا پہنچ گئے اور پریشانیوں

میں ۱۹۴۸ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ.

ممکن ہے ان کو پتا نہ ہو کہ جو کام انھوں نے شروع کرایا تھا، وہ کہاں تک پہنچا۔ قیامِ پاکستان کے بعد دونوں منطقوں کے اربابِ اقتدار میں کشیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ دونوں کے سیاسیات الگ ہو گئے۔ آنا جانا بند ہو گیا۔ ۱۹۴۸ء کے انھی ایام میں مولف مرحوم بھی انتقال فرما گئے۔ تَغَمَّدَهُ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ۔ یہ ہیں جو میں نے شروع میں کہا ہے، قدرتِ الٰہیہ کی نیرنگیاں کہ دونوں بزرگ رخصت ہو گئے اور کتاب طبع نہ ہو سکی ؎

مَا كُلُّ مَا يَشْتَهِيهِ الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

برادرم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کا ذوقِ تلاش وجستجو قابلِ داد ہے۔ معلوم نہیں، کس طرح وہ مولانا عزیز الدین مرحوم کے اعزہ سے کتاب کا مسودہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انھوں نے چند سال ہوئے مسودہ مجھے دکھایا اور اس کی طباعت و اشاعت کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت کی۔ مجھے ان کی تجویز پسند آئی، مگر ہوشربا گرانی کے اس دَور میں ایسی ضخیم کتاب کی طباعت کے لیے ہزاروں روپے درکار ہوتے ہیں۔ بہر حال میں نے اپنے احباب سے ذکر کیا تو انھوں نے بہترین تعاون پیش فرمایا۔ چناں چہ اس سلسلے میں عزیز محترم میاں مہر محمد افضل صاحب آڑھتی (گوجرانوالہ) نے مصارف میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ میاں محمد افضل صاحب کاروباری ہونے کے باوجود علم دوست، توحید وسنت کے شیدائی اور اُن کی تبلیغ و اشاعت سے شغف رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اخلاص کی دولت اور توحید وسنت کی محبت سے مزید بہرہ ور فرمائے۔ دوسرے معاون اس میں میاں عبدالعزیز صاحب انصاری (چاہ چوہاناں گوجرانوالہ) ہیں۔ میاں عبدالعزیز بھی جماعتی اشاعت کے کاموں سے خاصی دلچسپی رکھتے ہیں۔ جَزَاهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ.

''اکمل البیان'' سب مراحل طے کر کے بتوفیقہ تعالیٰ شائقین کے ہاتھوں پہنچ رہی ہے۔ مولف مرحوم نے محنت فرمائی۔ مولانا امرتسری مرحوم نے ان کو توجہ دلائی۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو کروٹ کروٹ اپنی رحمت سے نوازے۔ محبی مہر محمد افضل اور میاں عبدالعزیز نے اس کی طبع و اشاعت میں ہاتھ بٹایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مال و کاروبار میں مزید برکت اور اخلاص کے ساتھ خدمتِ دین کی توفیق مرحمت فرمائے۔ میں دونوں دوستوں کا شکر گزار ہوں۔

آخر میں مجھے برادرِ محترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (مدیر المکتبہ السّلفیہ، لاہور) کا شکریہ ادا کرنا ہے، جنھوں نے نہایت تنگ و دو سے اپنے موضوع پر ایک بہترین کتاب مہیا کی۔ پھر باریک خط کے آٹھ سو صفحات پر دیدہ ریزی سے نظرِ غائر ڈالی، اس کی ممکن اور مناسب تصحیح و تصویب فرمائی، ضروری حوالجات کی طرف مراجعت پر وقت صَرف کیا، مواضعِ مہمہ پر مختصر علمی و تحقیقی حواشی لکھے اور امکانی حد تک اس کو مُعنوَن و مرتب بھی کر دیا، کیوں کہ ساری کتاب میں غالباً عنوان نہیں تھے، جس سے استفادے میں دقت ہوتی، جو بحمد اللہ اب نہیں رہے گی۔ یہ سب عرق ریزی محترم رفیق موصوف کی توحید و سنت سے محبت اور مسلکِ اہلِ حدیث سے والہانہ شغف کا نتیجہ ہے کہ کتاب بہتر طباعت اور ممکن تصحیح کے ساتھ حاملینِ توحید کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ درحقیقت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف کا بھی جماعت اہلِ حدیث، بلکہ جملہ اہلِ توحید پر یک گونہ احسان ہے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

ناسپاسی ہوگی اگر مولوی حافظ عبدالرحمان گوہڑوی (منتظم المکتبہ السّلفیہ) کا شکریہ ادا نہ کیا جائے کہ طباعتی معاملات میں ان کی مساعی مولانا کے ہم رکاب رہیں اور ان کی دلچسپی سے بعض مشکلات کے حل میں مدد ملی۔ ان کی ترقیِ درجات دینی و دنیاوی کے لیے میری دعا ہے!

اللہ تعالیٰ قابل مولف اور باقی تمام معاونین کو ان کے اعمالِ خیر کا بہتر بدلہ دے اور ہم سب کو توحید و سنت کی اشاعت کے لیے مزید توفیق عنایت فرماتا رہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

خطیب جامع مسجد اہلِ حدیث گوجرانوالہ

شعبان ۱۳۸۴ھ = دسمبر ۱۹۶۴ء

تذکارِ فاخر:

مجموعہ نور السنۃ وقرۃ العین در اثبات سنتِ رفع الیدین

(تالیف: مولانا محمد فاخر زائرؔ الہ آبادی۔ ناشر: جمعیت اہلِ حدیث، گوجرانوالہ۔ ۱۹۵۹ء)

نام: محمد فاخر۔ والد: محمد یحییٰ۔ تخلص: زائرؔ۔ مسکن: الہ آباد۔ پیدایش: ۱۱۲۰ھ۔ انتقال: ۱۱۶۴ھ۔

شیخ کے خاندان میں بیعت و ارشاد کا سلسلہ قدیم سے جاری تھا، لیکن مشیخت کی بدعات سے نفرت تھی۔ ضروری علوم میں اپنے والد اور اپنے بڑے بھائی شیخ محمد طاہر سے استفادہ فرمایا اور مسندِ تدریس و تعلیم کو زینت بخشی۔ ۱۱۴۹ھ میں سفرِ حج اختیار فرمایا اور حرمِ محترم میں شیخ محمد حیات سندھی سے حدیث اور علومِ حدیث حاصل فرمائے، اور مدینہ طیبہ ہی وہ سرچشمہ ہے جس سے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے علومِ حدیث کا استفادہ فرمایا اور حجاز ہی کی بابرکت تربیت کا اثر ہے کہ حضرت شاہ صاحب جمود و تقلید کے قائل ہیں اور نہ ہی علامہ شیخ محمد فاخر۔

حج کے لیے دوسرا سفر ۱۱۵۴ھ میں اختیار فرمایا اور سورت کے قریب مرہٹوں کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ کتابوں کے سوا تمام سامان غارت کر دیا گیا۔ شیخ کا اس قدر احترام ضرور کیا کہ اپنی سواری دے کر انھیں شہر سورت میں پہنچا دیا۔ شیخ ۱۱۵۶ھ میں یہیں سے حجاز کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ جہاز بھی تباہ ہو گیا، لیکن شیخ بندر فحا میں چند روز قیام فرما کر اسی سال حجاز بخیریت پہنچ گئے۔ ۱۱۵۹ھ میں وطن واپس آ گئے، پھر ۱۱۶۰ھ میں سفرِ حرمین کا ارادہ فرمایا، لیکن کامیابی نہ ہوئی اور واپس آ گئے، پھر ۱۱۶۴ھ میں زیارتِ حرمین کے لیے تیار ہوئے اور بعارضہ سرسام بیمار ہو گئے اور اسی سال بعمر ۴۴ سال انتقال فرمایا۔ تاریخِ پیدایش "خورشید"، تاریخِ انتقال "زوالِ خورشید" ہے۔

شیخ نے بچپن میں اپنے جدِ امجد شیخ محمد فضل سے بیعتِ طریقت فرمائی، انھوں نے تربیت کے لیے ان کے والد بزرگوار شیخ محمد یحییٰ کے سپرد فرمایا۔

مسلک اہلِ حدیث:

شیخ مسلکاً اہلِ حدیث تھے۔ ائمۂ دین سے انتہائی محبت کے باوجود مروجہ تقلید کو سخت ناپسند فرماتے، اسی ناپسندیدگی کا تذکرہ ان کے اکثر اشعار میں ملتا ہے ؎

بقول مصطفیٰ زائر ز رائے دیگراں ماندم شہود یار مانع گردد از اغیار عاشق را

[اے زائر! محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان کے ہوتے ہوئے میں دوسروں کی رائے کی طرف بالکل بھی توجہ نہیں دیتا، معشوق کی موجودگی میں عاشق دوسروں سے بے نیاز ہو جاتا ہے]

کنند گور پرستاں زیارت زاہد کہ زیر گنبد دستار زندہ درگورست

[گور پرست کسی درویش کی زیارت کرتے ہیں کہ گنبد کے نیچے دستار زندہ درگور ہے۔]

زائر ز رائے قوم نیست بہرہ مرا علم حدیث کرد ز خود بےخبر مرا

[اے زائر! قوم کی رائے سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے، علمِ حدیث نے تو مجھے اپنے آپ سے بھی بے خبر کر دیا ہے]

زائر از کشکول اہل رائے نتواں لقمہ خورد برسرِ خوان رسول اللہ مہمانیم ما

[اے زائر! اہلِ رائے کے کشکول سے لقمہ نہیں کھایا جا سکتا، ہم تو رسول اللہ ﷺ کے دستر خوان کے مہمان ہیں]

زائر کہ مایہ اش از سنت نبی است محتاج اعتقاد ز علم الکلام نیست

[اے زائر! اس (دستر خوان) پر سنتِ نبوی پیش کی جاتی ہے جو علم الکلام پر اعتقاد رکھنے کی محتاج نہیں ہے]

از احادیث رسول آوردہ ام اسرار دیں نیست غیر از گوہر شہوار در دکان ما

[میں نے احادیثِ رسول ہی سے دین کے اسرار سیکھے ہیں، ہماری دکان میں شاہی موتیوں کے سوا کوئی چیز نہیں ہے]

جز سنتش نماندہ رہ و رسم قیل و قال زائر تمام دفتر بدعت دریدہ است

[اے زائر! نبی کریم ﷺ کی سنت کے سوا تمام رہ و رسم اور قیل و قال ختم ہو گئے، بدعات کے تمام رجسٹر پھاڑ دیے گئے]

زائر چہ غم از کش مکش زمرہ تقلید سلطان رسل گر سرما داشتہ باشد

[اے زائر! جب ہم سید الانبیاء ﷺ کی اطاعت میں بندھے ہوئے ہیں تو تقلیدی برادری کی کش مکش کی ہمیں کیا فکر ہے؟]

نمے دہند اطبا دوائے درد گناہ بخاک سنت اگر میروی شفا باشد

[طبیب لوگ دردِ گناہ کی دوائی نہیں دیا کرتے، اگر تو خاکِ سنت کو لے لے تو تُو شفا یاب ہو جائے گا]

زائر بہار باغ جمال پری رخاں با شاہد حدیث برابر نمے کند

[اے زائر! خوبصورت لوگوں کے حسن و جمال کی بہار حدیث کی موجودگی کے برابر نہیں ہوسکتی]

ز رائے قوم نہ شد نور ظلمت زائر بیا بیا کہ بعلم حدیث چارہ کنیم!

[اے زائر! لوگوں کی رائے سے اندھیروں میں نور نہیں آ سکتا، آ، آ ہم علمِ حدیث کے حصول کے لیے چارہ جوئی کریں]

اس دور کے اکثر علماء تقلید کے جمود سے متنفر تھے۔ یہ داعیہ دسویں صدی ہجری کے بعد اہلِ علم میں عام معلوم ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سرہندی کے مکتوبات میں بھی ارشادات پائے جاتے ہیں۔ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور اُن کے ابنا و احفاد کے ارشادات اور تصانیف سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ائمۂ دین سے وابستگی کا یہ جامد انداز، جس کی دعوت آج کل دیوبندی مکتبِ فکر اور بریلوی حضرات کی طرف سے دی جا رہی ہے، درست نہیں۔ علماء کے لیے تو ویسے ہی شرعاً ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کریں اور عوام بے چارے تو حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی نزاع سے ویسے ہی بے خبر ہیں۔ "اَلْعَامِيُ لَا مَذْهَبَ لَهُ" عوام کا کوئی مذہب نہیں، وہ بیچارے ان تفصیلی تنازعات سے بے خبر ہیں جو فروعی مسائل میں پائے جاتے ہیں۔ ان کو حنفی، شافعی کہنا بالکل بے معنی ہے۔ ان کو اسی غیر معلوم تقلید میں تقلیداً جھگڑنا دینِ اسلام کی وسعتوں کو

بلا وجہ سکیڑنے کے مترادف ہے۔ عوام کو اجازت ہونی چاہیے کہ وہ علماء کی طرف رجوع کریں اور جو مسلک مصالحِ وقت کے مطابق ہو اور قرآن و حدیث و تعاملِ سلف سے مدلل ہو، اس پر عمل کرنے کی ان کو اجازت دی جائے، بلکہ پاکستان ایسے ملک میں اس وسعت کو آئینی حیثیت دی جانی چاہیے، مختلف مسالک میں اس سے اتفاق ہو سکے گا۔

مصنف کا مقام:

مصنف کے دیوان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف توحید و سنت کے بے خوف داعی ہیں، وہ مروجہ جمود و تقلید پر بے لاگ تنقید فرماتے ہیں، جس میں بسا اوقات تلخی بھی نمایاں ہوتی ہے۔ مآثر الکرام میں آزاد بلگرامی (۱۲۰۰ھ) نے اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ مرزا مظہر جانِ جاناں فرماتے ہیں:

''بسیارے از کبراء دین را مشاہدہ نمودم بعد از یازدہ صد سال یک شخص کہ عبارت از شیخ محمد فاخر است موافق کتاب و سنت دریافتم'' (مآثر الکرام: ۲/ ۲۱۸)

''میں نے بڑے بڑے آدمیوں کو دیکھا، گیارہ سو سال کے بعد شیخ محمد فاخر کو دیکھا، میں نے ان کو کتاب و سنت کے موافق پایا۔''

''بسا اربابِ کمال را برخوردم آں قدر کہ نزدیک شیخ محمد فاخر ارزاں شدم ہیچ جا اتفاق نیفتاد'' (مآثر الکرام: ۲/ ۲۱۸)

''بڑے بڑے باکمال احترام سے میرے سامنے جھکتے تھے، لیکن شیخ محمد فاخر کے پاس میں بہت ہی ارزاں رہا۔''

آزاد بلگرامی فرماتے ہیں:

''یعنی میرزا برخلاف وضع خود بہ ملاقات شیخ محمد اکثر می رسیدہ''

''مرزا مظہر جانِ جاناں اپنی عادت کے خلاف مولانا فاخر الہ آبادی کی ملاقات کے لیے خود جایا کرتے تھے۔''

شیخ محمد فاخر زائر عربی اور فارسی شعر و سخن میں بہت زیادہ دسترس رکھتے تھے، ان کا دیوان بھی ہے، جس کا خلاصہ نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے ''نفح الطیب'' اور ''الروض الخضیب'' وغیرہ میں دیا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ حضرت علامہ فاخر کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"وَقَدْ كَانَ الشَّيْخُ الْأُسْتَاذُ مُحَمَّدٌ فَاخِرٌ الْمُحَدِّثُ رحمہ اللہ يَكْرَهُ ذٰلِكَ (الْمَسْجِدَ عِنْدَ الْقَبْرِ) مُسْتَدِلًّا بِمَا عِنْدَ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ"

(تفسير مظهري، سورة الكهف: ٦/ ٢٢)

"علامہ استاد محمد فاخر محدث قبر کے پاس مسجد بنانا ابو الہیاج کی حدیث کی بنا پر ناپسند فرماتے تھے۔"

قاضی صاحب مسلک کے لحاظ سے انصاف پسند اور غیر جامد حنفی ہیں، لیکن شیخ محمد فاخر ایسے اہلِ حدیث کا کس احترام سے ذکر فرمایا، پھر ان کی رائے سے اختلاف بھی پورے احترام سے فرمایا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آج کل حضراتِ دیوبند اپنے اکابر کی روش چھوڑ چکے ہیں، وہ اہلِ حدیث کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

نور السنۃ:

یہ کتاب "سفر السعادۃ" مصنفہ مجد الدین فیروز آبادی کا مختصر اور منظوم ترجمہ ہے، جس میں سنت کے مطابق نماز کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کتاب اس قابل ہے کہ اہلِ حدیث کے ابتدائی مدارس میں اسے بچوں کو پڑھایا جائے۔ یہ کتاب ۱۲۹۶ھ میں شائع ہوئی تھی، پھر ناپید ہوگئی اور اب نایاب ہو رہی تھی۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اسے شائع کیا جائے، اس سے مآثرِ سلف کا احیا بھی ہوگا اور بچوں کو مسنون الفاظ کا بھی علم ہوگا۔

قرۃ العین:

یہ بھی حضرت مولانا فاخر الہ آبادی کی منظوم تصنیف ہے، جس میں مسئلہ رفع الیدین کے متعلق تحقیق فرمائی گئی ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جاتا ہے، اس کی حقیقت بھی واضح فرمائی گئی ہے۔ یہ مسئلہ دلائل کے لحاظ سے اس قدر مضبوط ہے کہ اس کے خلاف جو قدم بھی اُٹھایا گیا ہے، آج تک نہ اس میں کامیابی ہوئی ہے اور نہ ہی مخالفینِ رفع کو اس پر اطمینان ہوا۔ غالباً جمود کے سوا اس کے خلاف کوئی چیز نہیں پائی گئی۔

مرزا مظہر جانِ جاناں مسلکاً حنفی ہونے کے باوجود سینے پر ہاتھ باندھتے تھے، امام کے پیچھے

سورت فاتحہ پڑھنے کو قوی سمجھتے تھے اور تشہد میں انگشتِ سبحہ سے اشارہ فرماتے تھے۔ (أبجد العلوم: ۳/ ۹۰) حالاں کہ یہ مسائل ثبوت کے لحاظ سے رفع الیدین کی احادیث کے ہم پایہ نہیں۔

"قرۃ العین" اسی موضوع پر مختصر اور جامع کتاب ہے۔ ہم اسے "نور السنۃ" کے ساتھ شائع کر رہے ہیں، اس لیے کہ یہ بھی اس کا ایک جز ہے اور اُن مسنون اعمال سے ہے جن پر عوام کو عمل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

(مآخذ ترجمہ: مآثر الکرام، ص: ۲۱۸، ۲۱۹، اتحاف النبلاء، ص: ۴۰۴، تقصار جیود الاحرار، ص: ۱۱۵)

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

۲۰ جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ = یکم جنوری ۱۹۵۹ء

المرآة لطرق حديث من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة

(تاليف: علامه بديع الدين شاه راشدى سندھى رحمه الله۔ غير مطبوع)

بسم الله الرحمن الرحيم

حمداً لك يا من أسندت حديثك إلى الأنبياء، وأوحيت أنواع الذكر من عبادك على من تشاء، و وفقت الخلف العدول ليحفظوا علوم السلف فتصعد إلى عنان السماء. اللهم فسلم عليهم ما دام انتحال الأغبياء وتحريف السفهاء، وما دام والذب عن حظيرة السنة ديدن العلماء وحلية الفقهاء.

وبعد: فقد رأيت الكراسة الوجيزة المسماة بالمرآة التي ألفها أخونا الثقة الشيخ الأستاذ السيد بديع الدين السندي الذي فرع شجرة العلم، وثمر الدوحة الرشدية، لا زالت شموس علمهم ضاحية داهرة. ذكر فيها طرق حديث جابر المتفق على ضعفها؛ فتكلم الشاب الفاضل على طرقه الشاردة، وأتى على نظر رجاله التي تدور رحى الإسناد عليها، كما هو دأب أئمة الحديث. وهو -أطال الله عمره- من الذين خلقوا له؛ وإن هذا العلم يحمله من كل خلف عدوله، ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه، فتكلم على طريق رواية الإمام المقدام أبي حنيفة النعمان رحمه الله، وأتى بما قيل فيه جرحا وتعديلا، وما ذكره قليل من كثير، وقد ذكر كل ذلك الخطيب في تاريخ بغداد، و أبو عمر ابن عبد البر في جامع بيان العلم وفضله و غير ذلك من كتب الرجال، وليس هو -عافاه الله- أبا عذرة، وهل على الناقل إلا تصحيح النقل.

وأنا مثل إخواني من طلبة الحديث و خدامه، سجيتي الأدب مع الأئمة، خمرت على ذلك كما خمروا، لا أحب التوسع في المقال عليهم في ذلك؛ لأن اتفاق أئمة الحديث على ضعف جميع طرقه يكفي في ذلك، ومع هذا أظن أن ذكر بعض ما تكلموا فيه لا يخلو عن الفائدة.

فإن إخواننا المقلدين قد زكت أذهانهم ورق إحساسهم في أئمتهم، إذا ذكر كلام الأئمة فيهم اتهمونا بسوء الأدب وإساء ة الظن بالأئمة، بل صاروا غوغاء لا يسمعون لنا معذرة؛ كأنهم لا يخافون في مؤمن إلا ولا ذمة.

وإذا سبوا الأئمة، وأخذوا من عز الشافعي، وشتموا أبا جعفر محمد بن عمرو العقيلي و ابن عدي و الخطيب و ابن حجر، و عابوا على البخاري، وجهلوا الشوكاني، و وهنوا أعمال خدام الحديث صار ذلك عندهم وعند أتباعهم تحقيقاً جديداً وحقيقة واثقة، وحصل لهم بذلك أريحية، وصاح مرتجزهم بأن الشيخ أتى بما لم يأت الأوائل.

وإن شئت أن ترى نماذج ذلك فانظر إلى مقدمة الزيلعي للشيخ محمد زاهد الكوثري، و فيض الباري للشيخ المغفور محمد أنور الكاشميري مؤسس دار العلوم في داهبيل، وحواشي المولوي بدر عالم عليه، و مقدمة انتقاد المفتي لحسام الدين المقدسي، وحواشي الكوثري على ذيول التذكرة للذهبي، تراهم لا يرحمون أئمة الجرح والتعديل، ولا يقبلون لمسامحتهم معذرة، وإن كانت عن بادرة؛ فهذا من ذكاوة حسهم فلعل مثل صنيع المؤلف يرد طبائعهم إلى الاعتدال، ويشفيهم من الداء العضال والله يهدي من يشاء إلى صراط مستقيم.

انظر إلى الحافظ أبي بكر الخطيب الذي المحدثون له عيال، كما قاله الحافظ أبو بكر ابن نقطة، قد ذكر محل الإمام أبي حنيفة بابا بابا، عد عبادته وجوده و امتحانه وقيامه بالليل، وذكر فقهه وعلمه، وأطال في ذلك، وبسط ذلك في أجزاء من كتابه، لكن ما أفاده هذا الصنيع لأنه ذكر بعض ما تكلموا فيه بعد

الثناء عليه، وجل ما ذكره الخطيب موجود في الجامع لابن عبد البر، ولعلهم عافوا عنه لأنه عكس الترتيب، وذكر محاسن بعد المثالب.

وكذلك إذا تكلم البخاري والنسائي والدارقطني والذهبي مقالا يفيد الحنفية فهم نوابغ الدهر وأئمة الجرح والتعديل لا يرام جنابهم، وإذا قالوا في أئمة الكوفة، وتكلموا في رجال الحنفية فهم حشوية متعصبون، و انتسابهم كتبهم إليهم مشكوكة لا يعتمد عليها.

صم إذا مدح ذكرت به وإن ذكرت بذم إذا هم أذن

إن شئت تصديق ذلك فانظر إلى مقدمة الزيلعي للكوثري (ص: ٥٧ـ٦٠) وكلامه في ذيول التذكرة على ابن تيمية، كيف تسور على هؤلاء الأئمة، والحال أنهم ما قالوا إلا ما كان حقا عندهم، وهم مجتهدون في ذلك، ومن ذا الذي ما ساء قط، ومن له الحسنىٰ فقط!

فإذا قال الذهبي في العقيلي شيئا فهو الثقة المعتمد عليه، وإذا تكلم على أبي حنيفة فهو حنبلي متعصب، وتصير الترجمة عن أصلها إلحاقية، فما لهؤلاء القوم لا يكادون يفقهون حديثا.

وجل ما تكلموا على الإمام القدوة أبي حنيفة أمور ثلاثة: الرأي والإرجاء وضعف الحفظ. أما الرأي فكما لا محيص عنه إلا أن يرد به السنة الصحيحة عمدا، وهذا من كوائف القلب وأوصافهم التي لا يعلمها إلا الله. وظني أن الإمام برئ منه، وإن كان هناك زلة فمن الاجتهاد.

والإرجاء فليس هو ـرحمه اللهـ أول من اتهم، وإرجاء ه إرجاء السنة[1]، كما

[1] قال الشيخ العلامة بديع الدين الراشدي معلقا على هذا القول:
قال ابن عبد البر في الانتقاء: وكان مع ذلك أيضاً لا يرى الطاعات وأعمال البر من الإيمان. فعابه بذلك أهل الحديث. وقال أيضاً: وكان مع ذلك أيضًا يقول: الطاعات من الصلاة وغيرها لا تسمى إيمانا. وكل من قال من أهل السنة: الإيمان قول و عمل ينكرون قوله ويبدّعونه بذلك. انتهى

قاله الشهرستاني في الملل والنحل. ولم يبق إلا ضعف الحديث. ولذلك قلت روايته بالنسبة إلى أقرانه الكرام كمالك والشافعي وأحمد وغيرهم وأقرب تلاميذه الكرام، وهو من الحقائق التاريخية لا محيص عنه إلا الانقياد لها، لكن لا ملام فيه عليه، لأن الأمراض لا اختيار فيها لأحد. هذا ما قاله المحققون من علماء الرجال، وأما نسبة الوضع والكذب إليه فأظنه غلطا حاشاه عن ذلك. رحمة الله عليه. بل هو من الأئمة الذين يقتدى بهم والأتقياء الذين يهتدى بهم.

وأجله في كل عين علمه   فيرى له الإجلال كل جليل

ذكر ابن عبد البر عن يحيى بن معين: أكان أبو حنيفة يكذب؟ فقال: كان أنبل من ذلك. اهـ جامع. وأيضا قال: أما أبو حنيفة فلم يكن من أهل الكذب، وكان صدوقا ولكن لست أرى حديثه يجزئ (٢/ ١٢٩) فحاله كمحمد بن إسحاق[1] صاحب المغازي، إذا تفرد أو تعارض، وإذا جاء بما يوافق الثقات فهو من الثقات الأتقياء وسادة النقباء.

نمقه بيده الحقير: أبو الخير الشهير بإسماعيل بن إبراهيم المدرس بالمدرسة المحمدية بجوجرانواله الهند الفنجاب.



[1] قال العلامة بديع الدين السندي في التعليق عليه:
التسوية بينهما في حيز المنع. فإن ابن إسحاق قد صرح بكونه ثقة جماعة من أهل العلم بخلاف أبي حنيفة فما ثبت توثيقه عن أحد من أئمة الشأن.

التبيان في زيادة الإيمان والنقصان

(تاليف: العلامة عبدالجبار الكنديلوي رحمه الله)

نحمدك يامن أحاط علمك بالأكوان. ونصلي ونسلم دائماً دائباً علىٰ خيرة خلقه ما دام الملوان. وبعدُ فقد نشأ الإسلام في جوّ هادئ ساذج لا إزعاج في جوهره ولا تكلف في قِوامه. رسولٌ أمي يتكلم مع الأميين. بدويون يفخرون بالبداوة، أفكار بدوية، ألفاظ بدوية، مدلولات بدوية، أمّي يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين.

لا يعرفون جوهراً ولا عرضاً، بساطتهم لا تالف البساطة الحكمية ولا التراكيب العقلية، يعلمون الإيمان و شعبه التي في ذروتها كلمة التوحيد وأدناها إماطة الأذىٰ عن الطريق. يتعلمون ذلك ويفهمونه فهماً دقيقاً ساذجاً تعتريهم من ذلك أريحية وبشاشة تخالط القلوب فيفعلون ما يؤمرون.

مضت الأيام وانقضت الدهور والسذاجة البدوية تمحق الحضارة الباطلة، تتمكن علىٰ بلادها ومفاوضها العريضة الوعرة. فطردتها عن الجزيرة مطرودة خاسئة خاشعة. حتى أن الرسول ﷺ وخلفاءه القادة البررة قد قضوا نحبهم و لقوا ربهم وألوية الفتح ترفرف في جوٍّ عاطرٍ طابت بنفحاتها أرجاء الغبراء. وحين انقضى القرن الأول إذ الغيوم المادية وجنود الأفكار اليونانية قد شنّوا الغارة وأخذوا النطاح بالأفكار الساذجة الدينية البدوية. لم تمض ربع القرن وقد حمي الوطيس واشتد النزال. ومحط هذه الأفكار المتضادة المتصادمة ثغر الكوفة وما حواها من العراق كما هو مسلح للعساكر المادية.

هذا بِشر المريسي من أصحاب أبي حنيفة رحمه الله يحارب الإمام عبد العزيز الكناني بين يدي المأمون وقد ازدحم هناك الفناء بعلماء السنة وصناديد الاعتزال، ونرى المريسي قد خر علىٰ إسته وقد اعترىٰ المأمون حيرة والمريسي خزيان ينظر، وكذلك شيخ الإسلام ابن تيمية وحريفه الصفي الهندي، جند ما هناك مهزوم من الأحزاب.

وما زال أهل السنة والحديث يدعون إلى السذاجة الدينية والاجتناب عن حبائل المصطلحات اليونانية، ويحاربون من حرب هذه السذاجة الصادقة حتى يؤتوا الجزية عن يد وهم صاغرون.

ومما تنازعوا فيه مسألة الإيمان، اتفق سلف الأمة من الصحابة والتابعين أنه يقبل النقصان والزيادة، وبذلك قال أئمة الحديث والخوارج والمعتزلة مع اختلاف في التفصيل، وخالفهم المرجئة فإنهم قالوا: الإيمان حقيقة بسيطة تامة، والأعمال خارجة عن ماهيته، لا علقة للأعمال فيه لا إتماماً ولا كمالًا.

والأستاذ العلامة السلفي عبد الجبار الكهنديلوي قد بحث عن زوايا المسألة القاصية والدانية وهو عافاه الله مع الاختصار قد أعطى المباحث حقها وأجاب عن أغلاط المرجئة واعتداء الخوارج وتمويه المعتزلة، و أيد الفكرة السلفية بأن الأعمال داخلة في ماهية الإيمان إما شطراً و تتميماً للحقيقة أو إكمالها، ولذلك أقروا واعترفوا بتفاوت مراتب الإيمان وهذا من لوازم الزيادة والنقصان، بل أصل المسألة أوضح عرفاً ووجداناً. سيما الإيمان الذي هو مدار النجاة شرعاً فالاعتماد فيه على نص الشارع. واضطربت أفكار العقلاء في التشكيك في الماهيات فالمحققون منهم ذهبوا إلىٰ جواز التشكيك وقد بسط فيه شراحُ السلّم كبحر العلوم والمبين وسواهم من أهل التحقيق، والتفصيل في مطولات الفن فليرجع إليها.

فجزى الله الأستاذ الشيخ عبدالجبار بأنه زادنا معرفة بهذه المباحث

القديمة في أوان تبحث فيه عن فقدان الإيمان فضلًا عن نقصانه، والزيادة اليوم بمعزل عن ذلك كله فإلى الله المشتكىٰ. والسلام على النبي وآله.

نمقه بيده: إسماعيل بن إبراهيم السلفي كوجرانواله

شوال ١٣٧٥هـ

نتائج التقلید

(تالیف: مولانا حکیم محمد اشرف سندھو۔ ناشر: دار الاشاعت اشرفیہ، بلوکی۔ ۱۹۵۸ء)

مکرم مولوی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

''نتائج التقلید'' مجھے اس وقت ملی، جب میں دہلی کے لیے پا بہ رکاب تھا۔ دہلی سے واپسی پر فرید کوٹ جلسے پر حاضر ہونا تھا۔ رات ریل میں وقت ملا۔ میں نے رسالہ سرسری طور پر بالاستیعاب پڑھا۔ جناب نے کافی محنت کی ہے۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ اس اختصار اور استیعاب کے ساتھ آپ نے فرمایا ہے کہ جس سے ''الحیات بعد الممات'' اور دوسری کتب کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ میاں صاحب مرحوم کی جامع زندگی کے بہت سے پہلو آ گئے ہیں۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

علمائے دیوبند:

علمائے دیوبند کو ان کی علمی خدمات نے اتنا ہی اونچا کیا ہے جتنا مناظرات نے ہم کو نیچا دکھایا اور ذہنی طور پر جماعت کو قلاش کر دیا۔ اس علمی مرکز دارالعلوم دیوبند کی پیداوار خیالات کے لحاظ سے تین قسم پر ہے:

1. مولوی انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ کا رجحان بدعت کی طرف ہے اور اہلِ حدیث سے انتہائی بغض۔
2. مولوی اشرف علی صاحب رحمہ اللہ کے معتقدین میں بدعت کم ہے، مگر اہلِ حدیث سے بے حد بغض۔
3. مولوی حسین علی صاحب رحمہ اللہ [1] کے مریدوں میں توحید کی حمایت اور اہلِ توحید سے محبت تو ہے، لیکن بعض کو سنت سے بہت زیادہ بغض ہے۔

مدرسہ دیوبند:

مدرسہ دیوبند میں اختلاف کے ساتھ جو چیز مشترک طور پر پائی جاتی ہے، وہ اہلِ حدیث سے

[1] مولوی حسین علی واں بھچراں ضلع میانوالی (سندھو)

بغض ہے۔ دیوبندی احناف نرم ہو کر سنت سے بہکاتے ہیں اور مولوی احمد علی صاحب لاہوری وغیرہ اور بعض دوسرے لوگ اس راہ میں غلط بیانی سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ مولوی خیر محمد صاحب جالندھری سے، چوں کہ توحید میں ایک حد تک اشتراک ہے، اس لیے اہلِ حدیث ان حضرات پر بہت زیادہ اعتماد کرتے ہیں، لیکن ان حضرات میں سنت اور اہلِ حدیث سے بغض طبیعتِ ثانیہ ہو چکی ہے۔ ان حضرات پر قطعاً اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ اس پہلو کو ''نتائج التقلید'' میں ذرا وضاحت سے کہنا چاہیے، تا کہ یہ باہمی اعتماد ختم ہو جائے۔ آپس میں اختلاط سوچ سمجھ کر ہو۔ نرمی اور گرمی حقائق کو نہ بدل سکے۔[1]

حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ فنِ تصوف و زہد کے بہترین ماہر مشہور تھے، لیکن حقیقتِ زہد کو خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں تک ان میں موجود تھا۔ ہاں اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سچے صوفی سنت کے شیدا ہوتے ہیں، مگر حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی تصانیف میں سنت اور اصحابِ حدیث سے انتہائی بغض پایا جاتا ہے۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُ.

اسی غلط تصوف کی وجہ سے ان کی طبیعت پر وہم غالب تھا اور یہ چھاچھ والا خواب اور اس کی تعبیر اسی وہم کا کرشمہ ہے۔ ورنہ چھاچھ پینے کے بغیر انھیں کیسے معلوم ہوا کہ اس میں روغن نہیں؟ ہر چھاچھ تو ایسی نہیں، جس میں روغن نہ ہو، (کیوں کہ دہی کی چھاچھ بھی تو آخر چھاچھ ہی کہلاتی ہے۔ کیا اس میں روغن نہیں ہوتا؟) خدا تعالیٰ مرحوم کو معاف فرمائے۔ خواب کی تعبیر میں انھوں نے حضرت میاں صاحب پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [الشعراء: ۲۲۷]

بابِ ثانی جس میں علمائے دیوبند کی تصحیح و طباعت کی اغلاط کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، وہ باب نہایت اہم ہے۔ جہاں اس باب سے علمائے دیوبند کی دیانت و امانت کی حقیقت بے نقاب ہوگئی ہے، وہیں یہ بات جماعت اہلِ حدیث کی سرد مہری، یعنی کتبِ حدیث کی طباعت اور ضرورت کے مطابق جدید شروح و حواشی وغیرہ سے غفلت اور سستی پر تازیانۂ عبرت ہے۔ محمد اسماعیل

نتائج التقلید کے متعلق ایک ضروری گزارش

مولانا محمد اشرف صاحب سندھو جو میرے پرانے رفیق اور دوست ہیں، آپ نے مدت ہوئی ایک رسالہ ''نتائج التقلید'' کے نام سے لکھا تھا۔ مولانا کے حسبِ خواہش ان ایام میں، میں نے اس پر

---

[1] اہلِ حدیث بھائیوں کو فاضل محترم کی نصیحت سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ [اشرف سندھو]

تقریظ لکھی تھی۔ اب سنا ہے کہ مولانا نے اسے دوبارہ شائع کیا ہے۔ مضامین میں کافی اضافہ فرمایا ہے اور کافی دنوں سے کتاب بازار میں فروخت ہو رہی ہے۔ دوبارہ طباعت اور اس کے مضامین کے متعلق مولانا نے نہ مجھے کوئی اطلاع دی، نہ اس کے مضامین کے متعلق کوئی مشورہ لیا، نہ ہی طباعت کے بعد مجھے کوئی کاپی ارسال فرمائی، لیکن سابقہ تقریظ اس ایڈیشن کے ساتھ بھی شائع کر دی، حالاں کہ یہ ایڈیشن سابقہ ایڈیشن سے بہت ہی مختلف ہے۔ یہ معاملہ اصول کے خلاف ہے۔

تازہ ایڈیشن میں اگر میری تقریظ کی اشاعت مولانا اشرف کے نزدیک ضروری تھی تو مجھے قبل از اشاعت ترمیم و اضافہ والا مسودہ دکھا لینا چاہیے تھے، افسوس ہے مولانا نے ایسا نہیں کیا اور مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔

مولانا سے مخلصانہ مراسم کے باوجود یہ گزارش ضروری سمجھتا ہوں، تا کہ محترم مصنف اور میرے غائبانہ دوست مطلع رہیں اور اس تقریظ سے انھیں کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ میں اس سلبی اندازِ تحریر کو پسند نہیں کرتا۔ امید ہے مولانا اشرف مجھے معاف فرمائیں گے۔[1]

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۸/ نومبر ۱۹۶۰ء)

تقدمہ:

امام شوکانی

(تالیف: مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی۔ ناشر: مکتبہ عتیقیہ جھوک دادو، تاندلیانوالہ۔ ۱۹۴۶ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.

یہ ایک فطری جذبہ معلوم ہوتا ہے کہ جب قومیں اور جماعتیں رجال العلم سے خالی ہوتی ہیں، خلف سلف کی جگہ پُر کرنے سے قاصر ہوتے ہیں تو سلف کے تذکرے اور ماضی کے اعمال سے دلوں کو تسکین دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ بے شک اس میں تاسف کا اثر کارفرما ہوتا ہے، لیکن یہی تذکرے کبھی حال کی اصلاح اور مستقبل کی تعمیر میں بے حد مفید اور کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ مصنف علام نے اسی قسم کی حساس طبیعت پائی ہے، غالباً ان کے قلم میں یہ مختصر سی جنبش اسی لیے ہوئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کو اپنے مقصد میں کامیاب فرمائے اور جماعت اہلِ حدیث کے لیے یہ کوشش نشو و ارتقا کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ جدل و مناظرات کی عادت نے جو غیر متوازن ذہنی کیفیت پیدا کی ہے، اس کے لیے یہ تذکرے داروئے شفا ثابت ہوں۔

یہ تذکرہ امام شوکانی رحمہ اللہ کے مقامِ اجتہاد و عزیمت سے بہت کم ہے، لیکن جہاں تک محسوس ہوتا ہے، یہ نقشِ اول ہے۔ آیندہ اس میں بہت کچھ زیادت و اضافے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ دنیا کی طے کردہ راہوں سے الگ راہ بنانا مشکل، پھر اس پر چلنا مشکل، پھر اس راہ کی مشکلات کو صبر و عزیمت سے برداشت کرنا اور بھی مشکل ہے۔

امام شوکانی اس راہ کے شاہسوار ہیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کے بعد امام شوکانی رحمہ اللہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جن کی مساعیِ اصلاح کو ظاہری اور مادی اعانت بھی نصیب ہوئی۔ عہدۂ قضا کی وجہ سے اَشرار کو فتنہ انگیزی کا کم موقع ملا، تاہم وہ فتنوں کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکے، ان کی زندگی کا یہ حصہ ہم ایسے کم سواد اور بے صبر لوگوں کے لیے ایک اسوہ ہے۔ مسلکِ اہلِ حدیث

حکومتِ وقت کی نگاہوں میں تو ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی معتوب تھا، ۱۸۵۷ء نے اسے اور بھی اُجاگر کر دیا۔ سرسید کی مصلحت اندیشیوں اور مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم کی سوئے تدبیر سے کسی قدر ظاہری آرام تو ملا، مگر روحِ حریت موت کی آغوش میں جا بسی۔ اس پر جدل و مناظرات کی عادت نے قبرِ مشید کی صورت پیدا کر دی۔ اب وقت ہے کہ نیا خون اپنی منزل کی طرف بڑھے، ہندوستان کی لادینی تحریکات میں اپنے مقام کو پہچانے، ان بزرگانِ ملت کے اسوے کا تتبع کرتے ہوئے راہ کی مشکلات سے بے نیاز ہو کر کتاب و سنت کے علم کو بلند کرے، اشاعتِ سنت کے لیے اپنی تمام کوششوں کو وقف کر دے۔ آنے والے ہندوستان میں ایک ایسے انقلاب کی تیاری کی جائے کہ سلف کی مٹی ہوئی یادگاریں پھر اُبھرنے لگیں، آزادی ہو، کتاب و سنت کی محفلیں ہوں اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کا موقع ملے، مگر ؎

سرمد غمِ عشق بو الہوس را ندہند سوزِ دل پروانہ مگس را ندہند

[اے سرمد! حریص بندے کو غمِ عشق نہیں ملتا، پروانے کی دل سوزی مکھی کو میسر نہیں ہوتی]

عمرے باید کہ یار آید بکنار ایں دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

[اے سرمد! اس خواہش میں عمر گزر گئی کہ یار مجھ سے بغل گیر ہو، ہر ایک کا یہ نصیب کہاں!]

بزدل، طماع اور ہوس پرستوں کے لیے مناسب ہے کہ کوئی دوسری راہ تلاش کریں۔ ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [الشعراء: ۲۲۷]

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس مدرسہ محمدیہ، گوجرانوالہ

۱۳؍شوال ۱۳۶۵ھ

مقدمہ:

کالا پانی[1]

(تالیف: مولانا محمد جعفر تھانیسری۔ ناشر: طارق اکیڈمی، فیصل آباد۔ ۱۳۹۶ھ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ عَلیٰ أَنْبِيَاءِ هٖ سِيَّمَا الْخَاتَمُ لَهُمْ، وَالسَّلَامُ عَلَى الْأَتْقِيَاءِ الْبَرَرَةِ الْمُكَرَّمِيْنَ إِلیٰ يَوْمِ الدِّيْنِ.

پیشِ نظر کتاب مولانا محمد جعفر تھانیسری مغفور کی خودنوشت سرگزشت ہے۔ اس کتاب میں

[1] ۱۹۴۱ء۔۱۳۶۰ھ کی بات ہے، جب خاکسار فیروز پور (مشرقی پنجاب) کی جامع اہلِ حدیث گنبداں والی میں مقیم تھا کہ مولانا محمد جعفر تھانیسری رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''تواریخ عجیبہ (کالا پانی)'' کو عمدہ طریقے سے شائع کرنے کا ارادہ ہوا تھا، جس پر مقدمہ لکھوانے کی درخواست حضرت مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ (گوجرانوالہ) کی خدمت میں کی گئی۔ مرحوم و مغفور نے حسبِ عادت قلم برداشتہ نہایت فاضلانہ مقدمہ تحریر کر کے بذریعہ ڈاک فیروز پور ارسال فرما دیا تھا، لیکن افسوس! بوجوہ کتابِ مذکور کی اشاعت کی نوبت نہ آ سکی۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان آنے پر جو مختصر سے چند کاغذات راقم کے ساتھ آئے (ہزاروں کی قیمتی اور نادر ذاتی کتب اور بعض ضروری کاغذات تو وہیں فسادات کی نذر ہو گئے) ان میں خوش قسمتی سے حضرت کا یہ ''مقدمہ کالا پانی'' بھی تھا۔

گذشتہ دنوں اتفاقاً معلوم ہوا کہ طارق اکیڈمی کے زیرِ اہتمام کتاب ''کالا پانی'' کا تازہ ایڈیشن نہایت احسن انداز میں زیورِ طباعت سے آراستہ کیا جا رہا ہے، لہٰذا اب یہ مبارک مقدمہ اس کے ساتھ شامل ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهٖ، قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا.

واضح رہے کہ یہ نگارش ۳۵ سال پہلے کی ہے، اگرچہ انگریزی راج کے آخری سال تھے، تاہم برطانوی استبداد موجود تھا، جس کی طرف مقدمہ میں قدرے اشارات ہیں۔ نیز ان ہی دنوں ایک دیوبندی سیاست دان مولانا نے ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' نامی کتاب تالیف فرمائی تھی، جس میں نہ صرف کہ ''علماء'' کہلانے کا حق اپنے حلقے کے فقہائے احناف کو دیا گیا، بلکہ ''شانداری'' کا کریڈٹ بھی۔ چوں کہ اس کتاب کی تالیف کے زمانے میں بھی جماعت اہلِ حدیث تحریک آزادیِ وطن کے سلسلے میں حضرت مقدمہ نویس اور مولانا ابو القاسم بنارسی رحمہ اللہ ←

متعدد مقامات پر وہابی یا اہلِ حدیث کا تذکرہ ملے گا۔ ''وہابی'' کا لفظ تو سرکارِ انگریزی کا خود ساختہ ہے۔ اہلِ توحید نے ان شخصی نسبتوں کو اپنے لیے کبھی پسند نہیں کیا، البتہ ''اہلِ حدیث'' کے لفظ کو اپنے مسلک کے لحاظ سے ضرور پسند کیا گیا۔ اس وقت میں نہیں کہہ سکتا کہ جماعت کی اس لفظ کے متعلق کیا پوزیشن ہے، لیکن اصل وضع کے وقت یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ اس لقب کے ساتھ نظر و فکر کے ان سکولوں سے اجتناب مقصود تھا جو جمودِ تقلیدی کے ترجمان تھے اور اس فرقہ پروری کے سبب اسلام پر کئی حد بندیاں لگا دی گئی تھیں جن کو عبور کرنا ترکِ اسلام کے مرادف یا کم از کم فسق و معصیت سمجھا جاتا تھا، حالاں کہ اسلام نے سب سے بڑی نعمت جو اپنے متبعین کو عطا فرمائی تھی، وہ یہی حریتِ فکر تھی اور آبا و اجداد کی رسوم اور پابندیوں سے نجات۔

پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کے اوائل میں گو بہت سے مفاسد اور خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں، تاہم عقل و دانش اور فہم و فراست کے کھلے اور وسیع دروازوں پر یہ قفل نہیں پڑے تھے جو چوتھی صدی ہجری کی پیداوار ہیں۔ پہلی صدی ہجری میں محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے رفقاء کا وہ ریلا، جس نے سب سے پہلے کراچی کے راستے ساحلِ (متحدہ) ہند کو عبور کیا، ایسے مقدسین پر مشتمل تھا جو اسلام کے آبِ زلال کو اس کے اصل سرچشموں سے حاصل کرنے کے عادی تھے۔

اس کے بعد علم کی کمی اور زمانۂ نبوت کے بُعد نے فرقہ پرستی کا یہ مخمصہ پیدا کر دیا جس میں آج کل ہم مبتلا ہیں، اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ خود اس جمود و تقلید پر فخر کرتے ہیں۔ علمائے امت اور ائمۂ اصلاح و تجدید کے متعلق یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ بھی ہماری طرح قاصر النظر تھے اور کتاب و سنت سے استدلال کی جرأت نہیں فرماتے تھے، پھر اس کے لیے ایسے حیل اور تاویلات پیدا فرماتے ہیں کہ جس سے ان حضرات کو بھی حیل کے فن کا مجتہدِ اعظم کہنے کو جی چاہتا ہے۔[1] عیب

← کی قیادت میں علمائے دیوبند کے دوش بدوش سرگرمِ عمل تھی، اس لیے مولانا محمد اسماعیل مرحوم و مغفور کو دیوبندی مولانا کی خلافِ واقعہ تاریخ نویسی سے دُکھ پہنچنا قدرتی تھا، جس کا خفیف سا ذکر مقدمہ میں ہے، جس میں ان کو حق بہ جانب سمجھنا چاہیے۔

افسوس! مقدمہ میں مذکور تقریباً سبھی حضرات جناب مقدمہ نویس کی طرح آج ہم میں موجود نہیں۔ رہے نام اللہ کا۔ رحمهم الله تعالىٰ.

خاکسار محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (ناظم: المکتبۃ السّلفیہ، لاہور)

غرہ محرم ۱۳۹۶ھ

[1] ملاحظہ ہو ''الفرقان'' بریلی کا ''شاہ ولی اللہ نمبر''، مولوی خیر محمد جالندھری کا مضمون ''شاہ ولی اللہ حنفی تھے''۔ واضح رہے کہ مولانا مرحوم کی یہ تحریر اس زمانے کی ہے جن دنوں یہ محولہ نمبر شائع ہوا تھا۔ [ع، ح]

اور اس کا عدمِ احساس بلکہ عیب پہ فخر ایسے امراض ہیں جن پر امت کو ناز نہیں ہوسکتا، بلکہ ندامت سے سر جھک جاتا ہے اور اصلاحِ حال کا ولولہ، یاس اور نا اُمیدی کا پیکر بن کر رہ جاتا ہے۔

مصلحین کی مساعی:

ہر صدی میں ایسے لوگ موجود رہے جو وقتی خرابیوں کو دیکھتے اور ان کے بے قرار دل ان کی اصلاح کے لیے بے تاب ہو جاتے۔ حدیث: ((لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي)) کا مقتضا بھی یہی تھا۔ ان تمام بزرگوں کا تذکرہ بقیدِ سنین اس مختصر سی تحریر کا موضوع نہیں، لیکن تاریخ کا ادنیٰ طالب عالم آسانی سے یہ جان سکتا ہے کہ مصلحین حسبِ حال ان تباہیوں کی روک تھام کرتے رہے اور اس راہ میں ہجرت، قید بلکہ دار و رسن تک کی صعوبتیں برداشت فرماتے رہے۔ حضرت امام مالک، حضرت امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد اور امام سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہ ائمۂ اسلام ایک ایک اس کی نظیر میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔

سنتِ الٰہی:

گیارھویں صدی ہجری کے اواخر میں حق و باطل کی آویزش نے ایک ایسے معرکے کی صورت اختیار کر لی تھی کہ کفر و فسق کے شیوع اور تعلیماتِ اسلامی کے انحطاط نے دنیائے ہست و بود کو ظلمت کدہ بنا دیا تھا۔ فجور اور بدعت کے بادل اس قدر محیط تھے کہ حق و صداقت کی کسی ہلکی سی کرن کے ظہور کی بھی امید نہیں کی جا سکتی تھی، لیکن سنتِ الٰہی کے مطابق مختلف مقامات میں مصلحینِ امت کا ظہور ہوا۔ عرب میں یہ شرف خطۂ نجد کو ملا اور حضرت شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ گو یہ تحریک سیاسی نہ تھی، اصلاحی تھی، لیکن بتدریج سیاسی ہو گئی، کیوں کہ اسلام کا نظام ہی ایسا تھا کہ وہاں سیاسیات سے الگ رہ کر کسی کامیاب اصلاح کی توقع ہی نہ تھی۔ یہ تحریک "وہابی تحریک" کے نام سے عرب میں کافی کامیاب ہے۔ اہلِ نجد اسی نام سے پکارے جاتے ہیں اور اسے شاید اپنے لیے پسند بھی کرتے ہیں۔ اس وقت اس تحریک کو عرب میں علمی اور سیاسی اقتدار حاصل ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

دوسری تحریک:

دوسری تحریک الجزائر اور ٹیونس میں شروع ہوئی جو "سنوسی تحریک" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ یہ تحریک فرانس کے مظالم اور استبداد کی بدولت شروع ہوئی۔ سنوسی خاندان نے اس کی راہنمائی

کی۔ گو یہ تحریک کھلے طور پر کامیاب نہ ہو سکی، لیکن اس کے بیج اس قدر گہرے ہوتے گئے کہ بالآخر فرانس کو لے ڈوبے۔ ملک کی اسی اندرونی ناراضی نے ہٹلر کے مقابل فرانس کو چت گرایا اور ملک سے اسے کوئی امداد نہ مل سکی، اس کی تفصیلات ہمیں نہیں مل سکیں اور نہ ہی اس وقت وہ مطلوب ہیں۔

تیسری تحریک:

تیسری تحریک کے بانی حضرت شیخ جمال الدین افغانی ہیں۔ اس کی ابتداء ایران سے ہوئی، ہندوستان بھی اس سے متاثر ہوا، بلکہ مصر، قسطنطنیہ اور یورپ تک اس کے اثرات پھیلے۔ آج بھی مصر میں زندگی کے آثار اسی کے سبب پائے جاتے ہیں۔ شیخ محمد عبدہ، سید رشید رضا اور شیخ مراغی اسی تحریک کے متعلقین سے ہیں جنھوں نے اپنی عمریں یورپ کے سیاسی اقتدار کے خلاف اور عامۃ المسلمین کی اصلاح میں صَرف فرما دیں۔ غرض مصر کی ساری بیداری شیخ جمال الدین رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ کی مساعی سے ہے۔ شَكَرَ اللّٰهُ مَسَاعِيَهُمْ.

چوتھی تحریکِ اصلاح:

مغل حکومت پہلے بھی کوئی خالص اسلامی حکومت نہ تھی، اس کے نظام میں غیر اسلامی اثرات بہت زیادہ تھے۔ اپنے عروج کے زمانے میں بھی یہ حکومت مہدویت[1] اور شیعیت کے اثرات سے مرکب تھی۔ باستثناء ایک دو کے عموماً بادشاہ جاہل تھے، ان کی ہوا پرستیوں کے ساتھ علمائے سوء کے تعاون نے حالات کو بد سے بدتر کر دیا تھا۔ علمائے حق کو اس نظام سے صرف اسی قدر دلچسپی تھی کہ بادشاہوں کے نام مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ کبھی کبھار عید اور جمعہ کی نماز میں شریک ہو جاتے تھے، اس کے سوا وہاں اسلام کے لیے کوئی گنجایش نہ تھی۔

اسلام کے اس ظاہری اقتدار کے سبب علمائے حق ان سلاطین کے خلاف کوئی کھلا قدم اٹھانا پسند نہ فرماتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہ معاملہ وعظ و موعظت اور افہام و تفہیم سے طے ہو جائے اور یہ سلاطین صحیح طور پر اسلامی نظام کی ذمے داریاں اپنے اوپر لے لیں۔[2] لیکن سلاطین کے لیے ناممکن تھا کہ وہ کسی اصلاح کو آسانی سے قبول کر لیں یا فجور و معصیت کو صرف علمائے حق کی ناراضی یا نصیحت

[1] سید محمد جونپوری کی طرف منسوب۔ [ح، ع]

[2] حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ نے اپنی ساری عمر ایسی ہی کوششوں میں صَرف فرما دی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ [مولف]

سے چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔

جلال الدین اکبر اور اس کے رفقاء کی مفسدانہ مساعی اور اہلِ حق کی اذیت، تخریبِ دین کے لیے منصوبے اور عیاشیوں کی طرف کھلا ہوا رجحان، یہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا تاریک ترین اور کھلا ہوا باب ہے۔ جہاں شیخ محمد طاہر پٹنوی رحمہ اللہ ایسے اہل اللہ کی پیش نہ جاسکی، نہ دوسرے اہلِ حق کی، وہاں اگر جادو چلا تو خانوادہ ملّا مبارک کا اور بس۔ فَسُحْقًا لَهُمْ.

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

ان ناگزیر حالات کی بدولت قانونِ الٰہی کے موافق ملائے اعلیٰ کی رحمت بھری نگاہیں اس ظلمت کدے کی طرف متوجہ ہوئیں اور خانوادہ ملا مبارک کی نجاستوں کو دور کرنے کے لیے ان کی جگہ حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے خاندان نے لے لی۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ ملا مبارک کا خاندان جلال الدین اکبر کے زیرِ سایہ تھا اور شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے لختِ جگر پر صرف خدا کا سایہ۔ ابوالفضل اور فیضی کی بھوک پیاس کا علاج شاہی محلوں اور اکبر کے قلعوں میں تھا اور اس خاندان کی ضروریات اور روحانی پیاس کی سیرابی کا سامان حجاز وطیبہ میں۔ فَشَتَّانٌ مَا بَيْنَهُمَا.

یہ لوگ ایوانِ خسروی سے اتنے ہی بے نیاز تھے جس قدر خانوادہ ملا مبارک ایوانِ ”خداوندی“ سے، اسی لیے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تحصیلِ علوم کے بعد درسِ حدیث کے لیے حجاز کا رخ کیا اور فنونِ حدیثیہ کا ایک بیش بہا ذخیرہ حجاز سے ہندوستان کے لیے جمع فرمایا اور سابقہ درسیات کے ساتھ درسِ حدیث کو خاص اہمیت دی اور عمر کا باقی حصہ اسی راہ میں ختم فرما دیا ؎

طاق و رواق مدرسہ و قیل و قال درس   اینہا بخاک کوئے تو ما درنہادہ ایم[1]

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عمر حسبِ بیان حضرت نواب صدیق حسن خاں مرحوم (ابجد العلوم، ص: ۹۱۳) قریباً ۶۶ سال (پیدائش ۱۱۱۰ھ اور وفات ۱۱۷۶ھ) ہوئی ہے۔ یہ زمانہ ہندوستان میں طوفانی انقلابات کا ہے۔ بیسیوں قوتیں دہلی کے تخت کی آرزو میں بساطِ سیاست پر آئیں اور کامیابی یا ناکامی کے ساتھ ختم ہوئیں۔ بیٹوں نے اپنی سیاسی مصالح کی بنا پر باپ سے بغاوت کی،

[1] ”مدرسے کے طاق و ایوان اور درس کی قیل و قال ان سب کچھ کو ہم تیرے کوچے کی خاک پر قربان کر چکے ہیں۔“

بھائی بھائی سے لڑا۔ غرض اس عرصے میں قریباً دس بادشاہ دلی کے تخت پر قابض ہوئے اور اسے چھوڑ کر رخصت ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے ایام میں برطانوی عتاب تختِ دہلی پر قابض ہونے کے لیے مغل بادشاہوں سے گھوریاں لے رہا تھا، بلکہ ایک حد تک اس کا چنگل اس شکار پر پڑ بھی چکا تھا۔ یہ تو ناممکن ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ ایسا بابصیرت آدمی ان حوادث سے متاثر نہ ہو، یا وہ ان نتائج سے بے خبر ہو، جو ان انقلابات کے بعد اُن کے پروگرام پر پڑ سکتے تھے جس کی تکمیل کی ذمے داری حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی تھی، جس کا تذکرہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ''تفہیمات'' میں جا بجا اشارتاً وصراحتاً کیا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کا اندازِ اصلاح:

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مثال ان حوادث میں اس پہاڑ کی طرح ہے جو سمندر کے کناروں پر واقع ہو۔ جس کی موجیں اسے بار بار تھپیڑتی ہیں، لیکن اس کے سکون میں کوئی جنبش نہیں پیدا کرسکتیں، اس کے اندر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ اضطراب بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تصانیف میں ان حوادث سے کوئی بے قراری یا قلق محسوس نہیں ہوتا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک کوہِ وقار جرنیل اپنی اور دشمن فوج کی ساری حرکتوں کو دیکھتا ہے، ناگزیر حالات کو سہارتا ہے اور اپنے پروگرام کی تکمیل کے لیے بڑھا جاتا ہے۔ ''حجة الله البالغة'' کے ابواب میں خلافتِ الٰہی کی تاسیس اور تکمیل کے لیے جو خاکہ بنایا گیا ہے اس میں بتدریج رنگ بھرا جائے گا اور اس ارادے کی تکمیل ٹھیک اسلامی تعلیمات کے زیرِ سایہ ہوگی۔ اس کے لیے نہ نعرۂ تکبیر کا ارتعاش مطلوب ہے، نہ ''زندہ باد'' کی ہنگامہ آرائی۔

مقابل کی صفوں میں سے جہاندار شاہ ہو یا فرخ سیر، کوئی بھی اگر مقاصد سے ٹکرانے کے لیے آمادہ ہوتو ایک تبسم آمیز بے نیازی کے ساتھ اس کی دعوتِ مبارزت قبول فرمالی گئی ہے، لیکن اس سیاسی انہماک نے مسلمانوں کی اندرونی بیماریوں سے ایک منٹ کے لیے بے پروا نہیں کیا۔ ''فتح الرحمٰن'' کی اشاعت، درسِ حدیث اور ردِ بدعات کا ہر ہر مسئلہ ساتھ ساتھ جا رہا ہے۔ ''حجۃ اللہ البالغہ''، ''تفہیمات'' اور ''البلاغ المبین'' آپ کی تصنیفات پڑھنے والے ان محاذوں کو خوب پہچانتے ہیں جن پر مجددِ وقت لڑ رہا تھا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ:

۱۱۷۶ھ میں حضرت مجددِ وقت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی وفات کے بعد یہ ساری ذمے داریاں

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کے حصے میں آئیں۔ آپ کے دور میں ان مقاصد کے تین شعبے ہو گئے: سیاسیاتِ وطن، درس و تدریس اور پند و موعظت، اور ہر شعبہ حسبِ رجحانِ طبیعت شاہ صاحب کے تلامذہ کے حصے میں آیا اور ہر ایک نے ذمے داریاں اپنی افتادِ طبیعت کے مطابق اٹھا لیں، تاہم معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سب کارگزاریوں کی نگرانی خود فرماتے ہیں اور حسبِ ضرورت ہدایات دیتے تھے۔

خاندانِ دہلی اور حنفیت:

فروعِ فقہیہ میں حنفی مسلک کا التزام خاندان میں حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کے زمانے سے ہی اُٹھ چکا تھا۔ بعض مشہور مسائل میں وہ حنفی مسلک کے پابند نہ تھے، جیسے قراءتِ فاتحہ خلف الامام، چناں چہ حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ نمازِ جنازہ اور دوسری نمازوں میں اس کا التزام فرماتے تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یہ قصہ اور بھی عریاں کر دیا، چناں چہ مولانا شاہ محمد فاخر زائر الٰہ آبادی کا ورودِ دہلی، آمین بالجہر کی نزاع اور شاہ صاحب رحمہ اللہ کا فیصلہ مشہور واقعہ ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کے فتوؤں میں بھی فاتحہ کے متعلق مسلکِ شافعی کی کھلی حمایت پائی جاتی ہے۔ (ملاحظہ ہو: فتویٰ مطبوعہ کلکتہ)

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے تقلیدِ جامد کے اس پہلو کو بالکل ہی بے نقاب کر دیا۔ "تنویر العینین في إثبات رفع الیدین" لکھ کر حنفی مسلک کی حمایت سے بالکل دستکش ہو گئے اور رفع عند الرکوع و بعد الرکوع کو ترکِ رفع پر ترجیح دی، جیسے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ بھی "حجۃ اللہ البالغۃ" میں ظاہر فرما چکے تھے۔ (حجة الله البالغة: ۲/ ۸)

اظہارِ حقیقت:

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ میں حنفی مسلک کے پورے پابند بھی تھے۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ کے لشکر میں دونوں فریق یا دونوں مسلک کے آدمی دوش بدوش سکھوں سے لڑتے تھے اور آپس میں ان مسائل پر کوئی ادنیٰ سی مخاصمت یا آویزش بھی نہ ہوتی تھی، اور حق بھی یہی ہے۔ معاملہ ایک سنت پر عمل یا اس کے ترک سے زیادہ نہیں اور نہ ہی حنفی اور اہلِ حدیث میں کفر و اسلام کا فرق ہے (تقلیدِ شخصی پر جمود سے قطع نظر)۔ ایسے اختلافات سلف سے خلف تک موجود رہے ہیں۔ ان اختلافات کی بنا پر نہ کسی کی تکفیر عمل میں آئی نہ تفسیق۔ شخصی اجتہاد یا ترجیح سے اسے زیادہ اہمیت نہیں دی گئی۔ ہر ایک اپنی تحقیق اور صواب دید پر عمل کرنے میں آزاد تھا۔

ایک عجیب حقیقت ہے کہ اس تحریک میں اکثریت علماء کی تھی۔ سکھوں سے جنگ کے بعد انگریز سیاسیین سے بھی مجاہدین کو اُلجھنا پڑا۔ انگریز شاطر بھی ان مخلصین میں ایسے اختلافات پیدا کرنے سے قاصر رہا۔ یہ سب علم و دانش کی برکت تھی کہ اختلاف کے باوجود حدودِ اختلاف کو سمجھ لیا گیا تھا۔ یہی ایک نقص ہے جسے آج ہم اپنے اختلافات میں نہیں سمجھ رہے، ورنہ وہ کون سا زمانہ ہے جس میں اختلافِ خیال موجود نہ تھا، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کی دماغی قوتیں ایسی مستوی سطح پر آ جائیں جہاں یہ فروعی اختلافات سرے سے ناپید ہی ہو جائیں۔

تحریکِ اصلاح و جہاد کا مقصد:

(متحدہ) ہندوستان میں اس تحریک کے مویدین کے سامنے تین مقصد تھے:

1. آزادیِ فکر، تقلید و جمود سے بچ کر کتاب و سنت سے براہِ راست اصول و فروعِ دینیہ کے سمجھنے کی کوشش کرنا اور ان تالوں کو توڑ دینا جو اس موہبۂ الٰہی کے دروازوں پر لگائے گئے تھے جسے عقل و دانش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
2. بدعات و محدثات کی مخالفت کرنا اور اسلام کی اس سادہ صورت کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا جو قرونِ اولیٰ میں موجود تھی اور جس پر سلفِ اول نے عمل کر کے کامیابی حاصل کی تھی۔
3. دنیا میں حکومتِ الٰہیہ قائم کرنا اور سیاست کے رُخ کو اس طرح بدل دینا کہ اسلامی نظام قائم ہو، کیوں کہ یہی ایک طریقہ ہے جس سے دنیا کے مختلف مذاہب صحیح امن و چین اور مذہبی آزادی سے ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ:

حضرت شاہ اسماعیل رحمہ اللہ کے وعظ اور دہلی کے بازاروں کی مجلسوں سے لے کر بالاکوٹ کے اس خونی معرکہ تک جو حق و باطل کی آویزش میں اس نہج کا آخری میدانِ کارزار تھا، یہ حقیقت نمایاں ہے کہ توحید کی اشاعت، سنت کی ترویج، بدعت کی مخالفت، شرک اور اس کی اسلام سے جنگ اور ہر غیر شرعی نظام کے بدلنے کے لیے کتنے مضبوط ارادوں اور اس راہ میں مصمم عمل سے کام کیا گیا ہے اور اس بے جگری سے کہ دنیائے اسباب اسے دیکھ کر عقل و دانش کی راہ سے ان جانبازوں کا محاسبہ کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَأَرْضَاهُمْ.

ایمانِ صحیح اور خلوص فی العمل ہی ایسے ذرائع ہیں جن سے اس تحریک اور اس کے محرکین کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را [1]

ایک غلطی کا ازالہ:

مجھے ان جنگوں کی تفصیلات میں نہیں جانا ہے کہ سکھوں کو کہاں شکست ہوئی اور مجاہدین کہاں کہاں کامیاب ہوئے، بلکہ مجھے اس غلطی کو اٹھانا ہے جو ''حیاتِ طیبہ'' کے مصنف اور اس قسم کے ڈرپوک لوگوں نے اس تحریک کے متعلق پیدا کر دی ہے کہ بانیانِ تحریک کا مقصد صرف سکھوں کے مظالم کو ختم کرنا تھا، انگریزی حکومت سے ان کی صلح تھی، یا انگریزی مظالم ان کی نگاہ میں قابلِ مواخذہ نہ تھے۔ تحریک کے متعلق ایسے خیالات کا اظہار تحریک پر سب سے بڑا ظلم ہے۔

۱۸۶۳ء کا معرکہ جس میں مولانا مقصود علی، مولانا عبداللہ بن مولانا ولایت علی صادقپوری رحمہ اللہ کی قیادت میں شریک تھے، جس میں انگریزوں کی طرف سے جنرل نیوی چیمرس انگریزی عساکر کی قیادت کر رہے تھے۔ یہ معرکہ قریباً چھ ماہ تک جاری رہا۔ ہنٹر نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس معرکے میں انگریزوں کے قریباً پانچ ہزار آدمی کام آئے اور اسی لڑائی کے نقصان سے جو انگریزوں کو ان خانہ بدوش لوگوں کو خواہ مخواہ چھیڑ کر ہوا، لارڈ ایلجن وائسرائے ہند چنیے کی پہاڑیوں میں حرکتِ قلب بند ہونے سے مر گئے۔ اس کا تذکرہ مولانا تھانیسری نے ''کالا پانی'' کے شروع ہی میں کیا ہے اور (عربی) مجلّہ ''الضیاء'' لکھنو (ہند) شعبان ۱۳۵۴ھ میں اس کی پوری تفصیل موجود ہے۔ اس کے بعد متواتر واقعات ہوتے رہے جن میں اس لشکر کے بقیۃ السیف انگریزی مظالم سے اس طرح لڑے جس طرح وہ سکھ مظالم سے نبرد آزما ہوئے تھے۔

پیشِ نظر کتاب میں بھی ان کوششوں کے پسِ منظر کا تذکرہ ہے جو ان مسلم مجاہدین نے اس راہ میں کیں۔ پٹنہ کے وہابی کیس کی یہ سرگزشت ہے جو پھانسیوں یا عبور دریائے شور کی صورت میں ظاہر ہوئی۔ مولانا جعفر تھانیسری رحمہ اللہ نے جس سلاست سے ان واقعات کو بیان کیا اور جس سادگی سے اس داستان کو دہرایا ہے، وہ اپنی صداقت کی آپ گواہ ہے، اس میں جماعت اہلِ حدیث کی ان مساعی کو واضح کر دیا گیا ہے جو انھوں نے تخلیصِ وطن کے باب میں کیں۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

[1] ''خاک و خون میں لت پت ہو کر انھوں نے اچھی سنت جاری کی، اللہ تعالیٰ ان پاک باز عاشقوں پر رحمت نازل کرے!''

درس و تدریس اور تحریکِ جہاد:

تحریک کا شعبۂ جہاد جس کی ذمے داریاں مولانا شہید رحمہ اللہ کے سپرد تھیں، بے حد خطرناک تھا۔ اسے نہ سکھ برداشت کر سکتے تھے اور نہ انگریز۔ اس لیے ۱۸۵۷ء کے بعد ولی اللہ دبستان کا ایک معتد بہ حصہ صرف درس و تدریس، وعظ و خطابت اور شرک و بدعت کی تردید کی طرف راغب ہو گیا اور استخلاصِ وطن کے لیے کسی دوسرے وقت کا انتظار کرنے لگا اور اپنے مسلک کے موافق دیوبند، سہارنپور اور دہلی میں فقہ و حدیث کے مدارس کھول کر کتاب و سنت کی اشاعت میں اپنے اپنے طریق پر مشغول ہو گئے۔ دونوں جماعتوں میں فروعی اختلاف ضرور تھا، لیکن عناد اور شقاق بالکل نہ تھا۔

شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین رحمہ اللہ کی درسگاہِ حدیث:

اس زمانے میں دہلی کی درسگاہ وہابیت کے نام سے زیادہ بدنام ہوئی، جس کا سبب غالباً یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اصلاحِ رسوم میں زیادہ عریاں اور بے حجاب تھے۔ نیز اس شغل کے باوجود ان لوگوں نے شرعی نظام کے قائم کرنے اور ظالمانہ نظام کو توڑنے میں اپنی کوششوں کو کسی نہ کسی صورت میں جاری رکھا اور اصحابِ دیوبند وغیرہ اس فرض کی ادائیگی میں محتاط بلکہ خاموش ہو گئے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ اس زمانے میں آپ کو اس دور کی اس تحریک کے تذکرہ نگار غالباً تمام کے تمام اہلِ حدیث ملیں گے۔ بعض لوگ، مثلاً: مولانا محمد میاں مراد آبادی، مولف ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' اسے اتفاقی چیز سمجھتے ہیں، لیکن یہ صرف اتفاق نہیں، بلکہ واقعات کا صحیح نتیجہ ہے، یعنی ۱۸۵۷ء کے بعد ایک گروہ ضرورت سے زیادہ محتاط ہو گیا اور دوسرا گروہ خدمتِ علم کے ساتھ استبداد کی مخالفت بھی کرتا رہا۔ اس لیے کچھ حنفی حضرات نے (بریلوی اور لدھیانوی قسم کے) اور کچھ برطانوی حکومت کے اربابِ بسط و کشاد نے اس جماعت (اہلِ حدیث) کو بدنام کیا، چناں چہ یہی لوگ ''وہابی مقدمات'' میں گھسیٹے گئے۔

چناں چہ اسی کتاب میں مرقوم ہے کہ ''مولوی نذیر حسین صاحب جن پر واسطے اظہار نام کل ممبران اہلِ حدیث باشندگانِ ہند کے جبر کیا جاتا تھا، رہا ہو کر واپس آ گئے۔'' اور حالاں کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کا زیادہ تر مشغلہ درسِ حدیث کا تھا۔ سیاسیات میں ان کو چنداں دلچسپی نہ تھی، مگر ہماری سرکار (انگریزی) کا تو یہ حال ہے کہ غصہ آتا ہی کمزوروں پر ہے۔ حالاں کہ حضرت

شیخ الکل مولانا الشیخ السید محمد نذیر حسین رحمہ اللہ نے بعض انگریز بچوں اور عورتوں کی ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں مناسب اعانت بھی فرمائی تھی، کیوں کہ ایسے معرکوں میں جہاں تک ممکن ہو، عورتوں اور بچوں کو نقصان پہنچانے سے شرعاً منع فرمایا گیا ہے۔

حضرت شیخ الکل رحمہ اللہ کے تلامذہ:

حضرت شیخ مولانا سید محمد نذیر حسین رحمہ اللہ (جو شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ کی ہجرتِ حجاز کے بعد ان کی علمی جانشینی کے سبب ''میاں صاحب'' کے لقب سے مشہور تھے) کی سیاسیات سے کنارہ کشی اور مشاغلِ درس کے باوجود میاں صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ سے ایک جماعت استخلاصِ وطن اور حکومتِ الٰہیہ کے قیام اور استحکام کے لیے بدستور سرگرمِ عمل رہی، جن میں حضرت شیخنا الاکرم مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری، حضرت شاہ عین الحق صاحب وخلق سواہم، رَحِمَهَمُ اللّٰهُ أَجْمَعِيْنَ، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، جن کا تمام عمر یہی مشغلہ رہا۔ اپنے ذاتی اموال نیز احباب کے بھی زکات وصدقات وغیرہ سے مجاہدین ستھانہ (چمر کنڈ و اسمس) کی اعانت فرماتے رہے۔ یہی وہ جرمِ عشق تھا جس کی پاداش میں مولانا محمد بشیر عرف عبدالرحیم (مصنف سلسلہ کتبِ اسلام) بن مولانا رحیم بخش (آف مسجد چینیانوالی، لاہور) ہزاروں روپے کی تجارت پر لات مار کر برسوں سوات بنیر کی پہاڑیوں میں سرگرداں رہ کر وہیں ہمیشہ کی نیند سو گئے۔

یہی حال مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کا ہے، جن کے سیاہ بال یاغستان کی برف میں سفید ہو گئے اور مضبوط صحت کا ایک نوجوان آج مرتعش جسم اور گری ہوئی صحت کے باوجود اسی لیلائے مراد کے وصل کی انتظار میں چمرقند کی سر بفلک پہاڑیوں میں اپنی موت کے دن کاٹ رہا ہے ؎

بجرم عشق توام مے کشند غوغائیست　　　تو نیز برسرِ بام آ کہ خوش تماشائیست[1]

ان بزرگانِ ملت میں بعض وہ لوگ تھے جنھوں نے اس فریضے کو اس وقت ادا فرمایا جب کہ بہت سے ''علمائے ہند'' جن کے ''شاندار ماضی'' پر آج بعض لوگوں کو ناز ہے، ابھی یا تو مستقبل کی آغوش میں محوِ خواب تھے اور یا مدارس اور مساجد کی چٹائیوں کی زینت بن رہے تھے۔ ''شاندار ماضی'' کے مصنف کی تنگ نظری اگر انھیں علماء میں جگہ نہیں دے سکی، نہ سہی، مگر جریدۂ عالم کا زیبِ عنوان ان

[1] ''تیرے عشق کے جرم میں لوگ شور وغوغا برپا کر رہے ہیں تو بھی ذرا بالکونی میں آ کر مشاہدہ کر کہ تو ایک اچھا تماشائی ہے۔''

کے سوا کون ہو سکتا ہے؟ واقعات کے خار اشگاف قلم نے جس مقامِ رفیع پر ان کا نام کندہ کیا ہے، کسی متعصب اور تنگ نظر حاسد کی کم نگاہی اسے کبھی مٹا نہیں سکتی۔ سچ ہے ؎

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

عرضِ حال:

آج جب کہ ''کالا پانی'' کا یہ ایڈیشن آپ کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے اور یہ چند سطور بطور مقدمہ لکھی جا رہی ہیں، حالات یہ ہیں کہ ''شاندار ماضی'' کے بعد ''تاریک مستقبل'' کے لیے زمین تیار ہو رہی ہے اور علمائے حال صرف "فاتحة خلف الإمام"، "كشف الستر عن مسئلة الوتر" اور "نيل الفرقدين"[1] ایسی تصانیف میں مشغول ہو کر اپنے علم کی داد لے رہے ہیں اور "فصل الخطاب" کے لیے صرف یہی چند مسائل رہ گئے ہیں جن پر امتِ مسلمہ کے شاندار یا تاریک مستقبل کا انحصار سمجھا جا رہا ہے۔ ہمارے مدارس کے طلبہ دیوبند سے آئیں یا دہلی سے، حنفی ہوں یا اہلِ حدیث، ان کی نگاہ میں سب سے بڑا جہاد جدل و مناظرات کی وہ محفلیں ہیں جن میں امام ابو حنیفہ، شافعی، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے فروعی اجتہادات پر طبع آزمائی کی جا رہی ہے اور ان خلد مکان بزرگانِ ملت کی فتح و شکست کا جائزہ لینے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ غالباً یہ ''جہاد'' اس لیے فرض قرار دیا گیا ہے کہ انگریز بہادر کی ''شریعت'' اسے جرم قرار نہیں دیتی، ورنہ اس سے بھی کوئی زیادہ شنیع مشغلہ تلاش کرنا پڑتا۔

خاتمہ:

کتاب آپ کے سامنے ہے اور اپنے بزرگوں کے کارنامے ان کے مقاصد کی تفسیر کر رہے ہیں، اس راہ کے مصائب، حکومت کی گرفت، اِتلافِ مال، اِتلافِ جان، غرض منزلِ عشق کے سارے آثار آپ کے سامنے ہیں۔ آپ ہیں اور اپنے مستقبل کی تعمیر آپ کا فرض، حکومتِ الٰہیہ کی تشکیل آپ کا ذمہ، ماضی کو دیکھیے اور مستقبل کو بنائیے۔ جو راہ آپ کی سربلندی پر منتج ہو سکے، اس کی طرف قدم اٹھائیے۔ خدا تعالیٰ کی رحمت ان نیک بندوں کا ساتھ دیتی ہے، جو اس کے قانون کا احترام کریں۔ ﴿وَالَّذِينَ جٰهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ [العنكبوت: ٦٩]

[1] یہ تینوں کتابیں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ مرحوم کی تالیف کردہ ہیں، جن میں حنفی اہلِ حدیث میں متنازع ان تین مسائل پر لب کشائی کی گئی ہے۔ [عطاء اللہ حنیف]

آج کی مشکلات:

اس وقت کی مشکلات کی نوعیت گو اس وقت کی مشکلات سے مختلف ہے، لیکن عزم و ارادے کی پختگی، تمام مشکلات کا صحیح حل ہے۔ اپنی سربلندی کے لیے کوشش انسانی فطرت کا نہ ٹلنے والا فرض، اس کی مشکلات سے گھبرانا، اپنی فطرت سے غداری کے مترادف ہے۔ جماعت اہلِ حدیث کے نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ توحید و سنت کی اشاعت اور اسلام کی سربلندی کے لیے بڑھیں۔ ﴿ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ... لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴾ [المدثر: ۳۵، ۳۷].

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

خطیب مسجد اہلِ حدیث، گوجرانوالہ

بتاریخ: ۹/۳/۴۱ء

پیش لفظ:

تعلیماتِ مجددیہ

(تالیف: ملک حسن علی جامعی۔ ناشر: ادارۃ إشاعۃ التوحید والسنۃ۔ شرقپور۔ ۱۹۶۵ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْخَاتَمِ الْحَاشِرِ، وَالْعَاقِبِ الْكَرِيْمِ، وَعَلٰى أَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ الْحُمَاةِ لِدِيْنِهِ حِمَايَةَ الْكَفِيْلَ وَالزَّعِيْمِ.

سلسلۂ نبوت کے کلی طور پر بہر نہج ختم ہونے کے بعد حق تعالیٰ نے راہنمائی اور ہدایت کی ذمے داری علمائے حق پر عائد کر دی اور اعلان فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ يَحْمِلُهُ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِّيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ»[1]

"اس علم کی حفاظت کے لیے یکے بعد دیگرے اہلِ علم پیدا ہوتے رہیں گے، جو اہلِ بدعت کے غلو اور غلط کار لوگوں کی باطل نوازیوں کی مدافعت اور نفی کرتے رہیں گے۔"

یعنی امت کی اصلاح اور بدعات کی تردید کا سلسلہ چلتا رہے گا اور امت دین میں رخنہ ڈالنے والوں کی حیلہ سازیوں سے محفوظ رہے گی۔

اس ضمن میں ائمۂ تجدید کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ وہ ایک طرف مزاجِ نبوت اور مقاصدِ نبوت کو سمجھتے ہیں اور دوسری طرف ان کا ہاتھ اُمت کی نبض پر ہوتا ہے۔ وہ امت کے امراض اور اس کے علاج کو اپنے مخصوص مقام کے لحاظ سے سمجھتے ہیں۔ علاج میں مرض کی شدت، مریض کے حالات، ہر چیز کو علم الٰہی کی روشنی میں سمجھتے ہیں۔ امر بالمعروف میں سب سے بڑی چیز بدعات کی رفتار اور اس کی اصلاح میں مناسب زبان کا استعمال ہے۔ مجدد کی راہ اس معاملے میں عام علماء سے مختلف ہوتی ہے۔

عام علماء علمی اصطلاحات کی پابندی، مروّجہ علوم کی روشنی اور اصولِ مناظرہ کے زیرِ سایہ گفتگو

[1] سنن البیہقي (۱۰/ ۲۰۹)

فرماتے ہیں۔ کبھی کبھی ﴿ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ﴾ [المؤمن: ٨٣] (انھیں مروجہ علوم اور اپنی مصطلحات پر فخر ہوتا ہے) کی شان ان کے اندازِ بیان میں نمایاں ہو جاتی ہے، لیکن مجدد مقاصدِ دین کے تحفظ کے بعد مروّجہ علوم اور علماء کے رسوم وعوائد سے بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ اپنی زبان میں بولتا ہے، اس کی زبان کی تلخی مروجہ رسوم کے تابع نہیں ہوتی، بلکہ اس کا لہجہ وقت اور ضرورت کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے بھی شرک و بدعات کے متعلق ایک زبان استعمال فرمائی اور اپنے وقت کی بدعات کے خلاف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ایک اندازِ بیان اختیار فرمایا۔ آج کل اور اس وقت کے علماء، علم کی مسندوں پر بیٹھ کر تدریس، شروح، حواشی اور مناظرات کا کام کرتے ہیں اور اصلاح کی کوشش فرماتے ہیں، لیکن ہوتا کیا ہے کہ مجدد اپنے ماحول میں ایک ہنگامہ بپا کر دیتا ہے۔ حکومت کے ایوان سے لے کر محراب و منبر کی فضائیں اس کی آواز سے لرزتی ہیں، پوری فضا میں ارتعاش ہوتا ہے۔ محکمۂ قضا اور محکمۂ افتا دونوں اس کے تعاقب میں نکلتے ہیں، مگر وہ مسکراتا ہوا اپنے سفر کو جاری رکھتا ہے، اس کی آسمانی اور خداوندی آواز میں ایک اثر ہوتا ہے۔ اس اضطراب و ارتعاش کے بعد جب کچھ سکون ہوتا ہے تو اہلِ دنیا کی زبانیں تلاشِ حقیقت کے طور پر دریافت کرتی ہیں: ﴿ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ﴾ [محمد: ١٦] ؟ جواب ملتا ہے: ﴿ قَالُوا الْحَقَّ ﴾، اس لیے کہ اس کا علم، علومِ نبوت کے توسط سے الٰہی علوم کی صدائے بازگشت ہوتا ہے۔ اس لیے اسے بتدریج «يُوْضَعُ لَهُ الْقُبُوْلُ فِيْ الْأَرْضِ»[1] کا مقام حاصل ہوتا ہے، لیکن عام علماء کی اصلاحی خدمات کے صلے میں حکومتیں انعامات دیتی ہیں۔ عوام میں عقیدتیں غلوّ کی حد تک پہنچتی ہیں۔ دنیوی اعزاز، درباری حاضریاں، خطابات و وظائف اور دنیا میں امن وخوشحالی کی زندگی میسر آتی ہے۔

حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد بن زین العابدین الفاروقی (متوفی ۱۰۳۴ھ) دسویں صدی کے اواخر ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت کئی قسم کے جمود پائے جاتے تھے، جن کی اصلاح کے لیے حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ نے جرأت مندانہ قدم اُٹھایا۔ سیاسی جمود، رسوم و عادات میں مشرکانہ جمود، تصوف میں جمود اور فقہی جمود۔ اکبرِ اعظم کا انداز ابتداء میں اسلامی تھا۔ اس نے شیخ محمد طاہر پٹنوی مولف ''مجمع البحار'' کے سر پر پگڑی اس شرط پر رکھی کہ ان کے بجائے بادشاہ خود بدعات کی بیخ کنی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٣٠٣٧) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٦٣٧)

کرے گا، (أبجد العلوم، ص: ٨٩٦)لیکن عیاش رفقاء اور ملا مبارک کے خانوادے نے اسے برباد کر دیا۔ بدعات کیا مٹیں، وہ کفر کو از سرِنو واپس لانے میں مشغول ہو گیا۔ ہندو مت اور رفض کی ملی جلی رسوم، شاہی خاندان میں پائی جانے لگیں اور اس کا اثر رعایا پر بھی ہوا۔ علماء سے ملا مبارک کا خاندان ایوانِ شاہی پر قابض تھا۔ اکبر کی لگام علمی طور پر انہی حضرات کے ہاتھ میں تھی اور جب دربار پر قبضہ ملّا دو پیازہ ایسے مسخروں اور بیربل ایسے بے دین لوگوں کا ہو تو دینی بصیرت، تفقہ، تقویٰ، تدین کہاں سے آئے گا؟ برہمنوں کی نقالی، تیجے، دسویں، چہلم اور گیارھویں اصل دین قرار پا سکتا تھا جو ہندو رسوم کی ایک صورت ہے۔

شرک کی اصل بنیاد عموماً خالق اور مخلوق کی صفات میں عینیت یا تشابہ رہا ہے، جس کا اوتار، حلول، تجسم اور وحدت الوجود نام رکھا گیا۔ مسیحی حضرات نے جب مسیح کی اِبنیت کا دعویٰ کیا تو تجسم کی آڑ لی۔ یہاں بھی اسی حلول اور وحدت الوجود کے باطل عقیدے کو رواج دیا گیا۔ آج ہمارے عوام میں عرب بلاعین اور احمد بلامیم کی شہرت اسی عقیدے کے برگ و بار ہیں۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ مسلک کے لحاظ سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے پختہ تعلق رکھتے تھے، لیکن ان کی روش میں اس قدر وسعت ہے کہ آج کل حضراتِ احناف کے دونوں شعبوں، حضراتِ ''دیوبند'' اور حضراتِ ''بریلی'' کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ حضراتِ صوفیہ سے محبت کے ضمن میں حضراتِ بریلی مجدد صاحب سے بے حد عقیدت رکھتے ہیں، لیکن بدعات کی ترویج کے سلسلے میں وہ حضرت مجدد کی پروا بھی نہیں کرتے، بلکہ ان کے ہاں مذہب کا بالکل ایک نیا تصور ہے جس کے لیے نہ وہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی صحیح تقلید کرتے ہیں، نہ حضرت مجدد کی اقتداء۔

حضرت مجدد کی وسعتِ نظر اور وسعتِ ظرف کا پتا مولف ''اليانع الجني'' کے اس بیان سے ملتا ہے:

''وَقَلَّ مَا تُعُقِّبَ بِهٖ عَلَيْهِ وَرُدَّ مِنْ قَوْلِهٖ وَالْمَسائِلُ الْمَعْدُوْدَاتُ الَّتِيْ شَدَّدَ بِهَا النَّكِيرَ عَلَيْهِ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ فَالْحَقُّ أَنَّهٗ مُصِيبٌ فِيْ بَعْضِهَا، وَلَهٗ تَاوِيْلٌ سَائِغٌ فِي الْبَعْضِ الْآخِرِ، وَشَارَكَهٗ فِيْهَا غَيْرُهٗ مِنْ هٰذِهِ الطَّائِفَةِ مِمَّنْ لَّا يُحْصٰى كَثْرَةً'' (اليانع الجني، ص: ٦٦)

''بہت کم مسائل ایسے ہیں جن پر حضرت مجدد رحمہ اللہ کا تعاقب اور رَد کیا گیا ہے، اور جن میں بعض اہلِ علم نے ان کی سخت مخالفت کی ہے، صحیح یہ ہے کہ بعض میں مجدد صاحب رحمہ اللہ حق پر ہیں، بعض میں ان کی تاویل درست ہے اور اُن میں علماء کی ایک بڑی اکثریت ان کی ہمنوا اور ان سے متفق ہے۔''

پھر فرماتے ہیں:

''وَأَجَابَ عَنْ شُبُهَاتِ الْمُتَقَشِّفَةِ، وَذَبَّ عَنْهُ أَبُوْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ رحمه الله وَأَنْعَمَ الثَّنَاءَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكْ فِيْهِ مَجَالًا لِعَائِبٍ، وَلَا مَقَالًا لِرَائِبٍ، وَكَفَاكَ بِهٖ إِمَاماً يَشْهَدُ لِإِمَامٍ'' (اليانع الجني، ص: ٦٥)

''اور ایسے نقاد حضرات کے شبہات کا جواب حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے پوری طرح دیا ہے، جس کے بعد کسی شک اور عیب جوئی کی گنجایش نہیں رہتی۔ اور یہ کافی ہے کہ ایک امام دوسرے امام کے حق میں شہادت دے رہا ہے۔''

ایک مقام پر فرمایا:

''وَمِنْهَا أَنَّهٗ حَقَّقَ الْفَرْقَ بَيْنَ الْبِدْعَةِ وَالسُّنَّةِ وَأَقْيِسَةِ الْمُجْتَهِدِيْنَ وَاسْتِحْسَانَاتِ الْمُتَأَخِّرِيْنَ وَالتَّعَارُفِ عَنِ الْمَشْهُوْدِ لَهَا بِالْخَيْرِ وَمَا أَحْدَثَهُ النَّاسُ فِي الْقُرُوْنِ الْمُتَأَخِّرَةِ وَتَعَارَفُوْهُ فِيْمَا بَيْنَهُمْ. فَرَدَّ بِذٰلِكَ مَسَائِلَ مِمَّا اسْتَحْسَنَهَا الْمُتَأَخِّرُوْنَ مِنْ فُقَهَاءِ مَذْهَبِهٖ'' (اليانع الجني، ص: ٦٥)

''انھوں نے بدعت، سنت اور مجتہدین کے قیاس اور متاخرین کے استحسان میں فرق فرمایا اور قرونِ خیر اور متاخرین کی بدعات میں جن کو انھوں نے مستحسن سمجھ رکھا تھا، امتیاز فرمایا اور ان مسائل کا رد کیا جنھیں متاخرینِ فقہاء بدعتِ حسنہ سمجھتے تھے۔''

حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ کی تحقیق پسندی اور وسعتِ نظر کا یہ اثر تھا کہ ان کے لختِ جگر بھی بعض فرعی مسائل میں اختلاف کرتے اور اس کا اظہار کسی تصادم اور مناظرے کے بغیر فرماتے۔ یہی حال حضرت مجدد رحمہ اللہ کے تلامذہ اور مستفیدین کا ہے۔ وہ فرعی مسائل میں بڑی آزادی سے امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ بعض اہم مسائل مختلف فیہ پر اتفاق فرماتے اور اس کے باوجود وہ حنفی کہلانے

میں مسرّت محسوس فرماتے۔ یہ اس علمی جہاد کا اثر تھا جو حضرت مجدد رحمہ اللہ نے فقہی جمود کے خلاف فرمایا۔ یہ تذکرہ ''أبجد العلوم'' میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے۔[1]

حضرت مجدد رحمہ اللہ کی تصنیفات مفید ہونے کے علاوہ علمی طور پر بلند پایہ ہیں۔ مکتوبات علم و حکمت کا اتنا مقدس ذخیرہ ہے جس کی نظیر متاخرین کی تصنیفات میں نہیں مل سکتی۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم فرماتے ہیں:

''وبالجملہ مکاتیب عالی جناب حضرت مجدد قدس سرہ، مالا مال است در رد بدعت و انکار تقسیم آں بسوئے حسنہ وسیئہ وطریقہ علیہ وے مبنی است بر اتباع کتاب وسنت در ظاہر و باطن و نہ پذیرفتن چیزے کہ مخالف ایں ہر دو اصل محکم باشد و ایں مکتوبات اصول عظیم است از برائے وصول منازل معرفت وقبول۔ طالبِ صادق و سالک راغب را در ہیچ وقتے از اوقات از مطالعہ آں بے نیازی حاصل نیست۔''

''حضرت مجدد کے مکتوبات، ردِ بدعات سے بھرپور ہیں۔ انھوں نے بدعتِ حسنہ اور سیئہ کی تقسیم کا انکار کیا ہے۔ ان کا طریقہ ظاہر و باطن میں کتاب وسنت پر مبنی ہے۔ کتاب وسنت کے خلاف وہ کسی چیز کو قبول کرنے کے حق میں نہیں۔ معرفت وقبول کی منازل تک پہنچنے کے لیے یہ مکتوبات اصولِ عظیم کا حکم رکھتے ہیں۔ طالبِ صادق اور سالکِ راغب اس کے مطالعے سے کبھی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔''

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے حضرت مجدد رحمہ اللہ کے بعض افکار پر تنقید فرمائی، لیکن محققین کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ خود حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بھی اس سے رجوع فرما لیا تھا۔

حضرت مجدد رحمہ اللہ اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے اپنے وقت کے بہت سے علماء اور اربابِ تصوف سے ممتاز رہے۔ قید و بند کی صعوبتوں کے باوجود اس وقت اور آنے والی نسلوں میں حضرت مجدد رحمہ اللہ اس عزت واحترام سے دیکھے گئے جس کا عُشرِ عشیر ان کے اقران کو حاصل نہ ہوسکا۔

محترم ملک حسن علی صاحب شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے حضرت مجدد رحمہ اللہ کی تصانیف کے ہزار دو ہزار صفحات کو کھنگالا اور بڑی دیدہ ریزی اور محنت سے حضرت کی تعلیمات کو جمع فرمایا۔ یہ

[1] أبجد العلوم (ص: ٨٩٦)

ان حضرات کے لیے مقامِ عبرت ہوگا جو حضرت مجدد رحمہ اللہ کے اسمِ گرامی کے ساتھ کئی گز لمبے القاب پیوست کرتے ہیں، قبر کی زیارت اور عرس کی تقریب میں شمولیت کے لیے سرہند جاتے ہیں، مگر حضرت مجدد رحمہ اللہ کی تعلیمات سے اس قدر بے خبر ہیں کہ وہ ان سچائیوں کا نام ''وہابیت'' رکھ کر حضرت مجدد کو بدنام کرتے اور اپنی سادگی وکم فہمی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں۔

ملک صاحب کے مضامین چٹان، الاعتصام اور دیگر اخبارات میں چھپتے اور نظر سے گزرتے رہے جو توحیدِ خالص، سنت سے محبت، عقیدۂ سلف اور اُن کے اعمال کا مرقع ہیں۔ اب یہ کتابی صورت میں ''تعلیماتِ مجددیہ'' کے نام سے شائع ہو رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ یہ مجموعہ ہر گھر میں پہنچے اور ہر مکتب اور ہر لائبریری میں پڑھا جائے۔

شرک خدا پر بدگمانی کا نتیجہ ہے اور بدعت آنحضرت ﷺ۔فِدَاهُ أَبِيْ وَأُمِّيْ۔ سے بدظنی کا اثر۔ یہ دونوں چیزیں ایمان کے لیے مقراض کا حکم رکھتی ہیں۔

تعجب ہے کہ اہلِ توحید سے ایک طبقہ مداہنت کا شکار ہو رہا ہے۔ وہ عوام کے خوف اور اہلِ بدعت کی بدزبانی سے بچنے کے حیلے تلاش کر رہا ہے۔ ملک صاحب کی یہ محنت ان بزرگوں کے لیے عبرت کا مقام ہے کہ ایک زمیندار مگر جدید تعلیم کا بہترین واقف اس فرض کو سرانجام دے رہا ہے جو درحقیقت اصحابِ منبر ومحراب اور اربابِ عمائم کا فرض تھا۔

اللہ تعالیٰ ملک صاحب کی اس محنت کو قبول فرمائے اور بھولے ہوئے بھائیوں کو سمجھنے کی توفیق مرحمت کرے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

محمد اسماعیل

خطیب جامع مسجد اہلِ حدیث، گوجرانوالہ

۲۰؍ مئی ۱۹۶۵ء، لاہور

پیش لفظ:

قبر پرستی اور سماعِ موتیٰ

(تالیف: خواجہ محمد قاسم۔ ناشر: ادارہ احیاء السنۃ، گوجرانوالہ، ۱۹۶۷ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا، يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ، هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ، تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيْلِ.

انبیاء کی تعلیمات میں تنوع:

قرآنِ عزیز کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے تمام شعبوں میں راہنمائی فرما کر انسان پر نوازش کی ہے۔ بادشاہوں کے پُرشکوہ ایوانوں سے شروع ہو کر فقراء کے جھونپڑوں تک اس کا فیضان پہنچا ہے۔ قرآنِ عزیز کے تاریخی حصوں میں جہاں انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کی سرگزشت کا تذکرہ ملتا ہے، وہاں انبیاء علیہم السلام کے مختلف فرائض پر بھی روشنی پڑتی ہے، جن کو انھوں نے انسانی معاشرے کے عروج و زوال اور ترقی و انحطاط کے متعلق بہ خوبی نباہا۔ بدکاری سے روکا، بدکرداری سے منع فرمایا۔ ماپ تول میں بے اعتدالی پر سرزنش فرمائی۔ راستوں میں بیٹھ کر مسافروں سے چھیڑ چھاڑ کرنے پر وعید فرمائی، شاہراہوں پر بیٹھنے سے جو ذمے داریاں انسان پر عائد ہوتی ہیں، ان کا حکیمانہ تذکرہ فرمایا:

«إِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ فَاعِلِيْنَ فَأَعْطُوا الطَّرِيْقَ حَقَّهٗ»[1] (الحديث)

”اگر تم کو شاہراہوں پر بیٹھنے کے سوا چارہ نہ ہو تو راستے کا حق ادا کرو۔“

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٥٨٧٥) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢١٢١) سنن الترمذي (٢٧٢٦)

کتنا بلیغ فقرہ ہے، جس میں شاہراہوں اور سقیفوں کی صورت میں ڈیرے ڈالنے کی کراہت ظاہر فرما کر اجازت دیتے ہوئے انسانی معاشرے کی بہترین خدمت کے لیے حتمی احکام ارشاد فرما دیے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور امرأۃ العزیز کی محبت کا تذکرہ اس خوبصورتی سے بیان فرمایا کہ اس اخلاقی اندازِ بیان پر ہزاروں ابن مسکویہ اور دوّانی قربان کیے جا سکتے ہیں۔ محبت کی بے عنوانی اور جذبات کی بے اعتدالی کا پورا تذکرہ اپنی پہنائیوں کے ساتھ آ گیا، لیکن ایک لفظ بھی ایسا نہیں آیا جس پر اخلاق کی محفلیں کوئی نکتہ چینی کر سکیں۔ اتنا مبسوط تذکرہ، جس میں پُر امید محبت کی فراوانی، بے اعتدالیوں اور مایوسیوں کے سیلاب، ابتلاء اور استقامت کی پاداش میں سالہا سال تک جیل کی زندگی؛ قرآنِ عزیز نے ان تمام حوادث اور سوانح کا ذکر فرمایا، لیکن ایک بھی گندا اور مستہجن لفظ واقعات کے اظہار میں نہیں فرمایا۔ ان مصنوعی اور مجازی محبتوں میں ایرانی ادبیات نے عشق کا لفظ بڑی بے تکلفی سے استعمال کیا ہے، لیکن قرآن نے اس داستان میں اسے بھی پسند نہیں فرمایا:

﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ [یوسف: ۳۰] ”یوسف کی محبت اس کے دل کی گہرائیوں میں اُتر چکی تھی۔“

کہہ کر دریا کو کوزے میں بند کر دیا۔ قصہ کوتاہ گشت ورنہ دردسر بسیار بود![1]

قدرِ مشترک:

انبیاء علیہم السلام کی مساعی کے اس تنوع اور تطور کے باوجود ان سب میں قدرِ مشترک مسئلۂ توحید تھا۔ آدم علیہ السلام کی نبوت اس وقت زندگی کی ضروریات تک محدود معلوم ہوتی ہے۔ قابیل کی اخلاقی بے اعتدالی کے علاوہ کسی گناہ کا سراغ نہیں ملتا، جس کی اصلاح حضرت آدم علیہ السلام نے فرمائی ہو اور زندگی کی اس قریبی ابتداء میں شاید انسان شرک کے تصور کو قبول بھی نہ کر سکتا۔ اس لیے کہ ابھی بے عمل اور بدعمل زندگی ہی شروع نہ ہوئی تھی جس کے لیے بزرگوں اور ولیوں کی چوکھٹوں پر سر بہ سجود ہونے کی ضرورت محسوس ہو۔ اللہ کی توفیق شاملِ حال ہو، انسان اپنی بساط کے مطابق خود دین کی پابندی کرے، اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے ساتھ حسنِ عمل اور حسنِ کردار کا پابند ہو تو اس پر اس قدر مایوسی طاری ہی نہیں ہوتی کہ وہ ان دنیا کے درباروں اور پرانی خانقاہوں پر جبہ سائی کرے۔

وہ یقیناً اپنے رب کی رحمت پر مطمئن ہوتا ہے اور اُمید رکھتا ہے کہ وہ اس کی دستگیری فرمائے گا

[1] ”قصہ کوتاہ ہوا، ورنہ سر میں بہت سا درد (مواد) موجود ہے۔“

اور ان مساعی کو قبول فرما کر اپنی رحمت کے دروازے اس پر کھول دے گا۔ یہ شخص بفضلِ خدا بزرگوں سے توسل کے بجائے ان کی معیت سے سرفراز ہوگا:

﴿ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ [النساء: ٦٩]

''جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اسے قیامت کے دن انبیاء، اہلِ صدق، اربابِ شہادت اور صلحاء کی معیت نصیب ہوگی اور یہ رفاقت بہترین رفاقت ہے۔''

جس کو اللہ تعالیٰ بزرگوں کی معیت سے نوازے، وہ توسل اور شفاعت کے لیے کیوں سرگرداں اور بے قرار ہو؟!

طریقِ کار:

انبیاء علیہم السلام نے توحید کی اشاعت کو موثر، ذہن نشین اور کامیاب بنانے کے لیے اساسِ کار کے طور پر اپنی اطاعت پر پورا زور دیا۔ اس لیے کہ یہ تصور پیغمبر کے ساتھ پوری عقیدت کے بغیر ذہن میں پیوست نہیں ہوسکتا۔ دوسری چیز جس پر بار بار زور دیا، وہ اپنی عبدیت کا اقرار اور اس کی تشہیر ہے، تاکہ خود پیغمبر کے متعلق بھی غیر متوازن تصورات قائم نہ ہو جائیں اور غلو پسند طبائع پیغمبر کو بھی خدا کا شریک نہ بنا لیں۔ اس لیے خود اسے عبدیت کی سند عطا فرمائی اور نبوت کی زبان سے بھی اس کا اعلان کرایا گیا۔

انبیاء علیہم السلام کا محبوب ترین لقب جس سے رفعتوں اور بلندیوں کی راہیں کھلتی ہیں، اسی عبدیت کو قرار دیا گیا:

- ﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ [النساء: ١٧٢]

''حضرت مسیح اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے اللہ کا بندہ بننے سے قطعی گریز نہیں کرتے۔''

- ﴿ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴾ [المؤمن: ١٥]

''اپنے بندوں سے جس پر چاہے وحی نازل فرمائے۔''

- ﴿ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ ﴾ [النحل: ٢]

''اپنے بندوں سے جس کے پاس چاہے وحی بھیج دے۔''

- ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ﴾ [بني إسرائيل: ١]

''اس نے اپنے بندے کو رات سیر کرائی۔''

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ [الكهف: ١]

''اس نے اپنے بندے پر کتاب اُتاری۔''

﴿ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴾ [صٓ: ٣٠] ''ایوب بہترین بندے تھے۔''

﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾ [بني إسرائيل: ٣]

''نوح بہتر بندے تھے۔''

آنحضرت ﷺ (فداہ ابی و امی) اور باقی انبیاء علیہم السلام کے وصفِ عبدیت سے قرآن بھرا پڑا ہے۔ نماز میں آنحضرت ﷺ کی عبدیت کا بار بار اقرار کرایا گیا ہے۔

سورۃ الشعراء میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب کا تذکرہ یکے بعد دیگرے فرمایا، سب نے اسی چیز پر زور دیا: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ [آل عمران: ٥٠] ''اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔'' نبوت کے اقرارِ عبدیت کے اعتراف کے ساتھ خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر زور دیا ہے۔

قوم نوح اولیاء پرستی کی موجد:

قرآنِ عزیز کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء پرستی کا دورہ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو پڑا اور انھوں نے اجتماعی طور پر قرار داد پاس کی کہ ودّ، سواع، یغوث، یعوق، نسر؛ ان پانچ بزرگوں کی پرستش کو مت چھوڑنا۔ ان کا یہ فیصلہ ان بزرگوں کے بتوں کی پرستش کے متعلق تھا۔ ہمیں آج تک ان قبوری اور خرافی حضرات کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ قبر پرستی کی اجازت دیتے ہیں، بُت پرستی کو ناپسند کرتے ہیں۔ آخر ان دونوں پرستشوں میں فرق کیا ہے؟

بُت پرستی کے متعلق اُس وقت کے صوفی حضرات نے یہی فلسفہ بیان کیا تھا:

﴿ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [یونس: ١٨]

﴿ لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ [الزمر: ٣]

یہ بزرگ ہمارے لیے اللہ کے ہاں سفارش اور قرب کا موجب ہیں۔ یہی دلیل خرافی حضرات اولیاء اور قبورِ اولیاء کے متعلق فرماتے ہیں۔ اگر قرآنِ عزیز نے اَصنام اور اَوثان کے تزلف اور شفاعت

کو ناجائز قرار دیا ہے تو قبور کے لیے جواز کہاں سے ثابت ہوا۔ اوضاع و اطوار اور اسماء و القاب کے بدل جانے سے عبادت میں کیا فرق پڑ گیا ہے۔ وہ حرام یہ ثواب!! ﴿ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴾ [الصافات: ١٥٤]

قرآنِ عزیز نے جو شرک کی مذمت فرمائی ہے تو اس کے ظہور کی ایک نہیں کئی صورتیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ستاروں کی پرستش کی۔ بعض نے حضرت مسیح اور حضرت عزیر کو ابن اللہ کہہ کر پرستش کے لیے حیلہ بنایا۔ روسائے عرب لات کی قبر اور بُت دونوں کو خدا کا مظہر سمجھتے تھے۔ پختہ قبریں بنانے کا رواج بھی موجود تھا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے برابر کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو الہیاج کو مامور فرمایا۔[1] صحابہ میں سے ایک بھی آواز اس کے خلاف نہیں اُٹھی۔ آج بزرگوں کے بتوں اور بزرگوں کی قبروں میں کیوں فرق کیا جائے؟ جب ہیاکل اور ملائکہ کی پرستش کے لیے جواز کی کوئی وجہ نہ بن سکی تو اہل اللہ اور ان کی قبور کے لیے جواز کا فتویٰ کہاں سے آیا؟

﴿ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴾ [القمر: ٤٣]

کام جب یکساں ہے تو حکم میں فرق کیسے ہو؟

زیرِ تقریظ کتاب:

حافظ قاسم، سلمہ اللہ، ان نوجوانوں میں سے ہیں جن کے خمیر میں توحید سمو دی گئی ہے۔ وہ ان معنی میں نجیب الطرفین ہیں کہ ان کے ننھیال اور ددھیال دونوں پختہ قسم کے موحد تھے۔ ان کے مرحوم والد کی دلی آرزو تھی کہ یہ کسی معاوضے کے بغیر دین کی خدمت کریں۔ حافظ صاحب کے والد کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے منظور فرمائی۔ انبیاء اور اکابرِ امت کی طرح ان کے معاشی ذرائع دینی خدمت سے بالکل الگ ہیں۔ (کاش یہ روز افزوں مہنگائی خاکسار کے ارادوں کو متزلزل نہ کر دیتی۔ محمد قاسم)

بڑی خوش قسمتی ہے کہ انھیں لکھنے کی عادت ہے۔ پہلے بھی وہ مختلف موضوعات پر رسائل لکھ چکے ہیں۔ زیرِ تقریظ رسالہ میں نے اکثر مقامات سے پڑھا ہے۔ ایسے تلخ موضوع پر جہاں ایک موحد ان خرافی حضرات کے خرافات سن کر جوش میں آ جاتا ہے، حافظ صاحب کا قلم اعتدال سے نہیں ہٹا۔

[1] صحيح مسلم، رقم الحديث (٩٦٩)

معلوم ہے یہ خرافی ذہن مریض ہے۔ مریض سے ناراض ہونا کوئی خوبی نہیں۔ حافظ صاحب نے یہ رسالہ اسی انداز سے لکھا ہے کہ ان بیماریوں کا علاج ہو سکے۔ انھوں نے ان مریض حضرات کے قریب ہو کر ان کے مرض کی نشان دہی فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان خرافات پسند دوستوں کو توفیق دے کہ وہ اس حکیمانہ علاج سے استفادہ فرمائیں۔ وہ اپنی عبادات کو بزرگوں کی قبور اور بزرگوں کی بے حس و حرکت لاشوں کے بجائے خدائے لا یزال کے لیے بجا لائیں۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز کا اعتراف کریں، تاکہ ان کی عبادت قبولیت کی مستحق ہو سکے۔

وَعِبَادَةُ الرَّحْمَانِ غَايَةُ حُبِّهِ مَعَ ذُلِّ عَابِدِهِ هُمَا قُطْبَانِ
وَعَلَيْهِمَا فَلَكُ الْعِبَادَةِ دَائِرٌ مَا دَارَ حَتّٰى دَامَتِ الْقُطْبَانِ [1]

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کے قلم میں برکت فرمائے اور مزید خدمتِ دین کی توفیق بخشے۔

محمد اسماعیل

۷؍ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۷ھ = ۱۴؍ ستمبر ۱۹۶۷ء

[1] القصيدة النونية لابن القيم (ص: ۳۵)

پیش لفظ:

تین طلاقیں

(تالیف: خواجہ محمد قاسم۔ ناشر: ادارہ احیاء السنۃ، گوجرانوالہ،۱۹۶۴ء)

جب سے ملک میں عائلی قوانین کا تنقیدی جائزہ لینے کے لیے راہ کھلی ہے، ملک کے مختلف حلقوں سے اس کے متعلق لکھا گیا ہے۔ بعض حضرات کا خیال تھا کہ عائلی قوانین کو از اول تا آخر مسترد کر دیا جائے۔ دراصل یہ خیال پاکستانی حکام کے لادینی ذہن اور غیر محتاط روش، دین کے معاملے میں اکابر حکومت کی بے اعتدالی اور ذہنی آوارگی کی پیداوار ہے۔ ورنہ اصلاح سے کون انکار کر سکتا ہے؟

بعض حضرات کا خیال ہے کہ ان قوانین کی چھان پھٹک کی جائے۔ جو غلط اور خلافِ شریعت ہیں، انھیں یکسر اُڑا دیا جائے اور اگر کوئی مفید مواد مل جائے تو اسے رکھ لیا جائے۔ راقم الحروف کا تعلق دوسرے گروہ سے ہے۔ ہمارے معاشرے میں عورت مظلوم ہے۔ سوسائٹی میں اس بے چاری کی سادگی سے فائدہ اُٹھا کر آزادی کے نام سے اسے آوارگی کی دعوت دی جاتی ہے اور اسے جنسی خواہشات کے لیے تختۂ مشق بنایا جاتا ہے، بلکہ اس کے جائز حقوق سے گریز کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔

عائلی قوانین:

عائلی قوانین کا مسودہ جب پہلے پہل شائع ہوا تو عائلی کمیشن کے ایک ممبر مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی نے اس پر ایک اختلافی نوٹ لکھا جو نہایت مفصل اور کئی صفحات پر مشتمل تھا۔ عائلی قوانین میں حکومت نے مروجہ طلاقِ ثلاثہ کو، جو بیک وقت دی جاتی ہے، ایک شمار کرنے کا اشارہ کیا تھا۔ مولانا احتشام الحق نے جو نوٹ لکھا وہ انتہائی عصبیت سے بھرا ہوا تھا۔ مولانا احتشام الحق ایسے معقول اور معاملہ فہم آدمی سے ہمیں اس کی اُمید نہ تھی۔

عائلی قوانین موت و حیات کی کش مکش سے گزرتے ہوئے صدرِ مملکت کی عنایت سے کچھ دن

زندہ رہ گئے ہیں۔ حکومت نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان میں مناسب اصلاحات کر دے گی۔ حافظ محمد قاسم صاحب کا یہ مضمون ایک اصلاحی کوشش ہے۔ مزید بھی بعض ایسی چیزیں موجود ہیں عائلی قوانین میں جن سے صحیح طور پر فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

حافظ صاحب موصوف کا زیادہ تر ماخذ "إغاثة اللهفان"، "زاد المعاد"، "فتاویٰ ابن تیمیة" وغیرہ کتبِ اہلِ سنت ہیں۔ مناسب ہو گا، عائلی کمیشن کے ممبرانِ کرام ان کتابوں کے علاوہ "نیل الأوطار" اور "أعلام الموقعین" کے بعض صفحات، "مسك الختام"، "دلیل الطالب"، "فتح الباري" وغیرہ ائمہ سنت کے ملفوظات پر بھی توجہ مبذول فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی مساعی کو شرفِ قبولیت بخشے کہ دین کی خدمت کر سکیں۔ سیمنٹ اور بجری تو اور لوگ بھی فروخت کر سکتے ہیں!!

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

۱۸/۳/۶۴

مقدمہ:

”نصرة الباري في بيان صحة البخاري“

(تالیف: مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری رحمہ اللہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْأَتَمَّانِ عَلٰی نَبِيِّهِ الْكَرِيمِ! خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ الْهَادِيْ إِلَى الْمَنْهَجِ الْقَوِيمِ، وَعَلٰی أَتْبَاعِهِ السَّادَةِ الْغُرَرِ، الْهُدَاةِ إِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ، وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ الْكَبَائِرِ الْعِظَامِ الَّذِيْنَ كُلٌّ مِنْهُمْ قَائِدٌ وَزَعِيْمٌ.

عرف میں حدیث کا لفظ قرآنِ عزیز اور آثارِ نبویہ پر بولا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشادات اور افعال و اجتہادات اور خاموشیاں آثار میں شامل ہیں۔ مسائل کے استنباط و استخراج میں ان آثار کو اساسی حیثیت حاصل تھی اور ہے۔ قرآن مجید کے فہم میں آنحضرت ﷺ کا جو مقام تھا وہ کسی دوسرے کو حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ اگر کوئی دوسرا شخص یہ مقام حاصل کر سکے تو آنحضرت ﷺ کا اصطفاء اور انتخاب عبث ہوگا۔ نبی اور غیر نبی میں کوئی جوہری امتیاز نہیں رہے گا۔ ارشادِ باری تعالی ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ [1] (١٦/ ٤٤)

”ہم نے تم پر قرآن صرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے سامنے اسے بیان کرو اور لوگ اسے سوچیں۔“

﴿ لِتُبَيِّنَ ﴾ میں تعلیل سے جو حق آنحضرت ﷺ کو دیا گیا ہے، اگر یہ حتمی مقام کسی کو انفراداً یا چند افراد کو بطور مرکزِ ملت دیا جائے تو آیت کے دونوں فقروں میں ربط نہیں رہے گا۔ تعلیل کا مقصد یکسر ختم ہو جائے گا۔ اس مقامِ عظیم کا استحقاق نہ کسی قرآنی معاشرے کو دیا جا سکتا ہے اور نہ فقہی اور اجتہادی معاشرے کو، اس مقام کی وضاحت قرآنِ عزیز نے مختلف وجوہ سے کی ہے:

[1] سورة النحل [آیت: ٤٤]

1- ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ [النساء: ٥٩] میں دو اطاعتوں کا تذکرہ عطف کے ذریعے کیا گیا ہے جس کا اولین مفہوم تغایر اور استقلال ہے۔ یعنی آنحضرت ﷺ کی اطاعت قرآنِ عزیز کی نظر میں بالاستقلال فرض ہے۔ صیغۂ امر سے بھی اولاً یہی مفہوم ہوتا ہے۔

2- ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾[1] (٤/٦١)

''جب ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحی اور آنحضرت ﷺ کی طرف بلایا جائے تو تمھیں معلوم ہوگا کہ منافق تمھارے نام سے رکتے اور بدکتے ہیں۔''

3- اس مقصد کی وضاحت سورت نساء میں ایک اور انداز سے فرمائی ہے، جس میں اخلاق اور تشریع کی حد سے گزر کر تعزیر اور تادیب کا انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝١٥٠ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝١٥١ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾[2] (٤/ ١٥٠ تا ١٥٢)

''جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق قائم رہے، وہ کہتے ہیں ان میں بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے اور وہ ایمان و کفر کے درمیان راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں، یہ لوگ یقیناً کافر ہیں اور اہلِ کفر عذاب کی رسوائیوں میں مبتلا ہوں گے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے لیے اطاعت و انقیاد میں فرق نہیں کرتے، ان کے اجر ان کو ملیں گے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش ان کے شاملِ حال ہوگی۔''

[1] النساء [آیت: ٦١]

[2] النساء [آیت: ١٥٠_ ١٥٢]

ان آیاتِ کریمات سے چند مسائل ثابت ہوتے ہیں:

1. اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مقام ایمان اور کفر میں یکساں ہے۔ جو شخص رسول کے ساتھ کفر کرے، وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مومن نہیں ہوسکتا، اسی طرح خدا کے ساتھ کفر کر کے پیغمبر پر ایمان ناممکن ہے۔

2. ذات کے لحاظ سے خدا اور رسول جدا جدا ہیں، اطاعت و انقیاد میں جدائی نہیں ہے۔ اطاعت و انقیاد میں تفریق کو قرآنِ عزیز نے قطعی کفر فرمایا ہے: ﴿أُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾

3. منافق، رسول کی اطاعت سے انحراف کر کے تیسری راہ بنانا چاہتے ہیں۔ قرآنِ عزیز کا ارشاد ہے کہ یہاں تیسری راہ کوئی نہیں۔

4. اسی تفریق سے بچنا اور خدا اور اس کے رسول کی بیک وقت یکساں اطاعت کرنا، یہ اصل ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غفران اور آخرت کی کامیابی اسی قسم کے ایمان پر منحصر ہے۔

5. حدیث اور قرآن میں توافق ہو تو حدیث سے انکار کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب قرآن خاموش ہو یا اس میں اجمال ہو اور سنت اس کی تفصیل کرے، یا قرآن، حدیث سے متعارض ہو تو تعارض کی صورت میں قرآن پر عمل ہوگا۔ ائمۂ سنت اس پر متفق ہیں کہ خاموشی اور اجمال کی صورت میں اہلِ سنت کے نزدیک سنت پر عمل فرض ہے۔ حجیتِ شرعی کا یہی مفہوم ہے۔

رسول کا تذکرہ بلحاظِ رسول اور بلحاظِ اطاعت اور رسول کا اس اطاعت میں استقلال، اس کی مخالفت میں تہدید اور کفر کا لزوم، اعمال کا حبط، عذابِ الٰہی کی وعید؛ قرآنِ پاک میں بار بار آئی ہے۔ لمبی سورتوں میں یہ تذکرہ مختلف عنوانوں سے متعدد مقامات میں آیا ہے۔ سورت اعراف، سورت نساء، سورت احزاب میں اطاعتِ انبیاء کی تاکید کثرت سے آئی ہے۔[1]

اس لیے اطاعت کا اس کے سوا کوئی مفہوم نہیں کہ ان کی زبان سے جو ثابت ہو اور صحیح طور پر ہم

[1] امام ابوبکر آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تیس سے زیادہ مقامات پر اطاعتِ رسول کا ذکر کیا ہے، اسی طرح امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقریباً چالیس مقامات پر اطاعتِ رسول کو واجب قرار دیا ہے۔ (مجموع الفتاوی: ۹/ ۲٦۱) تفصیل کے لیے دیکھیں: النساء [آیت: ۱۳، ۱٤، ۵۹، ٦٤، ٦۵، ٦۹، ۸۰، ۱۳٦] الأعراف [آیت: ۱۵۷، ۱۵۸] الأحزاب [آیت: ۲۱، ۳٦، ۷۰، ۷۱]

تک پہنچ جائے، اس کے خلاف کوئی محدث ہو یا کوئی مجتہد، مجدد ہو یا فقیہ؛ اس کی بات متروک ہوگی۔

اسی طرح کوئی مرکزِ ملت ہو یا کوئی خود ساختہ قرآنی معاشرہ یا قرآنی نظام، اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔ اس دنیا کا کوئی علم علم نبوی سے متعارض اور متصادم نہیں ہوسکتا، بلکہ اگر آنحضرت ﷺ کا ارشاد قرآن کے کسی اجمال کی تفصیل ہو یا کسی حکم کی تشریح اور وضاحت ہو تو آنحضرت ﷺ کا ارشاد قرآن کے اجمال میں قاضی ناطق ہوگا۔ كَمَا قَالَ الْأَوْزَاعِيُّ.[1]

پہلا دور:

اسی اصل کی بنا پر زمانۂ نبوت ہی میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی طرف صحابہ رضی اللہ عنہم نے توجہ مبذول فرمائی۔ کاروباری لوگ نوبت بہ نوبت ان دروس و اسباق میں شامل ہوتے، دروس کے حلقوں میں بیٹھتے، احادیث لکھتے، املاء کی مجالس منعقد ہوتیں، احادیث کا سماع اور ضبط ہوتا۔

(مجمع الزوائد للحافظ الهيثمي: ١/ ٣٧٩)

فارغ البال حضرات پورا وقت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں گزار دیتے۔ احادیث لکھتے، یاد کرتے۔[2] عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی کتاب "صادقہ" اسی دور کی کتاب ہے جو پوری کی پوری موطا اور "الجامع الصحيح" للإمام محمد بن إسماعيل البخاري میں آگئی ہے۔[3]

---

[1] امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اَلْكِتَابُ أَحْوَجُ إِلَى السُّنَّةِ مِنَ السُّنَّةِ إِلَى الْكِتَابِ" حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس اثر کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "يُرِيدُ أَنْ تَقْضِيَ عَلَيْهِ وَتُبَيِّنَ الْمُرَادَ مِنْهُ" یعنی فہمِ قرآن کے لیے سنت کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت ہے جتنی کہ فہمِ سنت کے لیے قرآن مجید کی ضرورت ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اصول و مسائل اجمالاً بیان کیے گئے ہیں اور حدیث و سنت اس کی تشریح و تفسیر ہے۔ بعینہٖ یہی قول امام مکحول رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے۔ (جامع بيان العلم: ٢/ ٣٦٨) اسی طرح امام اوزاعی رحمہ اللہ امام یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں: "اَلسُّنَّةُ قَاضِيَةٌ عَلَى الْكِتَابِ، وَلَيْسَ الْكِتَابُ قَاضِيًا عَلَى السُّنَّةِ" (سنن الدارمي: ١/ ١٥٣، جامع بيان العلم: ٢/ ٣٦٩)

[2] جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تجارتی معاملات میں مصروف رہتے تھے اور ہمارے انصاری بھائی کاشت کاری میں مشغول رہتے تھے، اور ابوہریرہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چمٹا رہتا تھا۔ بنا بریں وہ ایسے مواقع پر حاضر ہوتا تھا جہاں دوسرے حاضر نہیں ہوتے تھے اور اسے وہ چیزیں یاد تھیں جو دوسروں کو یاد نہیں تھیں۔ (صحيح البخاري، برقم: ١١٨)

[3] حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی کتابتِ حدیث اور ان کے صحیفۂ صادقہ کے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: دوامِ حدیث (١٣٢/١)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک کتاب حیدر آباد دکن میں اب چھپی ہے اور عجیب یہ ہے کہ اس نسخے میں اور ان احادیث میں جو محدثین نے اپنی کتابوں میں ضبط فرمائی ہیں، کوئی فرق نہیں۔ یعنی زمانۂ نبوت میں جو کچھ لکھا گیا تھا، تیسری اور چوتھی صدی تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، وہ بالکلیہ محفوظ تھا۔[1]

مرکزِ ملت:

مرکزِ ملت کی اگر کوئی تجویز ان حضرات کے ذہن میں ہوتی تو حدیث کی جمع و تدوین کی ضرورت نہ ہوتی، بلکہ سارے سیاہ و سفید پر مرکزِ ملت کا قبضہ ہوتا، کیونکہ وہ مختار ہے۔ جب چاہے اساسی اور بنیادی مسائل کو بدل دے۔ نماز، روزہ، حج، زکاۃ؛ تمام بنیادی مسائل اور ارکان میں کمی کرے یا اسے بالکل منسوخ قرار دے دے۔ پھر سچ تو یہ ہے کہ قرآن کی بھی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ پرویز صاحب کی تفسیر سنیے:

"نبی اکرم اور خلافتِ راشدہ میں خدا اور رسول کی اطاعت سے مفہوم مرکزِ ملت کے فیصلوں کی اطاعت تھا اور بس۔" (مقامِ حدیث: ۱/ ۲۵)

زمانۂ نبوت اور خلافتِ راشدہ تک مرکزِ ملت کے مجہول نظریے کا کوئی نشان نہ تھا، اسی لیے احادیث کے جمع و حفظ اور لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

---

[1] صحیفۂ ہمام بن منبہ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث حرف بہ حرف مسند احمد بن حنبل میں موجود ہیں۔ (مؤلف) یہ صحیفہ ایک سو اڑتیس (۱۳۸) احادیث پر مشتمل ہے، جو مسند أحمد (۲/ ۳۱۲ تا ۲/ ۳۱۹) رقم الحديث (۸۱۱۵ تا ۸۲۵۲) میں مکمل موجود ہے اور یہ حفاظتِ حدیث کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اس صحیفے کی افادی حیثیت کے متعلق محدث العصر حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ہمام بن منبہ کا صحیفہ جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے، اس میں صرف ایک واسطہ ہے، یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۵۸ھ میں ہوئی۔ یعنی آنحضرت کی وفات کے ۴۸ سال بعد، اور یہ صحیفہ قطعاً اس سے پہلے کا ہے، اس میں ۱۳۸ حدیثیں ہیں۔ یہ سب کی سب ایسی ہیں جو مسند احمد اور صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں آ چکی ہیں، ان کے دیکھنے سے حدیث کی حفاظت کا پتا چلتا ہے۔ وہ صحیفہ شائع ہو چکا ہے۔ یہ احادیث جن الفاظ کے ساتھ ہمام بن منبہ کے صحیفے میں ہیں، اسی طرح صحیحین وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔ اس سے صاف پتا چلتا ہے کہ پہلی صدی کے صحیفے کی احادیث کس طرح تیسری صدی کے مجموعوں میں بعینہٖ نقل در نقل ہو کر آئی ہیں کہ ان میں کسی قسم کی کمی و بیشی نہیں ہوئی۔" (دوامِ حدیث: ۱/ ۱۴۱)

دوسرا دور:

قرآنِ عزیز کی تفسیر اور احادیث کی عملی تشریحات کے لیے صحابہ کے فتوے یعنی موقوف روایات اور مراسیل کو بھی جمع کیا گیا ہے۔ موطا مالک اور مصنف ابن ابی شیبہ کے انداز کی کتابیں تصنیف ہوئیں، مگر ان موقوفات کو بھی کبھی احادیث کا ہم پایہ نہیں سمجھا گیا۔ انھیں شخصی آراء کی حیثیت دی گئی۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے "نَحْنُ رِجَالٌ وَهُمْ رِجَالٌ"[1] فرما کر موقوف روایات کی قیمت کو واضح کر دیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے: "كَيْفَ أَتَّبِعُ رِجَالًا لَوْ عَاصَرْتُهُمْ لَجَادَلْتُهُمْ" "میں ان لوگوں کی اتباع کیسے کروں، اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو ان سے بحث کرتا۔" اس مواد سے صرف اس دور کا اندازِ فکر معلوم ہوتا ہے، طریقۂ استدلال کا پتا چلتا ہے۔ آج بھی موقوف اور علماء کے فتووں سے اسی حد تک استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ وَدُونَهُ خَرْطُ الْقَتَادِ![2]

تیسرا دور:

اس دور میں حدیث کے تمام اقسام صحیح، حسن، ضعیف، مرسل کو جمع کر دیا اور تحقیق کے لیے طالب علم کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ جسے مستند سمجھے، اس سے استدلال کرے۔ جو تحقیق کے خلاف ہو، اسے نظر انداز کر دے۔ سیوطی، دیلمی، ابن عدی، طبرانی وغیرہ نے اور بھی اندھیر کر دیا کہ موضوع اور مختلق ذخائر کو جمع کر دیا۔ بعض کتابوں میں ان پر اجمالی کلام کا بھی احساس نہیں فرمایا۔ اس سے اتنا فائدہ ہوا کہ وضاع بھی مل گئے اور ان کے کرتوت سے بھی آگاہی ہو گئی۔ چور بھی ملا، چوری بھی برآمد ہو گئی، لیکن یہ فائدہ اہلِ علم اور رجال سے متعارف لوگوں کو ہوا، عوام کے لیے یہ قطعاً غیر مفید ثابت ہوا۔ بریلوی اور شیعہ حضرات کا سارا کاروبار اسی عظیم ذخیرے سے چلتا رہا۔

امام محمد بن اسماعیل البخاری:

سیوطی رحمہ اللہ تو بہت بعد کے ہیں، امام بخاری سے پہلے جرح و تنقید کا رواج ائمۂ حدیث میں موجود تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ خود ائمۂ جرح و تعدیل میں سے ہیں۔ اپنے استاد اسحاق بن راہویہ کے

[1] الإحكام لابن حزم (٤/ ٥٧٣) مختصر المؤمل (ص: ٦٢)

[2] ورنہ یہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

ارشاد کے مطابق امام بخاری کی توجہ اس طرح ہوئی۔[1] انھوں نے فیصلہ فرمایا کہ چند شرائط کے مطابق ایک مستند ذخیرہ ضعاف اور مراسیل سے الگ کر دیا جائے، عمل کرنے والوں کو اسی میں سہولت ہو گی۔ امام بخاری نے یہ مجموعہ "الجامع الصحیح" سولہ سال میں مرتب فرمایا۔[2] جہاں تک انسانی مساعی کا تعلق ہے، انسانی حدود کے اندر یہ کوشش بے حد کامیاب ہے۔ اسی محنت کی بدولت امام کو "جبل الحفظ" اور "إمام الدنیا" (حافظے کا پہاڑ، دنیا کا امام) کا خطاب دیا گیا۔

ایامِ تصنیف سے صحیح بخاری علمائے فن کی بحث و نظر کا تختۂ مشق رہی۔ موافق مخالف دونوں نے صدیوں اس پر طبع آزمائی کی۔ کسی نے تنقید و استدراک کے چھاج میں پھٹکا، کسی نے حمایت کی اور ان جرحوں کا جواب دیا۔ ان تمام مراحل کے بعد اسے "أصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ" کہا گیا۔ نقاد حضرات میں عقل پرست بھی تھے اور حفاظ بھی۔ محدث بھی تھے اور صوفی بھی۔ اس میں اکاذیبِ ابراہیم کی احادیث بھی تھیں اور موسیٰ علیہ السلام کے تھپڑ کا قصہ بھی تھا۔ بقول امام ابن قتیبہ دینوری بعض اہلِ علم نے انھی احادیث سے استدلال کیا اور بوقتِ ضرورت کذب و تعریض کی اجازت کا فتویٰ دیا۔[3] اس وقت کے بدعت نواز سنت کی مخالفت کے باوجود اس طرح بدزبانی نہ کر سکے جو ادارہ "طلوعِ اسلام" اور منکرینِ حدیث کا طرۂ امتیاز ہو رہی ہے۔ علم و جہل میں یہی فرق ہے۔

(ملاحظہ ہو: مقامِ حدیث: ۱/ ۶۱)

حدیث پر اعتراضات مختلف ادوار میں ملاحظہ فرمایئے، آپ کو تعجب ہو گا کہ ایک عقل پرست اسے خلافِ عقل کہتا ہے، دوسرا اسے اقتضائے وقت کے مطابق سمجھ کر استدلال کرتا ہے۔ ایک صاحب بعض احادیث کو قرآن کے خلاف سمجھتے ہیں، دوسرے ان کے ہم پایہ اور ہم پیشہ صحیح اور عقل کے بالکل مطابق سمجھتے رہے۔

ان علم و عقل کے یتامیٰ اور مساکین کا ہمیشہ سے یہی حال رہا۔ اپنی بے علمیوں اور بدعملیوں کو چھپانے کے لیے سنت پر اعتراضات کر ڈالتے ہیں، لیکن اتنا نہیں سوچتے کہ تمھارے علم و عقل کو معیار کی سند کس نے دی ہے؟

---

[1] هدی الساري (ص: ۷)

[2] هدی الساري (ص: ٤٨٩)

[3] تأویل مختلف الحدیث (ص: ۳۵)

غرض امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے وقت کے تمام معیاروں کو سامنے رکھ کر صحیح احادیث کا انتخاب فرمایا۔ حدیثی، فقہی، عقلی، قرآنی؛ تمام معیاری چیزیں امام کے سامنے ہیں۔ ان معیاری شروط کو سامنے رکھ کر امام نے قریب چار ہزار احایث بہ حذف مکررات انتخاب فرمائیں۔ باقی کو مسترد نہیں فرمایا، بلکہ ان کا تذکرہ باقی کتب میں فرمایا، جس میں یہ کڑی شرائط نہیں ہیں۔

چنانچہ اس دورِ واپسیں کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ جنھوں نے ہند و پاکستان کے جہلستان میں کتاب و سنت کو رواج دیا، قرآن کی تعلیمات سے لوگوں کو آشنا فرمایا، تقلید و جمود کے ظلمستان میں تحقیق کے چراغ جلائے اور بدعت کے اندھیروں کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا، صحیحین کے متعلق فرماتے ہیں:

"أَمَّا الصَّحِيُحَانِ فَقَدِ اتَّفَقَ الْمُحَدِّثُوْنَ عَلٰی أَنَّ جَمِيْعَ مَا فِيُهِمَا مِنَ الْمُتَّصِلِ الْمَرْفُوْعِ صَحِيُحٌ بِالْقَطْعِ، وَأَنَّهُمَا مُتَوَاتِرَانِ إِلٰی مُصَنِّفِيُهِمَا، وَأَنَّهُ كُلُّ مَنْ يُهَوِّنُ أَمْرَهُمَا فَهُوَ مُبْتَدِعٌ مُتَّبِعٌ غَيْرَ سَبِيُلِ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَإِنْ شِئْتَ الْحَقَّ الصِّرَاحَ فَقِسْهُمَا بِكِتَابِ ابْنِ أَبِيُ شَيْبَةَ وَكِتَابِ الطَّحَاوِيِّ وَمُسْنَدِ الْخَوَارِزْمِيِّ وَغَيْرِهَا، تَجِدُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُمَا بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ" اھ

(حجة الله البالغة: ١/ ١٠٦)

"صحیح بخاری و صحیح مسلم کے متعلق محدثین متفق ہیں، ان میں متصل اور مرفوع احادیث قطعاً صحیح ہیں اور ان کی اسناد ان کے مصنفین تک متواتر ہیں۔ جو ان میں نکتہ چینی کرے اور ان کے مقام کو حقیر سمجھے، وہ بدعتی ہے اور اہلِ ایمان کی راہ سے اس کی راہ جدا ہے۔ اگر آپ حق کی مزید وضاحت چاہیں تو مصنف ابن ابی شیبہ، معانی الآثار طحاوی اور مسند خوارزمی سے ان کا مقابلہ کریں، آپ ان میں زمین و آسمان کا فرق پائیں گے۔"

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی اس جچی تلی رائے پر لاکھوں منکرینِ حدیث قربان کیے جا سکتے ہیں۔ یہ بیچارے علم اور بصیرت دونوں سے محروم ہیں۔ تُک بندی اور ہفوات کے ماہر ہیں۔ ان کے ہاں اسی کا نام علم و بصیرت ہے، اسی کا نام تجدید و اجتہاد ہے!

اب شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے پر غور فرمایئے:

"وَلِهٰذَا كَانَ أَكْثَرُ مُتُوْنِ الصَّحِيُحَيْنِ مِمَّا يَعْلَمُ عُلَمَاءُ الْحَدِيُثِ عِلْمًا قَطْعِيًّا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَهُ، تَارَةً لِتَوَاتُرِهِ عِنْدَهُمْ، وَتَارَةً لِتَلَقِّي الْأُمَّةِ لَهُ بِالْقُبُوْلِ"

(فتاوىٰ ابن تيمية: ١/ ٤٠٩)

''صفاتِ رواۃ کی بنا پر صحیحین کے اکثر متون کے متعلق قطعی علم ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔ یہ قطعیت کبھی تواتر کی وجہ سے ہوتی ہے، کبھی امت کی قبولیت کی وجہ سے...الخ۔''

بلکہ اگر خبرِ واحد کو بھی امت کی طرف سے قبولِ عام حاصل ہو جائے تو ائمۂ اربعہ اور اشاعرہ کے نزدیک موجبِ علم ہو گی۔ (ابن تیمیہ، حوالہ مذکورہ)

منکرینِ حدیث کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ فرامینِ نبویہ کو شرعاً حجت ہی نہیں جانتے۔ مولوی اسلم جیراج پوری اور تمنا عمادی وغیرہ عموماً بحث پھیلانے کے لیے فنی مباحث کو لے آتے ہیں۔ پرویز وغیرہ اسے پرانا طریقہ سمجھتے ہیں۔ یہ حضرات اپنی عقلوں کو احادیث کی تنقید کے لیے معیار سمجھتے ہیں۔ تفسیرِ قرآن کے لیے ان کے ہاں معیارِ صحت وہ ہفوات ہیں جو ان حضرات کے قلم سے ٹپک جائیں!

ایک معیار:

منکرینِ حدیث کہا کرتے ہیں کہ صداقت کا سب سے بڑا معیار واقعات ہیں۔ اگر کوئی چیز واقعات کے مطابق ہے تو اس سے بڑی کوئی سند نہیں۔ اگر یہ معیار درست ہے تو حدیث کی صداقت کے لیے اس روشنی میں غور کرنا چاہیے۔ حدیث میں آنحضرت ﷺ کی دو پیش گوئیاں اہلِ قرآن کے متعلق منقول ہیں جو پوری کی پوری درست ہوئی ہیں:

1. ابو رافع، مقدام بن معد یکرب اور عرباض بن ساریہ کی یہ حدیث مسند احمد، ابو داود، ترمذی، ابن ماجہ، بیہقی اور دارمی وغیرہ سب کتبِ حدیث میں مروی ہے:

«لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ: لَا نَدْرِي، مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ» (مشكاة: ١/ ٢٩)[1]

[1] سنن أبي داود (٤٦٠٥) سنن الترمذي (٢٦٦٣) سنن ابن ماجه (١٣) سنن البيهقي (٧/٧٦) مذکورہ بالا الفاظ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہیں۔ مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کی روایت دوسرے الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ دیکھیں: أبو داود (٤٦٠٤) مسند أحمد (٤/١٣٠) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی الگ حدیث ہے، جس سے سنتِ نبویہ اور سنتِ خلفائے راشدین کا التزام و اعتصام عیاں ہوتا ہے۔ دیکھیں: سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٦٠٧)

”تم سے کوئی آدمی اپنی چارپائی پر دراز ہوگا، جب اسے میرا حکم ملے گا، یا جس چیز سے میں نے روکا ہے، اسے اس کا علم ہوگا، وہ کہے گا ہم نہیں جانتے، ہم صرف قرآن کی اطاعت کرتے ہیں۔“

یاد رہے کہ ہندوپاک میں انکارِ حدیث سب سے پہلے مولوی عبداللہ چکڑالوی نے کیا۔ حدیث میں ان کا حلیہ بتایا گیا ہے۔ ان کی ٹانگیں بیکار ہوگئی تھیں، چل پھر نہیں سکتے تھے۔ تمام دن چارپائی پر بیٹھے رہتے تھے۔ یہ عارضہ ان کو زہر کھانے کی وجہ سے ہوا تھا۔

اہلِ قرآن حضرات غور فرمائیں! حدیث واقعات کے کس قدر مطابق ہے۔ اول المنکرین کا حلیہ کس خوبی سے بیان فرمایا ہے؟ اسے تو واقعاتی شہادت کے طور پر ضرور تسلیم کرنا چاہیے!!

❷ دوسری حدیث ہمارے شہر گوجرانوالہ کے متعلق ہے۔ ہم شاہد ہیں، ہم نے اس حدیث کی صداقت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ.

ابن وضاح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے قیامت کی علامات کا ذکر فرماتے ہوئے دو فرقوں کا ذکر کرتے ہیں:

”حَتَّى تَبْقَى فِرْقَتَانِ مِنْ فِرَقٍ كَثِيْرَةٍ تَقُوْلُ إِحْدَاهُمَا: مَا بَالُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ لَقَدْ ضَلَّ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا، إِنَّمَا قَالَ اللّٰهُ: أَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ، لَا تُصَلُّوْا إِلَّا ثَلَاثًا، وَتَقُوْلُ الْأُخْرىٰ: إِيْمَانُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاللّٰهِ كَإِيْمَانِ الْمَلَائِكَةِ، مَا فِيْنَا كَافِرٌ وَّلَا مُنَافِقٌ، حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّحْشُرَهُمَا مَعَ الدَّجَّالِ“ اهـ (الاعتصام للشاطبي: ۱/ ۹۰)[1]

”بہت سے فرقوں سے صرف دو فرقے باقی رہ جائیں گے۔ ایک کا خیال ہوگا کہ نمازیں صرف تین ہیں، پانچ نہیں، پہلے والے لوگ گمراہ تھے۔ قرآن میں دن کے دونوں طرف اور رات کے بعض حصوں میں نماز پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہوگا کہ تمام مومن ایمان میں فرشتوں کی طرح ہیں، کوئی کافر یا منافق نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا حشر دجال کے ساتھ فرمائیں گے۔“

مولوی عبداللہ چکڑالوی پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان کے شاگردِ رشید مستری محمد رمضان

[1] المستدرك للحاكم (٥١٦/٤) اسے امام حاکم اور ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

گوجرانوالہ کہتے ہیں کہ نمازیں صرف تین ہیں۔ اس سے زیادہ پڑھنے والا گمراہ ہے۔ ان کے بیان و عمل کی یہاں کی بہت سی جماعت چشم دید شاہد ہے۔ واقعات کی شہادت کی بنا پر کم از کم یہ دو حدیثیں تو یقیناً درست اور سچی ہیں۔ ﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾[المائدة: ٨٣]

اگر یہ حدیث درست ہے اور واقعات سے توافق واقعی صداقت کا معیار ہے تو اہلِ قرآن کی تحریک غلط ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔

میرے محترم دوست مولانا عبدالرؤف جھنڈا نگری نے سنت کی نصرت وحمایت میں قلم اٹھایا ہے اور بڑی چھان پھٹک کر کے اس کے لیے مواد فراہم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر دے۔ عامۃ المسلمین کو توفیق دے کہ وہ اس سے استفادہ فرماسکیں۔ مخالفینِ سنت کو توفیق ملے کہ وہ اپنے انجام پر غور کریں اور ان نتائج کو سوچیں جو ان کی تحریک سے اسلام اور مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے۔ ان کی اس تحریک کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس سے سلفِ امت کا ایمان اور دانش مندی مجروح ہوتی ہے کہ انھوں نے سیکڑوں سال ایک ایسے فن پر محنت کی جو دراصل شرعاً کوئی دینی قیمت نہیں رکھتا۔ یہ لوگ اسے ایمان اور دین سمجھتے رہے۔ نیز اس تحریک کا انحصار محض سلبی اقدار پر ہے۔ انکارِ حدیث میں کوئی ایجابی حقیقت موجود نہیں۔ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَآلِهِ!

پیش لفظ:

تاریخ تدوینِ حدیث

(تالیف: مولانا ہدایت اللہ ندوی۔ ناشر: مکتبہ جامعہ محمدیہ، اوکاڑہ۔ ۱۹۵۷ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. وَبَعْدُ!

فقد قال الله تعالىٰ: ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر: ٩]

عَنْ حَسَّانٍ رحمه الله قَالَ: كَانَ جِبْرِيْلُ يَنْزِلُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ بِالسُّنَّةِ كَمَا يَنْزِلُ عَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ. (دارمي، ص: ٧٧، مجموعة الرد الوافر، ص: ٣ الصواعق المرسلة: ٢/ ٣٤٠، موافقات شاطبي: ٤/ ٢٦)

قرآن اور سنت دونوں ذکر میں شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دونوں کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ دونوں کا ظہور آنحضرت ﷺ کی زبان سے ہوا، دونوں کا ماخذ وحیِ الٰہی ہے، دونوں کی حفاظت حفظ اور کتابت سے ہوئی۔ قرآن کی حفاظت قراء اور لکھنے والوں نے کی، حدیث کی حفاظت حفاظِ حدیث اور کاتبوں نے فرمائی۔ حفاظت کے طریقوں میں فرق ہے، اس لیے سنت کا مرتبہ قرآنِ عزیز کے بعد رکھا گیا ہے۔

قرآنِ عزیز کے معانی میں جب احتمال ہو تو سنت کا فیصلہ قاضی اور ناطق ہوگا، کیوں کہ سنت کا نزول بھی آنحضرت ﷺ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوا۔ جب دونوں علوم کا ماخذ و منبع ایک ہی ہے تو ایک کی تصدیق دوسرے کی تکذیب، ایک کا اقرار دوسرے کا انکار موجبِ استعجاب ہے۔

قرآنِ مجید بھی ہم تک تواتر سے پہنچا اور انسانوں کی اس مجموعی کوشش نے عصمت عن الخطا کی صورت اختیار کر لی۔ روایت میں تلقی بالقبول اور اجتہادیات میں یہی مقام ''اجماع'' کو حاصل ہے۔ انفراداً انسانی کوششیں خطا اور نسیان کی محتمل ہیں، لیکن اجتماعیت اور تواتر سے یہ کوششیں معصوم ہو جاتی ہیں، اس لیے قرآنِ عزیز کا ہر ہر نقطہ اور حرف محفوظ ہے اور یہ نقلِ متواتر اس حفاظت کی ضامن ہے۔

آنحضرت ﷺ کی احادیث کی حفاظت کا سامان بھی حق تعالیٰ نے اسباب کی دنیا میں اس

طرح فرمایا کہ حفاظِ حدیث نے اپنے اوقات حفظِ حدیث کے لیے ٹھیک اسی طرح وقف فرما دیے جس طرح حفاظِ قرآن نے قرآن کو حفظ فرمایا۔ حافظوں میں بشری نقائص کی اصلاح کے لیے حفاظِ حدیث کی کتابیں اور اُن کے قلم وقف ہو گئے اور یہ سلسلہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے شروع ہو کر آج تک جاری ہے، چناں چہ حدیث کے ذخائر مختلف اقسام و انواع میں موجود ہیں۔

صحیح جن کے مولفین نے نقلِ حدیث میں صحت ہی نہیں بلکہ مراتبِ صحت کے لحاظ سے خاص شرائط رکھیں اور ان شروط کی پابندی کی پوری کوشش فرمائی، جیسے: صحیح بخاری، صحیح مسلم، مستدرک حاکم (۴۰۵ھ) صحیح ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) صحیح ابن حبان (۳۵۴ھ) وغیرہ، ان مصنفین نے اپنی جوامع اور مسانید میں صحت کی شرط فرمائی۔ جہاں تک ممکن تھا، انسانی حدود کے اندر اپنی بساط کے مطابق اس شرط کو پورا کیا۔ وَكَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا.

ملا جلا ذخیرہ:

ابو داود، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، موطا مالک، دارمی اور دارقطنی وغیرہ؛ ان کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں صحت کی شرط نہیں فرمائی۔ بعض دوسری شرائط ان کے پیشِ نظر رہی ہیں، اس کے باوجود ان میں اکثر احادیث صحیح ہیں اور قابلِ استناد، اسی لیے ان میں سے بعض کو صحاح کہا گیا ہے، لیکن ضعیف، حسن، شاذ اور منکر سے یہ کتابیں خالی نہیں۔ تعارض اور ترجیح کے وقت ان اقسام کا تفاوت پیشِ نظر رہنا چاہیے۔

بالکل غیر مستند، موضوع اور مختلق احادیث یا ضعیف اور کمزور روایات "اللآلئ المصنوعة في الأحاديث الموضوعة"، موضوعاتِ کبیر و صغیر لعلی القاری (۱۰۱۴ھ)، "تمیز الطیب من الخبیث فیما یدور علی ألسنة الناس من الحدیث"، بعض رسائل شیخ الاسلام ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)، موضوعاتِ ابن جوزی (۵۹۵ھ) وغیر ذلک، معاجم طبرانی، الضعفاء للعقیلی (۳۲۲ھ) کامل لابن عدی (۳۶۷ھ) وغیرہ یہ ذخیرہ عموماً موضوع اور مختلق ہے یا بے حد ضعیف، جس سے عام حالات میں استدلال درست نہیں۔

اس تنوع کے باوجود احادیث میں متواتر کی بڑی تعداد موجود ہے، ان میں لفظاً متواتر بھی ہیں اور معنیً بھی۔ موجودہ دفاترِ سنت کی نسبت ان کے مصنفین تک متواتر ہے اور ائمۂ مصنفین سے اکثر

احادیث آنحضرت ﷺ تک دس دس اور بیس بیس اسانید سے پہنچتی ہیں، پھر ان رواۃ میں بعض ائمہ ایسے ہیں جن کے اسمائے گرامی جرح و تعدیل کے باب میں پوری اہمیت سے لیے جاتے ہیں، اور معلوم ہے کہ متواتر میں صرف ''عدد'' کی کثرت ہی مطلوب نہیں، بلکہ صفاتِ رجال کو بھی دخل ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بعض وقت ثقہ اور مستند آدمی بازاری قسم کے آدمیوں کے ایک ہجوم سے زیادہ قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ اس لیے ایسی احادیث جو مستند رواۃ اور متعدد اسانید سے آنحضرت تک پہنچیں، ان کے لفظاً متواتر ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ تواترِ معنوی اس کے علاوہ ہے۔ اس لیے بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ احادیث کے ان دفاتر میں متواتر احادیث کا بہت بڑا سرمایہ موجود ہے۔

بعض اہلِ علم نے متواتر کی قلت کی تصریح فرمائی ہے۔ وہ متواتر کے مفہوم میں غلطی یا صفاتِ رجال سے بے اعتنائی اور ائمۂ فن کی تصریحات سے بے خبری پر مبنی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ''الصواعق المرسلة'' لابن قیم (۷۵۱ھ) اور دیگر کتبِ اصول۔ فَإِنَّ لِصِفَاتِ الرِّجَالِ قَدْرًا عَظِيْمًا فِيْ تَحْقِيْقِ مَفْهُوْمِ الْمُتَوَاتِرِ لَفْظِيًّا كَانَ أَوْ مَعْنَوِيًّا.

باقی احادیث:

متواتر کے علاوہ باقی ذخیرہ جو سنت کے دفاتر میں موجود ہے، اس میں صحیح، حسن اور بعض اقسامِ ضعاف پائی جاتی ہیں جن سے استناد کیا جا سکتا ہے اور ایسے قرائن پائے جا سکتے ہیں جو ضعف کا جبر بن سکیں اور حدیث فی الجملہ اس قابل ہو سکے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

بلاشبہہ ایسے ادلہ اور اصول ظن سے خالی نہیں ہوں گے، لیکن اس ظن کی تائید جب قرائن سے ہو جائے تو یہ ظن شرعاً عرفاً قابلِ استناد ہے اور دین میں ایسے ظنون پر اعتماد کیا گیا ہے۔ قانونِ شہادت، قانونِ عدالت، ضمانت، اقرار؛ بعض احکام اسی قسم کے ظن پر مبنی ہیں۔ یہ وہم کہ دین میں ظن کا کوئی مقام نہیں، کسی دلیل سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

اخبارِ آحاد اور منکرینِ حدیث کا ظن:

ان ظنی احادیث پر اتنا وثوق تو کیا جا سکتا ہے جس قدر ہمارے منکرینِ حدیث کو اپنے اجتہادات پر ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی، مولوی حشمت علی دہلوی ثم لاہوری، مستری محمد رمضان صاحب

گوجرانوالہ، سید رفیع الدین صاحب ملتانی؛ چاروں حضرات نے قرآنِ مجید سے نماز کشید کرنے کی کوشش کی ہے۔ نماز کے لیے اذکار قرآنِ عزیز سے برآمد کرنے کا شغل فرمایا ہے۔ پہلے دونوں بزرگ پانچ نمازیں مانتے ہیں، اذکار میں اختلاف فرماتے ہیں۔ مستری محمد رمضان صاحب اذکار میں اختلاف کے ساتھ نماز کے لیے صرف تین وقت مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ عصر اور مغرب مولویوں نے ازخود بنالی ہے، قرآن میں صرف فجر، ظہر، عشاء تین نمازیں ہیں، یعنی صلواتِ مسیلمہ کذاب؟!

سید رفیع الدین ملتانی فرماتے ہیں: نمازیں چار ہیں، دو دن میں، دو رات کے وقت، دن کی نمازوں میں مشرق کی طرف منہ کرے، رات کے اوقات میں مغرب کی طرف: قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ!

نماز جیسی عبادت میں ان حضرات کا اختلاف ان کی موت تک ختم نہیں ہو سکا اور ہر ایک کو اصرار تھا کہ صرف میری نماز قرآنی ہے، باقی غلط اور غیر مقبول ہے!!

یہ حضرات پوری عمر لڑتے رہے اور قرآن بچارا خاموش مظلوموں کی طرح یہ نظارہ دیکھتا رہا۔ جب تک قرآنِ عزیز اپنی زبانی ان حضرات سے کسی کی تائید نہ کرے، یہ سارے مفہوم ظنی ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ ظنی اجتہادات کچھ دینی اہمیت رکھ سکتے ہیں تو احادیثِ نبویہ کی ظنیت اس قدر کمزور تو نہ ہونی چاہیے کہ ان مزخرفات کے سامنے بھی نہ ٹھہر سکے، اس لیے احادیث کا یہ ذخیرہ اپنی ظنیت کے باوجود قابلِ اعتماد ہوگا اور اعمال میں اسے حجت سمجھا جائے گا۔

اس باہمی مخاصمت کی بنا پر مولوی احمد دین صاحب امرتسری نے نماز کی اساسی حیثیت کو ہی نظر انداز کر دیا۔ وہ خود عام مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتے تھے، پانچ چار اور دو تین پڑھنے کا انکار نہیں کرتے تھے۔ عام عادات میں مسلمانوں کی رسوم کا تتبع کرتے تھے، اور پرویز صاحب نے ایسے معاملات مرکزِ ملت کے سپرد کر دیے ہیں۔ یہ معلوم نہیں مرکزِ ملت کے یہ فیصلے ظنی ہوں گے یا قطعی؟ دینی ہوں گے یا لا دینی؟ ہر دانش مند آدمی کا ضمیر فیصلہ کرے گا کہ ان پریشان خیالات سے تو بہرحال خبرِ واحد زیادہ قابلِ اعتماد ہوگی، اور ایسے کم سواد اور کند ذہن حضرات کو اخبارِ آحاد پر اعتراض اور تشکیک پیدا کرنے سے شرم محسوس ہونی چاہیے۔ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا.

انکارِ حدیث کا مرض:

احادیث پر تنقید اہلِ علم کا دل پسند مشغلہ رہا ہے۔ قواعدِ فن کی روشنی میں بعض احادیث کا رد، بعض میں توقف، ہر دور کے اہلِ علم کرتے رہے۔ صحابہ، تابعین، ائمۂ اسلام اپنے مسالک کی ترجیح میں انہیں قواعد سے استفادہ فرماتے تھے۔

ائمۂ رجال اور ان کے اوصاف، موالید و وفیات کی بنا پر احادیث کے متعلق ایجاباً یا سلباً حکم لگاتے رہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ فنِ تنقید کی ایجاد کا سہرا انہی بزرگوں کے سر ہے۔ اگر ان حضرات کی راہنمائی نہ ہوتی تو ہم اس راہ میں ایک قدم نہ چل سکتے۔ جو مواد آج غلطی یا جہالت سے سنت کے خلاف استعمال ہو رہا ہے، یہ بھی ان کی عنایت یا دقتِ فکر کا نتیجہ ہے، ان مباحث کو انکارِ حدیث سے کبھی تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

اہلِ ہوا:

ان کی دیکھا دیکھی کچھ ایسے حضرات بھی تنقید کے میدان میں آ گئے جن کے پیشِ نظر کوئی بنیادی چیز نہ تھی، بلکہ کچھ خواہشات تھیں، کچھ طے کردہ نظریات تھے، وہ ہر قیمت پر ان کی حمایت کرنا چاہتے تھے۔ ان کی تنقید کا محور وہی خواہش یا آرزو تھی۔ شیعہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ کچھ بھی ہو، اہلِ بیت کی حمایت کریں گے۔ خوارج نے طے کر لیا کہ وہ ہر برائی کا مورد خانوادۂ نبوت کو قرار دیں گے۔ دونوں گروہ کی تصانیف ملاحظہ فرمایئے، آپ کو یہ بات نمایاں نظر آئے گی۔

معطلہ، مجسمہ، معتزلہ، جہمیہ کے سامنے بھی اسی قسم کے مقاصد تھے۔ ان کی زد سے نہ قرآن بچ سکا نہ حدیث، تاویل کی بے ہنگام اور بے اصول گردش نے تمام قواعد کو کچل کر رکھ دیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ العصر ابن قیم کی تصانیف سے یہ کیفیت واضح ہو جاتی ہے۔

آج ہمارے سامنے مشرکینِ ہند موجود ہیں، تاویل و تحریف میں ان کے ہاں کوئی جوہری فرق نہیں۔ خدا تعالیٰ کی صفاتِ حسنیٰ کو وہ اس عاجز مخلوق اور مطیع بندوں کی طرف اس طرح منتقل کرتے ہیں گویا خدا تعالیٰ کے لیے اس دنیا میں کوئی کام باقی نہیں، نہ ہی اس کی کوئی صفت باقی ہے جس کی موہبت اور عطا کا دعویٰ نہ کر دیا گیا ہو۔

ان اہوا کی حمایت میں احادیث کے رد و قبول میں جو روش اختیار کی گئی ہے، یہ ائمۂ حدیث کی راہ سے بالکل مختلف ہے۔ محدثین کی تنقید اور جرح و تعدیل کے اصول موافق مخالف سب کے لیے یکساں مفید اور مضر ہو سکتے ہیں، لیکن اہلِ بدعت کی تنقید اسی محور پر گھومتی ہے جہاں وہ اسے گھمانا چاہتے ہیں۔ ائمۂ حدیث کے اصول صدیوں سے اہلِ علم کے لیے زیادتِ علم اور افادہ کے موجب ہو رہے ہیں، لیکن اہلِ بدعت کے اصول و قواعد روزانہ بنتے اور بدلتے رہتے ہیں۔ ﴿كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ٱجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ﴾ [إبراهيم: ٢٦].

ان اہواء اور خواہشات کی حمایت میں احادیث پر جس طرح ہاتھ صاف کیا جاتا ہے، اس کا انکار سے بہتر کوئی نام نہیں۔

اہلِ قرآن یا منکرینِ حدیث:

ان حضرات کی حالت بھی پہلے اہلِ ہواء کی طرح ہے۔ سنت پر بدگمانی، قلتِ مطالعہ، لاعلمی، انگریز مستشرقین سے تاثر، مناظرانہ جذبات اور اس کے ساتھ احساسِ کہتری اور کبر؛ اس تحریک کے اساسی ارکان ہیں، ان کے قائد بالواسطہ یا بلا واسطہ جدید تعلیم سے متاثر ہیں، اس کے ساتھ ہی اس تہذیب کا بھی ان حضرات پر اثر ہے جو جدید تعلیم کے ساتھ آئی۔ وہ رسوم و عادات بھی ان پر اثر انداز ہیں جو ہر تہذیب کے ساتھ لوازم کی طرح لپٹی رہتی ہیں۔ دینی علوم کے لیے ان حضرات کے پاس نہ وقت ہے نہ فرصت۔ اہلِ علم کی طرف رجوع سے ان کی پوزیشن مانع ہے۔ یہ بچارے جہلِ مرکب کی سی تکلیف میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اسلام سے بظاہر تعلق موجود ہے، اس کی حمایت کے لیے طبیعت میں کچھ بے قراری سی محسوس کرتے ہیں، جی چاہتا ہے کہ اس سے مدافعت کریں۔ صحیح جواب کے لیے وسعتِ مطالعہ اور معلومات کی ضرورت ہے اور پھر ایمانِ راسخ کی، اور یہاں ایک ایک چیز ناپید ہے، اس لیے ان حضرات کو آسان یہی معلوم ہوا کہ حقائق کا انکار کر دیا جائے۔

کبھی ان مقدس علوم کو عجمی سازش کہہ دیا۔ کبھی صحابہ کے تثبت اور تشدد فی الروایہ کو انکار کا عنوان دے دیا، کبھی حضرات امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ (۱۵۰ھ) شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (۱۱۷۶ھ) کو منکرِ حدیث کہہ کر دل کے لیے سکون کا سامان پیدا کر لیا اور میز پر بیٹھے حقے یا سگریٹ کا کش لگایا اور اپنے

ذہن میں ایک فیصلہ کر لیا جس کی حیثیت تنگ بندی سے زیادہ نہیں۔ اس تنگ بندی اور آوارگی کی راہ میں حدیث کی تفصیلات عموماً حائل ہوتی ہیں، اس لیے یہی مناسب سمجھا گیا کہ حدیث کے خلاف ایک ہنگامہ بپا کر دیا جائے۔ لاہور کے اربابِ ''ثقافت'' اور کراچی کے اربابِ ''طلوع'' ایک ''ماڈرن اسلام'' کو درآمد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وَلَا يُمْكِنُ ذٰلِكَ أَبَدًا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ.

ہمارے رفیقِ محترم مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف مدیر رحیق نے آج سے چند سال پہلے کی ''تنقید'' کا جائزہ لینے کے بعد مروجہ تنقید کا بہت ہی صحیح تجزیہ فرمایا ہے:

> ''اور نئے دور میں معاملہ اور بھی دگرگوں ہے۔ مصر اور ہند و پاک کے یہ نقاد مغرب کے ملحد مستشرقین کی ''تحقیقاتِ نادرہ'' پر لٹو ہو گئے۔ سر سید علی گڑھی نے ''نیچر'' درآمد کی اور اس کے مخالف ہر حدیث کے انکار کی ٹھانی۔ پرویز صاحب نے ''قوانینِ فطرت'' کا پیمانہ گھڑ لیا اور ہر حدیث کو اس سے ناپنا شروع کر دیا۔ مرزائیوں نے ''مخالفِ قرآنی'' کے بہانے بہت سی احادیث سے گلو خلاصی کرا لی۔ حالاں کہ یہ صرف مفروضہ ہے۔ کوئی صحیحین کی حدیث قرآنِ حکیم کے خلاف ہو ہی نہیں سکتی۔ لاہور کی ''ثقافت پارٹی'' نے خلیفہ عبدالحکیم کی قیادت میں ''ارتقاء'' کی آڑ لے کر انکارِ حدیث کے علاوہ نصوصِ قرآنی کی بھی مرمت اور تحریف شروع کر دی۔ جماعتِ اسلامی نے مودودی صاحب کی تقلید میں ''درایت اور مزاج شناس رسول'' کی درانتی صحیح بخاری کی احادیث پر چلا دی۔ بعض لوگ ''مشاہداتِ سائنس، تجرباتِ طب'' پر ایمان لا کر بخاری مسلم کی تحقیقات کو مجروح کرتے ہیں۔ غرض ''ہر کہ آمد عمارت نو ساخت''، جس شخص کی طبع نازک پر کوئی حدیث گراں گزری، اپنے مزعومہ ریسرچ کے خلاف پا کر اسے مردود قرار دے دیتا ہے۔''
>
> (رحیق، اکتوبر ۵۷ھ)

دراصل ذہنی تاریکیوں اور نارسائیوں کے یہ سب نام ہیں اور اپنے جہل کے متعلق لاعلمی نے یہ مصیبت بپا کر دی۔ یہ ریسرچ کاری اگر بدستور جاری رہی تو حدیث سے گزر کر قرآن پر بھی ہاتھ صاف ہوگا۔ قرآن کی مرمت کے لیے دراصل یہ سب حیلے تمہید ہیں۔ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ.

اہلِ حق کی بیداری:

خدا کا شکر ہے، جب سے یہ ناپاک منصوبے زبانِ قلم پر آئے ہیں، اہلِ حق بھی خاموش نہیں رہے۔ پورے پاک و ہند میں اس دجل وفریب اور ان ''چور دروازوں'' کے خلاف زبان وقلم حرکت میں آگئے ہیں۔ ارشادِ خداوندی: ﴿ إِذَا مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴾ [الأعراف: ٢٠١] کے مطابق حق پسند طاقتیں اپنے فرض کو پہچان رہی ہیں اور نفاق میدان خالی کر کے پیچھے ہٹ رہا ہے۔ مولوی عبداللہ چکڑالوی جن ''دفاترِ سنت'' کو ''اسفارِ لہو الحدیث''، ''بکواس'' کہتے تھے، آج انھیں ''تاریخی سرمایہ'' کہا جا رہا ہے:

''الغرض حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ کا ہے، اس سے تاریخی فائدے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔'' (مقامِ حدیث: ١/ ١٦٧)

جن ائمہ کو سازشی کہا جا رہا تھا، اب وہ مورخ قرار پا رہے ہیں، جس نماز کے ارکان اور اذکار ثابت کرنے کے لیے قرآنِ عزیز کی آیات کا آپریشن کیا جا رہا تھا، آج یا تو اسے متواتر سمجھ کر قبول کیا جا رہا ہے، یا پھر وہ مرمت ترک کر کے اسے بحال رکھنے کی سفارش کی جا رہی ہے۔

نمبرداروں کی حکومت:

پرویزی حضرات کی حالت یہاں اور بھی قابلِ رحم ہے۔ وہ نماز سے تو بہرکیف مخلصی چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے منکرینِ حدیث نے آج تک جو راہ اختیار کی ہے، اس کے غیر معقول ہونے میں ان کو کوئی شبہہ نہیں، اس لیے وہ نمبرداروں کی حکومت کا نظریہ وضع فرماتے ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ پہلے قرآنی معاشرہ بنانے کا آرڈر دیا جائے، پھر قرآنی معاشرہ قرآنی نقطۂ نظر سے کچھ نمبردار ''مرکزِ ملت'' منتخب کرے، پھر یہ نمبردار حسبِ تقاضا وقتِ عبادات اور معاملات اور احکام میں ترمیم یا مرمت کریں۔ جب تک نمبردار حضرات اپنی کرسیوں پر بیٹھ کر اپنی ذمے داریاں نہیں سنبھالتے، اس وقت تک یہ چیزیں جوں کی توں رہنے دی جائیں۔

ہمیں یقیناً معلوم ہے یہ ناپاک گٹھ جوڑ ۔إن شاء اللّٰہ۔ ہو گا نہیں، اس لیے نماز وغیرہ اعمال اپنی حالت پر قائم رہیں گے۔

اب یہ حضرات انکارِ حدیث کے نام سے گھبرا رہے ہیں۔ قرآن اور عقل کی آڑ لے کر تنقید کے نئے ہتھیاروں سے مسلح ہونے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن یہ بھی محض دفع الوقتی ہے جس کارخانہ میں یہ ہتھیار تیار ہوں گے، وہ کارخانہ ہی۔إن شاء اللہ۔ پوری طرح مسمار ہو کر رہے گا!

حقیقت یہ ہے کہ اہلِ سنت کے حملوں سے تنگ آ کر یہ تحریک پسپا ہو رہی ہے۔ معلوم نہیں یہ پسپائی باقاعدہ ہے یا بے قاعدہ، مگر جب کوئی تحریک اساسی معاملات میں حیلے اور بہانے تلاش کرنا شروع کر دے تو اس کی پسپائی یقینی ہے اور اہلِ حق کی بیداری یقین ہے کہ اس دجل وفریب کے جال کو تار تار کر کے رکھ دے گی۔

تاریخِ تدوینِ حدیث:

رفیقِ محترم مولانا ہدایت اللہ صاحب ندوی (جامعہ محمدیہ اوکاڑہ) مبارک باد کے مستحق ہیں، انھوں نے یہ عمدہ کتاب محنت سے لکھی، صحیح مستندات کی طرف رجوع فرمایا، مروجہ مناظرانہ انداز سے ہٹ کر صحیح معلومات جمع فرمائے، تدوینِ حدیث کے ارتقائی ادوار کا پورا جائزہ لیا اور اس کے تدریجی ارتقاء کی ایک تاریخ مرتب فرما دی، اور یہ ارتقاء بالکل طبعی رفتار سے ہوا، آنحضرت ﷺ کے سامنے اسے وقتی حوادث کی طرح یاد رکھا گیا، سماع اور مذاکرے کی مجالس منعقد ہوتی رہیں اور جب ضرورت ہوئی، اسے لکھ لیا گیا یا لکھوا دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے تحریر کی طرف زیادہ توجہ فرمائی۔ اکثر صحابہ کے پاس یہ یادداشتیں کتابی صورت میں موجود تھیں۔ کسی کے پاس اس قسم کی متعدد یادداشتیں تھیں، حضرت ابوہریرہ ایسے اصحاب التدریس صحابہ کے پاس تذکرے انباروں کی حد تک پہنچے ہوئے تھے۔ تاریخِ تدوینِ حدیث کا یہ حصہ بے حد تابناک ہے۔ مولانا نے عہدِ نبوت سے تیسری صدی تک صحابہ اور تابعین کے محفوظات اور تذکروں کا مسلسل ذکر فرمایا ہے اور اس وقت کے حالات کے مطابق یہی ہونا چاہیے۔ دوسری صدی کے اواخر اور تیسری کے آغاز میں تدوین کا عروج تھا۔ ان واقعات اور ان کے تسلسل سے واضح ہو جاتا ہے کہ تیسری صدی فن کا ارتقائی دور ہے اور یہ تسلسل درمیان میں کہیں ٹوٹا بھی نہیں۔ یادداشتیں اور تذکرے لکھے گئے۔ تذکروں نے مدوّن کتابوں کی صورت اختیار کی، ان میں سنن اور اجزاء تھے، ان میں عبادات اور معاملات تھے۔ ان میں سیر اور مغازی تھے۔ ان میں ایسے حضرات

تھے جنھوں نے حدیث کے ساتھ فتاوائے صحابہ کو جمع کیا۔ ان میں وہ تھے جنھوں نے صرف صحاح جمع فرمائیں، ضعاف بالکلیہ نظر انداز کر دیں۔ بعض نے صحاح، حسان، ضعاف سب جمع فرمائیں۔ بعض نے غیر مستند ضعاف اور موضوعات جمع کیں۔

زمانۂ صحابہ سے زمانۂ ارتقاء تک اور ارتقاء سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے، اس سے یہ مغالطہ بالکل دور ہو جاتا ہے کہ حدیث کی تدوین تیسری صدی میں ہوئی، درمیان کا زمانہ خاموشی سے گزر گیا۔ تیسری صدی میں حدیث کہیں سے برس پڑی یا کھیتی کی طرح اُگ آئی۔

میں نے کتاب کو بالاستیعاب پڑھا ہے اور غور سے پڑھا ہے۔ کتاب حقائق پر مبنی ہے اور مناظرانہ ہمز و لمز سے کافی پرہیز کی گئی ہے۔ انصاف پسند طبائع کے لیے امید ہے یہ مختصر تحریر بے حد مفید ہو گی۔ دوسرے اصحابِ قلم سے بھی امید ہے کہ وہ لکھتے وقت عوام کو ''علمی مواد'' دینے کی کوشش کریں گے، طعن و تشنیع سے ذہن صاف نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات اس سے تنفر بڑھتا ہے۔

تاریخِ انکارِ حدیث:

زیرِ نظر کتاب میں مولانا نے اس کا اجمالاً ذکر فرمایا ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ دنیا کے مشہور مذاہب اور مسالک میں سے کسی نے اہلِ قرآن کی طرح کلیتاً حجیتِ حدیث کا انکار نہیں کیا۔ بدعی فرقوں نے اپنے نقطۂ نظر سے بعض احادیث کا انکار کیا جو اُن کے منشا اور مخترع اصولوں کے خلاف تھیں، لیکن اصولی طور پر آنحضرت ﷺ کے ارشادات کو حجت مانتے رہے۔ جزوی انکار کا مرض پرانا ہے، لیکن کلی طور پر انکار تیرھویں صدی کے آغاز میں کیا گیا اور اب تک ایسے لوگ موجود ہیں جو سنت کی حجیت کا انکار کرتے ہیں۔

ادارہ ''طلوع'' کراچی کی تحریرات میں عجیب قسم کا اضطراب ہے۔ ان کا اصل مقصد تو یہی ہے کہ وہ حجیتِ حدیث کا بالکل انکار کریں، مگر اس کے اظہار میں صاف گوئی سے کام نہیں لیتے۔ کبھی وہ تنقید کا مقام اختیار کرتے ہیں اور قرآن کی حمایت کا ٹھیکہ لے کر احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ کبھی اسے محض تاریخ سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ تذبذب قلتِ مطالعہ اور فن سے بے خبری کا نتیجہ ہے یا عوام کو دھوکا دینے کا منصوبہ؟!

مولانا ہدایت اللہ صاحب ندوی کے ہم ممنون ہیں، انھوں نے تدوینِ حدیث کی تاریخ کی حد تک قریباً اکثر شبہات کو رفع فرما دیا ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

اور منکرینِ حدیث سے باادب گزارش ہے کہ

اَلْجَهْلُ دَاءٌ قَاتِلٌ وَشِفَاؤُهُ أَمْرَانِ فِي التَّرْكِيْبِ مُتَّفِقَانِ
نَصٌّ مِنْ قُرْآنٍ أَوْ مِنْ سُنَّةٍ وَطَبِيْبُ ذَاكَ الْعَالِمُ الرَّبَّانِي[1]

محمد اسماعیل سلفی، گوجرانوالہ

۱۴؍ ربیع الثانی ۱۳۷۷ھ = ۷؍ نومبر ۱۹۵۷ء

[1] ''جہالت ایک مہلک بیماری ہے جس کا علاج دو چیزوں کے متفق مرکب میں ہے: قرآن کی نص اور سنت کی نص اور اس کا طبیب عالم ربانی ہے۔''

پیش لفظ:

تحریک جماعتِ اسلامی اور مسلکِ اہلِ حدیث

(تالیف: مولانا داود راز۔ ناشر: مکتبۃ السنہ، کراچی۔ ۱۴۱۳ھ)

بَعْدَ الْحَمْدِ وَالصَّلَاةِ. مجھے مولانا مودودی اور ترجمان القرآن سے اس وقت تعارف ہوا جب مولانا حیدر آباد میں تھے۔ بقول مولانا اصلاحی، مولانا مودودی ملائے مکتبی نہیں ہیں، اس لیے مولانا جو کچھ لکھتے ہیں، مروجہ مکاتب سے آزاد ہو کر اجتہاد سے لکھتے ہیں اور ان کو اپنے نظریات پر اتنا ہی وثوق ہوتا ہے جتنا ایک مجتہد کو اپنے اجتہادات پر ہونا چاہیے۔ مکتبی علماء کو اس طرح کے بعض نظریات بلا محنت رفقاء کے مذاکرات اور اساتذہ کے اشارات سے مل جاتے ہیں، اس لیے یہ حضرات نہ ان اجتہادات کو اہمیت دیتے ہیں نہ اُن کا احترام کرتے ہیں، بلکہ بسا اوقات انھیں اپنی تنقید کی سان پر چڑھا دیتے ہیں۔ ویسے بھی ہمارے مکاتب میں طلبہ کے مزاج کا انحصار زیادہ تر اساتذہ کے فیوض پر ہوتا ہے، کچھ مکاتب کے ماحول پر۔ پس عام علماء اور مولانا کے طریقِ فکر میں یہ ایسی خلیج ہے جسے پاٹنا کافی مشکل ہے۔

مولانا مودودی میں ایک اور بھی خوبی ہے، مولانا اپنے اجتہادات میں قوتِ استدلال سے اتنا نہیں گھبراتے جس قدر وہ عوام کے ہیجان اور فضا کی تمازت سے دبکتے ہیں۔ کئی اہم ملکی مسائل اور متعۃ النکاح[1] کے متعلق مولانا نے تفرد سا اختیار فرمایا۔ علماء کے کہنے پر مولانا نے توجہ نہ فرمائی۔ جب اخبارات

[1] ناظرینِ کرام میں سے شاید اکثر کو معلوم ہو گا کہ حضرت مولانا مودودی صاحب کے عجیب و غریب علمی تفردات میں سے ایک مسئلہ "متعہ کا جواز" بھی ہے۔ متعہ اہلِ سنت کے ہاں احادیثِ صحیحہ کی بنا پر قطعاً حرام ہے اور کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ ائمۂ اربعہ اور جملہ امامانِ احادیث کا اس پر اتفاق ہے، مگر ان سب سے ہٹ کر مولانا مودودی صاحب نے متعہ کو جائز قرار دیا اور جب اخبارات اور اسلامی دنیا میں اس پر لے دے ہوئی، علماء نے اس پر مولانا کو چیلنج کیا تو آپ نے نہ صرف اس کے جواز پر ڈرامائی استدلال پیش کرنے شروع کیے، ←

بلکہ احتجاج کرنے والے علماء کی پگڑیاں اُچھالنے لگے اور آپ کے مریدوں نے علمائے کرام کی وہ وہ تردید، تجہیل، تفسیق فرمائی کہ توبہ ہی بھلی۔ اس منظم محاذِ جنگ کا اندازہ آپ ذیل کے اقتباس سے لگا سکیں گے جو جماعت اہلِ حدیث کے مستند، ثقہ اور مقبول ترین اخبار ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (مجریہ ۱۸ر نومبر ۱۹۵۵ء) سے درج ذیل کیا جا رہا ہے:

''تعجب ہے کہ مودودی صاحب اگر ① صحیح احادیث کا مضحکہ اڑائیں ② دجال کے متعلق پایۂ تحقیق کو پہنچی ہوئی روایات کو افسانہ قرار دیں ③ صحیح بخاری شریف کی صحت و استناد کے ماننے کو شرافت و علمیت کے منافی بتائیں ④ تمام علمائے دین کی تجہیل کریں ⑤ شامی اور ہدایہ کی دل کھول کر تضحیک کریں ⑥ متعہ ایسے قبیح فعل کا جواز ثابت کریں تو جماعتِ اسلامی کے مجتہدوں کے نزدیک یہ بلا استثنا سب کچھ صحیح اور بجا، لیکن اگر کوئی اللہ کا بندہ مودودی صاحب کی گرفت کرے اور ان کی تحقیق کو غلط قرار دے تو یہ جماعتِ اسلامی کی نازک مزاجیوں کے منافی ٹھہرے اور اس کی بارگاہِ عدل و انصاف میں ایسا شخص گردن زدنی و کشتنی قرار پائے۔ یہ آخر کیوں ہے؟ جماعتِ اسلامی کے یہ لینے اور دینے کے پیمانے اتنے مختلف کیوں ہیں؟''

شاید ناظرینِ کرام میں سے کوئی صاحب ہمارے یا اخبار ''الاعتصام'' کے بیانِ بالا کو مبالغہ آمیزی تصور کریں، ایسے حضرات کے سامنے ہم اس جماعت کے صرف ایک اخبار ''ایشیا'' نامی کے وہ نازیبا اور مکروہ الفاظ بطورِ نمونہ نقل کرتے ہیں جو صرف ایک مخالف مولانا احمد علی صاحب خدام الدین لاہور والوں کی شان میں اس اخبار نے استعمال کیے ہیں، اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ جماعتِ اسلامی کے صالحین کی سنجیدگی و متانت و شرافت کی دنیا کس قدر ''سنسان'' ہے۔

اخبار ایشیا کے مدیر شہیر مولانا نصر اللہ خاں صاحب مولانا احمد علی صاحب کے حق میں ذیل کے خطابات بڑی ہی فراخ دلی کے ساتھ غالباً لکھنؤ کی روایتی بھٹیاریوں کی لغت کو سامنے رکھ کر پیش فرماتے ہیں:

''جاہل، بہتان طراز، مفتری، اخلاقی تعلیمات سے بے بہرہ، تقویٰ، تقدس، للہیت اور تقرب الی اللہ کا ڈھونگ رچانے والے، غیر معقول، مسمی صورت والے، فریبی، جھوٹے، تقدس و تقویٰ کی دھونس رچانے والے، مذبوحی حرکتیں کرنے والے، علم و اخلاق سے بے تعلق، فاسد ذہنیت کے مالک، پیشہ ور دیندار، عقل کے اندھے، غیر ذمہ دار، قرآن کے فہم سے عاری، ناخدا ترس، بے حس، خدا اور مخلوق کی شرم سے بے بہرہ، بے حیا، بے وقوف، گھناؤنے اور مکروہ اخلاق کے مالک، دیوبند کی چراگاہ سے نکلے ہوئے فریبی، دجل و کذب کے مالک، شور مچانے والے کفن چور، افیونی، شوریدہ سر۔'' (''الاعتصام'' لاہور، ۱۸ر نومبر ۱۹۵۵ء بحوالہ ''ایشیا'' لاہور)

نے سرخیاں جمانی شروع کیں اور ایک ہیجان سا بپا ہو گیا تو مولانا نے فوراً ہتھیار ڈال دیے۔

مولانا اپنے علمی تفردات کی اگر اشاعت نہ فرماتے یا اپنے اجتہادات اور جماعتی لٹریچر میں خطِ فاصل کھینچ سکتے تو اس قدر بگاڑ نہ ہوتا، لیکن ہوا یہ کہ مولانا نے اپنے گرد و پیش اس قسم کے مزید اربابِ اجتہاد کو جمع فرما لیا جو عموماً کوئی نہ کوئی اعجوبہ ظاہر فرماتے رہتے ہیں اور یہ سارا لٹریچر جماعت ہی کا تصور ہوتا ہے۔

اپنی کیفیت:

میں خود ابتداءً جماعت اور اس کے لٹریچر سے کسی قدر متاثر رہا اور شاید دیر تک متاثر رہتا، لیکن فنِ حدیث کے متعلق اساتذہ کی توجیہات اور فیوض اور ائمہ حدیث کے گرامی قدر ارشادات سے جو مزاج بن چکا تھا، اس کی وجہ سے مولانا اور اُن کے رفقاء کے اجتہادات طبیعت پر گراں گزرنے لگے۔ میں نے ہر چند کوشش کی کہ اس اساسی تعارض میں تطبیق یا ترجیح کی کوئی صورت پیدا ہو سکے، لیکن میری قدامت پسند طبیعت نے سازگاری کی ان مساعی سے بالکل انکار کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ مداہنت کرنا مشکل ہو گا۔ ملک میں سیاسی کشمکش تھی، میں نے سوچا کہ ”أھون البلیتین“ کے اصول پر کچھ وقت صبر اور خاموشی سے گزر جائے، پھر دیکھا جائے گا، لیکن اس نفاق آمیز مداہنت پر بھی طبیعت مطمئن نہ ہو سکی، کیوں کہ میری ناقص رائے میں یہ چور دروازے برداشت کے قابل نہ تھے۔ ایسے نظریات جنھیں اپنا لینے کے بعد احادیثِ نبویہ ہر مداری کی درایت اور ہر رائے پرست کے چشم و ابرو کی محتاج ہو کر رہ جائے، دیانت اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو سکی۔ وحیِ الٰہی اذواق اور وجدانی عوامل کی تختۂ مشق بن جائے، میری دانست میں یہ جرم ”تحاکم إلی الطاغوت“ سے کسی طرح کم نہیں۔ ائمۂ حدیث ائمۂ کوفہ کی بعض علمی موشگافیوں کو سنت کی موجودگی میں پسند نہیں فرماتے تو وہ ان

➜ ایک رکن جماعتِ اسلامی کی طرف سے یہ خطابات مولانا احمد علی صاحب کو صرف اس جرم کی پاداش میں ملے کہ انھوں نے مودودی صاحب کے غلط اجتہادات کے خلاف کیوں لب کشائی کی؟ اب اس روشنی میں اس جماعت کے دستور کی اس دفعہ کا مطالعہ کیجیے جس میں لکھا ہے کہ ”پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے سوا کسی کو تنقید سے بالا تر نہ سمجھا جائے، کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو“ قول اور فعل کے اس تضاد کے لیے یہی کہنا موزوں ہو گا کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ (داود راز)

نیچر آمیز عقلیات کو کیوں کر گوارا کر سکتے ہیں؟ پھر یہ اندھے کی لاٹھی ایسے کم سواد ہاتھوں میں دے دی جائے جن کے علم و بصیرت، فہم و فراست پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس کا تو یہ مطلب ہو گا کہ حدیث کو ایک غیر مستند دستاویز تسلیم کر لیا جائے جو منکرینِ حدیث کا اصل مقصد ہے۔

اعلانِ بیزاری:

میرے لیے یہ مشکل تھا کہ اس بدعت کو گوارا کروں جس سے حدیث اور ائمۂ حدیث کا احترام خطرے میں ہو اور جانتے ہوئے ایسی جدید اور بدعتی تحریکات کا ضمیمہ بننا گوارا کر لیا جائے۔ میرے بعض دوست اس وقت بھی جماعتِ اسلامی کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ میں تو اسے ضعفِ ایمان، مداہنت سمجھتا ہوں، اس لیے میں نے جماعتِ اسلامی اور اس کی قیادت سے ساری ہمدردیاں ختم کر دیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

جدت پسند حضرات سے:

ہمیں جب کوئی تکلیف ہو یا کوئی عمارت بنانی ہو تو ہم اچھے ڈاکٹر اور قابل انجینئر کی تلاش کرتے ہیں۔ پھر علاج کے معاملے میں انجینئر سے مشورے کی ضرورت نہیں سمجھتے اور نہ ہی عمارت کے متعلق ڈاکٹر سے دریافت کرنے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ ہر فن اور حرفت کے متعلق ماہرین کی طرف رجوع دانش مندی کا تقاضا تصور کرتے ہیں، لیکن علومِ دینی اور دفاترِ سنت کا تذکرہ آ جائے تو ہر اَوور ایج پنشنر اور ناتراشیدہ جاہل قلم و دوات سنبھال کر تنقید کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ کبھی انھیں ''عجمی سازش'' کی خود ساختہ فکر دامن گیر ہوتی ہے، کبھی تدوین کا وقت ان کے فرضی توہمات کی بنیادوں پر انھیں ستانے لگتا ہے۔ کبھی اہلِ علم کے اوطان کی تلاش میں بچارے سرگرداں پھرنے لگتے ہیں۔ اگر یہ حضرات دماغوں میں ان علمی مشاغل کی اہلیت نہ رکھتے تو اور چند سال ملازمت کر لی ہوتی یا اچھا ہوتا کہ یہ حضراتِ کرام آرام فرماتے، اسلام کے بجائے اپنے عزیز و اقارب کو اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرماتے۔

ہمارا صرف ایک مطالبہ ہے:

وہ یہ کہ فنِ حدیث کے خدام موجود ہیں، انھیں اپنے نہجِ مستقیم پر خدمت کا موقع دیجیے، جو اس کے اہل ہوں گے، وہ خود اس کی ذمے داری سنبھال لیں گے، جو اس کے اہل نہیں، وہ یہ دردسری خواہ مخواہ

کیوں خریدتے ہیں ؎

پیش آنکس برد کہ خریدار تست[1]

نہ آپ فن کو جانتے ہیں نہ فن آپ سے آشنا ہے، پھر سر پھوڑنے سے کیا فائدہ؟ ناقدین کی موجودہ کھیپ میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جس نے باقاعدہ فنِ حدیث پڑھا ہو۔

ائمۂ حدیث:

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَكَذٰلِكَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْجُمْهُوْرُ أَنَّ الْعِلْمَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ حَالِ الْمُخْبِرِيْنَ بِهِ، فَرُبَّ عَدَدٌ قَلِيْلٌ أَفَادَ خَبَرَهُمُ الْعِلْمَ بِمَا يُوْجِبُ صِدْقَهُمْ، وَأَضْعَافُهُمْ لَا يُفِيْدُ خَبَرُهُمُ الْعِلْمَ، وَلِهَذَا كَانَ الصَّحِيْحُ أَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ قَدْ يُفِيْدُ الْعِلْمَ إِذَا احْتَفَّتْ بِهِ قَرَائِنُ تُفِيْدُ الْعِلْمَ، وَعَلٰى ذٰلِكَ فَكَثِيْرٌ مِنْ مُتُوْنِ الصَّحِيْحَيْنِ مُتَوَاتِرُ اللَّفْظِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيْثِ، وَإِنْ لَمْ يَعْرِفْ غَيْرُهُمْ أَنَّهُ مُتَوَاتِرٌ، وَلِهٰذَا كَانَ أَكْثَرُ مُتُوْنِ الصَّحِيْحَيْنِ مِمَّا يَعْلَمُ عُلَمَاءُ الْحَدِيْثِ عِلْمًا قَطْعِيًّا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَهُ، تَارَةً لِتَوَاتُرِهِ عِنْدَهُمْ، وَتَارَةً لِتَلَقِّي الْأُمَّةِ لَهُ بِالْقَبُوْلِ... الخ" (فتاویٰ ابن تیمیة: ۱/ ۴۰۹)

"جمہور علماء کا خیال ہے کہ علم کے حالات مخبر کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی تھوڑے سے افراد کے صدق کی وجہ سے خبر میں علم و یقین نمایاں ہوتا ہے، کبھی کئی گنا افراد کی خبر سے علم اور یقین حاصل نہیں ہوتا، اس لیے جب خبرِ واحد قرائن سے بھرپور ہو، اس سے علم و یقین حاصل ہو جاتا ہے۔ اس اصل کے مطابق صحیحین میں اکثر روایات لفظاً متواتر ہیں، لیکن اس کا فیصلہ صرف علمائے حدیث کر سکتے ہیں جو اس فن کے ماہر اور اکسپرٹ ہیں۔ غیروں کو اس کی کیا خبر؟ اسی طرح صحیحین کے بعض متون کے متعلق یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔ یہی یقین کبھی تواتر سے ہوتا ہے، کبھی امت کے قبولِ عام سے۔"

[1] "اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کرو جو تمھارا خریدار ہے۔"

حاصل یہ ہے کہ ① خبر پر اعتماد مخبر کی صفات کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے تعداد کے ساتھ صفات کا لحاظ ضروری ہے۔ ② صحیحین میں اکثر روایات لفظاً متواتر ہیں۔ ③ خبرِ واحد اگر قرائن موجود ہوں تو اس سے بھی یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ ④ صحیحین کے اکثر متون کے متعلق یہ کہنا بجا ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات ہیں۔ ⑤ لیکن یہ فیصلہ علمائے حدیث کا کام ہے، ہر بوالہوس کا یہ حق نہیں۔ ⑥ یہ اعتماد اور فیصلہ کبھی تواترِ عددی سے ہوتا ہے، کبھی امت کی قبولیتِ عامہ سے، یہ ماہر اور اکسپرٹ علمائے فن کی رائے ہے۔ مسٹر پرویز، خلیفہ عبدالحکیم، مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی اگر اس پر مطمئن نہ ہوں تو وہ معذور ہیں، وہ فن سے آشنا نہیں ہیں۔

اس کے بعد شیخ الاسلام خبرِ واحد اور اس کی مختلف صورتوں کا ذکر اور قرائن کے تفصیلی تذکرے کے بعد فرماتے ہیں:

"وَتَارَةً يَكُوْنُ عِلْمُ أَحَدِهِمْ لِقَرَائِنَ تَحْتَفُّ بِالْأَخْبَارِ تُوْجِبُ لَهُمُ الْعِلْمَ، وَمَنْ عَلِمَ مَا عَلِمُوْهُ حَصَلَ لَهُ مِنَ الْعِلْمِ مَا حَصَلَ لَهُمْ" اھ (فتاویٰ: ۱/ ۴۰۱)

"ان کا یہ علم قرائن کی وجہ سے ہوتا ہے جو خبر میں پائے جاتے ہیں جو اس علم کو جان لے گا، اُسے یقیناً وہ علم حاصل ہوگا جو علمائے حدیث کو ملا۔"

عقل و خرد کی دنیا میں فنون اور علوم میں فیصلے کا حق گنواروں کو نہیں دیا جا سکتا۔

حضرات علمائے ہند:

تقسیمِ ہند کے بعد ظاہراً تعلقات آپ حضرات سے ٹوٹ چکے ہیں۔ حجاز پہنچنا شاید آسان ہو، آپ کی زیارت مشکل ہے۔ مجھے مالیر کوٹلہ کی مسجد اہلِ حدیث کے سلسلے میں معلوم ہوا کہ ہمارے بعض رفقاء جماعتِ اسلامی کی گرفت میں آچکے ہیں اور مولانا محمد امین اثری کے توسط سے مسجد اور ملحقہ جائداد کا شکار کھیلا جا رہا ہے۔[1] وہاں کے احباب کی شکایت کے بعد میں نے مولانا عبدالوہاب صاحب آروی اور بعض دوسرے احباب کو لکھا اور ممکن کوشش کی کہ مالیر کوٹلہ کی جماعت اہلِ حدیث سے انصاف ہو اور اکابرِ ہند اس معاملے میں جراَت سے کام لیں، لیکن مجھے محسوس ہوا کہ "لَا حَيَاةَ لِمَنْ تُنَادَى"۔ حضرت امام الہند مولنا ابوالکلام آزاد (أَدَامَ اللّٰهُ فُيُوْضَهُ) کے سوا ہمارے اکابر سے کسی

[1] مالیر کوٹلہ سے حال ہی میں اطلاع ملی ہے کہ جائداد پر جماعتِ اسلامی والے قابض ہیں۔ فَوَا أَسَفاً۔ [مولف]

کو کلمۂ حق کہنے کی توفیق میسر نہ ہوئی اور جماعتِ اسلامی نے بادعائے صلاحیت مولانا کے خلاف جتنا کیچڑ اُچھالا، ندامت سے میرا سرنگوں ہے۔[1]

[1] فاضل محترم نے نزاع مالیر کوٹلہ کی بابت حضرت امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد مدظلہ العالی کے ایک اہم ترین تاریخی فیصلے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ناظرین کرام کے استفادہ کے لیے ہم وہ فیصلہ اخبار ''اہلِ حدیث'' دہلی (مجریہ ۱۵؍ اکتوبر ۱۹۵۴ء) سے یہاں حرف بہ حرف نقل کر دیتے ہیں۔ امام الہند کا یہ فیصلہ جماعت اہلِ حدیث ہند کے لیے ایک اہم ترین درسِ حیات ہے جس میں ہمارے لیے بہت سے اسباق پوشیدہ ہیں۔ یہی وہ تاریخی فیصلہ ہے جس کی وجہ سے جماعتِ اسلامی کے نامہ نگاروں نے حضرت امام الہند کے خلاف بہت کچھ زہر اُگلا۔ اخبار ''اہلِ حدیث'' دہلی کے اداریے سمیت وہ تاریخی فیصلہ حسبِ ذیل ہے:

مالیر کوٹلہ کے ایک نزاعی معاملے میں

حضرت مولانا ابو الکلام صاحب آزاد کا اصولی فیصلہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جماعت اہلِ حدیث مالیر کوٹلہ میں کچھ عرصے سے ایک سخت نزاع پیدا ہو گیا ہے۔ نزاع نے اس قدر طول کھینچا کہ پولیس کو حفظِ امن کے لیے مداخلت کرنی پڑی اور بالآخر اصلاحِ حال اور رفعِ نزاع کے لیے معاملہ تین ثالثوں کے سپرد کیا گیا۔ جو حضرات ثالث مقرر ہوئے ہیں، انھوں نے معاملے کی تفصیلات سے مجھے مطلع کیا اور لکھا کہ جماعت کے دونوں فریق چاہتے ہیں کہ معاملہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ آپ جو فیصلہ کر دیں گے، اس کی بلا چوں و چرا تعمیل کی جائے گی۔ میں نے انھیں لکھا کہ دونوں فریق اپنا ایک ایک معتمد نمایندہ دہلی بھیج دیں، تا کہ دونوں فریقوں کا نقطۂ خیال مجھے معلوم ہو جائے، اس کے بعد جس نتیجے پر پہنچوں گا، لکھ کر بھیج دوں گا۔
چند دنوں کے بعد ثالثوں نے مجھے اطلاع دی کہ دونوں فریقوں نے اپنی اپنی انجمنوں کا با قاعدہ جلسہ کر کے دو نمایندے چن لیے ہیں۔ ایک فریق نے بابو محمد شفیع صاحب کو چنا ہے، دوسرے فریق نے ماسٹر کفایت اللہ کو۔
۲۲؍ اگست ۱۹۵۴ء کو دونوں صاحب دہلی آئے اور مجھ سے ملے۔ دونوں صاحب اپنا تحریری بیان لائے تھے جو میں نے لے لیا، انھوں نے تفصیل کے ساتھ زبانی تقریریں کی جو میں نے سن لیں۔ معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں، قلم بند کر کے بھیجے دیتا ہوں۔

بنائے نزاع:

نزاع جس معاملے میں ہوا، وہ یہ ہے کہ مسجد اہلِ حدیث کا امام اور خطیب کیسا ہونا چاہیے اور موجودہ امام مولوی محمد امین صاحب مبارک پوری اس منصب پر قائم رہیں یا انھیں سبک دوش کر دیا جائے؟
مالیر کوٹلہ میں جماعت اہلِ حدیث کی ایک مسجد ہے جس کا انتظام انجمن اہلِ حدیث کی نگرانی میں ہے۔ مسجد کی امامت و خطابت کے لیے انجمن نے یہ طے کیا تھا کہ اس منصب پر ایک ایسے اہلِ حدیث عالم کو مقرر کیا جائے جو قرآن و حدیث کا درس دے سکے اور توحید و سنت کا مبلغ ہو۔ دو سال ہوئے مولوی محمد امین صاحب مالیر کوٹلہ آئے اور اس منصب پر مقرر کیے گئے۔ مولوی صاحب ممدوح جماعتِ اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھوں نے اس منصب ←

کو جماعتِ اسلامی کے افکار و عقائد کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنا لیا اور یہ صورتِ حال بتدریج یہاں تک بڑھی کہ ان کے وعظ و ہدایت اور عملی جدوجہد کا تمام تر مرکز جماعتِ اسلامی کی دعوت و تبلیغ ہو گئی۔ جماعتِ اسلامی کا مرکز قائم کیا گیا اور بیت المال بھی کھول دیا گیا۔

اس صورتِ حال کی وجہ سے جماعت اہلِ حدیث میں اختلاف رونما ہوا۔ ایک گروہ نے اُسے پسند نہیں کیا کہ مسجد کی امامت، جماعتِ اسلامی کی دعوت و تبلیغ کا آلۂ کار بنا دی جائے، اس کی رائے یہ ہوئی کہ امام مسجد کو صرف مسلک اہلِ حدیث کے افکار و مقاصد کا مبلغ ہونا چاہیے۔ وہ چاہتا ہے کہ مولوی محمد امین صاحب اس خدمت سے سبک دوش کر دیے جائیں۔ دوسرا گروہ مولوی صاحب کا حامی ہے، اُسے اس پر اصرار ہے کہ مولوی صاحب ممدوح امام رہیں۔

بالآخر یہ تفرقہ یہاں تک بڑھا کہ مسجد میں دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت مولوی محمد امین صاحب کے پیچھے نماز پڑھتی ہے۔ دوسری ایک دوسرے صاحب (مولوی عبداللہ صاحب) کے پیچھے۔ گذشتہ رمضان میں ایک نیا جھگڑا پیدا ہو گیا، یعنی یہ کہ مسجد میں پہلی جماعت کس فریق کی ہو؟ اس پر جذبات اس قدر تیز ہو گئے کہ تصادم اور نقضِ امن کا اندیشہ پیدا ہو گیا اور پولیس کو مداخلت کرنا پڑی۔ پولیس نے فریقین سے پینتیس افراد کو زیرِ دفعہ (۱۵۱/۱۰۷) گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے ابتدائی پیشی کے بعد کارروائی ملتوی کر دی اور ثالث مقرر ہوئے، تاکہ اصلاحِ حال کی کوشش کی جائے۔

جو فریق موجودہ امام صاحب کا مخالف ہے، اس کی جانب سے محمد شفیع صاحب آئے تھے۔ جو فریق اُن کا حامی ہے، اس کی جانب سے ماسٹر کفایت اللہ صاحب آئے تھے۔

فیصلہ:

اس نزاع نے ایک اصولی سوال پیدا کر دیا ہے جس کا ہمیں فیصلہ کرنا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ مسجد اہلِ حدیث کی امامت و خطابت کے منصب کو کسی دوسری مذہبی یا سیاسی تحریک کی دعوت و تبلیغ کا ذریعہ بنانا مناسب ہے یا نہیں؟ اور جماعت اہلِ حدیث کے مقاصد کے پیشِ نظر ایسا کرنا درست ہو گا یا نہیں؟

معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں، وہ یہ ہے کہ ایسا کرنا درست نہیں ہو گا۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس بات کا دروازہ فوراً بند نہیں کر دیا گیا تو یہ بات جماعت اہلِ حدیث کے لیے آیندہ طرح طرح کی مشکلات و مفاسد کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ آج جماعتِ اسلامی کا سوال پیدا ہوا ہے، کل کوئی دوسرے امام صاحب آئیں گے اور مسجد کے منبر پر کسی دوسری سیاسی یا مذہبی تحریک کی دعوت و تبلیغ کا پلیٹ فارم بنا دیں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسجد کی امامت وقت کی سیاسی یا مذہبی تحریکوں کا ایک بازیچہ بن کر رہ جائے گی اور جماعت اہلِ حدیث اپنے مسلک اور اصول کو محفوظ نہیں رکھ سکے گی۔

اہلِ کانفرنس کے آرگن ''ترجمان'' میں بعض اکابر نے ایک براء ت نامہ شائع فرمایا، ممکن ہے حضرات علمائے ہند اس سے مطمئن ہو گئے ہوں، مجھے تو تسکین نہیں ہوئی۔

حضرت مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی کا گرامی نامہ اسی ضمن میں آیا، جس میں بڑی متانت آمیز تلخی تھی۔ میرے لیے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔

➜ ملک میں جو سیاسی اور مذہبی تحریکیں چل رہی ہیں، لوگوں کو اختیار ہے کہ اگر چاہیں تو اس میں دلچسپی لیں، لیکن مسجد کی امامت و خطابت کو اس کا آلۂ کار بنانا کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔ مسجد کا منبر صرف کتاب وسنت کی تبلیغ وتلقین کے لیے ہے، اسے دوسری تحریکوں کے دعایۃ (پروپیگنڈا) کا پلیٹ فارم نہیں بنانا چاہیے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ جماعت کے لیے ایک خطرناک اِقدام ہوگا۔

بابو محمد شفیع صاحب نے اپنے بیان میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ جماعتِ اسلامی کے بعض افکار و آرا قابلِ اعتراض ہیں اور علماء نے ان کا رَد کیا ہے۔ میں اس معاملے میں جانا ضروری نہیں سمجھتا۔ میرے سامنے معاملہ صرف اس شکل میں آیا ہے کہ کیا اصولاً یہ بات مناسب ہوگی کہ مسجد کی امامت کے منصب کو کسی سیاسی یا مذہبی تحریک کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا جائے؟ اگر ایسا کرنا اصولاً درست نہیں ہے تو پھر اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ جس تحریک کا سرِ دست سوال پیدا ہوا ہے، وہ کیسی ہے اور اس کے افکار و آراء کیا ہیں؟ خواہ کچھ بھی ہوں، لیکن امامت کے منصب کو ان کا ذریعہ تبلیغ نہیں بنانا چاہیے۔

ماسٹر کفایت اللہ صاحب نے اپنے بیان میں اس بات پر زور دیا ہے کہ بابو محمد شفیع صاحب کی مخالفت محض جماعتِ اسلامی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ بعض شخصی وجوہ کی بنا پر ہے اور اس سلسلے میں انھوں نے بعض واقعات بیان کیے ہیں۔

میں نے ان واقعات کی تحقیقات ضروری نہیں سمجھی، کیوں کہ سوال افراد کی مخالفت اور عدمِ مخالفت کا نہیں ہے، بلکہ اصل مسئلے کا ہے۔ فرض کر لیا جائے کہ محمد شفیع صاحب کسی ذاتی مخالفت کی بنا پر موجودہ امام صاحب کی مخالفت کر رہے ہیں، لیکن پھر بھی اصل سوال بدستور باقی رہتا ہے کہ مسجد کی امامت کو وقت کی تحریکات کا ذریعہ تبلیغ بنانا چاہیے یا نہیں؟

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مولوی محمد امین صاحب کو اس خدمت سے سبکدوش کرنا چاہیے اور ان کی جگہ ایک ایسے اہلِ حدیث عالمِ دین کو مقرر کرنا چاہیے جو اہلِ حدیث کے مسلک کے مطابق قرآن وحدیث کی تعلیم دے، توحید وسنت کی تبلیغ کرے اور وقت کی سیاسی اور مذہبی تحریکوں سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو۔ اگر فوراً کسی ایسے صاحب کا تقرر نہیں ہوسکتا تو سرِدست مولوی عبداللہ صاحب امامت کی خدمات انجام دیں، جب تک کہ کسی زیادہ اہل شخص کی خدمات حاصل ہو جائیں۔

آخر میں میں دونوں فریقوں سے درخواست کروں گا کہ جو کچھ ہو چکا ہے، اب اسے یک قلم فراموش کر دیں اور بحکم ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ باہم دگر بغل گیر ہو کر از سرِ نو رشتۂ اخوت کو تازہ و استوار کریں۔

مخلصانہ گزارش:

میں مسلک کے معاملے میں دوستوں سے لڑنا چاہتا ہوں۔ اگر یہ حضرات پاکستان میں ہوتے یا مجھے وہاں اُن کے قدموں میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوتی تو میں اُن کو بتاتا کہ آپ حضرات کی مصلحت اندیشی یا کنبہ پروری جماعت کو کس مصیبت میں مبتلا کر دے گی اور عنداللہ ان ملحدانہ نظریات کو گوارا کرنے کی آپ کون سی معذرت فرمائیں گے، مگر صورت یہ ہے کہ آپ وہاں ہیں جہاں حاضری مشکل ہے۔ فَعَادَتْ عَوَادٍ بَيْنَنَا وَخُطُوْبٌ.

بقول حضرت مولانا عبیداللہ رحمانی ''اتنی دور سے کسی کے متعلق فیصلہ کرنا کہاں کی دیانتداری ہے؟'' یہ میری خاموشی کے لیے کافی تھا، لیکن علمائے ہند کا فرض تو ختم نہیں ہو جاتا۔ ان کی ذمے داری ہے کہ جماعت کو ان ملحدانہ نظریات سے بچائیں۔ مالیر کوٹلہ کی طرح مدرسہ جھنڈے نگر[1] سے اطلاع آئی۔ افسوس سے خاموش ہو گیا، لیکن اتنے اکابر کے ہوتے ہوئے یہ حوادث ہو جائیں، تعجب ہے!!

جماعتِ اسلامی کے صلحاء سے گزارش ہے کہ اس قسم کے ہوشمندانہ یا عیارانہ ڈاکوؤں سے جماعت کے وقار میں اضافہ نہیں ہوگا۔ آپ بدنام ہوں گے، جیسے کہ آپ نے پاکستان میں ملاحظہ فرمایا، آپ کی قیمت روز بروز کم ہو رہی ہے۔

''تحریک جماعتِ اسلامی اور مسلک اہلِ حدیث'':

پیشِ نظر مقالہ دیکھ کر طبیعت پھر متاثر ہوئی اور جنون میں بہت کچھ کہہ دیا، معلوم نہیں یہ گزارشات کہاں کہاں ناخوشگوار اثرات پیدا کریں گی۔ لیکن ﴿ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلٰحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾۔ آپ نوجوان ہیں، آپ کا قلم بحمد اللہ سیال ہے۔ زبان میں قوتِ گویائی موجود ہے، دونوں نعمتوں سے فائدہ اٹھائیے، سوتوں کو جگائیے، اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی کو کامیاب فرمائے

کنونت کہ چشم است اشکے ببار ۔۔۔ زباں درد ہاں است عذر بے بیار
کنوں بایدت عذر تقصیر گفت ۔۔۔ نہ چو نفس ناطق ز گفتن بخفت[2]

---

[1] مدرسہ جھنڈے نگر اب جماعت اہلِ حدیث ہی کے زیرِ انتظام ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ (راز)

[2] ''اب جب کہ تیری آنکھ اشک بار ہے اور زبان غموں کی داستانیں سنا رہی ہے تو عذر پیش کر، ابھی تیرے لیے کوتاہی کا عذر پیش کرنے کا وقت ہے، مگر تب یہ موقع نہیں ہوگا جب یہ نفسِ ناطق ہمیشہ کی نیند سو جائے گا۔''

میں گزارش کروں گا کہ اصولِ حدیث اور ائمۂ حدیث کے ارشادات کی روشنی میں آپ حضرات اسی نہج پر مزید مسلک اہلِ حدیث کو تفصیلاً شائع فرمائیں، مسلک اہلِ حدیث کی تائید اور جدید نظریات کے اغلاط کی نشاندہی فرمائیں۔ اس سے جماعت کے لٹریچر میں مزید اضافہ ہوگا۔ وَاللّٰهُ يُعِيْنُكُمْ عَلٰى نَوَائِبِهِ.

کام شروع کرنے کے لیے ۔إن شاء اللّٰہ۔ امید ہے اس مقالے سے حرکت پیدا ہوگی، اس کے بعد چند اور مخلص نوجوان بھی لکھنا شروع کریں، اصولِ حدیث اور شیخین کی تصنیفات میں اس طرح کا کافی مواد موجود ہے۔ یہ کام کے لیے ایک نیا میدان ہوگا۔ وَالسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وَآلِهِ.

خویدمکم الذلیل

ابوالخیر الشہیر باسماعیل السّلفی، گوجرانوالہ

۱۵/ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ

پیش لفظ:

إضاحة الحق

(تالیف: مولانا عبدالحق قریشی ہاشمی، میانوالی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ.

مولانا مودودی نے اپنے مشن کا آغاز دستوری تحریک اور کانگرس کی مخالفت سے کیا۔ مولانا نے ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ کے متعلق کافی لٹریچر شائع کیا، عوام چوں کہ موجودہ قیادت کی بے اصولی اور لادینیت سے متنفر تھے، اس لیے اس نوعیت کا لٹریچر ملک میں کافی مقبول ہوا اور بِکا، اور اس قسم کے کاروبار میں کوئی حرج بھی معلوم نہیں ہوتا، جس سے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے فوائد ہوں۔ ان کی جماعت کے کئی اخبارات اور رسائل ملک میں اچھی تعداد میں شائع ہوئے اور ملک کی نفسیات سے کاروباری مفاد بھی حاصل کیا گیا۔ ''ہم خرما وہم ثواب'' کا یہی مطلب تھا۔

لیکن مولانا مودودی صاحب اور ان کے رفقائے کرام کو اس کاروباری کامیابی سے غلط فہمی ہوئی۔ ان حضرات نے محسوس فرمایا کہ شاید اسلام اور فنونِ اسلامیہ کی تعمیر میں بھی ان کے تصورات اسی طرح مقبول ہوں گے جس طرح اِن کے سیاسی نظریات، حالاں کہ سیاسی نظریات کی مقبولیت کی بنیاد اِن کے نظریات اور ان کے متعلق مولانا کے دلائل کی صحت پر نہیں تھی، بلکہ اربابِ اقتدار کی پے بہ پے غلطیاں اور روز مرہ کی بے عنوانیاں تھیں، ورنہ مولانا کے سیاسی افکار بھی بہت حد تک قابلِ بحث ہیں، بلکہ کافی حد تک غلط!

یہ ایک انسانی کمزوری ہے کہ وہ اس قسم کی جزوی اور وقتی کامیابیوں کو اپنی ہمہ دانی کی دلیل سمجھنے لگتا ہے۔ یہی حال اسلامی جماعت کا ہے۔ وہ اس وقتی اور جزوی قبولیت کو مولانا کی ہمہ دانی کی دلیل سمجھتی اور اُن کی غلط صحیح بات کو نص کا مرتبہ دے کر اس کی تائید میں میدانِ کارزار بپا کر دیتی ہے، تنقید کرنے والوں کو بدنام کرتے ہیں، اپنی مجالس میں ان پر پھبتیاں کستے ہیں اور پوری قادیانی تکنیک سے اپنے مخالف کو کم علم، ذلیل اور پامال ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اصل مسئلے پر قطعاً سوچنے کی کوشش نہیں کرتے۔

فرقہ:

آج سے چند سال پہلے یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ یہ جماعت جس راہ پر جا رہی ہے، فرقہ بن کر رہ جائے گی، چناں چہ آج جماعتِ اسلامی کی قیادت اور عوام کے طریقِ عمل نے اس کو فرقہ بنا دیا ہے۔ وہ (جماعتِ اسلامی کے کارندے) رسائل بغلوں میں دبائے ہوئے ایسی محفلوں کی تلاش میں پھرتے ہیں جہاں وہ اگر مولانا مودودی کی مدح سرائی نہ کر سکیں تو کم از کم ان کے مخالفین کو گالیاں دے کر دل کی بھڑاس نکال سکیں۔ اس مقصد کے لیے جھوٹ، کھلی بددیانتی سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ آج کل ان حضرات کا حال بالکل ملک کی دوسری باطل پرست جماعتوں کا سا ہے۔ وہ مولانا کی حمایت اور اِن کے مخالفین کی تنقیص میں ہر شنیع سے شنیع حرکت کر سکتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں اور ذرہ ندامت محسوس نہیں فرماتے۔

حدیث اور اصولِ حدیث کے متعلق مولانا کے نظریات کا یہ حال ہے کہ وہ ائمۂ سنت کے نقطۂ نظر سے قطعاً غلط ہیں۔ اہلِ سنت کا کوئی مکتبِ فکر ان نظریات کی تائید نہیں کرتا۔ ان کے اکثر نظریات خود ساختہ ہیں، مگر جماعت اندھا دھند اُن کی تقلید کر رہی ہے اور بدحواسی سے ان کی تائید کر رہی ہے۔ علماء نے ہر طرح ان کو توجہ دلائی، مگر بظاہر اصلاح کی کوئی امید معلوم نہیں ہوتی۔

علماء کے مکاتیب:

آپ حضرات علماء کے مکاتیب شائع فرما رہے ہیں۔ ان حضرات نے اپنے اپنے نقطۂ نگاہ سے بہتر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ خود اپنی افادیت کے شاہد ہیں۔ عامۃ المسلمین کا فرض ہے کہ اس پمفلٹ کو پڑھیں۔ اپنے احباب کو پڑھائیں اور حدیث کے متعلق عوام کو غلط عقیدے سے بچائیں۔

حضرت مولانا مودودی اگر اپنے فیوض سیاسیات اور دستوری مساعی تک محدود فرما لیتے تو اُن کا احسان ہوتا۔ یہ خلفشار پیدا نہ ہوتا جو جابجا نمایاں ہو رہا ہے، اور نیز ان کی جماعت اس کبر و غرور سے محفوظ ہو جاتی جس میں ان کی اکثریت مبتلا ہو رہی ہے۔

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

جامع مسجد اہلِ حدیث

۱۸/ مئی ۱۹۵۷ء

تاریخ اہلِ حدیث گوجرانوالہ

[تالیف: بابا عبداللہ اہلِ حدیث]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِہٖ خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ إِمَامِ الۡمُتَّقِیۡنَ سَیِّدِيۡ وَمَوۡلَائِيۡ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَأَصۡحَابِہٖ وَأَھۡلِ بَیۡتِہٖ أَجۡمَعِیۡنَ.

قرآن اور سنت پر اسلام کی بنیاد ہے جس کی دعوت خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ، تابعین اور ائمۂ مجتہدین اپنے اپنے وقت میں دیتے رہے۔ کہیں اس کی مخالفت بھی ہوتی رہی۔ لوگ اپنی ذمے داری دوسروں پر ڈال کر مطمئن ہوتے رہے۔ لیکن علمائے حق ہمیشہ کتاب و سنت کی طرف دعوت دیتے رہے۔

مغل بادشاہوں کی لاعلمی اور جمود بڑھتا رہا۔ آخری دور میں حضرت مجدد الفِ ثانی رحمہ اللہ نے اسی جمود کے خلاف آواز اٹھائی۔ بدعات کے خلاف پُرزور جہاد کیا۔ مشرکانہ رسوم کا انکار کیا اور قید و بند کے مصائب برداشت کیے۔ یہی آواز اُن کے خلفاء اور تلامذہ کی معرفت دہلی کے فاروقی خاندان حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ان کے ابنائے کرام اور قابلِ احترام شاگردوں نے دنیا کے کونوں تک پہنچائی۔ اسی آواز کو بااثر اور پرشکوہ بنانے کے لیے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے تلوار اٹھائی۔

اس کے عملی اور علمی پہلو کی اشاعت حضرت شیخ الکل میاں سید محمد نذیر حسین صاحب کے درس سے بھی ہوتی رہی۔ حضرت شیخ الکل کے تلامذہ توحید و سنت کے اسی پیغام کو لے کر اطرافِ عالم میں پھیل گئے۔ پنجاب اور بنگال خاص طور پر شیخ الکل میاں سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کے فیض سے مستفیض ہوا۔ میاں صاحب کے شاگرد دہلی سے نکلے اور پنجاب سے گزرتے ہوئے پشاور کی خشک پہاڑیوں تک پھیل گئے۔

گوجرانوالہ، وزیر آباد، لاہور، امرتسر اور گجرات؛ تمام شہر اس علمی فیض باری سے روشن ہوئے۔ مولانا عبدالجبار صاحب، مولانا عبدالواحد صاحب، مولانا عبدالاول غزنوی صاحب، حافظ عبدالمنان صاحب،

مولانا محمد لکھوی اور حضرت مولانا علاؤ الدین رحمہ اللہ؛ سب اسی درخت کے برگ و بار تھے۔ مولانا علاؤ الدین صاحب مرحوم کے زہد وتواضع نے گوجرانوالہ میں توحید کی شمع جلائی۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ، پیر میر حیدر صاحب، یہ حضرات اس علاقے میں توحید وسنت کی اشاعت کا موجب رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو اپنی رحمت سے معمور فرمائے اور ان کوششوں کا اجر دے۔

میاں عبداللہ صاحب اہلِ حدیث اور ان کے رفقاء نے یہاں توحید وسنت کی اشاعت اور اس کے ضعف وقوت اور زوال وعروج کے مناظر کئی سالوں تک دیکھے ہیں۔ ان اوراق میں انھوں نے اپنی زندگی، تجربات اور مناظر کا تذکرہ فرمایا ہے، تاکہ آنے والے نوجوان ان کے تجربات سے استفادہ کریں اور مصائب کو برداشت کرنے کی قوت پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ اس کے دین کی خدمت کر سکیں۔

ابو الخیر محمد اسماعیل سلفی

گوجرانوالہ

تقریظ:

نا قابل مصنف مرزا

(تالیف: شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ)

پیشِ نظر رسالے میں مرزا صاحب کی سخاوتِ استدلال کا تذکرہ ہے۔ اس تالیف میں حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب کی نگاہِ تنقید مرزا صاحب کی مایہ ناز کتب براہین احمدیہ، سرمہ چشم آریہ اور چشمۂ معرفت پر ہے۔ کتاب میں موضوع کی سنجیدگی اور رسوخِ استدلال اس حد تک ہے کہ احمدی تصانیف اور مصنفین قطعاً اس شرف کے مستحق نہیں اور احمدیت کا مزاج اس شرفِ تخاطب اور تکلم سے بالکل نا آشنا ہے۔

دعا ہے کہ حضرت مولانا کو عمرِ نوح عطا ہو، تاکہ ملت ان سے دیر تک مستفید ہو سکے۔ کتاب کا انداز علمی ہے۔ اہلِ علم اس سے حظ اٹھائیں گے۔[1]

محمد اسماعیل

مدرس: مدرسہ محمدیہ و خطیب مسجد اہلِ حدیث، گوجرانوالہ

[1] ہفت روزہ "اہلِ حدیث" امرتسر (۲۴ ستمبر ۱۹۴۳ء)

تقدمہ:

فسانۂ قادیان

(تالیف: حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری۔۱۹۵۰ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.

تیرھویں صدی کے اواخر میں اہلِ توحید اس فکر میں تھے کہ انگریز کے تسلط کی گرفت کو جس قدر جلد ممکن ہو، ڈھیلا کر دیا جائے۔ علمائے حق کی پوری توجہ اسی طرف لگ رہی تھی۔ اس وقت ظاہری بغاوت اور مسلح انقلاب کی کوششیں بظاہر ناکام ہو چکی تھیں۔ انگریز ۱۸۵۷ء میں جو انتقامی مظاہرہ کر چکا تھا، اس کی خواہش تھی اسے برداشت کر لیا جائے یا کم از کم ملک اسے بھول جائے۔

تحریک اہلِ حدیث کا یہ مقصد تھا کہ اگر انگریز بدل نہ سکے تو اسے ہمیشہ کے لیے بے چین ضرور کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے تقسیمِ کار کے طور پر ایک گروہ نے بنگال پنجاب اور یو۔ پی، سی۔ پی کے بعض اطراف سے ہجرت کر کے سوات بنیر کے اطراف میں علاقہ آزاد کو اپنے قیام گاہ کے لیے انتخاب فرمایا اور یہی ان کی کوششوں کا مرکز قرار پایا۔ ان لوگوں کو پورے متحدہ ہندوستان سے امداد پہنچتی تھی۔ ہزاروں روپے اس کشت زار کی آبیاری میں صرف ہوتا اور یہ سرحدی چوکیوں پر مسلح یورشیں کرتے، تاکہ انگریز پریشان رہے۔ چناں چہ انھوں نے حسبِ طاقت اسے پریشان رکھا۔

کچھ لوگ یہی کام انڈر گراؤنڈ کرتے تھے۔ ان لوگوں کی مدد کرتے، روپے جمع کرتے اور بیرونی مراکز کو بھیجتے۔ ڈاکٹر ہنٹر نے ان جماعتوں کو افسانوی صورت دینے کے لیے بڑی مبالغہ آمیزی سے کام لیا ہے، تاکہ پٹنہ اور انبالہ کے وہابی مقدمات کے لیے زمین تیار کرے اور دنیا کی نظروں میں خاک جھونک سکے۔ انڈمان پھانسی اور عمر قید کی سزاؤں کو حق بجانب ثابت کر سکے۔ ان واقعات کو مبالغہ آمیز سمجھنے کے باوجود اس تحریک، اس کے طریقِ عمل، ان کے پروگرام میں ایک جان تھی۔

وہ اشتہارات اور صرف پروپیگنڈا کا پروگرام نہ تھا، اور حسرت ہے کہ آج جماعت ہر عمل سے محروم ہے غیر الجدل والحسد!

چناں چہ ان اعمال کی پاداش کے لیے انگریز نے پر تولنے شروع کیے اور معمولی وقفوں کے بعد انبالہ کیس، پٹنہ کیس اور قاضی کوٹ بم کیس شروع کرائے۔ بے گناہوں کو عبور دریائے شور، پھانسی اور عمر قید کی سزائیں دے کر اپنی قوم کی تاریخ کو سیاہ کیا اور شاید اپنی معصیتوں کی پاداش میں اپنے وقار کی لاش پر اب مرثیہ خواں ہیں۔ مظلوم شہید کے خون سے سرخ رخسار سے اپنی نو آبادیوں کو چھوڑ کر آبدیدہ آنکھوں کے ساتھ انگلستان کی بے آب و گیا سرزمین میں سمٹ رہے ہیں۔ توقع ہے کہ قدرت کے منتقم ہاتھ اسرائیل کو فلسطین میں اور آل ٹام کو اپنے مختصر جزیرے میں سمیٹنے کے بعد عبرت کی موت دے کر ظالموں کے لیے ایک نشان قائم فرمائیں گے۔

قادیانی تحریک اور قدرت کی ستم ظریفی:

یہ ناخوشگوار حالات تھے کہ انگریز کی خوش قسمتی نے ایک نئی تحریک کو جنم دیا جو اہلِ توحید کی مشکلات میں مزید اضافے کا موجب بنا، ان حالات میں مرزا غلام احمد اور اُن کی قادیانی تحریک ظاہر ہوئی۔ مرزا صاحب اور ان کے رفقاء، حق گوئی کی جو سزا حکومت کی طرف سے مجاہدین اور موحدینِ ہند کو دی گئی تھی، اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ انھوں نے پوری احتیاط سے اس راہ کو چھوڑ دیا، انھوں نے انگریزی حکومت کی وفاداری کو جزوِ ایمان قرار دیا، فریضۂ جہاد کا انکار کیا، ضرورتِ ہجرت کو ختم کر دیا۔ انگریز کی مملکت ان کی نظر میں قریباً ایک اسلامی حکومت تھی جس کے خلاف بغاوت گناہ اور اس سے قتال عند اللہ معصیت۔ ایک تھرڈ کلاس فوجی خاندان اور گھٹیا قسم کا زمین دار گھرانہ جسے کل سات سو روپے سالانہ وظیفہ ملتا تھا اور اس میں بھی کئی کنبے حصے دار تھے، اپنی ساکھ کو قائم رکھنے کے لیے اس سے زیادہ کر ہی کیا سکتا تھا۔

قلتِ علم اور اس کے ساتھ غربت اور زندگی کی مشکلات کا غیرت مندی سے کیا حل ہوسکتا تھا؟ حالات کی ناسازگاری اس سے بھی واضح تھی کہ منشی غلام احمد صاحب کے والد بزرگ وار مرزا غلام مرتضیٰ کا بٹالہ میں معمولی سا مطب تھا، خود مرزا صاحب نہ ذہین تھے نہ محنتی، اس کی شہادت ان کی تصانیف اور اُن کی زندگی کے تعلیمی زمانے سے ملتی ہے۔ بیچارے محنت سے جی چراتے رہے اور مختاری

جیسا معمولی امتحان دیا۔ اُن کے دوست لالہ بھیم سین کامیاب ہوئے اور مرزا جی ناکام ہو گئے۔

ایسا ''جامع صفات انسان'' اس سے زیادہ کر ہی کیا سکتا تھا کہ حکومت کی خوشامد کرے، مسلمانوں میں خلفشار پیدا کرے، حکومت کی مخالفت سے روکے اور مسلمانوں کی قوتِ جہاد کو ختم کرے اور اپنی لیڈری کی دکان چمکائے؟!

مرزا صاحب کا لہجہ:

ایک پیغمبر کا لہجہ ملاحظہ فرمایئے:

''میری عمر کا اکثر حصہ سلطنت انگریزی کی وفاداری میں گزرا ہے اور میں نے مخالفتِ جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہارات شائع کیے ہیں، اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔''

(تریاق القلوب: ص: ۱۵۔ ۲۷)

اس انداز سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں نبوت کا سوال نہیں، سوال تھا اس اقتدار کے حصول کا جو مرزا صاحب کے بزرگ غلط روی اور کم علمی سے کھو چکے تھے، جس کے لیے ان کے بزرگ مسلمانوں کے خلاف سکھوں کی امداد کرتے رہے۔ انگریزوں کی اطاعت کا وعظ کہتے ہوں۔ مبالغہ آمیزی ملاحظہ ہو کہ اگر مرزا صاحب کا تمام چھوٹا موٹا لٹریچر جمع کر لیا جائے تو یہ اساطیر الکذب ایک الماری بھی نہیں بن سکتی، جن کو پچاس الماریاں کہا جا رہا ہے۔ الحذر!

مرزا صاحب اور ان کی جماعت کا طریقِ کار:

اس مقصد (ثروۃ زائلہ) کی تحصیل کے لیے مرزا صاحب نے مختلف طریق اختیار فرمائے:

1 حکومت کی خدمت جس طرح ممکن ہو۔ آزادی پسند افراد اور جماعتوں کی مقدور بھر مخالفت، فریضۂ جہاد کی مخالفت، تاکہ ملی زندگی کا خاتمہ ہو۔ بیرونی ممالک میں تبلیغی مشن بھیجنا، تاکہ انگریز کی جاسوسی کی خدمت سرانجام دیں اور اپنے عزیز واقارب پبلک کے خرچ پر ہائی تعلیم حاصل کر سکیں۔

2 عامۃ المسلمین کے عقائد کی تخریب، نبوت کی اہمیت اور اس کے وقار کا استخفاف، تاکہ وہ قادیانی مزخرفات کو قبول کر سکیں، چناں چہ انگریز نے ان کی ہند اور بیرونِ ہند میں پوری مدد کی۔ پشاور کی سرحد کو عبور کرنے پر جو سہولت ایک احمدی کو حاصل تھی، وہ کسی غیر مسلم کو بھی حاصل نہ تھی، اور

جو مشکلات ایک اہلِ حدیث کو تھیں، وہ شاید کسی انگریز کے مخالف کو نہ ہوں۔
(ملاحظہ ہو: بیان مولوی ولی محمد صاحب مشمولہ قاضی کوٹ بم کیس)

3 مسلمان کو آپس میں لڑاتے رہنا، تاکہ قوت باہم صرف ہوتی رہے اور انگریز آرام سے حکومت کرے۔ اسی طرح دوسرے فرقوں سے الجھتے رہنا، تاکہ ملک میں سکون قائم نہ ہو۔ اس معاملے میں پنڈت دیانند جی اور سماجی تحریک نے بھی انگریز کی کافی خدمت کی۔ آپ سماجی تحریک اور قادیانی حرکت کو اس معاملے میں ہمنوا پائیں گے۔ گرجے کہیں اور برسے کہیں۔ شست کسی جگہ باندی اور نشانہ کہیں ہو گیا۔ سماجی ہمیشہ مسلمانوں کے مقابلے اور تردید کا اعلان کرتے اور شکار، سناتنیوں کا ہوتا۔ قادیانی مقابلہ سماجیوں عیسائیوں سے ٹھانتے اور شکار بیچارے مسلمان ہوتے۔

مدت ہوئی ایک دفعہ کسی صاحب لارڈ ہیڈلے کو یہاں کو بہ کو پھرایا گیا۔ واپسی کے بعد وہ بچارے ایسے چپ ہوئے کہ اُن کی کسی سرگرمی کا ذکر نہ مرزائی اخبارات نے کیا اور نہ ہی ولایت میں اس کا چرچا ہوا، وہ بچارے سمجھ گئے ہوں گے کہ مجھے استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے بعد بھی ایک دو بچارے بھوکے اور قلاش احمدی لارڈوں کا ذکر آیا، مگر پھر وہ سو گئے۔ اُن کی مثال مداری کے ڈورو کی تھی، مجمع اس کی آواز سے جمع ہوا، پیسے مداری کی تھیلی نے سمیٹ لیے۔

علماء کا طریقِ کار:

اس وقت اصل مشکل یہ رہی کہ ہمارا یورپ زدہ طبقہ مصیبت بنا رہا ہے اور ہے، وہ ان حقائق سے ناآشنا رہا۔ کبھی اپنی سادگی کی وجہ سے لڑھکتا رہا اور کبھی نوکری کے طمع سے اپنی وسعتِ ظرف کا اظہار کرتا رہا اور کبھی کسی رنڈوے نے مشکل ڈال دی، اسے اس وسعتِ ظرف کے سوا بیوی میسر نہیں آتی۔ علماء بیچارے ختمِ نبوت، امکانِ نبوت، اجرائے نبوت وغیرہ مسائل پر بحث کرتے رہے اور یہاں اصل مشکل ہی دوسری تھی۔

۱۹۴۷ء سے پہلے علماء نے اپنی ذمے داریوں کا اپنی توفیق کے مطابق احساس فرمایا۔ قرآن و حدیث سے عقائد اور مسائل کی وضاحت میں جو کچھ کہہ سکتے تھے، کہتے رہے۔ اس معاملے میں علمائے اہلِ حدیث سب سے پیش پیش تھے۔ مرزا صاحب خود فرماتے ہیں کہ موحدین اول المکفرین ہیں اور مقلدین ان کے اتباع سے ہیں۔ (نشانِ آسمانی، ص: ۱۹۰)

ہزاروں آدمی ان کی کوششوں سے اس فتنے کی گرفت سے محفوظ رہے، لیکن انگریز کی مصالح اور ہماری تعلیم یافتہ طبقے کی دماغی بے اعتدالی کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ ان کے ہاں ہر دلیل کا پہلا مقدمہ یہ ہے کہ مستدل کوٹ پینٹ پہنے، کھڑے ہوکر پیشاب کرے، تاکہ اس کی وسعتِ ظرف ثابت ہو، یا کم از کم اس کی ڈاڑھی منڈھی ہو، یا فاحش طور پر کٹی ہوئی ہو۔ دلیل کا یہ مقدمہ علماء میں واقعی ناپید تھا۔

۱۹۴۷ء کے بعد:

خیال تھا کہ انگریزی مصالح کی مشکل ختم ہو جائے گی۔ اب احمدی جماعت کی حیثیت دوسری ملکی جماعتوں کی طرح ہو گی اور دستِ غیب کی غائبانہ برکتیں اب نہیں ہوں گی۔ مگر بدقسمتی ملاحظہ فرمایئے، پوری وزارتِ خارجہ اہلِ قادیان کی غلام ہو گئی۔ سر ظفر اللہ صاحب کا یہ حال ہے کہ وہ ہمارے وکیل ہیں، جہاں انھیں اس لیے وکیل کیا کہ تقسیم نہ ہو، وہاں ہوگئی اور جہاں انھیں تقسیم کے لیے وکیل کیا، وہاں وہ یوں ناکام رہے۔ تاہم وہ ہمارے مستقل وکیل ہیں!!

ان کی وجہ سے قادیانیوں کو بے حد فائدہ ہوا۔ ربوہ کے سودے میں وہی دلال رہے۔ کشمیر کی فوجوں میں قادیانیت ان کی وجہ سے غالب رہی اور ہو رہی ہے۔ سروس میں قادیانیت انہیں کے دم سے زندہ ہے اور ہمارا یورپ زدہ طبقہ روز بروز نوکریوں کے لیے ان سے متاثر ہو رہا ہے۔ (إنا للّٰہ) بہر حال انقلابِ ۱۹۴۷ء کے بعد اس حصے کی ذمے داری حکومت پر ہے۔

تخریبِ عقائد اور قادیانی لٹریچر کے تخریبی اثرات کے اظہار کا جہاں تک تعلق ہے، علماء نہ اس سے پہلے بے خبر تھے نہ اب بے خبر ہیں۔ وہ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔

پیشِ نظر کتاب عزیزی مولوی ابراہیم صاحب کمیرپوری نے لکھی ہے۔ حضرت مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے، وہ تو شاید ہی پُر ہو سکے، لیکن امید ہے مولوی ابراہیم صاحب اور بعض دوسرے نوجوان قادیانی شر انگیزیوں کا مداوا کر سکیں اور عامۃ المسلمین ان کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔

قادیانی حضرات:

پاکستان کے موجودہ حالات میں اُمید تھی کہ قادیانی حضرات پرانی فتنہ انگیزیوں سے بچنے کی کوشش کریں گے اور ملک کے حالات پر رحم فرمائیں گے۔ ان کا مربی جا چکا، انگریز کی نا صرف رحمتیں

ختم ہو چکیں، بلکہ اس کی اہلیتیں بھی ختم ہو چکیں۔ مگر قادیانی حضرات سے یہ امید بارآور ہوتی معلوم نہیں ہوتی۔ مرزا محمود اب کسی مختصر حکومت یا کم از کم ایک سٹیٹ کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ ﴿وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ﴾ [الفاطر: ٤٣]

پیشِ نظر کتاب ''فسانۂ قادیان'' امید ہے کہ اپنے موضوع میں کامیاب ہو گی۔ عزیزی مولوی ابراہیم صاحب کا نام اس کامیابی کا ضامن ہے۔

الراقم

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

(ناظم: جمعیت اہلِ حدیث، پاکستان)

مکتوب:

خلافتِ رشید ابن رشید

(تالیف: ابو یزید محمد دین بٹ)

محترم و مکرم بٹ صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب گرامی ملا۔ یزید کی تکفیر اور اس پر لعنت کو ہر متین آدمی ناپسند کرتا ہے، لیکن زندگی کے تاریخی حوادث جن کی تاریخ میں صراحت موجود ہے، ان کا انکار یا اقرار دلیل کا محتاج ہے۔ واقعات ثابت ہو جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کون روک سکتا ہے؟

امام سیوطی نے ابو محمد عبداللہ بن زید مالکی [۳۸۹ھ] کا قول نقل فرمایا ہے:

”رَحِمَ اللّٰهُ بَنِي أُمَيَّةَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ قَطُّ خَلِيفَةٌ اِبْتَدَعَ فِي الْإِسْلَامِ بِدْعَةً، وَكَانَ أَكْثَرُ عُمَّالِهِمْ وَأَصْحَابِ وَلَايَتِهِمُ الْعَرَبَ“ اھ. (صون المنطق والكلام)

”اللہ تعالیٰ بنی امیہ پر رحم فرمائے، ان کے کسی خلیفہ نے اسلام میں کوئی بدعت نہیں کی، ان کے اکثر عمال عرب تھے۔“

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

پیش لفظ:

إثبات التوحيد بإبطال التثليث

(تالیف: حضرت العلام حافظ محمد محدث گوندلوی رحمہ اللہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

پادری عبدالحق کی کتاب کو شائع ہوئے بہت دن ہوئے۔ بعض اہلِ علم نے اس کا جواب مختصر اور عام فہم لکھا۔ پادری صاحب کی وہ کتاب اگر ان اصطلاحات سے خالی ہو جائے جو پادری صاحب نے برمحل اور بے محل استعمال کی ہیں تو اس کی حقیقت اور قوتِ استدلال کی انتہا سب آشکارا ہو جاتی ہے اور اس کی وہ عزت جو سادہ لوح یورپین مبلغین یا عوام مشنری اعضاء کی نظر میں ہے، واضح ہو جاتی ہے۔

''اِثبات التثلیث'' نام رکھنے کے بعد اس کی حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ مسلمانوں کے لیے از خود ایک عقیدہ تجویز کر کے اس پر اپنے فہم کے موافق چند اعتراضات کر دیے ہیں۔ اور پادری صاحب کرتے بھی کیا؟ تثلیث کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس پر ایک صحیح الفطرت علی وجہ البصیرت غور کر سکے، چہ جائے کہ اسے دلائل سے ثابت کیا جائے۔ بہر حال اس قسم کی کتابوں کی اشاعت ایک گونہ مفید ضرور ہے۔ ان کے زاویۂ نگاہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حقیقت اور صحیح چیز وہی ہے جسے ریگستان کے ایک امی بادیہ نشین نے پیش کیا ہے جسے صحفِ سابقہ میں ''فارقلیط'' کے لقب سے پکارا گیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

بلاشبہ دنیا کے لیے وہی دعوت مشعلِ ہدایت ہے جس نے اپنی برقی قوت سے نہ صرف دنیا کو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد کر دیا اور نہ ہی صرف اوہامِ باطلہ کے خس و خاشاک کو نذرِ صرصر کیا، بلکہ ایک قلیل مدت میں اس نے ایک اتنی بڑی آسمانی حکومت قائم فرمائی جس نے قیصر و کسریٰ کی آنکھوں کو چندھیا دیا۔ بڑی بڑی عالمگیر حکومتوں کو اس طرح نذرِ خاک کیا کہ وہ آج تک صفحۂ ہستی سے ناپید ہیں۔

اسی لیے آج کل ایسی توحید کے خاکے اڑا کر صرف قوتِ الفاظ کے بل بوتے پر عوام کے سامنے

پیش کیا جاتا ہے کہ شاید توحید کے ظرف میں تثلیث جیسا مظروف گنجایش پا جائے، لیکن دور بین نگاہیں اسے تاڑتی ہیں، یہ کس کی نقل کی جا رہی ہے اور عوام کو ذات اور صفات کی اُلجھنوں میں پھنسا کر کس پتھر کو کلیسا میں رکھنے کی سعیِ ناتمام کے لیے اس قدر مال اور وقت خرچ کیا جا رہا ہے۔ سچ ہے ع

منکرِ مے بودن وہم رنگ مستان زیستن [1]

کتاب حقیقت میں چاہے کیسی ہی ہو، مگر عوام پر (جو وقتی نظامِ تعلیم میں گرفتار ہو کر اپنی مذہبی زبان سے نابلد ہیں) اس کا کچھ غلط صحیح اثر تھا، بلکہ بعض مشنری دوستوں کو میں نے کہتے سنا کہ مسلمان اسے سمجھ بھی نہیں سکتے ؎

ہے یہ شان تیری کبریائی کی بت کریں آرزو خدائی کی

ان حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے میں نے بہ معیت بعض احباب محترم حضرت شیخ صاحب العلم والفراسۃ، ذو الذکاء والدراسہ، زعیم العلم والھدیٰ، قرین الزہد والتقیٰ جناب حافظ محمد صاحب (مدرس مدرسہ محمدیہ، گوجرانوالہ) سے عرض کی کہ وہ اس کے متعلق کچھ لکھیں، جس سے مقصد صرف چند امور تھے۔ ایک تو ان دوستوں کی اصلاح، جو اپنی کم علمی کو دوسرے کے علم کی دلیل سمجھتے ہیں۔ دوسرا اس قرض کی مع الزیادۃ واپسی کی امید، جو کئی دنوں سے عیسائی مشنریوں کے ہاتھوں بصد استحقار عبدالحق کی صورت میں استعمال ہو رہا ہے۔ تیسرا رحمتِ خداوندی کی امید کہ شاید ہم ایسے عصیان پیشہ اسی کی بدولت آسمانی حکومت سے مستحقِ عفو ہو جائیں۔

مَا لِيْ إِلَيْكَ وَسِيْلَةٌ إِلَّا الرَّجَاءُ وَجَمِيْلُ عَفْوِكَ ثُمَّ إِنِّيْ مُسْلِمٌ [2]

بالآخر موصوف محترم نے ہماری اس التجا کو منظور فرما کر عیدِ اضحیٰ کی رخصتوں میں کل تین دن میں اس قصے کو ختم فرما دیا۔ اب طباعت کی فکر دامنگیر ہوئی۔ کامل دو ماہ اپنی مفلسی کے نوحے میں گزرے۔ راتوں ع ''کریماں را بدست اندر درم نیست'' [3] کا وظیفہ وردِ زبان رہا۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ مسودہ کاتب کے سپرد کیا جائے۔ اگر اُجرت میسر نہ ہوئی تو غنیمت بے بضاعتی جو آج کل مسلمانوں کا متاعِ حیات ہے، مع ہدیہ جزاک اللہ ان کی خدمت مبارک میں ہی پیش کر دیا جائے گا۔

---

[1] بظاہر شراب کا منکر ہونا اور شرابیوں کی ہم رنگ زندگی بسر کرنا۔

[2] تیری بارگاہ میں میرے لیے امید اور تیرے حسن درگزر کے سوا کوئی وسیلہ نہیں ہے، پھر یہ کہ میں مسلمان ہوں۔

[3] کریموں کے ہاتھ میں کوئی پائی پیسہ نہیں ہے۔

آخر اس جنسِ عام سے وہ کیوں پرہیز کریں گے؟

عیسائی مشنریوں کا مقابلہ اور یہ بے بضاعتی اور اس پر یہ حوصلہ، سچ ہے ع

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

مسودہ سپرد کرنے کے بعد کاتب صاحب نے اپنے ابن آدم ہونے کا ثبوت چند گھڑیوں میں یوں دیا کہ اسی وقت مسودہ گم کر کے فوراً اطلاع دی ؎

قسمت کی بات دیکھیے کہ ہے ٹوٹی کہاں کمند دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

میں تو اس واقعے کے بعد بالکل مایوس ہو گیا۔ اتنے بہترین آدمی کی تحریر اور اس قدر ضروری اور مفید، اور پھر اتنے توقف کے بعد بایں بے بضاعتی اس کا یہ حشر ؎

رَضِینَا قِسۡمَةَ الۡجَبَّارِ فِیۡنَا لَنَا عِلۡمٌ وَّلِلۡجُهَّالِ مَالُ

فَإِنَّ الۡمَالَ یَفۡنٰی عَنۡ قَرِیۡبٍ وَإِنَّ الۡعِلۡمَ یَبۡقٰی لَا یَزَالُ

مگر محترمی حافظ صاحب کے حافظے اور حوصلے پر مجھے تعجب ہوا کہ انھوں نے ایک دو دن کے متاسفانہ توقف کے بعد مسودہ پھر مکمل کر ڈالا جو اس وقت پیشِ نظر ہے۔ عَلَی اللّٰهِ أَجۡرُهُ وَعِنۡدَهُ ذُخۡرُهُ.

اگر رب العزت کی توفیق شاملِ حال رہی تو اس مسودے کی اشاعت کے بعد خیال ہے کہ پادری عبدالحق اور مسٹر پال کی کل تحریروں کا جواب شائع کر دیا جائے، چناں چہ مسٹر پال کی ''انسان کامل'' کا جواب اس وقت پیشِ نظر ہے۔ اَللّٰهُمَّ أَخۡلِصۡ نِیَّاتِنَا، وَزَیِّنَّا بِنُوۡرِ الۡإِیۡمَانِ، وَوَفِّقۡنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرۡضٰی، فَکُلُّنَا رَاجِعٌ إِلَیۡكَ.

نوٹ: بعض جگہ رسالہ عمداً مغلق رکھا گیا ہے۔ غالباً ابتدائی حصہ عوام اور خواص سب کے لیے مفید ہو گا اور آخری حصہ کسی قدر مغلق ہو گا۔ کسی آیندہ اڈیشن میں اُمید ہے کہ آسان ہو جائے گا۔

اسماعیل محمدی، کان اللّٰہ لہ[1]

---

[1] شیخ الحدیث مولانا سلفی رحمہ اللہ ابتدائی دور میں ''سلفی'' کے بجائے اپنے نام کے ساتھ ''محمدی'' کا لاحقہ لکھا کرتے تھے، جیسا کہ ان کی بعض ملکیتی کتب اور مکاتیب پر ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اپنے نام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ ان کا یہ کتب خانہ جامع مسجد مکرم اہلِ حدیث ماڈل ٹاؤن گوجرانوالہ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

تقریظ:

برہان الحق

(تالیف: مولانا احمد دین گکھڑوی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْأَتَمَّانِ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْخَاتَمِ الَّذِيْ جَاءَ بِالْحُجَجِ وَالْبَيِّنَاتِ، وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهِ الْكِرَامِ، الْبَرَرَةِ الْقَادَةِ الْهُدَاةِ.

مولانا احمد دین صاحب کی زیرِتقریظ کتاب کو میں نے متعدد مقامات سے بغور دیکھا۔ مولانا نے تحریفِ انجیل کے متعلق مستقل دستاویز مرتب فرما دی ہے۔ مسیحی متکلمین تثلیث اور کفارہ ایسے مسائل پر جس زبان میں گفتگو کرتے ہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کی زبان نہیں۔ وہ ارسطو اور افلاطون کے نظریات ہیں جنھیں مسیحی متکلمین نے انجیل اور تورات کی تعلیمات میں ترمیم، بلکہ تنسیخ کے لیے اس نہج پر مرتب کیا ہے جس سے عوام کو مغالطہ دیا جا سکے۔

تعجب ہے کہ مسیحی متکلمین کی نظر اس طرف کیوں نہیں گئی کہ مذہب کو آپ ارسطو کی زبان سے کہیں یا افلاطون کے لب و لہجے سے، اس کی بنیاد آخر آسمانی کتاب پر ہو گی یا پیغمبر کے ارشادات پر۔ تورات اور انجیل کے موجودہ متون اگر غیر مستند اور محرف قرار پائیں تو ارسطو کا فلسفہ اس بگڑی کو کیسے بنا سکتا ہے؟ متکلمین کی سینہ زوری اس بیماری کا علاج نہیں ہوسکتی۔

مولانا احمد دین صاحب نے بائبل کی سرگزشت کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور تحریف کے مختلف ادوار کا تفصیلی تذکرہ فرمایا، اور ثابت فرمایا ہے کہ موجودہ بائبل میں لفظی اور معنوی تحریف دونوں موجود ہیں۔ مسیحی مناظر اس موضوع سے عموماً پہلو بچا کر گزرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کبھی وہ تحریفِ قرآن کے لیے موضوع اور تخلیقی ذخیرے کی آڑ لیتے ہیں۔ کبھی صحیح روایات کا مفہوم توڑ موڑ کر مسلمانوں کو

الزام دے کر بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ معلوم ہے کہ الزام سے نہ کوئی جرم ثابت ہوسکتا ہے نہ کوئی مجرم بری ہوسکتا ہے۔

مولانا نے ان الزامات کا بھی تحقیقی جواب دے کر مسیحی مصنّفین کا تمام بقایا چکا دیا ہے۔ اب مسیحی مناظر جب تک بائبل کا کوئی صحیح اور مستند نسخہ پیدا نہ کریں جس پر تثلیث اور کفارہ ایسی غیر معقول اور خارج از فہم مسائل کی بنیاد رکھی جائے، اس وقت تک یہ سمعی اور نقلی طور پر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا احمد دین صاحب نے تحریفِ بائبل کے تمام پہلوؤں کا بہترین جائزہ لیا ہے۔ پہلے یہ ذخیرہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی رحمہ اللہ کی "إظهار الحق" اور حافظ ابن القیم رحمہ اللہ کی "هداية الحيارىٰ في أجوبة اليهود والنصارىٰ" وغیرہ میں تھا۔ اب یہ مواد ایک خاص انداز سے زیرِ تقریظ کتاب میں آ گیا ہے۔ یہ دونوں مصنف اس باب میں قابلِ اعتماد ہیں۔ خدا تعالیٰ مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ناظرین سے استدعا ہے کہ کتاب کو غور سے پڑھیں، اسے خرید کر مسیحی حضرات تک پہنچائیں اور مصنف کی صحت اور طولِ حیات کے لیے دعا کریں۔

محمد اسماعیل

مدرس وخطیب جامع اہلِ حدیث، گوجرانوالہ

تقریظ:

فضائل سید العالمین

(تالیف: مولانا احمد دین گکھڑوی۔ ناشر: سکول بک ڈپو، گوجرانوالہ۔ ۱۹۵۷ء)

''فضائل سیدالعالمین'' کا کافی حصہ میں نے غور سے پڑھا۔ محترم مصنف میرے دیرینہ دوست، مخلص اور نیک دل ہونے کے ساتھ تجربہ کار مناظر ہیں۔ رسمی مناظرات میں ان کا ایک مخصوص مقام ہے۔ ہمیں باوجود رسمی مناظرات سے کوئی دلچسپی نہیں، نہ ہی اس کے لیے طبیعت میں صلاحیت، تاہم ''فضائل سیدالعالمین'' کو ہم نے دلچسپ پایا۔ بعض مقامات میں تو مصنف علاّم نے بڑی دقتِ نظری سے کام لیا ہے اور تحقیق مسئلے کی عام مناظرانہ روش پر غالب آ گئی ہے۔ بعض مقامات پر مناظرانہ انداز بھی نمایاں ہو گیا ہے، لیکن اس کے باوجود سنجیدگی کا پہلو جھکنے نہیں پاتا۔

مصنف محترم مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ایک ایسا موضوع جس پر آج تک یا میلاد خوانوں کا قبضہ تھا یا فلسفی سیرت نگاروں کا۔ اول الذکر گروہ نے اس چشمۂ صافی کو اس قدر مکدر کر دیا کہ ایک سلجھا ہوا دماغ ان مزخرفات کو سن بھی نہیں سکتا جو ان لوگوں کے وعظوں اور نعتوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ دوسرے فریق نے اسے اس قدر خشک اور خاص فلسفی موضوع بنا دیا کہ اس کے پڑھنے سے نہ عقیدت پیدا ہوتی ہے نہ ہی وہ سرور باقی رہتا ہے جو سیدِ عالم ﷺ کی سیرت کا لازمی جزو ہے۔

مصنف علام نے اس رسالے میں علمی تحقیق کے ساتھ ساتھ عقیدت مندی کے ذوق کو جمع کر دیا ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

نمقه بيده: عبده الأثيم إسماعيل بن إبراهيم السلفي۔ تجاوز الله عن ذنوبه.

مورخہ ۸/ ۹/ ۵۰ء

تقریظ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نجاۃ الاسلام

(تالیف: مولانا احمد دین گکھڑوی۔ ناشر: سکول بک ڈپو۔ گوجرانوالہ۔ ۱۳۸۱ھ)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی، وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی.

عیسائیت اور اسلام میں آویزش بہت پرانی ہے، اس کے وجوہ مختلف رہے ہیں: معاشی، سیاسی، دینی اور اخلاقی۔ اسلام نے ہر میدان میں مسیحیت سے مقابلہ کیا، دفاع بھی کیا، جارحانہ حملہ بھی۔ خود مسیحیت نے بھی اسلام کے ساتھ زور آزمائی میں پورا زور صرف کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب عیسائیت کو موقع ملا، اس نے اسلام کو کبھی نہیں بخشا۔ عرصہ تک یہ لڑائی اپنے اپنے حلقوں میں ہوتی رہی۔ علماء عقائد اور اعمال میں مناظرات کرتے رہے، حکومتیں میدانِ کارزار میں اپنے جوہر دکھاتی رہیں۔ سیاسی، علمی اور معاشی حلقے اپنے اپنے انداز سے اپنے اپنے مذہب کی خدمت کرتے رہے۔

عرصے سے مغربی حکومتوں نے سیاسی مقاصد کے لیے مذہب کو استعمال کرنا شروع کیا۔ معاشی رعایتوں سے مسیحیت کی اشاعت کے لیے راہیں ہموار کیں۔ چھوٹے اور غیر مستطیع ملکوں کو اس انداز سے امداد دی گئی کہ وہاں اگر سیاسی حربوں سے کام نہ چلے تو مشنریوں اور ان کے متعلقہ حلقوں کو سیاسی دسیسہ کاریوں کے لیے استعمال کیا جائے۔ بعض کم فہم سیاست دانوں نے اپنی وسیع نظری کی ترنگ میں ملک میں ایسے عناصر پیدا کر لیے جن کی وفاداری ملک کے ساتھ قطعی طور پر مشکوک ہے۔ وہ اس ملک میں رہتے ہوئے بھی دوسرے ملک کے وظیفہ خوار ہیں۔ یہ ہم وطن اجنبی اپنے ملک کے بجائے دوسرے ملکوں کی خدمت کرتے ہیں، اس لیے کہ انھیں کہیں سے وظیفہ درآمد ہوتا ہے۔

مغربی طاقتیں اس عیسائیت کی اشاعت پر کروڑوں روپے خرچ کرتی ہیں جس پر انھیں ذاتی طور پر کچھ یقین نہیں۔ ان کے محققین عہدِ جدید اور عہدِ عتیق دونوں کے صحیفوں کو وضعی اور غیر مستند سمجھتے

ہیں، مگر ان کی اشاعت صرف اس لیے ہو رہی ہے کہ اس سے دوسرے ملک کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں اور اس ملک کی سیاسیات میں دخل دینے کا موقع ملتا رہتا ہے۔

تعلیمی مشنریاں سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لیے پھرتی ہیں۔ تعلیمی ادارے تعلیم کے ساتھ عیسائیت اور عیسائیت کے ساتھ اپنی سیاست کو کامیاب بنانے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں انگریزی حکومت کے صد سالہ دور نے تعلیم کی راہ سے ایسی تباہی مچائی ہے کہ ہر پڑھا لکھا آدمی نیم بابو یا عیسائی معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کے ہمدرد اور خیر اندیش حضرات کو ان تمام چور دروازوں پر نظر رکھنی چاہیے اور انھیں بند کرنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ عیسائیت کی روک تھام کے لیے محض مناظرات اور لٹریچر ہی کافی نہیں، بعض دوسری راہیں آج کل اس سے کہیں زیادہ موثر ہیں۔

پادری سلطان محمد پال نے آج سے کئی سال پہلے ایک رسالہ لکھا تھا، جس میں ظاہر کیا تھا کہ انھیں اسلام میں چونکہ نجات نظر نہ آئی، اس لیے وہ عیسائی ہو گئے۔ معمولی قسم کا طالب علم سمجھتا ہے کہ وہ محض مغالطے تھے جو نو آموز عیسائیوں کو خوش کرنے کے لیے لکھ دیے، ورنہ وہ کچھ حقیقت نہ تھے۔ پادری صاحب زندہ ہوتے تو ہم ان سے عرض کرتے کہ ان کی اصل مصیبت آخرت نہیں دنیوی نجات ہی تھی، مگر اب پادری صاحب کا انتقال ہو چکا ہے، اس لیے بحث بے وقت ہے۔

ہمارے مولوی احمد الدین صاحب مخلص اور اہلِ علم ہیں۔ وہ ایسے معاملات میں اپنا فرض ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ انھوں نے پادری صاحب کے ان مغالطوں کا پورا تعاقب کیا ہے کہ اگر کوئی شخص ان وجوہ سے ارتداد کی طرف مائل ہوا ہو تو اس کی تسکین کا سامان ہو جائے۔ سیاسی، معاشی اور علمی راہوں سے آنے والی عیسائیت کا علاج ان لوگوں کا فرض ہے جو ان راہوں کے در و بست پر قابض ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کو اجر اور توفیق عطا فرمائے، تا کہ وہ مزید دین کی خدمت کر سکیں۔ کتاب آپ حضرات کے سامنے ہے، اس کے متعلق مجھے کسی تعریف کی ضرورت نہیں۔ وہ خود اپنے متعلق سچا شاہد ہے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ.

محمد اسماعیل، مدرس گوجرانوالہ

یکم محرم الحرام ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۵/ جون ۱۹۶۱ء

تقریظ:

سیرت سید العالمین

(تالیف: مولانا احمد دین گکھڑوی۔ ناشر: سکول بک ڈپو، گوجرانوالہ۔ ۱۹۶۶ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ.

میں نے رسالہ ''سیرت سید العالمینؐ'' کا بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ مولوی احمد دین نے پادری ٹھاکرداس کے زہریلے حملے اور اعتراضات کا معقول جواب دے کر اہلِ اسلام کو تسلی دے دی، بلکہ ان کے دل میں فرحت و سرور پیدا کیا اور نبی ﷺ کی نبوت و رسالت کو براہینِ قاطعہ و دلائلِ واضحہ سے ثابت کر کے اہلِ اسلام پر احسان کیا۔

دعا ہے کہ خدا تعالیٰ مصنف مذکور کو حضرت نوح علیہ السلام کی عمر اور صحت عطا کرے۔ آمین ثم آمین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

گلدستۂ نور متعلق تحریفِ انجیل

(تالیف: مولانا نور حسین گرجاکھی)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَصَفِیِّہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ أَجۡمَعِیۡنَ.

انبیاء علیہم السلام کے کلام میں ہمیشہ یہ خوبی رہی ہے کہ وہ سادہ اور آسان ہوتا ہے۔ عوام اور خواص اپنی استعداد کے مطابق اس سے یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے مخاطب صرف فلاسفہ نہیں ہوتے نہ ہی وہ اپنے بیان میں اصطلاحات کی پابندی فرماتے ہیں۔ وہ ایسی زبان میں گفتگو فرماتے ہیں جسے عام لوگ بھی سمجھتے ہیں اور انتہائی دانش مند بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

مفروضہ مقدمات کے بجائے ان کا انحصار واقعات پر ہوتا ہے۔ اپنے ماحول پر حقیقت پسندانہ نظر ڈال کر انہیں سے نتائج کا استخراج کرتے ہیں۔ نہ ان کی زبان میں اِغلاق ہوتا ہے نہ مطالب میں دقت۔ عوام اور خواص اپنی استعداد کے مطابق ان کے ارشادات سے مستفید ہوتے ہیں۔ اسی طرح آسمانی کتابوں میں جامعیت ہوتی ہے۔ تھوڑے الفاظ میں حقائق کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے اور اس کی تفصیل پیغمبر اپنے وقت اور ماحول کے لحاظ سے فرماتے ہیں، لیکن کتاب کی جامعیت کے سبب اور رسول کی تصریحات کی روشنی میں ہر زمانے کے لیے اجتہاد و نظر کی گنجایش ہوتی ہے۔ جیسے مسلمانوں میں قرآن اور سنت کا تعلق ہے اور اس کے بعد ائمہ کے اجتہادات جن کا انحصار کتاب و سنت پر ہے۔

انجیل بھی اسی طرح تھی۔ وہ خدا کا کلام تھا جو مسیح علیہ السلام پر نازل ہوا۔ مسیح علیہ السلام نے مختلف اوقات میں امثلہ سے اس کی تشریح فرمائی۔ سنتِ الٰہی کا تقاضا یہی ہے کہ اس میں جامعیت اور سادگی ہو اور مسیح علیہ السلام بوقتِ ضرورت اس کی تشریح فرمائیں۔ مشکل مقامات کے لیے حضرات حواری اور تلامذہ استاد کی طرف رجوع کریں۔

یہی حال تورات کا ہونا چاہیے، کیوں کہ احکام کے لحاظ سے تو وہ انجیل کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ احکام میں انجیل تورات کے تابع ہے۔

واقعات کا تقاضا:

لیکن علمائے بنی اسرائیل کے سامنے یہ دِقّت پیش آئی کہ نہ تورات زبانی حفظ ہوسکتی تھی نہ انجیل، بجز تحریر اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا، اور معلوم ہے کہ تحریر حفاظت کے لیے بالکل ناکافی ہے۔ کتابت کی غلطیاں، کاتب کی فراموشیاں، نقل درنقل کی عجائب کاریاں ہمیں معلوم ہیں۔ جب تک حفظ قلم کی مدد نہ کرے، قلم کسی چیز کے تحفظ کا ذمے دار نہیں ہوسکتا۔

پھر کتاب کے نسخوں کی قلت سے بھی بیسیوں اشتباہ پیدا ہو سکتے ہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ غرض مند علماء کے پاس ہوں جنھیں ثمنِ قلیل سے کسی قسم کا پرہیز نہ ہو۔ معلوم ہے تورات کی حفاظت کے ذمے دار وہی حضرات تھے جن کو حضرت مسیح علیہ السلام نے فریسیوں کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ وہی حضرات ہیں جنھوں نے پیلاطس پر زور دے کر حضرت مسیح کو سیاسی لیڈر بنایا، پھر ہمت سے اسے مستحقِ دار قرار دلوایا اور انجیل فرماتی ہے کہ مسیح سولی پر چڑھا دیے گئے اور ان ایمان و شریعت کے محافظوں کے دل میں نہ رحم آیا نہ آنکھوں نے شرم محسوس کی۔ اب یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ تورات محفوظ رہی؟ اگر ان جرائم پیشہ فریسیوں کی حفاظت اور یہودی دیانت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے تو مسیح کے متعلق ان کے اوہام اور فتویٰ نما جرائم پر کیوں اعتماد نہ کیا جائے؟!

دنیا حیران ہوگی کہ مسیح کے قاتل اور جھوٹی شہادت دے کر ایک مقدس انسان کو صلیب کی نوک پر لے جانے والے فریسی خدا کی کتاب کی حفاظت کرتے ہیں اور مسیح کے پرستار اپنے آقا کی مصلوبیت کا نوحہ کرتے ہیں، لیکن صلیب دلوانے والوں کو صادق اور ان کی حفاظت پر یقین کرتے ہیں۔ معاملہ بے حد تعجب انگیز ہے۔ کاش ہمارے عیسائی دوستوں میں کسی کو سوچنے کی توفیق ملے!

اگر مسیح کی صلیب اور فریسیوں کی شرانگیزی کی داستان درست ہے تو تورات کا وقار اور اعتماد ختم ہو جاتا ہے، اور اگر یہ داستانِ غم درست نہیں تو پوری مسیحیت کا وقار محلِ نظر ہوگا، جنھوں نے یہ افسانے گھڑ کر ہم تک پہنچائے اور بے چارے یہودی علماء کو دنیا میں رسوا اور بدنام کیا۔ اور پھر مصیبت یہ ہے کہ اقتدار کے بعد مسیحی علماء میں بھی وہی فریسی ذہن کارفرما ہوگیا تھا۔ اپنے اختلافات میں ایک دوسرے کے خلاف ان حضرات نے جو دھاندلی مچائی، سمجھ میں نہیں آتا کہ سادہ دل دنیا کس پر اعتماد

کرے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے حضرات اگر دونوں کتابوں کو حفظ بھی کر لیتے تو اعتماد میں کچھ اضافہ نہ ہوتا، لیکن حفظ تو دونوں امتوں میں ناپید ہے۔

فتنۂ تراجم:

فریسیوں کی مصیبت کچھ کم نہ تھی کہ اور مصیبت نازل ہوگئی۔ وہ یہ کہ اسی فریسی ذہن نے تورات اور انجیل کی اشاعت کے لیے اس کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کیے اور یہ تراجم کتابِ الٰہی کے بجائے فریسی ذہن کے ترجمان بنا دیے گئے۔ اس لیے یہاں دو مصیبتیں پیدا ہوگئیں: اول فریسی ذہن اور اس کی فتنہ انگیزیاں۔ دوم: تراجم کا اصل مرض کہ کوئی بھی دوسری زبان کے نکات اور لطافتوں کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ اس لیے صرف تراجم نہ ترجمانی کر سکتے نہ ترجمہ۔ یہاں ترجمہ در ترجمہ نے اصل کتاب کا حلیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا۔ کتاب کچھ کا کچھ ہو کر رہ گئی۔

آج کی تورات اور انجیل کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ وہی کتاب ہے جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی یا وہی انجیل ہے جو حواریوں نے حضرت مسیح سے سنی، مشکل ہے۔ شاید حضرت مسیح اور حضرت موسیٰ اگر دنیا میں دوبارہ تشریف لے آئیں تو یہ کتاب ان کو موجودہ پادریوں سے پھر پڑھنی پڑے۔

فتنۂ عقائد:

آسمانی کتابوں کی سادگی کو سب سے پہلے فریسی ذہن نے خراب کیا، پھر تراجم کی طغیانیوں سے اسے نقصان پہنچا۔ آخر میں یونانی علوم سے اس کی مزاحمت ہوئی تو اس میں آسمانی تعلیم کا رہا سہا بھرم بھی ختم ہوگیا۔ فریسیوں نے آسمان کی سادہ تعلیم کو یونانی علوم کا بپتسمہ دے کر آسمانی لب ولہجہ ہی بدل کر رکھ دیا اور عقائد میں آسمانی کتاب کو ناکافی سمجھ کر مختلف اوقات میں علماء نے عقائد کا فیصلہ کیا، بلکہ فریسی معمل میں عقائد کی ایجاد بھی کی اور اس کے نوک پلک بھی درست کیے، اور آسمانی تعلیم کے لیے یہ سب سے بڑا سانحہ ہے کہ اسے محدود عقلوں کی سان پر چڑھایا جائے، یعنی خدا علام الغیوب کو مجبور کیا جائے کہ بے علم اور محدود العقل مخلوق کے ساتھ صلح کرے اور اپنی بے نیازیوں کو نیاز مندوں کے سامنے ڈال دے اور کوشش کرے کہ یہ کم علم اس پر خوش ہو جائیں۔

فریسیوں سے یہی امید ہوسکتی تھی کہ ان لوگوں نے تورات اور انجیل کی تعلیمات سے یہی کچھ کیا۔ عقائد کی تشکیل کے لیے کانفرنسیں ہونے لگیں۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اریوس نے حضرت مسیح کے متعلق بعض بدعی خیالات کا اظہار کیا تو قسطنطین نے ۲۳۴۰ علماء کی ایک

کانفرنس مقامِ نیقیہ میں بلائی اور طویل اختلاف کے بعد ۳۱۸ اسقف (عالم) ایک عقیدے پر جمع ہوئے اور قسطنطین نے ان کی توثیق کی، جس کی تفصیل ابن الحمید اور شہرستانی نے الملل والنحل میں ذکر کی ہے۔[1]

پھر اریوس اور اس کے رفقاء کی کوششوں سے حکومت پر اثر ڈالا گیا کہ اریوس کا عقیدہ درست تھا اور وہ مظلوم تھا۔ حکومت مختلف وقتوں میں دونوں طرف جھکتی رہی اور مختلف وقتوں میں دونوں گروہوں کی سرپرستی ہوتی رہی۔

دوسرا اجتماع:

نیقیہ کے دوسو پچاس سال بعد قسطنطنیہ میں ایک اور اجتماع ہوا، تاکہ وہ مسیحی عقائد پر ازسرنو غور کرے اور پادری مقدونیوس کے خیالات کا تجزیہ اور تحقیق کرے۔ اس اجتماع نے مقدونیوس کی رائے رد کر کے ازسرِنو عقائد کی تشکیل کی اور فیصلہ کیا کہ ان عقائد پر اگر اضافہ کیا گیا تو اضافہ کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہوگی۔

تیسرا اجتماع:

اس کے چالیس سال بعد ایک تیسرا اجتماع ہوا، اس میں پادری نسطوریوس کے خیالات پر غور کیا گیا۔ یہ اجتماع مقامِ افسیس میں ہوا، اس میں دوسو پادری جمع ہوئے۔ نسطوریوس پر کفر کا فتویٰ دیا گیا، مگر ایک فیصلے پر انطاکیہ کے بڑے پادری یوحنا بگڑ گئے، اس لیے ان کو اس فیصلے میں نظر انداز کر دیا گیا تھا، پھر مدت کے بعد پادری یوحنا سے صلح ہوئی اور نسطوریوس کو مصر کی طرف جلا وطن کیا گیا، لیکن عراق، الجزیرہ، موصل اور فارس کے عیسائیوں میں نسطوریوس کا عقیدہ مقبول ہوگیا۔

چوتھا اجتماع:

اس کے اکیس سال بعد مقامِ خلقدونیہ میں چوتھا اجتماع ہوا، اس میں چھ سو چونتیس مسیحی عالم جمع ہوئے، تاکہ اسکندریہ کے پادری دیسقورس کے عقیدے پر غور کریں۔ اس مجمع میں دیسقورس کو جلا وطن کرنے کا فیصلہ کیا گیا، لیکن مسیحی علماء تین گروہوں میں بٹ گئے: یعقوبیہ، ملکیہ اور نسطوریہ۔

پانچواں اجتماع:

اس کے ایک سو تیس سال بعد پانچواں اجتماع قسطنطنیہ میں ہوا جس کی صدارت خود قیصر نے کیوں کہ اس وقت بعض پادری صاحبان نے قیامت کا انکار کیا تھا اور تناسخ کے قائل ہو گئے تھے، اس

اجتماع میں ایک سو بیس پادری جمع ہوئے۔ (ابن خلدون: ۱/ ۲۲۱۔ ۲۲۶)

اس سے ظاہر ہے کہ مسیحی مذہب قریباً پنچائتی مذہب ہو گیا اور انجیل حیرت سے یہ تماشا دیکھتی رہی۔ ایسے حالات میں انجیل اور اس کی تعلیمات کا جو حشر ہونا چاہیے تھا، معلوم ہے۔

سیاسی مذہب:

اب مغرب کے دانش مند علماء مسیحی مذہب کی اس کمزوری کو سمجھتے ہیں، مگر وہ سیاسی ضرورتوں کے لیے اسے زندہ رکھنا چاہتے ہیں اور کمزور ملکوں میں اس کی اشاعت دلائل سے نہیں، بلکہ مشن ہسپتالوں، تعلیمی اداروں، لسّی کے پوڈر اور امریکی سیاہ گندم کے سہارے کی جا رہی ہے۔ عصبیت کی انتہا ہے جس کو ان کا اپنا ضمیر قبول نہیں کرتا، دوسروں کو رشوت کے زور پر مجبور کرتے ہیں کہ اسے منظور کریں۔ ہمارے ملک میں عیسائیوں کی ٹھٹھیاں اسی ذہن کی ترجمان ہیں۔ اب مسیحیت اور اس کے دلائل سے چنداں خطرہ نہیں۔ خطرہ اس سے ہے کہ ملک میں ایک غیر وفادار ذہن پیدا کیا جا رہا ہے جو کسی وقت بھی ملک کے خلاف استعمال ہو سکتا ہے۔

مولانا نور حسین صاحب مرحوم:

پیشِ نظر ٹریکٹ میں برادرِ محترم مناظرِ اسلام مولانا نور حسین صاحب مرحوم نے انجیل کے اسی غیر محفوظ پہلو کی طرف مسیحی دوستوں کو توجہ دلائی ہے۔ یہ انجیل کے مختلف نسخے مسیحی پریس نے شائع کیے ہوئے ہیں جن میں آیات اور الفاظ تک ناپید ہیں۔ جب آسمانی کتاب ہی محفوظ نہیں تو مذہب کی حفاظت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسیحیت آج کل جو کچھ بھی ہے یا فریسیوں کے فقہی افکار ہیں یا پھر مغربی سیاست کے لیے ایک کاروان ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی مسیحی جماعتوں کو غور کرنا چاہیے کہ

”از کہ بریدی و با کہ پیوستی“[1]

محمد اسماعیل

مدرس، گجرانوالہ

۶ ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ = ۱۷/ ستمبر ۱۹۶۱ء

---

[1] ”تو کس سے جدا ہوا اور کس سے وابستہ ہوا۔“

استقامت

(تالیف: مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان مرحوم منصور پوری)

وقت کی آواز:

مسیحیت مذہبی طور پر چھٹی صدی میں ہی اسلام سے شکست کھا چکی تھی، تثلیث اور کفارہ کے متعلق یونانی علوم کی روشنی میں جو دلائل کا سرمایہ فراہم کیا گیا تھا وہ اسلام کی سادہ توحید اور جزا وسزا کے اصولوں کی بے تکلفی کا مقابلہ نہ کرسکی، لیکن سیاسی طور پر یہ تصادم اب تک آ رہا ہے۔

مسلم بادشاہوں اور مسلم حکومتوں نے جب سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنے پروگرام سے الگ کیا ہے اور صلح کلی کی روش اختیار کی ہے، یہ تصادم اور زیادہ ہوگیا ہے۔ مغربی ممالک انتہائی ناگریز سیاسی حالات میں بھی مسلم ممالک میں اپنے مشنری اور مبلغین کی سرپرستی سے دست کش نہیں ہوئے۔ تعلیم اور صحت کے نام سے غریب ملکوں میں مسیحی مشنری لادینیت پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خشک دودھ اور ردی قسم کی گندم کے عوض بھی عوام کا ایمان خریدا جا رہا ہے اور مسلم حکومتیں مسیحی مشنریوں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے، ان کے لیے سہولتیں مہیا کر رہی ہیں۔

تمام اسلامی ممالک کو اس پالیسی پر نظرِ ثانی کرنا چاہیے، ملک کے عیسائیوں کو کوئی مناسب رعایت زیرِ بحث نہیں، لیکن دوسرے ممالک کے مشن اور ان کی ارتداد آمیز مساعی کے لیے کوئی وجہِ جواز معلوم نہیں ہوتی۔ بہرحال یہ اربابِ اقتدار کا کام ہے، وہ اس پر غور کریں۔

علماء اور عامۃ الناس کی ذمے داری یہ ہے کہ وہ اپنا فرض ادا کریں، اسلام کی اشاعت کریں اور ارتداد یا تبدیلیِ مذہب کی کوشش کو اپنی بساط کے مطابق روکنے کی فکر کریں۔ حضرۃ العلام قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری مرحوم کا قلم اور مطالعہ ان مباحث میں بے نظیر چیز ہے، زبان کی سنجیدگی، دلائل کی پختگی، لہجے میں متانت؛ مرحوم کا ان اوصاف میں خاص مقام ہے۔ رسالہ ''استقامت'' میں آپ ان تمام صفات کو آپ میں پائیں گے۔ آج کل عیسائیت پھر ایک فتنہ اور تحریک کی صورت

اختیار کر رہی ہے جس کے لیے اس قسم کے لٹریچر شائع کر رہے ہیں جس سے نو آموز ذہن اور تعلیم یافتہ حضرات زیادہ سے زیادہ متاثر اور زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکیں۔

ہم اپنے ملک کے مسیحی حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ بدیشی مذہبی، بدیشی ذہن، بدیشی تہذیب اور بدیشی وطنیت کو ملک میں لا رہے ہیں، یہ نہ ملک کے لیے مفید ہے نہ آپ کے لیے موزوں، نہ قیامت میں اس کا کچھ فائدہ ہو گا۔ ان تمام معاملات میں آپ کو اسلام اور آنحضرت محمد ﷺ کی راہنمائی پر یقین اور اعتماد کرنا چاہیے۔

محمد اسماعیل

مدرس، گوجرانوالہ

تقدمہ:

تحریمُ الْخَمر والزِّنا واللَّواط والمَعَازِف والعشق

(تالیفؒ: نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ۔ ناشر: جمعیت اہلِ حدیث ضلع گوجرانوالہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.

اسلام نے اپنے نظام میں جہاں عبادات، معاملات کا ایک نظام مقرر فرمایا ہے، وہاں اخلاق کے متعلق بھی مکمل پروگرام دیا ہے۔ ان میں سے بعض چیزوں کے متعلق ترغیب دی ہے، بعض سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ اس کی مثال دوائی اور پرہیز کی ہے۔ مریض بڑی پابندی سے دوائی کا استعمال کرے، مگر پرہیز نہ کرے تو شفایاب نہیں ہوگا۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب والی ریاست بھوپال رحمہ اللہ ریاست کے نواب ہونے کے ساتھ بہت بڑے فاضل اور متقی بھی تھے۔ مرحوم کی تصنیفات سیکڑوں تک پہنچتی ہیں، جن میں فتح البیان اور ابجد العلوم، ترجمان القرآن اور التاج المکلل ایسی ضخیم کتابیں بھی ہیں۔ اخلاق، تاریخ، شروح، رجال، ادب، تفسیر، حدیث اور فقہ؛ ہر موضوع پر طبع ہوئی ہیں جن سے علمی حلقوں نے بے حد استفادہ فرمایا۔

زیرِ نظر رسالہ حضرت مرحوم و مغفور نے اصلاحِ اخلاق کے لیے لکھا ہے، تاکہ عوام الناس اور خواص ان مہلک امراض سے بچیں جو انسانی معاشرے کو گھن کی طرح کھا رہی ہیں۔ اکثر مسلمان ان میں مبتلا ہیں۔

حافظ محمد یوسف صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں، انھوں نے یہ کتاب شائع کر کے ملک میں معاشرے کی بہت بڑی خدمت فرمائی ہے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

اللہ تعالیٰ مصنف مرحوم، طابع اور ناشر سب کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ ان قباحتوں سے بچیں۔

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

۲۸/ جولائی ۱۹۶۴ء

تقریظ:

احترامِ مسلم

(تالیف: مولانا عبدالروف رحمانی جھنڈانگری)

’’احترامِ مسلم‘‘ کی بعض اقساط پہلے اخبارات میں پڑھ چکا ہوں، مجھے یہ اندازِ فکر بے حد پسند ہے۔ مباحث ومناظرات نے ہمارے اندازِ فکر کو اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ انسانیت سرنگوں ہو جاتی ہے۔ ﴿وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ [الکھف: ١٠٤]

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مغفور و مرحوم آخر عمر میں ہر جلسے میں ایک مضمون اخلاق کے متعلق خود بیان فرماتے اور حشر ونشر کا تذکرہ بھی بڑے دلگداز انداز میں کرتے۔ ہمیں اس موضوع کے انتخاب پر تعجب ہوتا، لیکن اب محسوس ہوتا ہے کہ یہ موضوع کس قدر ضروری ہے۔

آپ کے رسالے میں مزید تفصیل کی گنجایش ہے جو منذری کی ترغیب وترہیب کے طرز پر ہونی چاہیے۔ تاہم آپ نے کافی محنت فرما کر اس سلسلے کے ضروری معلوماتِ دشوار کو جمع فرمایا ہے۔ عَلَى اللّٰهِ أَجْرُكَ وِلِلّٰهِ دَرُّكَ.

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق مرحمت فرمائے کہ دین کی اس اصلی واخلاقی روح کو قائم کر سکیں۔ مولانا ثناء اللہ مغفور آخر عمر میں ہر جلسے میں ایک مضمون اخلاق کے متعلق ضرور بیان فرماتے، عموماً سورت واقعہ کی آیات پڑھتے، حشر ونشر کے احوال کا تذکرہ بڑے دلگداز انداز میں بیان فرماتے۔ ہمیں تعجب ہوتا، مگر محسوس ہوتا ہے کہ یہ موضوع کس قدر ضروری ہے۔ آپ نے کافی محنت فرما کر دشوار مواد کو جمع کر دیا ہے۔ عَلَى اللّٰهِ أَجْرُكَ.[1]

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

[1] ماہنامہ ’’السراج‘‘ جھنڈانگر، نیپال، خطیب الاسلام نمبر (ص: ٣٦٠)، اخبار ’’اہلِ حدیث‘‘ دہلی۔ یکم نومبر ١٩٥٧ء)

تبصرہ و تعارف:

تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف

(تالیف: حافظ جمال الدین یوسف بن عبدالرحمان بن یوسف المزی، المتوفی ۷۴۲ھ)

ائمۂ سنت، فنِ حدیث اور دواوینِ سنت کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ طریقِ ثبوت اور اسناد کی بحث کی وجہ سے گو سنت کا مقام قرآنِ عزیز کے بعد ہے، لیکن نفسِ حجیت اور احکام کے اِثبات کے متعلق یہ بھی منزل من اللہ ہے (دارمی، ص: ۷۸) اور ذکر کی ایک قسم (احکام الاحکام: ۱/۱۲۲) جس کی حفاظت کا قرآنِ عزیز میں وعدہ فرمایا گیا ہے۔

چناں چہ یہ ذمے داری ائمۂ سنت اور حفاظِ حدیث نے سنبھال لی اور مختلف زمانوں میں مختلف مناہج سے یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ آنحضرت کی زندگی میں یہ خدمت حدیث کے حفظ اور کتابت کی صورت میں کی گئی۔ دروس کی صورت میں صحابہ رضی اللہ عنہم احادیث میں مذاکرات فرماتے اور اساتذہ ان حلقہ ہائے درس کا احتساب فرماتے۔ (دارمی، ص: ۷۸) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عبدالرحمان بن ابی لیلی اور حسن بصری اور علقمہ رحمہم اللہ اس خدمت میں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ حافظ دارمی فرماتے ہیں:

”إِذَا صَلَّوُا الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ جَلَسُوا فِي الْفِقْهِ فَلَمْ يُفَرِّقْ بَيْنَهُمْ إِلَّا أَذَانُ الصُّبْحِ“ (دارمي: ۷۸)

جابر بن عبداللہ اور امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے اسی طرح منقول ہے اور ان حضرات کے حلقہ ہائے درس کو خاصی شہرت حاصل تھی، اس کے بعد ان مختلف تذکروں اور یادداشتوں کے محفوظ رکھنے کا وقت آیا تو علمائے صحابہ اور تابعین نے ان یادداشتوں کے دفاتر جمع کر ڈالے، درس و تدریس، حفظ و مذاکرے ہوتے اور ضرورت کے وقت ان نوشتوں کی طرف رجوع کیا جاتا۔ اگر حدیث شرعاً قابلِ احتجاج ہی نہ ہوتی تو یہ محنت بے سود تھی اور یہ دردِ سر بے فائدہ۔

دوسری صدی کے اوائل ہی میں ان تذکروں اور یادداشتوں کو محفوظ کرنے کے لیے ان کی

باقاعدہ تدوین کا مرحلہ پیش آیا۔ پوری دو صدیاں جمع و تدوین میں صَرف ہوئیں۔ جوامع، سنن، مسانید، اجزاء، اموال اور خراج ایسے مسائل پر اس دور کی مختلف تالیفات آج بھی مکاتب کی زینت ہیں اور اہلِ علم کے لیے سرمایۂ افتخار۔

پھر یہ سلسلہ اقطارِ عالم میں بڑھتا چلا گیا۔ ایران، خراسان، بربر، اندلس، ہند اور سندھ وغیرہ ممالک میں یہ سلسلہ دور تک پھیل گیا۔ جہاں اسلامی پھریرا لہرایا، اسلامی علوم اس کے سائے میں پھیلتے گئے۔ حکومت اور علماء اپنے اپنے طور پر ان علوم کی خدمت کرتے رہے۔

جمع و تدوین کے ساتھ ساتھ رجال، اصولِ حدیث، موالید اور وفیات کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کے لیے فنِ اسماء الرجال، علمِ طبقات الرجال اور اصولِ حدیث کے دفاتر مرتب ہو گئے۔ چھٹی اور ساتویں صدی تک یہ سلسلہ کمال تک پہنچ گیا اور ضرورت محسوس ہوئی کہ اربابِ تحقیق اور مصنفین کے لیے اس مواد کو ایک دوسرے نہج سے مرتب کیا جائے، تاکہ شارحینِ حدیث اور محققین اس سے استفادہ فرما سکیں۔ جمع بین الصحیحین للحمیدی، جمع بین الصحاح لابن الحسن رزین العبدری اور جامع الاصول لابن الاثیر الجزری وغیرہ اس نوع کی کتابوں میں اس مستند ذخیرے اور مدونہ دفاتر کے مواد کی جمع و تقسیم، تبویب اور توزیع بالکل نئے انداز سے کی گئی، جس سے آنے والی نسلیں شروح اور تخریجات میں تحقیق اور توضیح کا کام لے سکیں۔ امت کی یہ مساعی دلیل ہے کہ اُمت کی نظر میں یہ ذخائر انتہائی قابلِ احترام تھے اور اسلامی زندگی میں اسے اہمیت اور حجت کا مقام حاصل تھا، اور ان مساعی کی راہنمائی علم الفہارس، جو آج حضری دنیا میں ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، اس علم کی بنیاد، ان اکابر محدثین نے اس کے مبادی طے فرمائے اور آنے والوں کے لیے اس علم کی بنیاد رکھی۔

تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف:

یہ کتاب آج تک طبع نہیں ہوئی تھی۔ اس کے قلمی نسخے بعض اہم مکاتب کی زینت تھے۔ حافظ جمال الدین مزی رحمہ اللہ (۷۴۲ھ) نے اس میں صحاحِ ستہ کے اطراف مع اسانید جمع فرمائے ہیں۔ وہ پہلے رجالِ اسانید، ترتیبِ حروف سے ذکر فرماتے ہیں، پھر متون کو مع اختلافِ الفاظ ذکر فرماتے ہیں۔ اس ضمن میں صحابہ، تابعین، اَتباعِ تابعین بلکہ بعد کے بعض رواۃ اور علماء کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ گویا اس میں حدیث اور سند کے متعلق ضروری معلومات یکجا آ جائیں گی اور طالب علم مزید ورق گردانی کی

تکلیف سے بچ جائے گا۔

ان دنوں کتاب کی پہلی جلد طبع ہو کر آ چکی ہے، اگر محترم ناشر کو اللہ تعالیٰ نے صحت اور زندگی مرحمت فرمائی اور پوری کتاب اسی انداز سے شائع ہوئی، تقریباً بیس ہزار حدیث کا ایسا مستند ذخیرہ اہلِ علم کے ہاتھ آ جائے گا جو کافی حد تک دفاترِ احادیث کی مراجعت سے مستغنی کر دے گا۔ حافظ شیرازی کی زبان سے عشاقِ حدیث کے لیے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا: "هٰذَا الصُّبُوحُ حَيُّوا يَا أَيُّهَا السُّكَارىٰ"

جس چیز کی زیارت کے لیے صدیوں سے آنکھیں ترس رہی تھیں، وہ آج آپ کے سامنے ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی مکتبہ اور کوئی میز اس کتاب سے خالی نہ رہے اور ہر طالب علم اس سے فائدہ حاصل کرے۔

مولف کتاب:

حافظ ابو الحجاج جمال الدین یوسف بن عبدالرحمان بن یوسف المزی (۷۴۲ھ) اپنے وقت کے اکابر ائمۂ حدیث سے اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے رفقاء سے اور شریکِ درس رہے اور ائمۂ سلف اور ان کے افکار کی اشاعت میں شیخ الاسلام کے دوش بدوش کام کرتے رہے اور ان کی پاداش میں جیل گئے۔

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"انھوں نے تقریباً ایک ہزار اساتذہ سے استفادہ فرمایا۔ امام محی الدین نووی شارح مسلم ان کے اساتذہ سے ہیں، جب دار الحدیث اشرفیہ میں انھیں مسندِ درس تفویض کی گئی تو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"لَمْ يَلِهَا مِنْ حِيْنَ بُنِيَتْ إِلَى الْآنِ أَحَقُّ بِشَرْطِ الْوَاقِفِ مِنْهُ" (البدر الطالع: ۲/ ۳۵۳)

"جس دن سے یہ مدرسہ بنا ہے، بانی کی شرائط کے مطابق آج تک حافظ مزی سے بہتر کوئی عالم اس مسند کی زینت نہیں بن سکا۔"

صفی الدین ہندی سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے مناظرے کے بعد علمائے شوافع اشعریت نوازی کی آڑ میں شیخ کے مخالف ہو گئے۔ حافظ مزی شیخ الاسلام کے حامی تھے۔

امام ذہبی فرماتے ہیں:

"كَانَ خَاتَمَ الْحُفَّاظِ وَنَاقِلَ الْأَسَانِيْدِ وَالْأَلْفَاظِ، وَهُوَ صَاحِبُ مُعْضِلَاتِنَا وَمَرْجَعُ مُشْكِلَاتِنَا، وَفِيْهِ حَيَاءٌ وَكَرَمٌ وَسَكِيْنَةٌ وَاحْتِمَالٌ وَقَنَاعَةٌ وَتَرْكٌ لِلتَّجَمُّلِ وَانْجِمَاعٌ عَنِ النَّاسِ" (البدر الطالع: ٢/ ٣٥٤)

''الفاظ اور اسانید کی تنقید اور حفظِ حدیث کے خاتم تھے۔ ہمارے لیے علمی مشکلات میں آخری امید گاہ تھے۔ حیا، کرم، حسنِ اخلاق، بردباری، قناعت، سادگی اور عوام سے پرہیز ان کی پاکیزہ عادات تھیں۔''

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"تَرَافَقَ هُوَ وَابْنُ تَيْمِيَّةَ كَثِيْرًا فِيْ سِمَاعِ الْحَدِيْثِ، وَفِيْ النَّظْرِ فِيْ الْعِلْمِ، وَكَانَ يُقَرِّرُ طَرِيْقَةَ السَّلَفِ فِيْ السُّنَّةِ، وَيَعْضُدُ ذٰلِكَ بِمَبَاحِثَ نَظْرِيَّةٍ اھ

(تذكرة الحفاظ: ٢/ ١٤٩٩)

''وہ سماعِ حدیث اور تحصیلِ علوم میں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شریک رہے اور سنت کے معاملے میں طریقۂ سلف کے پابند تھے اور مباحثات میں سلف کی روش کے موید تھے۔''

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ.

ناشر محترم نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب "النکت الظراف" کو بھی اس کے ساتھ شائع فرما کر اس کی افادیت کو المضاعف کر دیا ہے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

حضرت الناشر الاستاذ الفاضل مولانا عبدالصمد شرف الدین۔ زادہ شرفاً و کرماً۔ ۱۹۲۶ء میں ان کے والد حضرت مولانا شرف الدین رحمہ اللہ سے بمبئی میں ملاقات ہوئی۔ پھر یہ تعلق تا حیات قائم رہا۔ میرے پاس اس وقت کتابوں کا جو مختصر سا ذخیرہ موجود ہے، وہ حضرت مولانا عبدالتواب صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا شرف الدین صاحب رحمہ اللہ کے مشوروں کا نتیجہ ہے۔ محترم ناشر مولانا عبدالصمد صاحب سے پہلا تعارف حج کے موقعے پر حاصل ہوا، جو لواء العلم الشیخ السید محمد نصیف صاحب آفندی رحمہ اللہ کے مکان پر ۱۹۴۹ء میں جدہ میں ہوا۔ پھر حرم میں بھی روزانہ ملاقات ہوتی رہی۔ مولانا حج سے فراغت کے بعد نایاب مخطوطات کی تلاش میں مصر چلے گئے اور آج تک علومِ دین اور کتاب وسنت کی خدمت میں مشغول ہیں۔ زَادَهُ اللّٰهُ حِرْصًا وَفَوْزًا، اور اپنا یہ حال ہے

کہ بے کار مشاغل پورے ماحول پر اس طرح محیط ہیں کہ اپنی سیاہ کاریوں پر ندامت کے لیے بھی چند لمحات میسر نہیں آ سکے۔

ما و مجنون ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت ما در کوچہا ویران شدیم[1]

اسماعیل، کان اللہ لہ

چاہ شاہاں، خطیب جامع اہلِ حدیث، گوجرانوالہ[2]

---

[1] ''میں اور مجنون دیوانِ عشق میں ہم سبق تھے، وہ صحراء کی طرف نکل گیا اور ہم ویران کوچوں میں پڑے ہوئے ہیں۔''

[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۴/ جون ۱۹۶۵ء)

تبصرہ و تعارف:

خیرِ کثیر

(تالیف: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ ترجمہ: مولانا عبدالرحیم پروفیسر عربی اسلامیہ کالج، پشاور)

آج سے کئی سال پہلے خیرِ کثیر کا عربی اِڈیشن... میں شائع ہوا۔ حضرت شاہ صاحب تفسیر، حدیث، کلام، تصوف اور علم الاسرار میں امامت کے مقام پر فائز ہیں اور ان مسائل میں مجتہدانہ گفتگو فرماتے ہیں۔ تقلید و جمود ان کے قریب نہیں پھٹکتا، بلکہ بعض مواقع پر ان کی حیثیت ایک مجدد کی ہوتی ہے اور وہ پرانی راہوں کو یکسر بدل دیتے ہیں۔

مصفیٰ اور مسویٰ کے نام سے حضرت شاہ صاحب نے موطا پر دو شرحیں لکھی ہیں، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی نظر مذاہبِ ائمہ پر کس قدر وسیع ہے۔ اس کے باوجود ان کو کسی مذہب کے ساتھ تقلیدی وابستگی نہیں، ان کی تمام تر وابستگی دلائل و براہین سے ہے، ان کی تحقیق کا انحصار تفقہ اور مصالح پر ہے، اس لیے بسا اوقات بلا تامل شافعی کو مالک کے مسلک پر ترجیح دیتے ہیں، حنبلیہ کو حنفیہ پر ترجیح دینے میں انھیں کوئی حجاب نہیں ہوتا، حالاں کہ ظروف و احوال کے لحاظ سے وہ ہندوستان کے لیے حنفی مسلک کو پسند فرماتے ہیں۔

اصولِ فقہ احناف کے لیے ایک محفوظ علم تھا جس کے سہارے پر طلبہ کو شوافع، مالک اور حنابلہ کے خلاف مناظرات کی مشق کا بہترین موقع ملتا تھا، اس کا اثر مبتدی طلبہ پر یہ ہوتا تھا کہ بسا اوقات وہ ائمۂ ثلاثہ کی علمی بصیرت ہی میں شک کرنے لگتے تھے، بلکہ اصولِ فقہ کی متعارف درسیات میں بسا اوقات سوئے ادب تک نوبت پہنچ جاتی۔

شاہ صاحب نے ''حجۃ اللہ'' میں اتنی کڑی تنقید فرمائی ہے کہ جس سے ایک تو اصولِ فقہ کی حقیقت واضح ہوگئی ہے، دوسرے ائمۂ مجتہدین کا علمی احترام بحال ہوگیا جسے تقلید و جمود نے بے حد

نقصان پہنچایا تھا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

حضرت شاہ صاحب نے اسرارِ شریعت پر مستقل کتاب لکھی اور سچ یہ ہے کہ "حجة اللّٰه البالغة" اس فن میں ایک ہی کتاب ہے۔ فقہ اور حدیث پر لکھنے والوں کی تعداد میں جتنی کثرت ہے، اسرارِ شریعت پر لکھنے والوں کی اسی قدر قلت ہے۔ اسرار و غوامض پر جن لوگوں نے کسی قدر تفصیل سے لکھا ہے، وہ بزرگ انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں: امام رازی، امام غزالی، ابن رجب، عز بن عبدالسلام، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور حکیمِ ملت ابن القیم، متاخرین میں امام ولی اللہ رحمہم اللہ، یہ گنتی کے آدمی ہیں جن کی تصانیف میں اسرارِ شریعت کے مباحث بسط سے آتے ہیں، لیکن شاہ صاحب کو یہ ممتاز حیثیت حاصل ہے کہ ان کی تصانیف نے اسے فن کی حیثیت دے دی۔

زیرِ نظر کتاب خیرِ کثیر میں اسرارِ شریعت کے علاوہ حضرت الامام نے اسرارِ تکوین پر بحث فرمائی ہے، یہ ایک اچھوتا فن ہے۔ متقدمین نے اس پر بالاستقلال بہت کم لکھا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فلاسفہ اور متکلمین پر جہاں رد فرمایا ہے، اس قسم کے مباحث وہاں ضمناً آ گئے ہیں، اسی طرح فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم وغیرہ میں بھی کہیں کہیں بحث نے یہ انداز اختیار کر لیا ہے، لیکن وہاں شہد کو زہر میں آمیز کرنے کا واہمہ ہوسکتا ہے۔ شیخ الاسلام کے بعد حضرت شاہ صاحب نے ان مباحث کو نکھار کر بدعی تصورات سے علاحدہ فرما دیا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ كَمَا يَجْزِيْ عِبَادَهُ الْحُنَفَاءَ.

شاہ صاحب نے تصوف میں بھی بہت حد تک نکھار پیدا کیا۔ علمِ کلام پر بھی ان کی نظر مجتہدانہ ہے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے سامنے متکلمین اہلِ سنت سے عموماً امام اشعری اور ماتریدی اور ان کے احباب کی تصانیف ہیں اور اسی گرد و پیش کے تاثرات حضرت امام کے ماحول پر محیط رہے، حالاں کہ کلام و عقائد میں اہلِ سنت کی راہ حضرت امام احمد بن حنبل الشیبانی رحمہ اللہ کی ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ علمِ کلام کے مباحث میں مقلدین ائمہ نے اپنے ائمۂ فقہ کو چھوڑ کر اشعری اور ماتریدی کی راہیں اختیار کی ہیں اور اصولِ دین میں انھی القاب کو اپنے لیے پسند فرمایا ہے، حالاں کہ ائمۂ اربعہ اصولاً حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہمنوا تھے۔ تاخرِ زمانہ کے سبب حضرت امام احمد رحمہ اللہ ان فتنوں سے بذاتِ خود دوچار ہوئے جو کلام اور فلسفے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ ایک صاحبِ حال کی طرح ان جدید مباحث کو حضرتِ امام نے کھنگالا، سنت کی راہ کو متعین کیا، مصائب سہے اور کوئی فرعون انھیں حق

کی راہ سے بھٹکا نہ سکا۔ ائمۂ ثلاثہ کے وقت یہ فتنے اس قدر پھل پھول نہیں سکے تھے، اس لیے اساسی طور پر ائمۂ ثلاثہ سنت کے ساتھ تھے، اور وہ وہی راہ تھی جسے امام احمد رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے سامنے متکلمینِ حنابلہ کے علمی ذخائر زیادہ مقدار میں نہ آ سکے، اس لیے ان کے کلام پر اشعریت کا رنگ غالب ہے، اس کے باوجود ان کی فطری بصیرت نے اکثر مقامات پر حق کا تتبع فرما لیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے خیرِ کثیر میں متکلمین اور فلاسفہ کی اصطلاحات کو بے تکلف استعمال کیا ہے اور بوقتِ ضرورت ان سے کہیں بہتر اور جامع اصطلاحات وضع فرمائی ہیں۔ اس لیے قدرتی طور پر خیرِ کثیر، بدورِ بازغہ اور حجۃ اللہ البالغہ کے بعض ابتدائی مباحث مشکل معلوم ہوتے ہیں۔ طالب علم کو گھبرانا نہیں چاہیے، بلکہ بار بار غور کرنے سے طبیعت مانوس ہوگی اور حافظہ آپ کی امداد کرے گا۔

جناب مترجم شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک قیمتی ذخیرہ طلبۃ العلم کے سامنے پیش فرما دیا ہے۔ فاضل مترجم نے پوری کوشش کی ہے کہ اصطلاحات عام فہم ہو جائیں۔ قوسین میں جا بجا اس ضرورت کو پورا کیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود اِغلاق موجود ہے۔ جو ترجمہ بھی بقید الفاظ کیا جائے گا، شاہ صاحب کی تصانیف میں یہ دقت موجود رہے گی اور عوام اس سے پوری طرح مستفید نہیں ہو سکیں گے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ یا تو ان کتابوں کے آزاد تراجم شائع کیے جائیں یا ان پر مفصل نوٹ لکھا جائے، امید ہے آیندہ اشاعت میں اس کا خیال رکھا جائے گا۔

شاہ صاحب نے اصطلاحات میں عموماً علمائے یونان کا تتبع فرمایا ہے، اس لیے ان پر ائمۂ حنابلہ یا ائمۂ سنت کا اصطباغ ضروری ہے۔ اگر شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم رحمہما اللہ کی تصانیف آج کی طرح شاہ صاحب کے سامنے آ جاتیں تو یقیناً ان اصطلاحات کا استعمال موجودہ صورت سے مختلف ہوتا، اس لیے بھی ضرورت ہے کہ کتاب پر مفصل نوٹ لکھے جائیں۔

منطق الکون:

عقلی علوم کو سمجھنے کے لیے علماء نے جو علم ایجاد فرمایا، اسے منطق المعقول کہا جاتا ہے، فنِ حدیث کے لیے ائمۂ حدیث نے جو تنقیدی اصول وضع فرمائے ہیں، اسے منطق المنقول سمجھنا

چاہیے۔ حجۃ اللہ البالغہ ایسی کتابیں جن میں اسرارِ شرائع کا ذکر فرمایا، اسے منطق الاحکام کہنا مناسب ہو گا۔ خیرِ کثیر اور بدورِ بازغہ ایسی کتب کو منطق التکوین تصور کرنا چاہیے۔

ہم حضرت مترجم اور محترم ناشر کے ممنون ہیں کہ انھوں نے پبلک کو ان قیمتی خزائن سے متعارف فرمایا۔ ایسے علمی موتیوں کو بکھیرنے والے حضرات کے سامنے تجارت سے زیادہ اشاعتِ علم کا مقصد ہونا چاہیے اور قیمتیں جہاں تک ہو سکے کم رکھی جائیں۔[1]

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور (۲۹/ جون ۱۹۵۱ء)

تبصرہ وتعارف:

آپ حج کیسے کریں؟

(تالیف: مولانا محمد منظور نعمانی)

یہ رسالہ حج کے متعلق چند مضامین کا مجموعہ ہے، ان میں بعض ''الفرقان'' لکھنؤ میں شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کا مختصر مضمون محض تعارف ہے، اس میں حج سے بھی زیادہ اپنی تبلیغی جماعتوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔

مولانا کو شاید معلوم نہ ہو، ان تبلیغی وفود میں جو لوگ شامل ہوتے ہیں، ان کی دیانت، ان کا اخلاق معیاری نہیں ہوتا۔ اس سفر میں آپ ایسے بزرگوں کی راہنمائی کے سبب عوام ان وفود سے استفادے کی کوشش کرتے ہیں، حسنِ ظن کی بنا پر ان کے اعمال کا تتبع ان کے افعال سے کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان کی خامکاری کی وجہ سے بری طرح متاثر ہوتے ہیں اور پوری جماعت سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اگر سفرِ حج کو اس پراپیگنڈے سے محفوظ رکھا جائے تو میری ناقص رائے میں مناسب ہوگا۔ جماعتی نشر واشاعت کے لیے اور مواقع میسر آ سکتے ہیں، حج کا معاملہ حج ہی تک محدود رہے تو مناسب ہوگا۔

باقی مضامین اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت ہی مفید ہیں۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کا مضمون تعلیمِ حج کے لحاظ سے بہت مفید ہے اور تعلیمی نقطۂ نظر سے دل نشین۔ اختلافی مقامات میں سید القوم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ یہ مختصر رسالہ اس سفر میں ضرورت کے لحاظ سے بہت ہی مفید ہے۔

آخر میں کچھ نظمیں ہیں جن میں عشق ومحبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یقیناً آنحضرت ۔فداہ أبي وأمي۔ سے محبت ایک مسلمان کے لیے سرمایۂ حیات اور اساسِ ایمان ہے، لیکن اس کے اظہار میں شعریت غالب آ گئی ہے اور مصنوعی عشق مقامِ نبوت پر چھا گیا ہے۔ ہر چند کہ حضرات اہلِ توحید کے

ارادوں پر شبہہ نہیں کیا جا سکتا، نہ ہی اس سے ترویجِ شرک کا قصد مفہوم ہوسکتا ہے، لیکن عوام کے لیے یہ طریقِ گفتار فتنے کا موجب ہوسکتا ہے۔ اکثر اشعار میں ایسی گنجایش موجود ہے، اگرچہ توجیہ و تاویل سے ان کا مفہوم صاف ہوسکتا ہے، لیکن اعتقاد کے معاملے میں پیچ دار راہ کیوں اختیار کی جائے جو عوام کے لیے فتنے کا موجب ہو؟

مولانا محمد منظور صاحب سے مجھے غائبانہ تعارف ہے۔ میں نے انھیں مدینہ منورہ باب الرحمۃ میں دیکھا، لیکن ازدحام کی وجہ سے مل نہ سکا۔ میری طبیعت پر ان کی وجاہت کا ایک اثر ہے، ان کے چہرے سے توحید کا نور نمایاں ہے، اس لیے ان کے توسط سے ایسی مشتبہ اور ذوالوجوہ نظمیں شائع ہوں تو کچھ بھلا معلوم نہیں دیتا۔

عشق و محبت کی راہ میں یہ بے اعتدالیاں مستبعد نہیں، خصوصاً جب کہ اس کے اظہار کے لیے شعر یا نظم، ترصیع و قافیہ کا سہارا لیا جائے، لیکن ایک مومن کے لیے دربارِ نبوت سے پہلے ایک اور بھی بارگاہِ عشق موجود ہے۔ وہاں کے آداب کا لحاظ عتبہ نبوت سے بھی کہیں زیادہ ہے، اس لیے ہماری ناقص رائے میں یہاں وہابیت کی خشکی بریلوی انداز کے عشق سے کہیں بہتر ہے ؎

فَاحۡفَظۡ وُقِيتَ فَتَحۡتَ قَدَمِكَ هُوَّةٌ كَمۡ قَدۡ هَوىٰ فِيهَا مِنَ الۡإِنۡسَانِ[1]

آخر میں ہم پھر حجاج کو توجہ دلاتے ہیں کہ یہ مختصر رسالہ ان کے لیے بہترین راہنما اور رفیقِ سفر ثابت ہوگا۔[2]

[1] سنبھل کر۔ تو محفوظ رہے کہ تمھارے پاؤں کے نیچے گڑھا ہے۔ کتنے ہی انسان اس میں گر چکے ہیں۔
[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۹ رشوال ۱۳۷۰ھ)

تبصرہ وتعارف:

اہلِ بیت

(تالیف: مولانا فضل الرحمان مبارکپوری)[1]

اس موضوع پر احادیث اور شروح میں اہلِ سنت کی طرف سے سیر حاصل مباحث ملتے ہیں، مگر ایسا مجموعہ جس میں یہ مواد یکجا مل سکے، مولانا المحترم کی پہلی کوشش ہے۔ مشکل یہاں یہ ہے کہ ہمارے ہاں اسلام کا مدار صرف شکل پر ہے، حالاں کہ شکل سے کہیں پہلے ذہن کا اسلامی ہونا شرط ہے۔ طریقِ فکر کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ کسی خاندان کی بلحاظِ خاندان حمایت یہ نہ اسلامی ذہن ہے اور نہ اس کا طریقِ فکر، جس مذہب نے شعوب وقبائل کو صرف تعارف کا ذریعہ سمجھا ہو، کرامت کا تمام تر انحصار تقوے پر رکھا، اس سے کیوں کر یہ اُمید رکھی جائے کہ وہ اہلِ بیت کی عزت اور عصمت کو اس لیے منوانا چاہتے ہیں کہ وہ آنحضرت کے رشتے دار ہیں؟

جب وہ نوح کے بیٹے کو معاف نہیں فرماتا۔ لوط اور نوح علیہما السلام کی بیوی کو نہیں بخشتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آباء واقارب کی لغزشوں کو شمار کرنے میں کوئی لحاظ نہیں فرماتا، وہ علی اور حسنین اور فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو اس لیے معزز نہیں سمجھتا کہ وہ رسول کے رشتے دار ہیں، بلکہ اس کے نزدیک ان بزرگوں کی برتری کے لیے کچھ اور وجوہ ہیں اور ان کی کرامت کے کچھ اور اسباب، ان کی عصمت وہبی نہیں، بلکہ کسبی ہے۔ (احزاب)

اگر قبائلی تعلق موجبِ کرامت ہوتا تو ابوجہل اور ابولہب کم از کم لعنت سے محفوظ ہو جاتے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ سے پہلے کوئی اعزاز عطا ہو جاتا۔

ہمارے شیعہ حضرات کے نزدیک کرامت کا معیار قبائل، نسبت وقرابت کا تعلق ہے۔ ہمارے

[1] یہ کتاب اصلاً مولانا حکیم عبدالسمیع مبارکپوری کی تصنیف تھی جو ان کے صاحبزادے مولانا فضل الرحمان مبارکپوری کے نام سے اشاعت پذیر ہوئی تھی۔ حکیم عبدالسمیع صاحب محدث الہند علامہ عبدالرحمان مبارک پوری کے بھتیجے تھے۔ دیکھیں: مکاتیبِ رحمانی (ص: ۳۶)

ہاں یہ راہ قطعاً غلط ہے، اس لیے جب تک طریقِ فکر میں جزوی وحدت ہی موجود نہ ہو، یہ مناظرانہ حوالہ جات ہمیں ان سے قریب نہیں کر سکتے، نہ وہ ہمیں اپنا سمجھ سکتے ہیں۔ جس شخص کے ذہن میں نکاح کا یہ تصور موجود ہو جس میں حسنِ معاشرہ کے ساتھ تمام عمر کے لیے یہ عہد کیا گیا ہو، وہ شعارِ متعہ اور خدن اور حلالہ وغیرہ کو کیوں کر نکاح تصور کر سکتا ہے؟

ضرورت ہے کہ ہمارے شیعہ دوست اپنے طریقِ فکر پر غور فرمائیں۔ مولانا فضل الرحمان صاحب کی کوشش قابلِ شکریہ ہے کہ انھوں نے شیعہ فکر کی تصحیح کے لیے مختصر اور مفید مواد جمع فرما دیا ہے۔ اس ضمن میں آیتِ تطہیر، مسئلۂ عصمت، حدیث: «عَلِيٌّ مِنِّيْ»، حدیثِ سفینہ پر مفید مباحث مختصراً زیرِ قلم آئے ہیں۔ اُمید ہے کہ اس نہج پر سوچنے والے حضرات رسالے سے مستفید ہوں گے اور آیندہ صحت اور حسنِ طباعت کا خیال رہے گا۔

رسالے میں تیزی اور رسمی مناظرات کے انداز سے چھیڑ چھاڑ کی کوشش نہیں فرمائی گئی۔ سلجھے ہوئے انداز سے نفسِ مسئلہ پر جو مناسب تھا، اپنے معلومات کے مطابق لکھا گیا ہے۔ رسالہ ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ [النحل: ١٢٥] کی اچھی مثال ہے۔ بہتر ہو گا مذہبی مسائل پر لکھنے والے نوجوان اس انداز سے لکھنے کی کوشش کریں۔[1]

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۲؍ جنوری ۱۹۵۱ء)

تقریظ:

ضرورتِ تجوید

(مضمون: قاری محمد اسلم صاحب، مدرس مدرسہ محمدیہ، گوجرانوالہ)

میں نے مذکورہ مضمون تحریر فرمودہ قاری محمد اسلم صاحب پڑھا ہے۔ قرآن مجید کی غلطی کی صحت حسبِ امکان ضروری ہے۔ قرآن مجید ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، اسے پوری طرح محفوظ رکھنا چاہیے۔ الفاظ کی صحت کے لیے فنِ تجوید بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے بچوں کو یہ فن سیکھنا چاہیے۔ حافظ محمد اسلم صاحب اس فن کے ماہر ہیں۔ آج کل مدرسہ محمدیہ، گوجرانوالہ میں کام کر رہے ہیں۔ احباب سے گزارش ہے کہ ان سے استفادہ فرمائیں۔[1]

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۸؍ مارچ ۱۹۶۶ء) قاری محمد اسلم صاحب کا یہ مضمون بھی اسی پرچے میں شائع ہوا تھا۔

نقد و تبصرہ:

ضعیف حدیث پر ایک تحقیقی نظر

(مضمون: مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ)

حدیث کی حجیت ائمۂ سنت کے نزدیک حتمی اور قطعی ہے۔ قرآن، احادیث اور تمام شرائع سابقہ اور انبیاء علیہم السلام اسی اصول کے قائل ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے ارشاداتِ غیر متلو بھی حجت ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے غیر متلو وحی کی بنا پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اسی وحی پر یقین فرما کر اپنی گردن ذبح کے لیے پیش کر دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے رفقاء کو دعوت دی، قرآنِ حکیم سے معلوم ہوتا ہے، یہ دعوت نزولِ تورات سے پہلے تھی، سورت قصص میں ہے:

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ [القصص: ٤٣]

موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے پہلوں کی تباہی کے بعد کتاب عطا فرمائی۔ غرض فرعون اور اس کی قوم کی بربادی حدیثِ موسیٰ کی مخالفت کے سبب سے عمل میں آئی، اس لیے انکارِ حدیث کل انبیاء علیہم السلام کے انکار کے ہم معنی ہے۔

یہاں تک بحث حدیث کے متعلق اس بنا پر ہے کہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور ارشادات اور مسلّمہ اجتہادات سے تعبیر ہے۔

سند کا اثر:

احادیث کے ہم تک پہنچنے میں اسناد اور رجالِ اسناد کو دخل ہے۔ احادیث میں جہاں سیکڑوں احادیث متواتر ہیں، وہاں ہزاروں کی تعداد میں ایسی احادیث بھی ہیں جو آحاد ہیں اور تواتر کی حد تک نہیں پہنچ سکیں۔ یقیناً ائمۂ اسلام اور قائدینِ سنت کے نزدیک یہ احادیث درجہ تواتر سے قاصر ہیں۔

ان پر قرآنِ عزیز کی طرح وثوق نہیں کیا جا سکتا۔ الفاظِ قرآن کو جو تواتر نصیب ہوا، احادیث کے ذخیرے کا کافی حصہ اس تواتر سے محروم ہے، اسی لیے احادیث کے اس ذخیرے کو ائمہ نے ثانوی حیثیت سے قبول فرمایا ہے۔

رجالِ اسناد پر کلام:

رواۃِ حدیث اوران کے ذاتی اوصاف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رواۃ کے عیوب پر دو طریق سے گفتگو کی گئی ہے۔ بعض عیوب ایسے ہیں کہ جن کا روایت پر تو اثر پڑتا ہے، لیکن راوی کے تقدس پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، مثلاً: ضعفِ حفظ، یہ قدرتی نقص ہے۔ یہ راوی کے اختیار کی چیز نہیں، کتنا بڑا امام کیوں نہ ہو، اس کا حافظہ کمزور ہوسکتا ہے، اس سے روایت ضعیف ہو جائے گی، لیکن راوی کے زہد وتقویٰ، امامت اور عفت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ امراض خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں، ان کا آنا اور جانا دونوں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔

بعض ایسے نقائص ہیں جن کا اثر راوی اور روایت دونوں پر پڑتا ہے، جیسے: بدعت، بعض اقسامِ تدلیس اور وضع وتخلیقِ احادیث کی عادت۔ یہ ایسے عیوب ہیں جن سے راوی اور روایت دونوں بے کار ہو جاتے ہیں، تاوقتیکہ وجوہِ ضعف پر غور نہ کر لیا جائے۔ ضعف کا لفظ متذکرہ صدر دونوں قسموں کو شامل ہے، اور بعض قرائن اور کثرتِ طرق سے ضعف کی بعض اقسام کا ازالہ بھی ہوسکتا ہے۔ ضعف کے باوجود حدیث قابلِ عمل رہتی ہے، تاوقتیکہ کسی صحیح تر حدیث سے متعارض نہ ہو، تعارض کے وقت صحیح تر حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔

یہ اصلِ عظیم گو ائمہ حدیث اور اصولِ حدیث کے نوشتوں میں موجود ہے، لیکن اس کی بنیاد عقل پر ہے۔ دنیا کا کوئی حادثہ یا کوئی خبر آپ پرکھنا چاہیں تو آپ کو اس نوع کے اصول کے سوا چارہ ہی نہیں۔

ائمہ حدیث نے وجوہِ جرح پر بحث فرماتے ہوئے کسی چھوٹی موٹی غلطی کو بھی نظر انداز نہیں فرمایا اور کسی بڑے سے بڑے آدمی کو بھی نہیں بخشا۔ بیٹے نے باپ کا لحاظ نہیں فرمایا اور شاگرد نے استاد پر رحم نہیں کیا۔ جو عیب معلوم ہوا، واشگاف کہہ دیا۔ حق بھی یہی ہے کہ جب معاملہ چھان پھٹک کا ہو تو کم اور زیادہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جو حقیقت ہو، اسے کہنا ضروری ہے۔

اسی علم رجال اور اوصافِ رواۃ سے تنگ آ کر ایک گروہ نے حدیث کی حجیت ہی سے انکار کر دیا، دوسرے گروہ نے صحیح اور ضعیف کو علی الاطلاق قبول کیا، بلکہ موضوعات کی بھی مرمت شروع کر دی۔ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی شکر گزاری کے مستحق ہیں کہ انھوں نے مراتبِ ضعف پر رد و قبول کے لحاظ سے بحث فرما کر اعتدال کی راہ کو واضح فرمایا ہے۔

کاش! مولانا اس پر مزید وضاحت سے خامہ فرسائی فرماتے۔ ابھی بحث تشنہ ہے۔ زِدْنِيْ أَيْضًا زَادَكَ اللّٰهُ صَلَاحًا.[1]

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۸/ ستمبر ۱۹۵۱ء)

نقد و تبصرہ:

تکبیراتِ عید

(مضمون: مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رحمہ اللہ)

تکبیراتِ عید کے متعلق اہلِ علم کے دو مسلک ہیں، ایک گروہ بارہ تکبیرات قبل القراءۃ کا قائل ہے۔ امام مالک، امام احمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کا بھی یہی معمول ہے، اس مسلک کی تائید عمرو بن عوف، حضرت عائشہ، ابن عمر، عبدالرحمان بن عوف اور سعد رضی اللہ عنہم موذن کی روایات سے ہوتی ہے۔ عمرو بن عوف کی روایت کو "أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هٰذَا الْبَابِ" فرماتے ہیں، حالاں کہ اس میں بشر بن عبداللہ راوی متہم بالکذب ہے۔ (شافعی، ابو داود، ابن حبان)

میزان الاعتدال میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بحوالہ ابو داود ہے اور اس کے راوی ابن لہیعہ ہیں، ان کا ضعف مشہور ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت دارقطنی وغیرہ میں ہے۔ اس میں فرج بن فضالہ منکر الحدیث ہے۔ (بخاری)

سعد موذن کی روایت میں بقیہ ضعیف ہے اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت میں حسن بجلی ضعیف ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کے متعلق امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ عراقی اس کی سند کو صالح کہتے ہیں اور اصل یہی حدیث ہے، جسے "أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هٰذَا الْبَابِ" کہنا چاہیے۔ ترمذی کی ترجیح و تحسین کا مدار بھی طرق کے تعدد پر ہی معلوم ہوتا ہے، ورنہ ان کی مصطلح تحسین تو غرابت کے منافی ہوسکتی ہے، اس کا مفاد لغوی تحسین بھی نہیں ہوسکتا۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کا طریق وہی ہے جو عن ابیہ عن جدہ سے روایت فرماتے ہیں۔ اس سند پر محدثین کی گفتگو مشہور ہے۔ سند بلاشک قابلِ اعتماد ہے، علی الاطلاق ضعیف نہیں، لیکن صحیح کی ان اعلیٰ اقسام سے بھی نہیں جس کی مخالفت کو انشراح کے ساتھ ناجائز اور نادرست کہا جا سکے۔

دوسرے مسلک کی تائید صرف بعض آثار سے ہوتی ہے۔ مرفوعاً صرف حضرت ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے جس کی سند میں عبدالرحمان بن ثابت بن ثوبان عنسی ہیں، ان میں ائمۂ حدیث کو کلام ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ بھی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے، مرفوع نہیں، اس لیے اس میں تو کلام نہیں کہ توازنِ احادیث کے لحاظ سے پہلا مسلک راجح ہے۔ احناف رحمہم اللہ کا مسلک ائمۂ حدیث کے نقطۂ نظر سے ضعیف ہے۔

لیکن دونوں مسلک کی موید روایات فی الجملہ کلام سے خالی نہیں۔ اسانید کے اسی توازن کی موجودگی میں محترم المقام مفتی صاحب کے ارشاد پر کہ اہلِ حدیث نمازِ عیدین میں حنفی کی اقتداء نہ کرے، انصاف پر مبنی نہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ محترم مفتی صاحب اپنے اس فتوے پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ مسلک اہلِ حدیث کی اساس تو صرف اس اصل پر ہے کہ اجتہادی مسائل میں فرقہ وارانہ عصبیت سے احتراز کیا جائے۔ ترجیح کی بنیاد دلائل پر ہو، مگر افسوس ہے کہ ہم لوگ خود ایک فرقہ بن رہے ہیں۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنَ الْاِفْتِرَاقِ الشَّنِيعِ.

ایسے فرعی اجتہادی مسائل میں اپنے مسلک کی حمایت اور عملاً اس کی پابندی تو ازبس ضروری ہے، لیکن دوسرے کی اقتداء کے عدمِ جواز کا فتویٰ جسارت ہے اور اہلِ تحقیق کے لیے قطعی نامناسب۔ اہلِ تحقیق کو امام بخاری رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرح وسیع الصدر ہونا چاہیے، اقتداء کے معاملے میں اہلِ بدعت کو بھی بالکل نظر انداز کرنا نہیں چاہیے۔ (ملاحظہ ہو: فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ مطبوعہ اہلِ نجد جدید)

حضرت المحترم شیخ مولانا انور شاہ صاحب اور ان کے تلامذہ کی یہ عادت تھی اور ہے کہ اگر شوافع یا موالک وغیرہ احناف کے شرائط اور قیود کی پابندی کریں تو اقتداء درست ہے۔ یہ اسی طرح بے معنی اور مبنی بر تعصب ہے۔

امام اگر دیانتاً ایک مسلک کو صحیح سمجھ کر اس کا پابند ہے، مقتدی کو اس کی تحقیق سے اتفاق ہو یا نہ ہو، اقتداء میں کوئی حرج نہیں۔ تشبیک کی موجودگی میں اگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اقتداء درست ہے تو احناف کی تکبیرات سنتِ منسوخہ سے زیادہ کڑوی نہیں، اس لیے اہلِ حدیث کو احناف کی اقتداء بلانکیر درست ہے۔[1]

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور (۱۰ر نومبر ۱۹۵۰ء)

مسئلہ تکبیراتِ عیدین پر نظر ثانی

اور اس کی سنّیت پر بحث

''الاعتصام'' مورخہ ۱۰ ر نومبر [۱۹۵۰ء] محترم مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی کا ایک فتویٰ تکبیراتِ عیدین کے متعلق شائع ہوا تھا۔ مولانا کا خیال تھا کہ نمازِ عید میں احناف کی اقتداء اہلِ حدیث کے لیے درست نہیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ صحتِ اعتقاد کے بعد فرعی و اجتہادی مسائل میں اقتداء کے عدمِ جواز کا فتویٰ نظر ثانی کا مستحق ہے۔ میری ان تنقیدی گزارشات پر حضرت مولانا کو رنج ہوا اور اس کا اظہار حضرت محترم نے مجھ سے زیادہ ''الاعتصام'' پر فرمایا اور اپنے فتوے کی تفصیلاً حمایت فرمائی۔

ہم مولانا کے ارشادت کو کسی تنقید کے بغیر شائع کر رہے ہیں اور فیصلہ ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔ البتہ ''الاعتصام'' کے متعلق گزارش ہے کہ حضرت مولانا اپنے فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں۔ عجیب ہے کہ مولانا اتنی دور سے فیصلہ فرماتے ہیں کہ ''الاعتصام'' جماعتِ اسلامی کا پرچہ ہے اور یہاں کہ قریبی حلقے اسے جماعتِ اسلامی کے مخالفین میں تصور کرتے ہیں۔ ؎

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا　　　کافر یہ سمجھتا ہے کہ مسلماں ہوں میں

البتہ مجھے اس بات پر اصرار ہے کہ جماعت اہلِ حدیث کوئی فرقہ نہیں، بلکہ یہ اسلام کی صحیح تر تعبیر ہے۔ یہ صراطِ مستقیم ہے جس سے بعض راہیں الگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت مولانا سے ادباً گزارش ہے کہ ہم پر یہ ستم نہ کیا جائے کہ ہم اپنے آپ کو ایک فرقہ تصور کرنے پر مجبور ہوں۔

نیز گزارش ہے کہ ان مسائل کو جن میں قدم قدم پر شوافع، حنابلہ اور موالک ہم سے متفق ہیں، ''اپنے خصوصی مسائل'' کیوں سمجھا جائے؟ ان مسائل پر ہمارا اس لیے عمل ہے کہ یہ بحسب الدلیل راجح ہیں۔ اگر کسی ذہن میں دلائل کا رجحان اس کے خلاف بھی ہو تو اہلِ حدیث ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اور اہلِ حدیث کی اس نشأۃ میں جس کا آغاز سید شہید رحمہ اللہ نے فرمایا تھا، شاید جماعت کے خصوصی مسائل وہی نہ ہوں جن کی بنا پر محترم مولانا ''الاعتصام'' کو جماعتِ اسلامی کی حمایت کا طعن دے رہے ہیں۔ حضرت مولانا کے گرامی نامہ میں اگر تلخی نہ ہوتی تو اس مختصر نوٹ کی ضرورت نہ ہوتی۔ حضرت مولانا کا مکتوب آزاد شائع کرایا جاتا۔ توقع ہے کہ حضرت مولانا اور ناظرینِ الاعتصام اپنے مسلک پر زیادہ سنجیدگی سے غور فرمائیں گے ؎

عشقِ لیلیٰ میں کیا مجنوں نے بن کو اپنا گھر
تو نے گھر کو بن کیا یہ اپنی اپنی رائے ہے

نیز اہلِ حدیث کے ''خصوصی مسائل'' کو ظروف و احوال کے لحاظ سے سید شہید رحمہ اللہ کے اعمال کی روشنی میں سمجھا گیا ہوتا تو پاکستان اور ہندوستان کی تاریخ آج سے بالکل مختلف ہوتی۔ ہم یہاں ایک غیر اسلامی نظام کا نوحہ کر رہے ہیں اور آپ حضرات ایسے مقتدر اہلِ علم بول رہے ہیں کہ انھیں ہندوستان میں قیام فرمانا ہے یا پاکستان میں۔ جس قوم نے صاف ذہن سے خصوصی مسائل کو آج سے چند سال پہلے سوچا تھا وہ آج ہندوستان کے بعض علاقوں میں چار لاکھ مسلمان شدہ کرا چکی ہے۔ ان کے ''خصوصی مسائل'' آپ حل ہو رہے ہیں۔ کیا ان حالات میں بھی اہلِ حدیث کے کچھ ''خصوصی مسائل'' ہیں یا نہیں؟

مولانا رحیم آبادی اور حضرت حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کی خدمات کی طرف بھی کبھی جماعت اہلِ حدیث نے غور فرمایا ہوتا۔ وہاں ان خصوصی مسائل کو کس موقف پر رکھا گیا؟ میں اپنے اربابِ فکر اور جماعت کے نوجوانوں سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ سنجیدگی سے اپنے ''خصوصی مسائل'' پر غور کریں اور حضرت مولانا محترم سے گزارش ہے کہ ع

تیرے زہد خشک سے ہے جدا میری چشمِ تر کا معاملہ

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ[1]

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۲ر دسمبر ۱۹۵۰ء)

تبصرہ و تعارف:

صلاۃ الرحمٰن

(تالیف: حافظ محمد شریف، ناشر: جمعیت تبلیغ اہلِ حدیث، ڈپٹی باغ سیالکوٹ)

حافظ صاحب نے وقت کی ضرورت کو پورا فرمایا، اس میں اذکار اور طریقۂ نماز سنت کے مطابق ذکر فرمائے گئے ہیں۔ نماز اختصار کے باوجود جامع ہے، نمازِ جنازہ، نمازِ تراویح وغیرہ کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے، کاغذ سفید عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔

یہ نماز ہر گھر میں موجود ہونی چاہیے، اہلِ توحید اپنے بچوں کو بچپن ہی میں یہ تمام دعائیں یاد کرانے کی سعی کریں۔[1]

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور (۲۹/ جون ۱۹۵۱ء)

تبصرہ و تعارف:

مفردات القرآن

(تالیف: امام راغب اصفہانی۔ ترجمہ و حواشی: مولانا عبدہ الفلاح۔ ناشر: اہلِ حدیث اکادمی، لاہور)

قرآنِ عزیز کا طالب علم قرآن کے فہم میں چار مقامات سے استفادہ کر سکتا ہے:

① قرآنِ عزیز، ② سنتِ نبویہ علیہ التحیۃ والسلام، ③ لغتِ عرب ④ اور عقلِ سلیم سے۔

سنت کی حفاظت، جمع و تدوین کی ذمے داری ائمۂ حدیث نے لی اور اس کا حق ادا کر دیا۔ شَکَرَ اللّٰہُ مَسَاعِیَھُمْ۔ لغت کے دفاتر موجود ہیں۔ علمائے لسان شکریے کے مستحق ہیں، جن کی محنت نے عربی زبان کو حیاتِ دوام بخشی۔ عقلِ سلیم اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ یہ نہ بکتی ہے اور نہ اس کی جمع و تدوین ممکن ہے، بلکہ عقلاء میں تفاوتِ مراتب نے حجتِ عقل کو اور بھی معما بنا دیا ہے۔

ان تمام اسباب و ذرائع کی موجودگی کے باوجود قرآن خود اپنا محتاج ہے۔ قرآن ایک لفظ کو متعدد مقامات میں استعمال فرماتا ہے۔ بسا اوقات اس کا استعمال الگ الگ معنی میں فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اُمت نے ہر آیت اور ہر مقام کے پیشِ نظر خود قرآن کے الگ لغت مرتب فرمائے۔ اس موضوع پر کافی کتابیں لکھی گئیں جن میں حافظ ابن قتیبہ دینوری کی ''القرطین'' اور امام راغب کی ''مفردات القرآن'' مشہور اور متداول ہیں، ان میں مفردات القرآن زیادہ جامع اور مفید ہے۔ کتاب چوں کہ عربی تھی، اس لیے اُردو دان حضرات اس کے فیوض سے محروم تھے۔

برادرم مولانا محمد عبدہ شیخ الحدیث والادب جامعہ محمدیہ، اوکاڑہ انتہائی شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اسے سلیس اردو کا دلکش جامہ پہنا کر اُردو دان اصحابِ ذوق کے سامنے پیش فرمایا اور شروع میں ایک مختصر لیکن جاندار مقدمہ لکھا۔ اللہ تعالیٰ انھیں مزید توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ قرآن و سنت کی خدمت کر سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ دیانت دار اور دانش مند منکرینِ سنت اپنی دیرینہ لغزش کو محسوس

فرمائیں گے۔ وہ قرآن فہمی کی ساری ذمے داری لغتِ عرب پر سمجھتے ہیں۔ اس سے بسا اوقات ان کی قرآنی تشریحات مضحکہ خیز ہو جاتی ہیں۔

میں نے جستہ جستہ مقامات سے ترجمہ دیکھا۔ میں قارئین کرام اور قرآنِ عزیز کے طلبہ کو اس کتاب کے مطالعے کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ اُسے بہ غور پڑھیں اور قرآنِ عزیز کو سمجھیں۔ خصوصاً منکرینِ سنت حضرات۔ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَّوَدَّةً.[1]

مولانا کا مکرر شکریہ۔ والسلام

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۰ اپریل ۱۹۶۴ء)

روزنامہ ''الجمعیۃ'' دہلی

''جمعیت علمائے ہند'' ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت ہے۔ تقسیمِ ہند کے بعد سے لے کر اب تک اس نے جو وہاں سیاسی، مذہبی، اصلاحی اور اسلامی خدمات انجام دی ہیں، ان کا اعتراف نہ کرنا حقیقتِ حال پر پردہ ڈالنا ہے۔ وہاں کے سیاسی حالات سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جمعیۃ العلماء ہند کا وجود وہاں نہایت ضروری ہے، اس کے اکابر نے جس تن دہی اور ہمت و استقلال سے مسلمانوں کی مدد کی ہے، وہ ان کا سب سے بڑا سیاسی اور اسلامی کارنامہ ہے جو ہمیشہ تاریخ کے سینے میں محفوظ رہے گا۔

جمعیت علمائے ہند کا واحد آرگن روزنامہ ''الجمعیۃ'' دہلی ہے جو گزشتہ کئی سال سے برِعظیم کے مشہور صحافی مولانا محمد عثمان فارقلیط کی زیرِ ادارت نکل رہا ہے، اس کی توسیعِ اشاعت کے لیے مولانا منظور حسین صاحب قاسمی (نمایندہ خاص جمعیت علمائے ہند) آج کل پاکستان کا دورہ فرما رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جمعیت علماء اور اس کے اخبار ''الجمعیۃ'' کے ساتھ تعاون کرنا، وہاں کے مسلمانوں کی براہِ راست مدد کرنا ہے۔

مولانا پاکستان کے چند بڑے بڑے شہروں میں تشریف لے جائیں گے اور ''الجمعیۃ'' کے لیے خریدار مہیا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا کام وہ تنہا نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے آپ احباب ان کے ساتھ اس کارِ خیر میں پورا پورا تعاون کریں۔ میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ ان کو اپنے مقصد میں کامیاب کرانے کے لیے ہر ممکن سعی کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ پاکستان سے ہندوستان کو مراجعت کے وقت ان کے دل پر آپ سے متعلق خلوص و محبت کے نقوش اُجاگر ہوں۔[1]

محمد اسماعیل

ناظم اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان، گوجرانوالہ

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۸/ دسمبر ۱۹۵۱ء)

کلمہ طیبہ مع فلسفہ نماز

(تالیف: مولانا سید فردوس قصوری)

توحید انبیاء علیہم السلام کا اجتماعی مذہب ہے جس کی تبلیغ آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، فداہ امی وابی، تک سب نے فرمائی:

﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٢٤﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾

[الأنبياء: ٢٤۔ ٢٥]

”لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں، ان سے فرما دیجیے: وہ اپنے دلائل لائیں۔ میرے رفقاء اور مجھ سے پہلے تمام حق پرست لوگوں کا تو یہی مسلک ہے۔ عوام چونکہ حق بات جانتے ہی نہیں، اس لیے وہ اس کی طرف سے بے پروا ہیں۔ آپ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے گئے ہیں، ہم نے ان کی طرف یہی وحی کی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس لیے صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔“

ان آیات سے ظاہر ہے کہ توحیدِ عبودیت کے متعلق تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی خیال تھا۔ وہ معبود صرف ایک ذاتِ حق کو سمجھتے تھے۔ ان کے مخاطب اسی مسئلے پر ان سے ناراض تھے۔ صدیوں تک شرک و توحید کی جنگ اسی بنیاد پر لڑی گئی۔

شرک کی عمر:

حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت ادریس علیہ السلام تک شرکِ جلی کا وجود دنیا میں نہیں پایا گیا۔ حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد اس کا آغاز ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سے پہلے دنیا میں شرک کے رجحانات کافی بڑھ گئے تھے۔ اس وقت ود، سواع، یعوق، یغوث اور نسر؛ ان پانچ بزرگوں کے توسل اور ان کی شفاعت پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کا منشا یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں

ان بزرگوں کا کوئی تعلق نہیں۔ عبادت کا تعلق براہِ راست خدا تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ یہ عبادت کسی توسل اور واسطے کے بغیر ہونی چاہیے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہیں آتا تھا۔ تاریخی روایات کے مطابق حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیان قریباً ایک ہزار سال کا فرق ہے۔ گویا شرک اپنی قدامت کے باوجود توحید سے ایک ہزار سال چھوٹا ہے۔ لیکن اس ظالم نے بچپن سے روحانی طاقتوں کے ساتھ الجھنا شروع کیا۔

عبادت کا مفہوم:

عربی زبان میں عبادت کا مفہوم عجز اور تذلل ہے: "أَصْلُ الْعُبُوْدِيَّةِ الْخُضُوْعُ وَالتَّذَلُّلُ"

گویا عبادت انتہائی عجز کا نام ہے۔ یہ وہ تعلق ہے جو قولاً یا عملاً عابد معبود کے ساتھ کرتا ہے۔ چونکہ عجز اور تذلل جبر وقہر سے بھی ہوتا ہے، جیسے جابر حاکم کی وجہ سے، اور محبت اور رحم اور شفقت کی بنا پر بھی ہوتا ہے، جیسے ماں باپ کے سامنے اولاد کا عجز۔

اسلام نے عبادت میں جس عجز کو لازم قرار دیا ہے وہ دوسری قسم ہے۔ یعنی انسان جب خدا تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کی شفقت اور محبت کی وجہ سے وہ اپنے عجز و تذلل کا اقرار کرتا ہے۔ یہ عجز و تذلل عبادت کی روح ہے۔ اگر اس سے عبادت خالی ہو تو اسے عبادت نہیں سمجھنا چاہیے۔ یہ روح نماز، صدقہ، روزہ، دعا، استغفار اور استعانت وغیرہ میں اگر ناپید ہو جائے تو یہ افعال عبادت نہیں ہوں گے، بلکہ محض ایک رسم اور ورزش ہو گی۔ اور اگر یہ عجز اور تذلل کسی اور کے لیے دل میں آجائے تو یہ شرک ہو گا۔ بظاہر اس کی صورت کچھ ہو تو اس میں شرک کی آمیزش یقیناً ہو جائے گی۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَعِبَادَةُ الرَّحْمٰنِ غَايَةُ حُبِّهِ ۔۔۔ مَعَ ذُلِّ عَابِدِهٖ هُمَا قُطْبَانِ
وَعَلَيْهِمَا فَلَكُ الْعِبَادَةِ دَائِرٌ ۔۔۔ مَا دَارَ حَتّٰى دَارَتِ الْقُطْبَانِ

"اللہ کی عبادت میں دو چیزوں کو قطب کی حیثیت حاصل ہے: اللہ سے انتہاء درجے کی محبت اور اپنی ذلت اور عجز کا اعتراف۔ عبادت کا آسمان ان دو قطب پر گردش کرتا ہے۔ یہ دو چیزیں نہ ہوں تو عبادت کوئی چیز نہیں۔"

کلمۂ توحید کا مطلب یہ ہے کہ معبود صرف ایک ہے۔ عجز اور محبت کی انتہائی سرحدیں اس پر

منتہی ہوتی ہیں۔ دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں۔ نہ عجز کے انتہائی اعتراف نہ محبت کا یہ آخری مقام؛ حق وحدہ لاشریک لہ کے سوا کسی کے لیے درست ہے۔ اگر اس میں ذرہ بھر غیر کی آمیزش ہوئی تو اسی کا نام شرک ہوگا جس کی بخشش کے لیے کوئی وعدہ نہیں۔

عبادت کا حکم:

پوری کائنات کو بلا استثناء حکم ہے کہ اس عجز و انکسار اور محبت کا اختیار صرف اللہ کے لیے کریں۔ آنحضرت ﷺ، فداہ ابی و امی، کو حکم فرمایا: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ [الحجر: ۹۹]

خدا کے لیے اس تذلل کا اعتراف کرو جو محبت سے بھرپور ہو اور اس محبت کا اظہار کرو جس کی فضائیں تذلل سے آباد اور معمور ہوں۔

عامۃ الناس کو فرمایا: ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ﴾ [نوح: ۳]

اللہ سے محبت، اس کے سامنے عجز اور ذلت کا عملاً اور قولاً اقرار کرو۔ اس کے خوف کو اپنے دل میں جگہ دو اور ان تمام امور میں میری اطاعت ملحوظ رہے۔ کسی افراط و تفریط کو ابھرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

گویا پیغمبر سے لے کر ایک ادنیٰ امتی تک تادمِ مرگ عبادت کی حکماً تلقین فرما دی گئی ہے۔ تمام مخلوق پر بجمیع طبقاتہا لازم فرما دیا گیا ہے کہ وہ اللہ سے انتہائی محبت اور اس کی بارگاہ میں اپنے عجز و تذلل کا واسطہ لے کر پہنچیں اور طبیعت پر یہ کیفیت بلوغت اور سنِ شعور سے لے کر آخری دم تک طاری رہنی چاہیے۔ مقامِ احسان کا یہی ایک انداز ہے:

«أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ» [1]

عفو، رحم اور بخشش کا انحصار اسی توحید اور اخلاص فی العبادت میں فرمایا ہے۔ ایک لاکھ کئی ہزار پیغمبر نے اپنی زندگیاں اسی راہ میں وقف فرمائی ہیں۔ مجاہدینِ اسلام نے اسی توحید کی آبیاری اپنے خون سے فرمائی ہے۔ رحمت کے فرشتے انہیں مقدس روحوں کے استقبال کے لیے چشم براہ ہوں گے۔ یہی کھٹکا ہے جو اہلِ کفر و شرک کو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا کر دے گا۔ یہی وہ مقام ہے جس کی طرف ایک رند شاعر نے لطیف اشارہ فرمایا ہے:

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۵۰) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۸)

گر گوہرِ طاعت نہ سفتم ہرگز | گر گردِ گناہ از چہر نہ رفتم ہرگز
نامید نیم ز بارگاہِ کرمت | زیرا کہ یک را دو نہ گفتم ہرگز[1]

(عمر خیام)

کلمہ طیبہ:

زیرِ نظر کتاب مولانا سید فردوس شاہ قصوری کے قلم سے نکلی ہے۔ شاہ صاحب نے کلمہ توحید کا صحیح مفہوم ادا فرما کر ہم پر بھی احسان فرمایا ہے، لیکن اپنا بھی فرض ادا کیا ہے۔ ساداتِ کرام پر توحید کی اشاعت کا فرض دو لحاظ سے عائد ہوتا ہے: اس لیے کہ وہ مسلمان ہیں، اس لیے کہ یہ مقدس پیغام ان کے مقدس نانا کا ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ بِعَدَدِ مَا خَلَقَ وَمَا لَمْ یَخْلُقْ. لیکن مقامِ تعجب ہے کہ توحید کو جس قدر نقصان سادات سے پہنچا ہے، باقی امت سے نہیں پہنچا۔

خانقاہی نظام جو پاک و ہند کے علاوہ پوری اسلامی دنیا میں پھیلا ہوا ہے اس کی قیادتِ عظمیٰ اور سیادتِ علیا زیادہ تر ساداتِ کرام ہی کے قبضے میں ہے، اور اس میں شک نہیں بہت سے ملکوں میں توحید کی سوتیں ان کے اکابر ہی کی مساعی سے پھوٹیں۔ لیکن آج سب سے زیادہ اندھیر انہیں کے حجروں میں ہے۔ یہی خانقاہی نظام آج کل سیاہ کاریوں کا مرکز ہے۔ جن آباء و اجداد نے اس پیغام کو اپنے خون اور پسینے کی آمیزش سے پہنچایا تھا، انہیں کی اولاد و احفاد پیٹ کے پجاری اور توحید کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ ﴿وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُونَ﴾ [المائدۃ: ٦٦]

محترم سید فردوس شاہ صاحب ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے پہلے اپنے نانا کے پیغام کو سمجھا، پھر پوری دردمندی سے اسے امت تک پہنچایا اور اس کی وجہ سے جس قدر سخت سست کہا گیا، سنا اور ان خانقاہوں کے خونخوار درندوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک رند کی زبان سے فرمایا:

صاحبِ فتویٰ از تو پرکار تریم | باایں مستی از تو ہشیار تریم

---

[1] ''اگرچہ ہم نے اطاعت کا حق ادا نہیں کیا، اگرچہ ہم گناہ سے کلی طور پر باز نہیں رہے۔ پھر بھی ہم تیری بارگاہ کے لطف و کرم سے ناامید نہیں ہیں، اس لیے کہ ہم ایک کو کبھی بھی دو نہیں کہتے۔ (پکے توحیدی ہیں، شرک کے قریب بھی نہیں جاتے۔''

تو خون کساں خوری ما خون رزاں انصاف بگو کدام خونخوار تریم [1]

اللہ تعالیٰ شاہ صاحب کی زبان، عمر اور قلم میں برکت عطا فرمائیں، وہ اپنے مقدس اور پاکباز نانا کی میراث کو تقسیم فرما سکیں اور دوسرے ساداتِ کرام اور علمائے امت کو اللہ تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ اس فریضے کی انجام دہی میں شاہ صاحب کی ہمنوائی کر سکیں۔

میں ان مختصر الفاظ کے ساتھ اس کتاب ''کلمۂ طیبہ'' کا تعارف کرا رہا ہوں۔ امید رکھتا ہوں کہ احباب اس سے مستفید ہوں گے۔

محمد اسماعیل۔ گجرانوالہ

۱۹ / ربیع الثانی ۱۳۸۱ھ

۳۰ / ستمبر ۱۹۶۱ء

---

[1] ''اے فتویٰ دینے والے! ہم تجھ سے کہیں زیادہ کاموں میں پھنسے ہوئے ہیں، اس مستی کے باوجود تجھ سے زیادہ ہوشیار ہیں۔ تو دوسروں کا خون چوستا ہے، ہم اپنا خون سستا کیے ہوئے ہیں۔ ذرا انصاف کی کہہ کہ ہم میں سے بڑا خون خوار کون ہے؟''

فلاحِ دارین

(تالیف: حکیم محمد اسحاق)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّينَ، وَعَلٰى آلِهِ وَأَتْبَاعِهِ قَادَةَ الْخَلْقِ أَجْمَعِيْنَ.

آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ کی تعلیمات نے زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر فرمایا۔ عقائد و اعمال کو تو متاثر ہونا ہی تھا، معاشیات، سیاسیات، ادبیات اور اخلاق بھی اس سے اثر پذیر ہو کے رہے۔ انقلاب کتنا ہی ہنگامہ خیز ہو، اس کے اثرات کس قدر دور رس ہوں، اس کے استحکام اور پائیداری کے لیے ضروری ہے کہ اس کی پشت پر قوت ہو۔ اخلاقی اقدار انسانی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں، مگر اس سرمائے کی حفاظت اسی وقت ہوسکتی ہے کہ قوت اور حکومت اس کی سرپرستی کرے۔

آنحضرت ﷺ کی دور رس نگاہیں اس تجربے سے اچھی طرح آگاہ تھیں۔ وہ خوب جانتے تھے کہ بعض طبائع اخلاق سے کہیں زیادہ قوت سے متاثر ہوتی ہیں، اس لیے آنحضرت ﷺ نے اپنی مقدس مساعی میں جہاں تعلیم اور اخلاق پر زور دیا، وہاں قوت کو نظر انداز نہیں فرمایا۔ سیاسی سربلندی اور حکومت کی تاسیس و تشکیل کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اپنے رفقاء کی اس طرح تربیت فرمائی کہ اخلاق و عبادات اور علم و حکمت کے ساتھ ہی تلوار کے قبضے پر بھی ہاتھ رکھ سکیں اور نیزے کی اَنی کے استعمال پر بھی انھیں قدرت حاصل ہو۔ حدیث ملاحظہ ہو: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِيْ تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِيْ وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصَّغَارُ عَلٰى مَنْ خَالَفَ أَمْرِيْ وَمَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» [1] (مسند أحمد)

[1] مسند أحمد (٩/ ١٢٦) برقم (٦١١٥)

"قیامت سے پہلے مجھے تلوار عنایت فرما کر مبعوث فرمایا گیا، تاکہ ایک اللہ کی پرستش ہو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اور میرا رزق نیزے کے سائے میں رکھا گیا اور میرے مخالفین پر ذلت اور اِدبار مسلط فرمایا گیا، اور جو شخص کسی قوم کی قومی رسوم اور عادات میں مشابہت اختیار کرے گا، وہ انہیں میں شمار ہو گا۔"

اس حدیث میں بوقتِ ضرورت قوت کے استعمال کو بعثت کے اساسی مقاصد میں شمار فرمایا گیا۔ توحید کی اشاعت اور شرک کی پامالی کے لیے قوت کے استعمال کو مستحسن سمجھا گیا ہے۔ دوسری قوموں کی نقالی کو کفر کے برابر جرم قرار دیا گیا اور اسے قومی موت کے مترادف سمجھا گیا ہے۔

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران: ۱۳۹]

"کمزوری اور غم کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دو، اگر ایمان کی رمق موجود ہے تو پھر سربلندی اور عزت تمھارا فطری حق ہے۔"

«يَا قَوْمِ قُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تَمْلِكُوا الْعَرَبَ وَتُؤَدِّيْ الْعَجَمُ لَكُمُ الْجِزْيَةَ»[1]

"اے قوم! اگر تم توحید پر پختگی سے کاربند رہو گے تو عربوں پر تمھاری حکومت اور عجمی تمھارے باج گزار ہوں گے۔"

موحّد حکومت کا قیام:

غرض آنحضرت ﷺ ایک ایسی مضبوط حکومت کی بنیاد رکھ رہے تھے جس کی قوت سے عرب اور عجم دونوں مرعوب ہوں گے اور اس کی بنیاد توحید پر ہو گی۔ وہ لوگ خدا کی صفات اور اس کے نام کو دنیا میں سربلند کریں گے۔ وہ صرف خدا تعالیٰ ہی سے ڈریں گے۔ ان کا سر صرف اسی کی بارگاہ میں جھکے گا۔ دنیا کی مادی طاقتیں انھیں مرعوب اور سرنگوں نہیں کر سکیں گی۔ مال، دولت، وطن اور عزیز و اقارب حق کی حمایت اور سچائی کی سرپرستی سے انھیں دستکش نہیں کر سکیں گے۔

آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیاں اس کی شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس میں پوری طرح کامیاب ہوئے۔ آپ کی جنگوں میں کامیابیاں بھی ہوئیں اور ناکامیاں بھی، لیکن یہ مقصد کبھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے پایا، بلکہ وہ ہر حال میں اپنے مقصد کی طرف بڑھتے رہے۔ اس

[1] دفاع عن حديث النبوي والسيرة للألباني رحمه الله (ص: ۲)

راہ میں ہبل کا بت آیا تو توڑ دیا گیا، لات کی قبر آئی تو پیوندِ خاک کر دی گئی اور اگر کسی درخت کے متعلق شبہہ ہوا کہ کبھی راہِ توحید میں حائل ہوگا تو اسے جڑوں سے اکھیڑ پھینکا گیا۔ یہ خانہ بدوش نہ قیصر کی فوجوں سے گھبرائے، نہ کسریٰ کی سطوت انھیں مرعوب کر سکی۔ ریگستان، پہاڑ، سمندر اور میدان ان کی نظر میں قریباً یکساں تھے۔ یہ توحید کی رعنائیاں تھیں جن کی بدولت مشرق اور مغرب کے ڈانڈے ملا دیے گئے۔ قرطبہ سے کاشغر تک شب و روز اس مقصد کی منادی فرماتے تھے۔

شرک کا مزاج:

شرک کا مزاج اطمینان کی روح سے خالی ہے۔ وہ ہر صبح ایک نئے معبود کی تلاش میں نکلتا ہے۔ وہ اپنی پریشانی میں زندہ اور مردہ میں تمیز نہیں کر سکتا۔ وہ کبھی پتھر اور درخت کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ اسی بے اطمینانی اور پریشانی کا اثر ہوتا ہے کہ اس میں جرأت نہیں ہوتی، وہ جنوں سے ڈرتا ہے، بھوتوں سے بھاگتا ہے، وہ غیر مرئی خطرات سے عقل و شعور کھو بیٹھتا ہے۔ موت سے گھبراتا ہے۔ وہ موہوم کامیابیوں کے لیے ایمان اور دیانت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ معمولی نامرادیوں پر اس کے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ ایسے کمزور اور غیر مطمئن لوگ موت و حیات کی کشمکش میں کبھی جرأت کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ حوادث اور مصائب پر برسوں رونے والے حوادث کی آنکھوں میں کیوں کر آنکھیں ڈال سکتے ہیں۔ یہ مادیات کے غلام مادی دنیا سے کیسے لڑسکیں گے؟

آنحضرت ﷺ نے صحابہ کی اس طرح تربیت فرمائی کہ انھوں نے دنیا کی طنابیں باہم ملا دیں اور توحید پر یقین اور شرک سے پرہیز کے بعد دنیا کو ایسے نظام سے روشناس فرمایا کہ رہتی دنیا تک لوگ ان کی اقتداء کریں گے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَأَتْبَاعِهِ أَجْمَعِيْنَ.

قرآن و سنت میں توحید کے مسئلے پر پوری تفصیلی بحث فرمائی گئی ہے۔ شرک ام الامراض ہے۔ جو قوم اس مرض میں مبتلا ہو جائے اسے جلد یا بدیر اس دنیا کی آبرومندیوں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ قدرت اپنی نوازشیں ان سے واپس لے لیتی ہے اور محرومیاں اسے گھیر لیتی ہیں۔ آج دنیائے اسلام پر جو عالمگیر مصائب نازل ہو رہے ہیں، دوسرے مادی اسباب کے علاوہ ایک مصیبت یہ بھی ہے کہ مسلمان توحید اور اس کی اہمیت سے ناآشنا ہیں۔ شرک مختلف شکلوں میں ان کے اذہان کو ماؤف کر رہا ہے۔ وہ اس مقام سے بہت پیچھے چلے گئے ہیں جہاں اسلام نے انھیں کھڑا کیا تھا۔ اسلام نے جس

جرأت اور ہوشمندی کی بنیاد رکھی تھی، اب وہ بتدریج ان میں ناپید ہو رہی ہے اور توحید کی جگہ شرک پاؤں پھیلا رہا ہے۔

''فلاحِ دارین'':

پیشِ نظر کتاب اسی مقصد کے لیے لکھی گئی ہے کہ مسلمان اس بھولے ہوئے سبق کو از بر کریں۔ محترم رفیق حکیم محمد اسحاق نے یہ کتاب بڑے اخلاص اور محنت کے ساتھ لکھی ہے۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ بحث کا انداز ایجابی رہا ہے۔ سلبی پہلو اور مناظرانہ انداز اختیار نہیں کیا گیا، بلکہ دلنشین اور موثر پیرائے میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس لیے کتاب کی اِفادی حیثیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اندازِ بیاں عام فہم اور سلیس ہے۔ خشک سے خشک مسائل ادبی روانی نے ایسے دلچسپ بنا دیے ہیں کہ طبیعت کہیں اکتاتی نہیں۔ مذہبی مسائل پر لکھنے والے لوگ عموماً عربی تراکیب سے زبان کو بوجھل کر دیتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب میں اس سے پرہیز کیا گیا ہے۔

چھوٹے چھوٹے عنوانات کے ذریعے مضامین ذہن نشین کرنے کی کوشش بڑی کامیاب رہی ہے اور موضوعِ سخن کو بڑی خوش اسلوبی سے نبھایا گیا ہے۔ کلام میں زورِ استدلال پیدا کرنے کے لیے آیات و احادیث کے تراجم میں تحت اللفظ کے بجائے محاورہ اور مقاصد کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے، تاکہ مقاصد ذہن سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔ اس ضمن میں رسوم اور عاداتِ قبیحہ اور بدعات کی بحث جدید پیرائے اور مناسب انداز سے آ گئی ہے، اس کے ساتھ ہی سنت کی اہمیت اور صاحبِ سنت کے مقام کی رفعت بھی سامنے آ گئی ہے۔

معلوم ہے کہ دین کی تمام تعلیمات میں آنحضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس ایسی کڑی ہے جس کے ٹوٹنے سے سارا سلسلہ ہی انتشار اور بے ربطی کی نذر ہو جاتا ہے، اس لیے اس تعلق سے بدعت اور اس کے نتائج کی بحث بھی اچھوتے اور سلجھے ہوئے انداز میں بیان کی گئی ہے۔ دورِ حاضر کے نوخیز فتنوں میں انکارِ سنت کا فتنہ بھی جھرجھری لے رہا ہے، مختصراً اس طرف بھی علمی اور اصولی انداز میں توجہ کی گئی ہے اور ضمنی طور پر اسلامی احکام کی ہمہ گیری اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کی جامعیت بھی واضح کی گئی ہے۔ قدم قدم پر دعوتِ فکر بھی ہے اور دعوتِ عمل بھی۔ اندازِ نگارش سے مصنف کے ادبی اور علمی ذوق، ان کے خلوص اور سلجھے ہوئے فکر کا پتا چلتا ہے۔

مصنف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، انھوں نے اپنے طبی مشاغل سے وقت نکال کر یہ ایک دینی خدمت سرانجام دی ہے۔ اپنے دنیوی مشاغل سے وقت بچا کر دینی خدمت کرنے والے لوگ اس دور میں مغتنم ہیں۔ جَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

اللہ تعالیٰ عوام کو اس کتاب سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ دینی خدمات کے سلسلے میں یہ کتاب بلاشبہ ایک قابلِ قدر کوشش ہے جسے عوام میں زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

۲۴۔۲۔۱۹۶۰ء

مجلّہ ''المنار'' بنارس

(طلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کے سالانہ مجلّے کی اشاعت پر تہنیتی مکتوب۔ ۱۹۶۷ء)

عزیزانِ گرامی! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

بے حد مسرت ہوئی، آپ حضرات ایک مجلّہ شہیر شائع فرما رہے ہیں۔ ماضی قریب میں اپنے اکابر کے کارنامے آپ کے پیشِ نظر ہوں گے۔ دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، نظم وانضباط اور جہاد وہجرت؛ غرض خدمتِ دین کے مختلف شعبوں میں ان کی مساعی کے زریں آثار تا ہنوز نمایاں ہیں۔ بنگالی، دہلی، راجپوتانہ، سندھ، بلوچستان اور سابق صوبہ سرحد کشمیر میں اب بھی ان کی گردِ راہ اربابِ توحید وسنت کے لیے سرمۂ بصیرت ہے۔

دریائے نیلم اور کنہار کی وادیاں ان کی اذانوں سے گونج رہی ہیں۔ ان اطراف کے آبشاروں اور دریاؤں کی رقص فرما موجیں ان کے مقدس خون کی حرارت پر شاہد ہیں۔ ان کے پیہم عمل، اخلاص اور امانت و دیانت کے نقوش لوحِ عالم پر اب بھی ثبت اور منقش ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْفَعْ دَرَجَاتِھِمْ وَاجْعَلِ الْفِرْدَوْسَ مَأْوَاھُمْ.

ظلم واستبداد کی تیز اور تند ہوائیں نہ اب تک ان آثار کو محو کر سکیں نہ ہی آیندہ صدیاں ان کے مٹانے پر قادر ہو سکیں گی۔

تِلْكَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَيْنَا فَانْظُرُوْا بَعْدَنَا إِلَى الْآثَارِ[1]

عزیزانِ محترم! کیا آپ ان آثار کے تقاضوں کو پورا کر سکیں گے؟ ان کی دیرینہ اور مقدس یادوں کو آنے والی مقدس نسلوں تک پہنچا سکیں گے؟ دعا ہے آپ ان مقدس اور پارینہ یادوں کو محفوظ رکھ سکیں، تاکہ یہ امانت اس کے حقداروں تک پہنچ جائے۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو مورخ کا بے رحم قلم یہ فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہوگا:

[1] ''یہ ہمارے آثار ہیں جو ہمارا پتا دیتے ہیں، ہمارے بعد ان آثار سے ہم کو پہچان لینا۔''

إِنِ افْتَخَرْتُ بِآبَاءَ مَضَوْا سَلَفًا   قُلْنَا صَدَقْتَ وَلَكِنْ بِئْسَ مَا وَلَدُوا[1]

جن بزرگوں کے آپ وارث ہیں ان کا سیف اور قلم دونوں پر قبضہ تھا۔ تلوار آپ کے قبضے میں آئے یا نہ آئے، لیکن قلم، زبان اور ضمیر کو زندہ رکھیے، ان کی ذمے داریوں کو محسوس فرمایئے، کتاب وسنت کی اشاعت اور مسلکِ سلف کو زندہ رکھیے اور ان کی ذمے داریوں کو بروئے کار لایئے۔ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَحَيْثُمَا سِرْتُمْ.

جمود کا دور ختم ہو چکا۔ اضطراری حرکات اسے زیادہ دیر تک زندہ نہیں رکھ سکتیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس کی جگہ الحاد و زندیقیت کے سپرد کی جاتی ہے یا اس مقام پر آپ کتاب وسنت کی مسندیں اور دعوت وتبلیغ کی محفلیں سجاتے ہیں۔ وقت آپ کا منتظر ہے اور مورخ کا قلم زیرِلب!

والسلام

خیر اندیش

اسماعیل بن ابراہیم السلفی

گجرانوالہ

[1] ''اگر تو اپنے گزرے ہوئے آباء واجداد پر فخر کرے تو ہم کہیں گے کہ تو نے سچ کہا، مگر یہ بھی کہیں گے کہ انھوں نے نالائق اولاد پیدا کی ہے۔''


مکاتیب

مکتوب نمبر 1

(مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کا ایک سوانحی مکتوب)[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب علماء کا تعارف کرانا چاہتے ہیں اور میں شاید ان میں سے نہیں ہوں۔ یہاں تو ''چار پائے و کتابے چند'' کی صورت پر عبداللہ بن سہل کا ارشاد ہے: ''مَنْ لَمْ يَعْمَلْ فَلَيْسَ بِعَالِمٍ''.

البتہ ان لوگوں سے محبت ہے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے عمل کی توفیق مرحمت فرمائی۔

أُحِبُّ الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ   لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

تعمیلِ ارشاد میں چند حروف لکھ رہا ہوں۔

مسقطِ راس ڈھونیکی از مضافاتِ وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ ہے۔ ابتدائی تعلیم وزیر آباد میں پائی۔ وزیر آباد میں حضرت الامام حافظ عبدالمنان صاحب محدث نے ''نصرۃ العلوم'' کے نام سے مدرسہ جاری فرمایا۔ صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں مولوی عمر الدین صاحب مرحوم سے پڑھیں جو اسی مدرسے میں پڑھاتے تھے۔ نحو کی اوپر کی کتابیں: ابن عقیل، شرح جامی، الفیہ اور آجرومیہ؛ حضرت حافظ صاحب سے پڑھیں۔ حدیث اول تا صحیحین حضرت حافظ صاحب سے پڑھی۔ حضرت حافظ صاحب مرحوم، سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے اکابر تلامذہ میں سے تھے۔ شیخ حسین بن محسن انصاری رحمہ اللہ سے بھی آپ کو اجازتِ حدیث تھی۔ مولانا عبدالحق بنارسی رحمہ اللہ، شاگرد امام شوکانی رحمہ اللہ، سے بھی شرفِ تلمذ تھا۔

تفسیر بیضاوی حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے پڑھی۔ ادب اور معقولات کی کتابیں مولانا محمد حسن (امرتسری) کے مدرسے میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ شرح وقایہ حضرت مفتی محمد حسن صاحب سے پڑھی۔ مطول، مختصر المعانی، ہدایہ اولین و آخرین علامہ محمد حسین ہزاروی سے پڑھی جو

[1] مرکز اسلامی لائبریری نور پور (متصل بہاولپور) حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ سے تعلق رکھنے والے پانچ سو مستند اکابر علماء کے سوانح حیات بنام'' تذکرہ علمائے ربانیین'' مرتب کر رہی تھی، اس سلسلے میں مولانا محمد رشید احمد صاحب نے، جو اس لائبریری کے ناظم تھے، حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ سے بھی رابطہ کیا، چنانچہ حضرت سلفی رحمہ اللہ نے ''۰۸۔۹۔۶۷ء'' کو رشید احمد صاحب کے نام ایک مکتوب لکھا جس میں اپنے سوانح ذکر کیے۔ مندرجہ بالا سطور میں وہ مکتوب گرامی درج کیا جا رہا ہے۔

مدرسہ غزنویہ امرتسر میں پڑھاتے تھے۔

۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء تک حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے حسبِ حکم مناظرات کی طرف توجہ رہی۔ قادیانی، عیسائی اور چکڑالوی حضرات سے کئی جگہ گفتگو ہوئی، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مرض سے نجات دے دی۔ رسمی مناظرات بالکل ترک کر دیے۔ اب طبیعت کی ان مناظرات کے ساتھ قطعاً موزونیت نہیں اور اس راہ کو باعثِ تسکین سمجھتا ہوں۔

۱۹۲۱ء سے گوجرانوالہ جامع مسجد میں مقیم ہوں۔ درس و تدریس کا مشغلہ مسلسل چل رہا ہے۔ مدرسہ محمدیہ کے نام سے جاری ہے، اس کے ساتھ شعبہ حفظ و تجوید بھی ہے، اس وقت مدرسین کی تعداد تقریباً ۹ ہے۔ حجیتِ حدیث کے متعلق چند رسائل لکھے ہیں:

1. حدیث کی تشریعی اہمیت۔
2. جماعتِ اسلامی کا نظریہ حدیث۔
3. مقامِ حدیث قرآن کی روشنی میں۔
4. نیز تحریک آزادیِ فکر اور شاہ ولی اللہ کی تجدیدی مساعی وغیرہ،

ایڈیٹری بالکل نہیں کی۔ خطابت کا سلسلہ گوجرانوالہ جامع اہلِ حدیث میں مسلسل جاری ہے۔ جمعیت کی تاسیس ۱۹۴۸ء میں ہوئی، اس وقت سے اس کے ساتھ تعلق ہے۔ اب بھی "كَبَّرَنِي مَوْتُ الْكُبَرَاءِ" کے مصداق تعلق قائم ہے۔ دعا ہے کہ اسی راہ سے اللہ دین کی خدمت اور کتاب وسنت کی اشاعت کا موقع بہم پہنچا دے اور انجام بخیر ہو۔ والسلام

فقط

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



مکتوب نمبر 2

(مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کا اپنے شاگرد کے نام ایک نصیحت آموز خط)[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۱۱۔۸۔۶۶ء

محترم مولانا صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن ہوئے خط ملا تھا۔ مصروفیت اور علالت کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ تبلیغ میں الفاظ کی شدت اور فتویٰ بازی سے پرہیز کریں، اس سے نفرت بڑھتی ہے۔ ﴿وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ﴾ پر عمل کریں۔ لوگوں سے ذاتی تعلقات بڑھائیں۔ غم و خوشی میں ان سے مناسب ربط قائم رکھیں، یہ بے حد موثر چیز ہے۔

اخراجات محدود رکھیں اور قناعت سے کام لیں۔ قرض اور سوال دونوں میں آبرو کو خطرہ ہے، اکثر علماء اسی وجہ سے بدنام ہوتے ہیں۔ اپنے اخراجات کا کنٹرول کرنے سے ان دونوں چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

منتظمین سے تعاون فرمائیں۔ جماعت میں پارٹی بازی نہ ہونے پائے، اس کا پورا پورا خیال رکھیں۔ بعض لوگ اختلاف برائے اختلاف کے عادی ہیں، ان سے اِغماض کرنا چاہیے۔

نماز باجماعت اور رات کو بیداری کی عادت ڈالیں، اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانولہ



[1] یہ خط مولانا سلفی رحمہ اللہ نے اپنے ایک تلمیذِ رشید مولانا محمد یوسف صاحب (خطیب جامع اہلِ حدیث چکوال ضلع جہلم) کے نام لکھا تھا۔ دیکھیں: ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۳/اگست ۱۹۶۸ء)

مکتوب نمبر 3

(منصبِ اَمارت پر فائز ہونے کے بعد احبابِ جماعت کے نام ایک مکتوب)

برادرانِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جماعت کا انتخاب ۱۹ر جنوری ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ اسی دن سے مبارک بادی کے خطوط مسلسل آرہے ہیں۔ جماعت کا اعتماد یقیناً برکت ہے اور اللہ تعالیٰ کا احسان۔

لیکن آپ یقین فرمائیں کہ یہ ایک بوجھ ہے۔ خصوصاً ایسی امارت جس کی بنیاد صرف اَخلاق پر ہو۔ اس کے پیچھے کوئی مادی قوت نہ ہو۔ اس میں مشکلات زیادہ ہوتی ہیں اور ان کے حل کے اسباب کم بلکہ کالعدم۔

اس کے ساتھ ہی بعض ایسے حضرات بھی یقیناً موجود ہوں گے جنھیں یہ انتخاب ناپسند ہوگا اور وہ شاید کوشش فرمائیں کہ نظم کی یہ کوششیں ناکام ہو جائیں۔ ان حالات میں مبارک باد پر وقت صَرف کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کے اوقات میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے، حالات کو سازگار کرے، احباب اور رفقاء کے دلوں میں اُلفت پیدا فرما کر ہم سب کو جمع کلمہ کی توفیق دے۔ اَللّٰھُمَّ أَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا.

دوم: مجھے صحیح مشوروں سے نوازیں۔ مفید اور مختصر خطوط لکھیں، جن سے مجھے مدد ملے اور کام کی راہیں کھلیں۔ اور سب سے بہتر یہ ہوگا کہ مجھے میری کمزوریوں کے متعلق آگاہ فرمائیں، تاکہ میں بھی اپنی اصلاح کروں۔

اپنی مقامی ضروریات اور مشکلات سے اختصار کے ساتھ آگاہ فرمائیں، تاکہ اس کی اصلاح کے متعلق سوچا جائے۔ اگر ضرورت ہو تو اسے عاملہ یا شوریٰ میں پیش کیا جائے۔

غیر ممکن اور خارج از استطاعت امور کے متعلق طویل خطوط لکھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ ہمارا یہ نظام طوعی ہے، حاکمانہ اور مادی نہیں۔

نیز خطوط میں لفظِ امیر کا وظیفہ نہ کیا جائے۔ ہر لفظ کا استعمال وقت پر ہی مناسب ہوتا ہے، جس طرح طریقِ تخاطب ہوتا تھا، وہی مناسب ہوگا۔

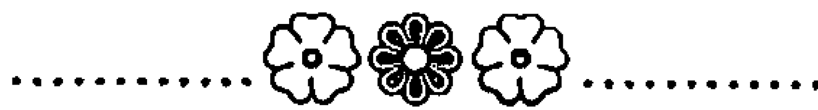
اپنی جگہ پر جماعت کے نظام کو مضبوط سے مضبوط تر بنائیں، تاکہ لوگ اَخلاقی اقدار کے سامنے جھکنا سیکھیں۔ اصل اطاعت یہی ہے کہ انسان اخلاقی اقدار کو قبول کرنے کا عادی ہو۔ اصل خدمت یہی ہے کہ ہر جگہ نظام کو پختہ اور مضبوط کیا جائے۔ اگر کہیں کوئی بزرگ اعتراض کریں تو ان سے بحث نہ کی جائے۔ ایسے حضرات کو نظر انداز کر کے اصل کام کی طرف توجہ دی جائے۔ تمام شبہات واعتراضات کا یہی صحیح جواب ہے۔

عاملہ کا اعلان ہو چکا ہے۔ سارے صوبے[1] سے اکیس آدمیوں کا چناؤ بڑا مشکل ہے جسے اپنی سوچ کے مطابق کر دیا گیا۔ اب اسے بدلنا مشکل ہے۔ آپ کی اطلاع پر تلافی کسی دوسری طرح ہی ہو سکے گی۔

والسلام

محمد اسماعیل

(امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان)



مکتوب نمبر 4

(مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے نام)[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''العدل'' (مورخہ ۳۱/ مئی ۳۳ء) میں مولوی عبدالعزیز صاحب خطیب جامع مقلدین، گوجرانوالہ نے مجھ سے زیادتِ حدیثِ ابی موسیٰ « إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا » کی بابت شہادت طلب کی ہے۔ میرے خیال میں مولوی صاحب موصوف نے اس میں کچھ معاملہ فہمی کا ثبوت نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ حضرات

[1] گوجرانوالہ سے احناف کا ایک اخبار ''العدل'' نکلتا تھا، اس کے یکم مارچ ۱۹۳۳ء کے پرچے میں مولانا عبدالعزیز صاحب آف گوجرانوالہ نے قراءت خلف الامام کے موضوع پر ایک مضمون لکھا، جس میں یہ دعویٰ کیا کہ صحیح مسلم میں قراءتِ فاتحہ خلف الامام کی ممانعت میں ایک حدیث « وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا » مروی ہے۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اپنے ہفت روزہ اخبار ''اہلِ حدیث'' میں اس مضمون پر تعاقب کیا، جو پانچ قسطوں (۱۷/ مارچ تا ۲۱/ اپریل ۱۹۳۳ء) میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے لکھا کہ حدیثِ ابی موسیٰ « وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا » ←

مقلدین پر رحم کرے، یہ بیچارے ہمیشہ اشتہاروں پر زور دیتے ہیں، عمل کے تجربہ کار نہیں۔

مجھے شہادت دینے سے انکار نہیں اور نہ ہی یہ شہادت ایسی ہے جس کے ادا کرنے سے کوئی فہمیدہ آدمی گریز کر سکے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں، میری اس طرح کی شہادت معاملے کو بہت زیادہ پیچیدہ کر دے گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مناظرہ مدن چک[1] پر آپ لوگوں نے یہی فیصلہ چار منصفوں کے سپرد کیا تھا، جن کا فیصلہ آج تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔

میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مناظرے کے بعد معاً ہی آپ کا مضمون متعلقہ فاتحہ جو مدت سے آپ کے منہ میں آیا ہوا تھا، ''العدل'' میں چھپنا شروع ہو گیا۔ جس کا جواب لازماً ''اہلِ حدیث'' کو لکھنا تھا۔ اس سے معاملہ بڑھا تو آپ نے شرط بازی شروع کر دی، حالانکہ مناسب یہ تھا کہ تا فیصلہ منصفوں پر کوئی خارجی اثر ڈالنے کی کوشش نہ کی جاتی۔ معلوم نہیں کہ آپ لوگ معاملہ فہم کیوں نہیں؟ آپ کو یقیناً معلوم ہے کہ جب مقدمہ عدالت میں چلا جائے تو کوئی اخبار اس پر رائے زنی نہیں کر سکتا، تاکہ جج کے خیالات بیرونی مقالات سے متاثر نہ ہوں۔

میں خیال کرتا ہوں کہ اب کوئی معاملہ فہم انسان اس پر کچھ لکھنے کی کوشش نہیں کرے گا اور نہ ہی وہ لکھنا آئینی ہوگا۔ اس لیے کہ اخبارات اور بعض کم فہم لوگوں نے یہاں ایسی صورت حال پیدا کر دی

← صحیح مسلم میں نہیں۔ البتہ صحیح مسلم میں امام مسلم کا قول درج ہے کہ میں اس روایت کو صحیح جانتا ہوں، مگر میں نے اسے صحیح مسلم میں درج نہیں کیا، کیوں کہ یہ صحیح مسلم میں درج ہونے کے قابل نہیں۔ پھر مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے اس روایت کے ضعیف ہونے کے دلائل درج کیے۔ اس پر مولانا عبدالعزیز نے اخبار ''العدل'' (۳؍ مئی ۱۹۳۳ء) میں ایک ''کھلی چٹھی'' شائع کی، جس میں مطالبہ کیا کہ اس حدیث کے صحیح مسلم میں موجود ہونے یا نہ ہونے کے متعلق پانچ دیوبندی علماء سے فیصلہ کروا لیا جائے اور جیتنے کی صورت میں، مَیں چار صد روپے آپ کو انعام دوں گا۔ ابھی اس امر کا تصفیہ نہیں ہوا تھا کہ مولانا عبدالعزیز نے اسی دوران میں ایک کھلی چٹھی بنام مولانا اسماعیل صاحب سلفی رحمہ اللہ لکھ دی کہ وہ بتائیں کہ مذکورۃ الصدر روایت صحیح مسلم میں موجود ہے یا نہیں؟ تو اس شہادت طلبی کے جواب میں مولانا سلفی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا مکتوب لکھا جو ہفت روزہ ''اہلِ حدیث'' امرتسر (۱۶؍ جون ۱۹۳۳ء) میں ''میری شہادت'' کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوا۔ اس واقعہ کا تذکرہ سید سلیمان ندوی نے بھی مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ترجمے میں کیا ہے۔ دیکھیں: یادِ رفتگان (ص: ۳۷۲)

[1] یہ تحصیل وزیر آباد کا ایک گاؤں ہے جو نوکھر کے قریب ہے۔ یہاں غالباً ۱۹۳۲ء کے پس و پیش علامہ محمد یوسف کلکتوی (اگست ۱۹۷۰ء) اور قاضی نور محمد حنفی کے درمیان فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر ایک مناظرہ ہوا تھا۔

ہے جس کے ہوتے ہوئے ثالث جانبداری اور فرقہ نوازی کے اتہام سے بچ نہیں سکتے۔

اس لیے میں آپ کو دوستانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ میری شہادت اس وقت طلب نہ کریں۔ ورنہ یہ معاملہ بھی مدن چک کے فیصلے کی طرح نازک تر اور غیر آئینی ہو جائے گا۔ ممکن ہے حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب بھی ایسی مویدات کی کوشش کریں اور معاملہ یہیں رہ جائے۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ جناب حسبِ اعلانِ خویش یہ کفر ٹوٹنے دیں اور مبلغ چار صد روپیہ معینہ اشخاص کے پاس رکھ دیں اور معاملہ ثالثوں کے ہاتھ دے دیں۔ آپ کے بیانات ہو جانے کے بعد اگر ثالثوں نے ضرورت محسوس کی تو مناسب شہادتیں طلب کر لیجیے گا۔ اس مرحلے پر تو شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔ چناں چہ مدن چک کے معاملے میں اس کی اب تک ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔

میرے خیال میں مولوی ثناء اللہ صاحب کی تجویز اور ترمیم نہایت معقول ہے، اس لیے آپ یا روپے جمع فرما دیں یا روپے کی شرط واپس ہی لے لیں، کیوں کہ وہ تو اس قمار بازی کی صورت کو پسند نہیں کریں گے کہ مقابلتاً روپے رکھیں۔ اس لیے آپ اربابِ تقلید کی طرح شرائط اور اشتہار بازی میں وقت ضائع نہ فرمائیں اور روپے رکھیں اور مولوی ثناء اللہ کو میدان میں اُترنے دیں۔ پہلی دفعہ ہے، ہار گئے تو تجربہ ہی سمجھیے ؎

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

اگر آپ شرط ہار گئے تو حقِ ہمسائیگی کی بدولت ۔إن شاء اللہ۔ کوشش کروں گا کہ آپ کی ساری رقم آپ کے لیے حسرت کا سبب نہ بنے۔ یارِ شاطر باشم نہ بارِ خاطر۔[1]

مولوی ثناء اللہ صاحب کی منظوری کے بعد میں نے جناب کے دو مضمون ''العدل'' میں پڑھے۔ جس میں، مَیں محسوس کرتا ہوں کہ مولوی صاحب کی متانت آمیز تحریر نے آپ کو سیخ پا کر دیا ہے۔ وہ مضمون آپ خود بھی اگر بحالتِ سلامتی طبیعت پڑھیں گے تو میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کا ضمیر ضرور آپ کو ملامت کرے گا۔ اتنی معقول تحریر کے بعد مقامی جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے یہ تیزی نہ آپ کے ادعائے علم کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی عرفی شرافت اس کی متحمل۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ علم و عقل کی بستیوں پر قوتِ غضب کا پورا تسلط اور قبضہ ہو چکا ہے۔ اس

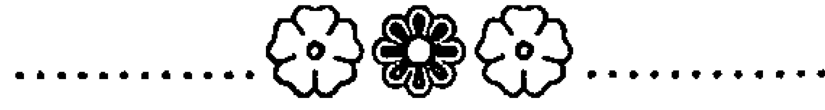
[1] آپ کی فرمایش سے کچھ حصہ واپس دے دوں گا۔ إن شاء اللہ. [ابو الوفاء]

لیے میں عرض کروں گا کہ یہ طرزِ نگارش سخت ضرر انگیز ہوگا اور ہلاکت آفرین ؎

أَوْرَدَهَا سَعْدٌ وَسَعْدٌ مُشْتَعِلٌ مَا هٰكَذَا يَا سَعْدُ تُورِدُ الْإِبِلَ[1]

آپ کا

اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 5

(مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کے نام تین خطوط)

(ا)

مرکزی جمعیۃ اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

مکرم و محترم سیدی حضرت صدرِ محترم مرکزی جمعیت اہلِ حدیث! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاجِ گرامی! جنابِ ناظم محکمۂ اوقاف کے ناظم محترم کو مل چکے ہوں گے۔ یہاں کے اربابِ اختیار کا ذہن کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ مساجد کو مزاروں کی صف میں سمجھتے ہیں۔ بعض مساجد کے متعلق ان کی رائے درست بھی ہے، لیکن اپنی مرکزی جمعیت اور اس کے متعلق مساجد اور اداروں کی پوزیشن یہ نہیں۔ حسابات درست ہیں اور خیانت کا کوئی احتمال نہیں۔ تفصیلات سے مطلع فرما دیں۔

مولانا اسحاق مدیر ''الاعتصام'' آئے تھے۔ جناب کا نصیحت آمیز پیغام ملا۔ حضرت الاستاذ مفتی محمد حسن صاحب کی ناراضی سے بے حد رنج ہوا۔[2] آج کے دیوبند میں میرے علم کے مطابق حضرت ہی کی شخصیت ہے جن کے علم، خلوص، زہد اور تقویٰ پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ میرے تو وہ بے حد محسن ہیں۔ وہ ناراض بھی ہوں، میرے دل میں ان کے لیے بحمد اللہ وہی احترام ہے اور یقین ہے کہ

---

[1] سعد ان کو گھاٹ پر لے کر آیا، درآں حالیکہ وہ مشتعل تھا۔ اے سعد! تو اونٹوں کو اس حال میں تو گھاٹ پر نہیں لایا کرتا تھا۔

[2] مفتی محمد حسن امرتسری مراد ہیں جو جامعہ اشرفیہ کے بانی اور مولانا تھانوی کے خلیفۂ مجاز تھے۔ یہ مولانا عبدالجبار غزنوی کے شاگرد اور مولانا سلفی رحمہ اللہ کے استاد بھی تھے۔ ''نتائج التقلید'' (تالیف: مولانا محمد اشرف سندھو) پر مولانا سلفی رحمہ اللہ کی تقریظ پر رنجیدہ تھے، کیوں کہ اس میں مولانا سلفی رحمہ اللہ نے سید نذیر حسین دہلوی کے متعلق مولانا تھانوی کے ایک خواب اور اس کی تعبیر پر نقد کیا تھا، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

آیندہ بھی ۔إن شاء اللہ۔ رہے گا۔ میں حضرت مفتی صاحب کو براہِ راست خط لکھنا چاہتا تھا، لیکن اس تقریظ کی موجودگی میں یہ کوشش بے سود تھی۔

یہ تقریظ آج سے قریباً پندرہ سولہ سال پہلے کی ہے اور اس میں بھی مولوی اشرف نے کافی مرمت کر دی ہے۔ میں نے اس وقت بھی اس سے کہا تھا، مگر وہ روپڑی حضرات کی گود میں چلا گیا۔ میں خاموش ہو گیا، تاکہ جھگڑا بڑھنے نہ پائے۔

مولانا تھانوی رحمہ اللہ کا خواب[1] میاں صاحب کے متعلق بعض رسائل میں شائع ہوا تھا۔ واقعی اس وقت طبیعت [کو] بہت کوفت ہوئی تھی۔ میاں صاحب مرحوم کے متعلق ہمارے جذبات اس سے

[1] خواجہ عزیز الحسن (خلیفہ تھانوی) ذکر کرتے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی اپنے طالب علمی کے زمانے کا ایک خواب بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا، مولوی نذیر حسین صاحب کی دہلیز میں کچھ طلبہ جمع ہیں اور چھاچھ تقسیم ہو رہی ہے۔ گو حضرت والا (تھانوی) کو چھاچھ سے طبعاً بے حد رغبت ہے، لیکن خواب میں اس چھاچھ کے لینے سے انکار کر دیا جو وہاں تقسیم ہو رہی تھی۔ حضرت والا (تھانوی) کے ذہن میں اس خواب کی تعبیر فوراً یہ آئی کہ اس جماعت کا طریق دین کی محض صورت ہے، جس میں معنی نہیں۔ جیسے چھاچھ گو صورتاً دودھ کے مشابہ ہوتی ہے، لیکن اس میں روغن نہیں ہوتا۔ دین کی اور علمِ دین کی صورت مثالی دودھ ہے، جس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے اور یہاں دودھ کے بجائے چھاچھ تقسیم ہوتی ہوئی دیکھی گئی جو دودھ کے مشابہ تو ہوتی ہے، لیکن دودھ میں جو اصل چیز ہے، یعنی روغن، وہ اس میں نہیں ہوتا۔ (اشرف السوانح: ۱/ ۱۲۷)

اس خواب اور اس کی تعبیر پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا سلفی رحمہ اللہ نے نتائج التقلید پر اپنی تقریظ میں لکھا تھا:

''حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ فنِ تصوف و زہد کے بہترین ماہر مشہور تھے، لیکن حقیقتِ زہد کو خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں تک ان میں موجود تھا۔ ہاں اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سچے صوفی سنت کے شیدا ہوتے ہیں، مگر حضرت مولانا اشرف علی صاحب کی تصانیف میں سنت اور اصحابِ حدیث سے انتہائی بغض پایا جاتا ہے۔ عفا اللہ عنه.

''اسی غلط تصوف کی وجہ سے ان کی طبیعت پر وہم غالب تھا اور یہ چھاچھ والا خواب اور اس کی تعبیر اسی وہم کا کرشمہ ہے۔ ورنہ چھاچھ پینے کے بغیر انھیں کیسے معلوم ہوا کہ اس میں روغن نہیں؟ ہر چھاچھ تو ایسی نہیں جس میں روغن نہ ہو، کیوں کہ دہی کی چھاچھ بھی تو آخر چھاچھ ہی کہلاتی ہے۔ کیا اس میں روغن نہیں ہوتا؟ خدا تعالیٰ مرحوم کو معاف فرمائے۔ خواب کی تعبیر میں انھوں نے حضرت میاں صاحب پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔

وسيعلم الذي ظلموا أي منقلب ينقلبون''

یہ مکمل تقریظ دیکھنے کے لیے زیرِ نظر مجموعے کا صفحہ (۱۹۷) ملاحظہ کریں۔

کہیں نازک ہیں جس قدر حضرت مفتی صاحب کے مولانا تھانوی رحمہ اللہ کے متعلق۔ تقریظ کی روح یہی تھی۔ اب میں اگر مفتی صاحب کو کوئی معذرتی عریضہ لکھوں تو اس کا معنی میاں صاحب کے ساتھ تعلقات کا سودا ہوگا، اس کے لیے طبیعت اب بھی تیار نہیں۔ اس لیے حضرت مفتی صاحب کو براہِ راست لکھنے سے کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔

الفاظ کے متعلق معذرت بے سود ہے۔ میرے خیال [میں] حضرت مولانا [نے] اس خواب اور تعبیر میں حضرت میاں صاحب مرحوم اور جماعت اہلِ حدیث سے انصاف نہیں فرمایا۔ عفا اللّٰه عنه.

مسلک کے متعلق بحمداللہ آج تک کبھی سودا نہیں کیا۔ اکابر دیوبند کے ساتھ عقیدت اور اُن کے علمی احترام کے باوجود مسلک میں لچک کا کبھی خیال نہیں [آیا]۔ اگر مفتی صاحب قبلہ کبھی اچھے موڈ میں ہوں؟ (تو میری طرف سے معذرت فرما دیں)۔

یہاں کے دیوبندی حضرات چونکہ مفتی صاحب کے پاس آتے جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے وہ گلہ گزاری کرتے رہتے ہیں، ان کے ذاتی خیالات امانت داری کے نام سے جو بلیک میلنگ کرتے ہیں، مجھے اس کا پورا علم ہے، لیکن نہ ہی میں اسے مفتی صاحب تک پہنچانا چاہتا ہوں نہ سرِدست اس کا کوئی امکان ہے۔ میری زندگی [میں] نمایشی تکلفات نہیں، نہ ہی دوستوں میں تکلف کے ساتھ رہنے کی عادت ہے۔ آپ حضرات بھی جانتے [ہیں] میری زندگی کھلی ہے، اس کے باوجود مقامی طور پر احباب پر اس کا جو اثر ہے، وہ جناب سے مخفی نہیں۔

میں نے مولانا اسحاق صاحب سے بھی اس سلسلے میں کچھ باتیں کی تھیں، مجھے یقین ہے انھوں نے بالکل صحیح طریقے سے جناب کی خدمت میں پیش کر دی ہوں گی۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



مکتوب نمبر 6

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجامعہ السّلفیہ، لائل پور

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی درسگاہ

۱۹۔۸۔۶۱ء

سیدی العلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب سامی۔ مولوی اسحاق صاحب بھی ملے۔ میں متواتر دو دن اشتمال اراضی کے سلسلے میں گاؤں جاتا رہا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے جمعرات کو تمام دن بخار رہا۔ جمعہ کے دن نقاہت بہت زیادہ تھی، کوئی دوسرا آدمی نہ ملنے کی وجہ سے خطبہ بھی خود ہی دینا پڑا۔ رات پھر حرارت ہو گئی۔ آج یوسف نے پیغام دیا، لیکن باادب معذرت خواہ ہوں۔

مولوی صدیق صاحب کے متعلق شکایت کسی حد تک درست ہے۔ میں نے تو اس وقت بھی اسے الگ کرنے کے لیے کہا تھا، مگر اس کے بعد غالباً یہ فیصلہ ہوا تھا کہ وہ اپنی تنخواہ وہیں سے پیدا کر لیں تو انھیں دیا جائے۔ غالباً جناب نے اس شرط پر اجازت دے دی تھی۔ معلوم نہیں وہ مشاہرہ یہاں سے لیتے ہیں یا خود مہیا کرتے ہیں۔

اس وقت ضلع ہزارہ میں دو ذہن ہیں۔ مولوی ادریس اور خاں مہدی زمان خان صاحب۔ صدیق خان صاحب کا آدمی ہے۔ مولوی ادریس صاحب کے لڑکے کا معاملہ ناقابلِ التفات ہے، وہ مقرر بالکل نہیں اور مشکاۃ بھی اپنے والد کے اہتمام میں پڑھا سکتا ہے۔ اس کے تقرر سے تو بہتر ہے کہ ضلع ہزارہ میں سلسلہ ختم کر دیا جائے۔ بہتر ہے کہ شکایات کی ایک کاپی مہدی زمان خان صاحب اور مولوی صدیق کو بھیج دیں اور ان سے جواب طلب کیا جائے۔ اگر اس میں حقیقت ظاہر ہو جائے تو بہتر ورنہ انھیں الگ کر کے کوئی ایسا آدمی رکھا جائے جس سے ان دونوں کا تعلق نہ ہو۔

مردان سے ایک صاحب کی اطلاع آئی ہے، ان کی دکان نوشہرہ میں ہے۔ حافظ یوسف اور مولوی خالد فرماتے ہیں کہ وہ اچھی تقریر کر سکتے ہیں۔ ان سے مشاہرہ کے متعلق دریافت کیا ہے۔ انھیں سارے علاقے کے لیے مقرر کر دیا جائے۔ مولوی ادریس کا لڑکا بالکل حیوانِ غیر ناطق ہے۔

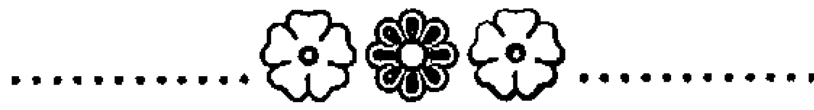
مولوی صدیق اس کے بالمقابل بہت اچھا مقرر ہے۔

مولوی اسحاق اور مولوی فضل حق صاحب کے متعلق میرا بالکل وہی خیال ہے جو جناب نے فرمایا ہے۔ میرا خیال ہے ان کا یہ فیصلہ وقتی ہے انھوں نے بحران کو بند کرنے کے لیے کیا ہے، اگر کوئی مصالحت کی صورت نکل آئے یا جماعت کوئی مناسب فیصلہ کر دے تو انھیں اعتراض نہیں ہوگا۔

غیر حاضری کے متعلق مکرر معذرت خواہ ہوں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 7

(۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجامعہ السلفیہ، لائل پور

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی درسگاہ

۱۔۹۔۶۱ء

سیدی العلام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں لائل پور گیا تھا، منگل بدھ دو دن رہا، بے حد کچھاوٹ تھی۔ بالآخر مولوی صدیق صاحب جھکنے کے لیے تیار ہو گئے۔ انھوں نے مولوی اسحاق صاحب، مولوی عبیداللہ اور مولوی یعقوب صاحب اور باقی احباب کے سامنے گذشتہ واقعات پر افسوس کا اظہار کیا اور درخواست کی کہ آیندہ مل کر کام کرنے کی کوشش کی جائے۔ کافی گفتگو کے بعد مولوی اسحاق صاحب اور ان کے رفقاء نے بطیبِ خاطر ان کی دعوت قبول کر لی۔ میں چاہتا تھا کہ استقبالیہ کی تشکیل پر گفتگو کی جائے، لیکن ان سب حضرات نے فرمایا: یہ فیصلہ ہم خود کر لیں گے۔

سرِدست بظاہر یہ ہنگامہ ختم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ دوستوں کو مل کر کام کرنے کی توفیق دے۔

دو دن کے سفر اور خوراک کے متعلق بد پرہیزی سے آج طبیعت خراب ہے۔ رات نیند

نہیں آئی۔ دعا فرمائیں۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ

جامعہ کے انتظامات غیر تسلی بخش ہیں۔ اساتذہ کا بورڈ کچھ زیادہ کامیاب معلوم نہیں ہوتا۔ یوسف چغتائی صاحب کو میں مہتمم تو مقرر کر نہیں سکتا تھا، اپنے معاون کے طور پر میں نے انھیں کہا ہے، وہ جایا کریں۔ مولوی محمد علی صاحب سے تعارف کرا دیا تھا، تاہم جامعہ کے انتظامات کے متعلق میں مطمئن نہیں ہوں۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ

مولوی عبدالعظیم صاحب سے فرما دیں کہ راولپنڈی کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا۔ اسم

............❁❁❁............

مکتوب نمبر 8

(حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی کے نام دو خط)

(ا)

گجرانوالہ
٦۔٣۔٦٧ء

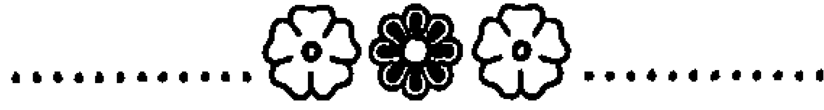
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

کل جناب سے ملاقات نہ ہوسکی۔ میں بھی [اس] دن لاہور نہیں آ سکا۔ صلح کے سلسلے میں خیال تھا، عواقب پر غور ہو جاتا۔ تاہم میرا خیال ہے، ہمیں صاف دلی سے اسے آگے بڑھانا چاہیے۔ میرا خیال ہے مشیر کے سلسلے میں میری شمولیت اصولاً غلط ہے۔ حافظ صاحب کے لیے مناسب نہ تھا، لیکن ان کو فریقین نے قبول کیا ہے، ورنہ بظاہر میں اور حافظ صاحب فریق ہیں۔ جناب حاجی صاحب اور مولانا محمد حنیف صاحب کو اپنے ساتھ شامل رکھیں، دونوں سنجیدہ اور معاملہ فہم ہیں۔

"المنار" کی جلد ۱۱۔۱۲ جناب دے گئے ہیں یا کوئی اور۔ غالباً جلد نئی ہوئی ہے، گیارھویں بارھویں کے آخر میں لگ گئی ہے اور غالباً جز بندی سابقہ ہی رکھی گئی ہے، نیز اس کی مزدوری بھی نہیں بتائی۔ باقی جلدیں آنے پر کتابوں کی قیمت بھی۔إن شاء اللہ ....۔

والسلام



مکتوب نمبر 9

(۲)

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

۷۔ ایبک روڈ۔ حدیث منزل۔ لاہور

محترم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں دفتر میں حاضر ہوا، آپ دفتر سے جا چکے تھے، ملاقات نہ ہوسکی۔ اکمل البیان کا حساب مکمل فرما کر عزیزی محمد صاحب کی معرفت بھیج دیں۔ باقی کتب کا حساب بھی اگر کوئی ہو تو اسے بھی ایک دفعہ ختم کر لینا چاہیے۔ تاریخ کبیر للبخاری کی قیمت سے مطلع فرمائیں، اگر قیمت کے متعلق آپ قریباً ایک ماہ صبر فرما سکیں تو اسے جلد کے لیے دے دیں۔ اس عرصے میں۔إن شاء اللہ۔ قیمت پیش کر دی جائے گی۔

اکمل البیان کے متعلق جناب نے جو صورت فرمائی تھی، میری ناتجربہ کاری کی بنا پر وہ اندازہ گراں معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کسی بحث کے بغیر میری گزارش ہے کہ آپ ساڑھے سات سو کتاب اکیڈمی کو دے دیں، اڑہائی سو آپ رکھ لیں۔ جو کتابیں بلا قیمت دی گئی ہیں، وہ بھی اسی تناسب سے وضع فرما لیں۔ یہ معاملہ چونکہ ابتداء میں طرفین نے طے نہیں کیا، اس لیے یہ موجبِ بحث نہیں ہونا چاہیے۔ اُمید ہے آپ یہ نقصان گوارا فرمائیں گے۔

مولانا نذیر احمد صاحب[1] کے متعلق اس پرچے میں نوٹ آ جائے گا۔ شوریٰ کی خیریت کے ساتھ

[1] مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (م ۱۹۶۵ء)

نامزدگیاں اب ختم اور مزید تاخیر گوارا نہ ہو گی، اس کے متعلق سوچ کر لاہور یا یہاں اکٹھے ہو کر نامزدگیاں کر دی جائیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 10

(مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ [1] سے سلسلۂ مکاتبت)

(۱)

محترمی مولانا المکرّم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! اخبار ''اہلِ حدیث'' ۸/ محرم کی اشاعت میں جناب نے مجھ کو بھی یاد فرمایا ہے، [2] اس کا میں ممنون ہوں۔ ایسی تقریب سے خاکسار کو چند معروضات پیش کرنے کا موقع مل گیا۔ پھلواری صاحب کا مضمون میرے پیشِ نظر ہے۔ [3] درس و تدریس اور خانگی و مقامی مشاغل نے بروقت اس پر توجہ دینے کی مہلت نہ دی۔ میرا خیال ہے کہ الگ الگ اس قسم کے مقالات پر تنقید کرنے کے بجائے اگر مسلکِ حدیث پر ایک مستقل جامع کتاب شائع کر دی جائے تو زیادہ مناسب ہو گا، اس میں حدیث

---

[1] مولانا عبدالغفار حسن ۱۹۱۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ دار الحدیث رحمانیہ دہلی میں تعلیم مکمل کی۔ جماعتِ اسلامی سے سولہ سال منسلک رہے، بعد ازاں جماعتِ اسلامی کی پالیسیوں سے دل برداشتہ ہو کر قطع تعلقی اختیار کر لی۔ سولہ سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں مدرس رہے۔ مارچ ۲۰۰۷ء کو اسلام آباد میں وفات پائی۔

[2] مولانا سلفی رحمہ اللہ نے ہفت روزہ ''اہلِ حدیث'' امرتسر میں ایک سلسلۂ مضمون ''مسلکِ اہلِ حدیث اور فریضۂ اقامتِ دین، جدید تحریکات اور ہمارا موقف'' لکھا تھا، جس کی ایک قسط (۱۴/ دسمبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت) میں مولانا عبدالغفار حسن کو بھی مخاطب کیا کہ وہ بھی جماعتِ اسلامی کے غلط افکار پر تنبیہ کے سلسلے میں حق گوئی کا فریضہ ادا کریں اور لکھا کہ مجھے یقین ہے کہ جماعتِ اسلامی کی ہمدردیاں انھیں اظہارِ حق سے نہیں روکیں گی۔ اس مضمون کی اشاعت کے بعد مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ نے حضرت سلفی رحمہ اللہ کو مذکورہ بالا خط لکھا تھا۔

[3] مولانا جعفر پھلواری نے جماعتِ اسلامی کے آرگن ''کوثر'' (جلد: ۵، شمارہ: ۴۴۔ ۴۵) میں حدیثِ نبوی کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا جس پر مولانا سلفی نے اپنے مضمون مندرجہ ''اہلِ حدیث'' امرتسر (۱۴/ دسمبر ۱۹۴۵ء) میں نقد کیا تھا۔

کے متعلق ضروری معلومات، ''مسلکِ اعتدال'' پر اصولی بحث، ''النظر في الحديث'' پر ایک نظر اور مقالۂ پھلواری پر تنقید سب یکجا طور پر لوگوں کے سامنے آسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں خاکسار قلمی اور مطبوعہ مواد فراہم کر رہا ہے، اگر آنجناب بھی اس معاملے میں راہنمائی فرمائیں تو حد درجہ ممنون ہوں گا۔

جماعتِ اسلامی میں میری شرکت اس بنا پر ہے کہ موجودہ اجتماعی اور تنظیمی اداروں سے اس کا نصب العین اور طریقِ کار کتاب وسنت کے زیادہ موافق ہے۔

کانگریس، احرار، خاکسار اور مسلم لیگ؛ ان میں سے کسی کے سامنے خالص اسلامی پروگرام نہیں ہے۔ ''أصحاب الجحيم'' کی رفاقت و تعاون سے ''أصحابِ برزخ'' سے تعاون علی البر بہر حال بہتر ہی ہے۔ مشترک مقصد آزادیِ وطن کی خاطر اگر ہندوؤں سے اشتراک، اتحاد اور تعاون ہوسکتا ہے تو اقامتِ دین کے لیے حنفیت و اہلِ حدیثیت کے مابین ''برزخ'' والوں سے اشتراک واتحاد کیوں ناگوار ہے؟

جماعتِ اسلامی سے اشتراکِ عمل کی صورت سے تو ایک برزخی صورت ہی پیدا ہو گی، لیکن کانگریس کی ''متحدہ قومیت'' کی ہم نوائی سے تو اصل اسلام ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ آپ تو خود ہی اعتراف کر چکے ہیں کہ ''جماعتِ اسلامی'' نے لیگ، کانگریس اور اشتراکیت کے متعلق مفید لٹریچر تیار کر دیا ہے۔ میں تو اس تحریر سے سمجھا تھا کہ آنجناب بھی ''متحدہ قومیت'' کے خطرات سے آگاہ ہو کر آزادیِ وطن کی نام نہاد تحریک سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ لیکن اخبارات سے معلوم ہوا کہ آپ پوری طرح اس سلسلے میں سرگرمِ عمل ہیں۔ اگر آپ کے نزدیک کانگریسی تحریک درست ہے تو پھر سیاسی کشمکش حصہ دوم کے خلاف تنقیدی قلم اُٹھائیے، تاکہ دوسرے نوجوان بھی اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔

محترم مولانا! اگر مسلکِ حدیث کی حمایت کے ساتھ ساتھ اقامتِ دین کا کام کرنا ہے تو موجود ہنگامہ آرائیوں سے الگ ہو کر یکسوئی سے کوئی مفید اور کتاب وسنت کے مطابق عملی پروگرام مرتب فرمائیے۔ إن شاء الله۔ بہت سے کام کرنے والے آپ کو مل سکتے ہیں۔ ورنہ کانگریس میں داخل رہتے ہوئے حمایت مسلک اہلِ حدیث جگ ہنسائی کا موقع فراہم کر رہی ہے۔ وردھا اسکیم، ودیا مندر اسکیم اور کانگریس وزارتوں کے تلخ اثرات وثمرات دیکھنے کے باوجود آپ یہ کیسے فرما رہے ہیں کہ لادینی کانگریس کی ذاتیات میں داخل نہیں ہے؟

کیا وطنیت، غیر اسلامی قیادت، مذہب و سیاست کی تفریق، مخلوق کے لیے قانون سازی کا

حق تسلیم کرنا، ان بنیادوں پر کانگریس کی عمارت قائم نہیں ہے؟ وطنیت کا جو تصور کانگریس پیش کرتی ہے، کیا اسلامی ہے؟ تحریک آزادیِ وطن کا قدم قدم پر کتاب و سنت سے تصادم ہے اور ہوگا۔ لیکن پھر بھی آنکھ کا یہ شہتیر نہیں کھٹکتا۔ امید ہے کہ میری یہ تلخ گوئی ناگوار نہ ہوگی۔

جماعتِ اسلامی کی برزخی حالت جس رفتار سے جا رہی ہے، اس کا مجھے احساس ہے، اس کے ذمے دار، کارکنوں میں خامیاں اور کمزوریاں ہیں، کچھ تحریریں مسلکِ سلف سے ہٹی ہوئی ہیں، لیکن جب تک نعم البدل نہیں ملتا، "أصحاب الجحيم" کو "اصحابِ برزخ" پر ترجیح نہیں دی جا سکتی۔ اس جماعت کی اصلاح اور اقامتِ دین کا ہمہ گیر کام کرنے کے لیے دو ہی صورتیں ہیں، یا تو اکابر علمائے حدیث اس میں داخل ہو کر اس کو برزخیت سے نکال لیں، یا پھر اسی نہج پر کتاب و سنت کے مطابق ایک دوسرا ادارہ قائم کر لیا جائے جو اقامتِ دین اور حمایتِ کتاب و سنت (بطریقِ سلف) کی خدمت انجام دے اور جماعتِ اسلامی سے تعاون علی البر کی حد تک یگانگت برتی جائے۔ مودودی صاحب کا تو خود یہ اعلان ہے کہ ہماری دعوت جماعت یا شخصیت کی طرف نہیں ہے، بلکہ اسلامی نصب العین کی طرف ہے۔

دستور جماعتِ اسلامی کی اصل روح سے آپ کو اتفاق ہے یا اختلاف؟ اندازِ تعبیر میں اختلاف ہو سکتا ہے، اس کو برداشت بھی کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر اس میں کوئی ایسی چیز ہے جو کتاب و سنت سے صراحتاً متصادم ہے تو پھر قلم کو حرکت دے کر تغییرِ منکر کا فرض ادا کیجیے۔ ورنہ پھر ایک ساتھ یا الگ ہو کر ایسے پروگرام کو ہر دلعزیز بنانے کی کوشش ہی کیجیے۔

مجھے معلوم ہے کہ اہلِ حدیث کانفرنس کے ماتحت تنظیمی کام شروع ہے، لیکن میں اصولاً اس سے متفق نہیں ہوں۔ ٹھیک جس طرح مسلم لیگ چار آنے کے ممبر بھرتی کر کے نسلی مسلمان رنگروٹ بھرتی کر رہی ہے، اسی طرح کانفرنس نے بھی نسلی خاندانی اہلِ حدیث کو منظّم کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ کیا انبیائے کرام کا طریقِ کار بھی یہی تھا؟ مسلم لیگی وزارتوں کا جو حشر ہوا، وہی نوعیت یہاں دینی اداروں میں نظر آنے کا خطرہ ہے۔

صحیح صورت یہی ہے، جن لوگوں کے دل میں تڑپ ہے، جو کتاب و سنت کے اتباع پر ہر مفاد کو قربان کر سکتے ہیں، وہ یکجا جمع ہو کر ایک ادارۂ تالیف و تصنیف اور تربیت گاہ کی بنیاد ڈال دیں، اس

کام کی ابتداء مختصر حالت سے شروع کی جائے، جب اس کے فوائد ظاہر ہوں گے تو مخلصین خود بخود کھنچنے شروع ہو جائیں گے۔

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ''مسلکِ اعتدال'' مسلکِ محدثینِ سلف سے ہٹا ہوا ہے، لیکن کیا اسی اصول کو مولانا ثناء اللہ صاحب نے اہلِ حدیث کہلاتے ہوئے تفسیر القرآن اور دوسری اردو تصانیف میں عملاً اختیار نہیں کیا ہے؟ کیا آپ نے اس کے خلاف تقریراً یا تحریراً کوئی احتجاج فرمایا ہے؟ کیا اس غیر مساویانہ سلوک پر گروہی عصبیت کا الزام عائد نہ ہوگا؟ آخر ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ [المائدۃ: ۸] ﴿كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾ [النساء: ۱۳۵] پر عمل کب ہوگا؟

خیال تو یہی تھا کہ یہ خط بصورتِ مضمون ''اہلِ حدیث'' کو بھیج دیتا، تاکہ ناظرین تصویر کے دونوں رخ دیکھ کر صحیح رائے قائم کر سکتے، لیکن گذشتہ تجربے اس کی اجازت نہیں دیتے۔ ''اہلِ حدیث'' کے مدیر محترم حسبِ عادتِ قدیمہ ترمیم و تنسیخ کے بغیر شائع نہ فرمائیں گے۔

''کانگریسی'' اہلِ حدیث علماء میں جناب کو میں معتدل المسلک اور متحمل المزاج، وسیع النظر اور صاحبِ درد پاتا ہوں، اس لیے چند گزارشات پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ شاید کوئی مفید نتیجہ نکل آئے۔ ورنہ نہ میرے پاس وقت ہے اور نہ دوسروں سے اُمید ہے کہ ایسی لمبی تحریر کے لیے دماغ سوزی گوارا فرمائیں گے۔ ممکن ہے کہ قلم سے کوئی ناگوارِ خاطر کلمہ نکل گیا ہو، اس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام

عبدالغفار حسن

................(جواب)................

واذكر في الكتاب "إسماعيل"

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

(پنجاب)

Mohammad Ismail
Chah Shahan
Gujranwala
(Punjab)

تاریخ: ۱۸/ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ

Dated 23-12-45

حبيبي الأعز! السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

اگر مولوی ثناء اللہ صاحب کرم نہ فرماتے تو جناب کی توجہ سے محرومی ہوتی۔ تنقید کے متعلق جو خدمت میرے سپرد فرمائیں، میں حسبِ استطاعت حاضر ہوں۔ نامہ گرامی کا انداز مناظرانہ اور الزامی ہے، اس لیے اس کا مطلب تو یہی ہوگا کہ ایک کے بجائے دو گناہ گار ہو گئے۔ میری طلب یہ تھی کہ واقعی سچائی سے شناسائی کا موقع ملے، الزامی صداقت فی الواقع صداقت نہیں۔

گرامی نامہ ان غلط نوازیوں کی سمیت سے پوری طرح مسموم ہے جو ایک تحریک اپنے ماحول کو مخالفین سے محفوظ کرنے یا اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے لیے فضا میں پھیلا سکتی ہے، اس لیے چند گزارشات کرنا چاہتا ہوں، اگر سمع قبول میں آجائیں:

1 "أصحاب الجحیم" سے مخالفت بے شک ضروری ہے، لیکن صرف ان امور میں جو موصل "إلی الجحیم" ہوں۔ اگر یہ لوگ بھی کوئی اچھا کام کریں تو ان سے اشتراک یا ان کی اعانت ممنوع نہیں، بلکہ مستحسن ہے۔

"قَالَ عُثْمَانُ حِيْنَ سُئِلَ عَنِ اقْتِدَاءِ الْمُبْتَدِعِ: اَلصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ، فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ" [صحیح البخاري: ٦٦٣]

2 اگر "اہلِ برزخ" سے اشتراک ایک جنتی کو برزخ میں لا کھڑا کرے تو ایسا اشتراک بے سود ہی نہیں، بلکہ نادرست ہے۔ ﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ﴾ [البقرة: ٦١] دوزخی برزخ میں آجائے تو خیر، جنتی برزخ پر فخر کرنے لگے تو گزارش ہے کہ ﴿ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴾ [البقرة: ١٦]

3 آیتِ کریمہ: ﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ [المائدة: ٢] میں محطِ فائدہ نہ فعلِ تعاون ہے اور نہ اس کے ذہنی مفاعیل۔ محطِ فائدہ فیہ زاید ہے، جسے ظرف "علی البر" اور "علی الاثم" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اہلِ جحیم اور اہلِ برزخ دونوں کو نظر انداز کر کے "بر" اور "اثم" سے بحث ہونی چاہیے۔ میں جناب کو پورے وثوق سے یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہم لوگ اپنی کمزوریوں کے اعتراف کے باوجود اِعانت علی الاثم والعدوان کے مرتکب نہیں ہیں۔ ﴿ وَمَاۤ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ﴾ [یوسف: ٥٣]

4 اہلِ برزخ اگر اثم و عدوان کا ارتکاب کریں تو ان کے ساتھ تعاون و اشتراک بھی ایسے ہی ممنوع ہے جیسے اصحابِ جحیم کے ساتھ "إِذَا عَمِلُوْا أَعْمَالَ أَهْلِ الْجَحِيْمِ"، اس لیے ادباً گزارش

ہے کہ "أصحاب الجحیم" اور ''اہلِ برزخ'' کے الفاظ کے ساتھ جذبات سے اپیل نہ کی جائے، بلکہ حقائق پر نظر رکھی جائے۔

5 کوئی ادارہ اجتماعی ہو یا تنظیمی، اسے محض اس کے دعاوی سے ہی نہ پرکھنا چاہیے، بلکہ اصل پہچان اعمال سے ہونی چاہیے اور اس رفتار سے جو اس نے مقاصد کی طرف بڑھنے کے لیے اختیار کی ہو اور دشمن اس سے کہاں تک متاثر ہوا ہے۔ اس لحاظ سے جماعتِ اسلامی صفر سے بھی کچھ نیچے ہوگی۔ یہاں ابھی ① اچھی روحوں کی تلاش ہے اور کچھ ② اسلامی زندگی کے تجزیے اور کچھ ③ غلطیوں کی نشان دہی اور ④ اس کے بعد ہر شیطان سے جنگ، بشرطیکہ وہ خبیث کہیں نظر آجائے!!

میں ''کوثر'' کو التزاماً پڑھتا ہوں۔ عزیز صاحب کی چھیڑ چھاڑ، مولانا رام نگری کے فسانے اور مولانا پھلواری وغیرہ کے فتاوے اور مباحث سے تعجب ہوتا ہے کہ پہلی جماعتوں کا اندازِ تخاطب کیا یہی تھا؟ زمانۂ نبوت اور اس وقت کا ابتدائی پروگرام دفاترِ سنت اور اسفارِ سیرت میں ہمارے سامنے ہے۔ وہاں مفید اور قابلِ فخر لٹریچر کا کوئی مقام ہی نہیں۔ قرآن ایسی مفید کتاب کی اشاعت بھی صرف سینوں ہی میں ہوئی۔ زمانۂ صدیق تک فرانسیسی بھی اس کی برکات سے محروم رہے۔ لٹریچر کی اِفادی حیثیت سے اب بھی انکار نہیں، لیکن اسے آپ ایک مکتبے کے اعمالِ صالحہ میں شمار فرما سکتے ہیں نہ کہ ایک اجتماعی اور انقلابی تحریک کے محاسن میں!!

6 ایک دنیا پرست لیڈر کے لیے واقعی یہ ایک خوبی ہے کہ وہ اپنے اَتباع کو اتنا بدحواس کر دے کہ وہ حق اور باطل میں امتیاز نہ کرسکیں، لیکن عند اللہ وہ اس کی مسئولیت سے نہیں بچ سکتا۔ اس لیے جس جمود کی دعوت مولانا ابو الاعلیٰ اس وقت جماعتِ اسلامی کے توسط سے دے رہے ہیں، وہ بہت بڑی مسئولیت اپنے سر پر لے رہے ہیں۔

میری ناقص رائے میں جماعتِ اسلامی نے اپنے سر پر دو ذمے داریاں لی ہیں:

1 موجودہ تحریکات پر تنقید، یہ بحیثیت ایک دیانت دار اشاعتی ادارے کے ان کا حق ہے اور مفید کام۔

2 دوم: دوسری تحریکات کی تنقیص اور آپ ایسے مخلص حضرات کے اَذہان کو حقائق کی غلط تعبیر سے مسموم کرنا۔ یہ انگریز اور نظامِ باطل کی درازیِ عمر کے لیے ایک بہترین خدمت ہے۔ میں نے

جہاں اس حرکت کے خلاف کچھ کہا، وہاں پیشِ نظر یہی دوسرا پہلو رہا۔ میں اس حرکت کو عملی پہلو سے بے کار محض اور مضر حرکت سمجھتا ہوں۔ بہت سے کام کرنے والے ان اوہام کی وجہ سے بیکار ہو گئے اور یہ انگریز کی بہترین خدمت ہے جو مولانا اور آپ سب حضرات نادانستہ طور پر پورے خلوص کے ساتھ کر رہے ہیں۔ عفا اللہ عنکم.

اگر آپ حضرات اس تنقیدی لٹریچر کی اشاعت کے ساتھ ملک کی موجودہ تحریکات سے جو بھی اصلح تھی، اس کے ساتھ تعاون کر کے نظامِ باطل کی تھوڑی بہت تخریب فرماتے تو شاید ہم ایسے گناہ گار تحریک کے متعلق کچھ سوچتے، مگر اس سکوتِ تام اور جمودِ محض میں، مَیں نہیں سمجھ سکا کہ اس کی تگ و دو کی دنیا میں کیا قیمت ہو گی؟ یہ لامساس کا فلسفہ دینِ محمدی میں کوئی وقیع فلسفہ نہیں ہے اور نہ ہی اس سے کچھ فائدہ۔

7 ① حضرت ابوبکر ہجرت کے لیے پہلی دفعہ نکلے اور ابن دغنہ کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ نظامِ باطل کی برتری کو ضرورتاً قبول کیا گیا، ان کی دی ہوئی امان سے وقتی استفادہ کیا گیا۔

② حضرت یوسف کے قیامِ مصر میں مولانا پھلواری کے تفسیری نکات کے باوجود میری رائے تو یہی ہے کہ نظامِ باطل کی تخریب کے لیے نظامِ باطل میں شمولیت، ان کی اعانت، غیر مسلم کی قیادت وغیرہ محظورات وقتی طور برداشت کیے جا سکتے ہیں۔

③ غزوۂ خندق کے ابتدائی مراحل میں آنحضرت ﷺ اس معاہدے کے لیے آمادہ ہو گئے تھے کہ مدینے کے محاصل سے اپنے مخالفین کو سالانہ کچھ دے دیا کریں۔ غالباً حضرت ابوبکر نے اس تجویز سے اختلاف فرمایا تھا۔[1] نظامِ باطل کی برتری اور حالات کا اقتضاء دونوں غور طلب ہیں۔

جماعت کے لٹریچر میں میری ناقص رائے میں جو بین غلطی ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں دین کے سیاسی پہلو کو تعبدی پہلو کا رنگ دیا جا رہا ہے اور یہاں جزئیات تک کے لیے نصوص کی تلاش کی جا رہی ہے۔ تعبدیات میں تو یہ صورت ایک حد تک قابلِ برداشت ہے، لیکن معاملات میں چند اصولی

[1] دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۲/۲۲۳) اس میں سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کا ذکر ہے۔ واللہ أعلم.

تحفظات کے بعد معاملات کی تشخیص اور فیصلہ «أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأُمُورِ دُنْيَاكُمْ»① کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ اگر جماعت میں قوت ہو تو وہ جزوی تحفظات خود پیدا کر لے گی اور قوت ناپید ہو تو اصولِ تحفظات کاغذی معاہدات کی قوت سے نہیں بچ سکتے اور جماعتِ اسلامی کے پروگرام میں تو کاغذی معاہدات بھی شاید نہ ہوں۔ وہاں شاید اصلاحِ نفس ہی سے سارے کام ہو جائیں۔

اصلاحِ اعمال کا پروگرام صحیح ہے، لیکن اس اصلاح کے انتظار میں تعطل خلافِ سنت معلوم ہوتا ہے۔ زمانۂ خیر میں اچھی روحوں کی تلاش کے لیے کوئی ایسی اکتشافی مہم شروع نہیں کی گئی جیسے کہ جناب کے پروگرام میں اسے اہمیت دی گئی ہے۔ وہاں حضرت صدیق کے ساتھ ماعز اسلمی ایسے لوگ بھی کام کرتے رہے۔ "هٰذِهِ قِسْمَةٌ لَمْ يُرَدْ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ"② جیسے ریمارک سن کر بھی کام بند نہیں کیا گیا۔

8 اہلِ حدیث کے تنظیمی کام سے مجھے اس لیے دلچسپی ہے کہ ان گناہ گاروں سے ہی کام کے آدمی مل سکتے ہیں۔ بے امید نہیں ہونا چاہیے۔ جن اداروں میں جناب تشریف لے گئے ہیں، وہاں کی کمزوریوں پر اگر صبر کیا جا سکتا ہے تو یہاں کے گناہ گاروں کو وہ مراعات دے دی جائے تو کیا حرج ہے؟

9 ادارہ تالیف و تصنیف کے متعلق جناب کی تجویز معقول ہے، کہیں مل کر مشورہ کر لیا جائے۔ میں چوں کہ اس راہ سے ناواقف ہوں، اس لیے بحیثیت مقتدی جو حکم ہو، کرنے کو تیار ہوں اور جہاں طلب فرمائیں، حاضر ہوسکوں گا۔ إن شاء اللّٰہ.

میری کانگریسیت پر جناب ناراض نہ ہوں، وہ بھی ایسی ہے جیسے جناب کا جماعتِ اسلامی میں اشتراک۔ بعض مکارہ وہاں موجود ہیں، لیکن میں انگریز کو ان تمام مکارہ کی علت سمجھتا ہوں اور اس موثر مخالفت کے لیے کانگریس سے بہتر کوئی جماعت نہیں۔ ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد پٹنہ انبالہ میں جو مصائب جماعت پر آئے، اسی بغض کی وجہ سے میں جلد سے جلد اس نظام کی تباہی چاہتا ہوں۔ میری کم علمی سمجھیے یا نا تجربہ کاری، میں اس کے لیے کسی لمبے پروگرام پر یقین نہیں رکھتا۔

① دیکھیں: صحیح مسلم، رقم الحدیث (۲۳۶۳)

② دیکھیں صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲۹۸۱) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۱۰۶۲) غزوۂ حنین میں تقسیمِ غنائم کے موقعے پر ایک شخص نے نبیِ اقدس ﷺ کے متعلق یہ توہین آمیز کلمات کہے تھے۔

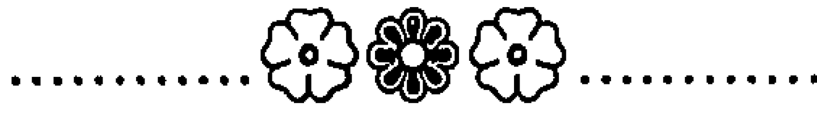
عریضہ بلا ارادہ لمبا ہو گیا، ایسی بہت سی چیزیں کہنے کی تھیں، مگر انھیں کسی دوسری فرصت پر ملتوی رکھتا ہوں۔ جناب کی توجہ کا مکرر شکریہ۔ گرامی نامہ میں کچھ تلخی نہ تھی اور اگر ہو بھی تو جس تلخی کی تہہ میں خلوص ہو، اُسے برداشت کرنا چاہیے۔

ہوسِ قیادت کا الزام میں نے مولانا مودودی پر خصوصیت کے ساتھ نہیں رکھا، تمام نئی تحریکات میں اس چیز کو ایک حد تک دخل ہے۔ ''بزمِ توحید'' ہو یا ''جماعتِ صالحین''۔ مگر اسے کس سے کہیں اور کہاں؟

مدیر اہلِ حدیث کی نوازش ہے کہ انھوں نے قریباً پانچ ماہ کے بعد بعض تصرفات کے ساتھ مضمون شائع کرایا۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 11

(۲)

أخي وحبي في الله! زيد إخلاصه. السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

مکتوب ملا۔ شکریہ۔ مکتوبِ گرامی کو بغور دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں، ہر تحریک کے ساتھ معتقدین کو ایک شغف ہوتا ہے جس کی بنیاد ایک اتفاقی حسنِ ظن پر ہوتی [ہے]۔ اس کے معائب کی توجیہ بھی اس نقطۂ نگاہ سے ہوتی ہے اور اس کے محاسن کی تشہیر بھی اسی محور پر گھومتی ہے۔ اس حسن یا عیب میں ہم سب شریک [ہیں]۔ اس لیے ایک مخلص آدمی اپنے انتخاب پر ہمیشہ مطمئن رہتا ہے، تاوقتیکہ اس کا اپنا نقطۂ نظر نہ بدل جائے۔ گرامی نامہ میں بھی مباحث کو اسی طریق سے سوچا گیا ہے۔

مفاسد بہت ہیں۔ حکومت کا نظام، کانگریس کا نظام، لیگ کا نظام اور احرار اور جمعیۃ العلماء کی نوعیت کے نظام، بلکہ خود جماعتِ اسلامی کا نظام بھی معائب سے پاک نہیں۔ ہر خرابی کے نتائج سے خطرات ہوں گے اور ان سے بے فکری بالآخر نقصان دہ ہو گی، لیکن سوال یہ ہے کہ ان کی کلیدی حیثیت کس میں ہے؟ اس کی موجودگی میں جزوی مساعی کہاں تک کامیاب ہو سکتی ہے؟ میرے خیال میں مفاسد میں کلیدی حیثیت حکومتِ انگریزی کو حاصل ہے، اس کی اصلاح یا تبدیلی کی جو کوشش ہو

گی، وہی صحیح راستے پر ہو گی، اس لیے ان تحریکات میں جس میں بھی شمولیت ہو، یہ نقطہ اساسی حیثیت رکھے گا اور اگر ان میں خرابیاں ہوں گی تو ان کو بھی اسی اچھے نتیجے کی توقع میں برداشت کیا جائے گا۔ ہم خود انگریزی عمل داری سے ہجرت نہیں کر رہے، اصلاح کی اُمید پر اس کی برائیاں اور مظالم برداشت کر رہے ہیں، اسی طرح ان تحریکات کے نقائص کو بامیدِ اصلاح برداشت کیا جائے گا۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى. وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَى.

مسلمان ان تینوں فتنوں سے کافی متاثر ہو چکے ہیں، لیکن ان تحریکات سے اجتناب اسی وقت مفید ہو سکتا ہے جب ان تحریکات کے ذمے دار حضرات سے عہد کر لیا جائے کہ جب تک ہم اپنی زندگی کو پوری اسلامی نہ بنا لیں، آپ اپنا کام بند کر دیں۔ اگر ایسا ہو سکے تو میں جناب کے مشورۂ اجتناب کو قبول کروں گا، ورنہ اجتناب کا نتیجہ صرف یہی ہو گا کہ وہاں پر اشتراک سے جو اصلاح ہو سکتی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی اور ہم صرف تاثر ہے، اکیلے رہ جائیں گے۔ ایسے مواقع میں اصل چیز اجتناب نہیں، بلکہ تقسیم کار ہے اور تعیینِ مقاصد۔ جماعتِ اسلامی کا طریقۂ دعایت (پروپیگنڈا) غیر اسلامی ہے اور غیر مفید بھی، اس میں وہی عوامل اور جراثیم کام کر رہے ہیں جو اس سے پہلے احرار اور خاکسار وغیرہ میں تھے: دوسروں پر طعن اور اپنا تزکیہ۔ لَا تُزَكُّوْٓا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى.

صدیقی صاحب اور مولانا رام نگری کے مضامین میں اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ خود عزیز صاحب کے تیر ونشتر اور سفر سفیر، ہمز ولمز کا بہترین نمونہ ہیں۔

یہ پروگرام صحیح ہے کہ دینی درس گاہوں کا ملک میں جال بچھا دیا جائے اور تعلیمی تیزاب کی سمیت کو کم کیا جائے، لیکن اس کے لیے جن ہمدردیوں کی ضرورت ہے، وہ جماعت کی موجودہ صورت نہیں پیدا کر سکے گی، بلکہ میرا خیال ہے کہ لوگ بتدریج مایوس ہو کر الگ ہوتے جائیں گے۔

لیگ کی قیادت کا سہرا لیگ کے پروگرام اور اس کی خوبیوں کے سر پر نہیں، بلکہ ان اصحابِ غرض کے سر پر ہے جن پر آج کل لیگ کی نوازشیں یا اس طریقِ دعایت کی خوبی ہے جو اس نیم چڑھے کریلے اشتراکیت کی شمولیت نے پیدا کی۔ جماعتِ اسلامی اگر ایک بااصول جماعت ہے تو پچاس سال میں بھی یہ ہمہ گیری پیدا نہیں کر سکے گی، اس چھا جانے کے لیے بے دینی اور بے اصولی ضروری ہے۔

میں نے جماعتِ اسلامی کو داعیِ جمود ان مقاصد کے لحاظ سے کہا ہے جو اس کے پیشِ نظر ہیں، اس سفر کے لحاظ سے اس کی رفتار صفر کے برابر ہے۔ ورنہ اشاعتِ کتب اور ایک دینی مکتبہ ہونے کے

لحاظ سے اس کی رفتار تسلی بخش ہے۔

جہاں ترکِ رفع الیدین پر تنبیہ کی وجہ سے جماعت سے اخراج تک کی دھمکی دی جاسکتی ہے، اس ادارے میں تحفظِ مسلک کے لیے میں ایک ضمیمہ قائم کروں، میرا دماغ اس خوش فہمی کا عادی نہیں۔ مسلک اہلِ حدیث کی تخریب میں انگریز اور کانگریس اس قدر موثر نہ ہوں گے جس قدر یہ برزخی تحریکات۔ وہ دشمن بصورتِ دشمن ہے اور یہاں جال ہمرنگِ زمین، جس میں آپ ایسے مخلصین پھنس کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ لَوْلَا الِاعْتِبَارَاتُ لَبَطَلَتِ الْحِكْمَةُ..

ارشادات کا اگلا حصہ جس میں مودودی صاحب کی صفائی اور "سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ" کی سی تعریضات فرمائی گئی ہیں، میرے لیے قطعی دلخراش ہیں اور میرے اسی خیال کی تائید ہیں کہ آپ حضرات میں احساسِ کمتری پیدا ہو چکا ہے۔ وَاللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِنْهَا، وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ.

کانفرنس کے جمہوری نظام کے متعلق جناب نے مکرر تذکرہ فرمایا۔ میرے خیال میں اسلام نے کوئی ہیئت نظام کے لیے لازم نہیں قرار دی۔ امارت کی صورت دین میں موجود ہے، اسے شوریٰ کے ساتھ مقید فرما دیا گیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ اصل مقصد "اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَتِهِمْ"۔ یہ مقصد کسی جمہوری تشکیل یا اس کا نام فیسیرزم ہٹلرزم میں آجائے تو نام میں کوئی حرج نہیں۔ انتخابِ خلافت میں تنوع سے یہ بات ظاہر ہے۔ خلفائے اربعہ کا انتخاب بالکل الگ صورتوں میں ہوا۔ اگر سیاسیات میں جزئیات تک کا احتوا فرمایا گیا ہوتا تو انتخابِ امیر میں یہ تنوع ناممکن تھا۔ معلوم نہیں وہ کون سی تنظیمیں ہیں جن کے انھیں بننے کا خطرہ ہے؟

تعاون تو ہر "بِرّ" سے ہوسکتا ہے، البتہ اشتراک مشکل ہے۔ جناب کے خیال میں "تقلید کے بادل چھٹتے جا رہے ہیں۔" لیکن میرا خیال ہے کہ نئے ائمہ مبعوث ہو رہے اور پرانے غیر مقلدوں کو نئی زنجیروں سے جکڑا جا رہا ہے، اور رنج اس پر ہے کہ اسیری کا احساس بھی ختم ہو رہا ہے۔ إنا للّٰه!!

جمعیت اور کانگریس کے تعلق کا مجھے علم نہیں، تخیلات کی دنیا میں "إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ" سے بچنا چاہتا ہوں۔

مسلک اہلِ حدیث کی حمایت اور اعانت کے لیے جناب کوئی ادارہ بنائیں، مجھے اس میں اشتراک سے بالکل گریز نہیں، بلکہ ہر ممکن اعانت کے لیے حاضر ہوں۔ البتہ اگر یہ ادارہ جماعتِ اسلامی کی سرپرستی یا نگرانی میں ہو، مجھے اس میں تامل ہے۔ یہ بالکل درست ہے، اس نظام سے اسے تصادم بالکل نہ ہوگا، مولوی محمد علی صاحب[1] اس کی سرپرستی قبول فرمالیں تو اچھا ہوگا، مولوی عطاء اللہ صاحب فیروزپوری[2] سے بھی مشورہ فرمالیں۔

جناب نے وردہا سکیم اور سیاست اور مذہب کی علاحدگی کا تذکرہ [کیا]۔ تحریکِ اسلامی میں شامل ہونے سے کیا یہ خیالات دلوں سے نکل جائیں گے؟ صرف اتنا ہوگا اور ہوا ہے کہ جو لوگ تحریک کی نذر ہو گئے، انھوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں اور کبوتر کی طرح خوش ہیں، بلی چلی گئی، ورنہ چند افراد کی صحت سے وبا کا انکار نہیں کیا جا سکتا، وہ بدستور موجود ہے اور ممکن ہے اس کا حملہ دارالاسلام پر بھی ہو جائے، اس لیے طبیب کو بیماروں کے مرکز پر پہنچنا چاہیے، تاکہ وہ وبا کی رفتار کا صحیح اندازہ کر سکے۔

میں جماعت اہلِ حدیث کی صحیح تنظیم کے ایجابی پہلو ہی کے لیے حامی تھا، لیکن آپ حضرات رفاقت سے دست کش ہو کر دوسرے گھونسلوں پر مطمئن ہو گئے۔ اب آپ مجھ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ایجابی پہلو کا کیا بنے گا؟ مجھے بھی آپ ایسے حضرات سے یہی دریافت کرنا ہے۔ یقیناً یہ لمحات بے حد قیمتی ہیں اور میں قبول کرتا ہوں کہ ہم سب ان کی اِضاعت کے ذمے دار ہیں، اس لیے جناب بے شک کوئی صورت اختیار فرمائیں، تاکہ اَسلاف کے آثار کا اِحیا اَسلاف ہی کے طریق پر کر سکیں۔

ابن دغنہ اور ماعز اسلمی کے واقعات، جناب کی جوابی توجہ عرفی مناظرات سے کسی قدر نیچے ہے اور حبِّ شے سے اس قدر مسامحت ہوئی ہے۔ سوال یہ نہیں کہ وہ پناہ ٹوٹ گئی، سوال یہ ہے کہ آیا کچھ وقت کے لیے نظامِ باطل اور اس کی سہولتیں قبول کی گئی یا نہیں؟ اگر یہ صحیح ہے تو دوسروں پر طعن کیوں ہے؟ ہم سب عملاً اس پر عامل ہیں، لیکن تحریک اور اس کی ذمے داریاں دوسروں کو ملزم قرار دے رہے ہیں۔ یہ وہم کہ کانگریس ہندو تہذیب کا احیا چاہتی ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اس کا علاج بھی یہی ہے کہ اس کا راستہ روک کر کھڑے ہو جائیں۔ تیاری کے لیے سالہا سال مہلت آپ کو کون دے گا؟ یہ صحیح ہے کہ پورا ماحول بدلنا پڑے گا، آپ نظامِ باطل کی ممکن اور جائز اعانت کریں اور تعمیری

[1] غالباً مولانا محمد علی قصوری (م ۱۹۵۶ء) مراد ہیں۔

[2] مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (م ۱۹۸۷ء)

کام کا پروگرام الگ جاری رکھیں، اس میں وہ نظام مانع نہیں ہوگا، بلکہ انگریز کی دور بین نگاہیں بالکل ممکن ہے کہ آپ کو اس حالت میں چلنے نہ دیں۔ انگریز ہمیشہ نعرے دیتا ہے، وہ اب اشتراکیت سے اس لیے دب رہا ہے کہ وہ اب مضبوط ہے۔

میرے خیال میں "يُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْخِرَاءَةَ"[1] میں اصولی ہدایات ہی ہیں، کتاب وسنت میں "کل" عموماً لغوی معنی ہی میں مستعمل ہوا ہے، منطقی معنی میں بہت کم استعمال ہوتا ہے۔

عرصہ ہوا میں نے "سیاسی کشمکش"[2] تینوں حصے پڑھے تھے۔ جن خطرات کا تذکرہ وہاں کیا گیا ہے، وہ موجودہ صورت میں کم نہیں ہوں گے، بلکہ زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوں گے، اس راہ میں مولانا آزاد کو حریف سمجھنے کے بجائے اگر مشیر سمجھ لیا جائے تو بہت مفید ہوگا۔ شدھی کی مدافعت میں مولانا عبدالقادر مرحوم نے ان کے مشوروں سے استفادہ کیا تھا۔

میں نے جو دلائل عرض کیے تھے، ان پر جناب احادیث اور قرآنِ مجید میں اسی نہج پر غور کریں گے تو بہت زیادہ مواد ملے گا۔ میرے خیال میں تو انبیاء علیہم السلام کا ابتدائی طریقِ کار یہی رہا ہے، ہم لوگ چوں کہ ایک دوسرے پر بدگمان ہیں، اس لیے صحیح صورتِ حال سامنے نہیں آسکتی، جیسے آپ نے مولوی ابراہیم صاحب اور مولوی داود صاحب کا ذکر کیا ہے۔ یہ صرف بدگمانی ہے، ورنہ شاید بدنیت کوئی بھی نہ ہو۔

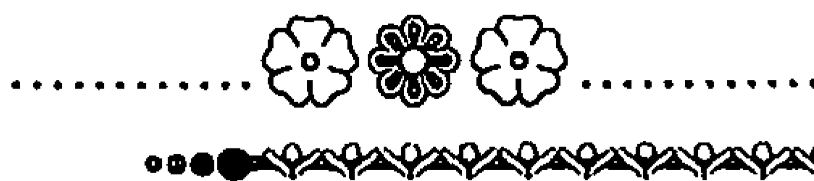
میرا خیال اب بھی یہی ہے کہ کوئی جماعت بھی اس وقت اسوۂ نبوی پر کام نہیں کرسکتی اور نہ ہی کر رہی ہے اور نہ ہی جزئیات تک اس کی پابندی ضروری ہے۔ مقاصد کو مطمحِ نظر بنانے کے بعد طریقِ کار میں تھوڑا بہت اختلاف قابلِ عفو ہے۔

میں سفر میں تھا، اس لیے جواب میں دیر ہوئی۔ ادارے کے متعلق اپنی رائے گرامی سے جلدی مطلع فرمائیں۔

والسلام

اسماعیل

مدرس گجرانوالہ۔ پنجاب



[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٦٢)

[2] یہ مولانا مودودی کی تالیف ہے۔

مکتوب نمبر 12

(۳)

و اذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
(پنجاب)	Gujranwala
	(Punjab)
تاریخ: ۷ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ	Dated 10-2-46

أخي الأعز زاد عزة! السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

میں نے اظہارِ حقیقت اور اختصارِ بحث کے لیے عرض کیا تھا کہ نقائص سے کوئی جماعت خالی نہیں۔ مقصد یہ تھا کہ الزامی گفتگو سے بچ کر آپ حضرات کے موقف کو سمجھ سکوں، مگر مجھے اس میں ناکامی ہوئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ جب ایک [شے] کا بحرانی اثر دماغ پر محیط ہوتا ہے، اس وقت اچھے اچھے نقاد بھی تنقید کی استعداد سے محروم ہو سکتے ہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس مراسلے میں ہم اسی مقام پر ہیں۔

ارکانِ تحریک پر تو حسنِ ظن ہوسکتا ہے، بلکہ ہے بھی۔ نیک نیتی اور غلط فہمی سے کوئی محفوظ نہیں۔ مقامِ تکلم یہی ہے "حُبُّكَ الشَّيْءَ" کو تعریض کیوں سمجھا ہے؟ پُرخلوصی کی انتہا ہے اور حسنِ ظن۔ مودودی صاحب کی مسامحات کے لیے جو اندازِ معذرت اختیار فرمایا جا رہا ہے، اسے احساسِ کمتری ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، ورنہ اس سے براءت ہونی چاہیے۔ یہ سکوت، معذرت کی پوزیشن میری سمجھ میں نہیں آتی۔

ابن دغنہ کا واقعہ تو میں نے بطورِ مثال عرض کیا تھا۔ انبیاء کی زندگیوں کی ابتدائی منازل استفادہ بالباطل بامیدِ احقاق ہی کے اصول پر قائم ہیں۔ مجھے تو تعجب ہے کہ آپ بدیہیات پر بھی بحث شروع فرما دیتے ہیں۔ آپ اس نہج پر اگر کتاب وسنت پر غور فرمائیں گے تو اس کے بیسیوں نظائر ملیں گے۔

رہا قانون سازی کا حق، محترم بھائی! ہم نے کب دیا؟ اسی ظالم نے آپ سے اور ہم دونوں سے یہ حق جبراً لے لیا ہے۔ آپ ایک نہج سے اس حق کی واپسی کے لیے کوشش کرتے ہیں اور ہم دوسرے نہج سے۔ رہی اس کی حد، یہ سوال تمام اسلامی جماعتوں سے ہونا چاہیے کہ وہ کب تک مجبور رہیں گی؟ کانگریس بے شک نکال نہیں سکی، لیکن اس نے کچھ نہ کچھ لیا ضرور۔ آج میں اور آپ جو

تنقید نظامِ باطل پر کر رہے ہیں، اس میں کانگریس کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ احساسِ مسئولیت کی بنا پر ہی پُرامن راہوں سے الگ خاردار راستوں میں سے گزرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ واللہ علیم.

میں نے عرض کیا تھا کہ اگر موجودہ جمہوری نظام نصحیۂ اُمت پر منتج ہو تو میں اسے دینی سمجھتا ہوں اور اگر امارت اُن مقاصد کی حامل نہ ہو تو وہ چنگیزی اور نادرشاہی۔ اسلامی طور پر کوئی ہیئت ہم پر لازم نہیں۔ خلوص اور تقویٰ کے ساتھ صلاحیتِ کار کا خیال بھی ضروری ہے۔ حربی ضرورت میں خالد کی شجاعت کو ابو ذر کے تقوے پر ہمیشہ ترجیح رہے گی۔

جناب نے غور فرمایا ہے کہ "اِسْتِنْجَا بِالْيَمِيْنِ" وغیرہ کا مقام شرعاً کیا ہے؟ یہ چیزیں اگر اصولی حیثیت رکھتیں تو ان کی مخالفت پر کوئی وعید آتی۔ میرا مقصد یہی تھا کہ اصل زور مقاصد پر ہے۔ آداب کا مقام ادب ہی تک ہے۔

میں نے آگے بھی عرض کیا تھا کہ ٹھنڈے دل سے غور کے بعد میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ہمیں مسلک اہلِ حدیث ہی سے وابستہ رہنا چاہیے اور اسے ایک تحریک کی حیثیت سے پھیلانا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس بحث کو ختم کر دینا چاہیے۔ غالباً ایک دوسرے کا عندیہ سمجھ لیا گیا ہے، طولِ بحث سے کوئی فائدہ نہیں۔

ادارے کی تشکیل پر غور فرمائیں۔ مولانا قصوری پر اگر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، نہ سہی، کوئی اور آدمی تلاش فرمائیں، میں بھی تبدیلِ مقام کے حق میں نہیں ہوں، تاوقتیکہ مستقبل کے متعلق کوئی واضح چیز پیشِ نظر نہ ہو۔ نسلی اہلِ حدیث سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ نسلی مسلمانوں کی طرح ان کی بھی اصلاح فرمائیں۔ میں گوجراں والا میں کوشش کر رہا ہوں کہ کوئی اجتماع کی صورت پیدا ہو سکے۔ آپ اس مسئلے پر مزید غور کریں۔ قیادت کے انتخاب پر اصل غور کی ضرورت ہے۔ باقی امور سہل ہیں۔ ضعفِ قیادت ام الامراض ہے۔ اس پر جس قدر غور ہو سکے، فرمائیں۔

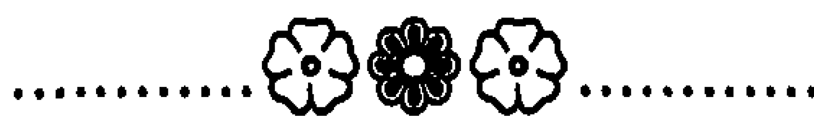
ادارے کی ابتدائی منازل طے ہونے کے بعد کام، تشکیل اور شرائط پر غور ہونا چاہیے۔ ثَبِّتِ الْجِدَارَ ثُمَّ انْقُشْ.

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس: چاہ شاہاں والا

گوجراں والا۔ پنجاب



مکتوب نمبر 13

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

حضرت مولانا زادمجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج بمشورہ احباب فیصلہ کیا گیا ہے کہ جناب جامعہ سلفیہ میں ۱۵؍شوال ۱۳۷۸ھ سے تشریف لانا شروع فرما دیں۔

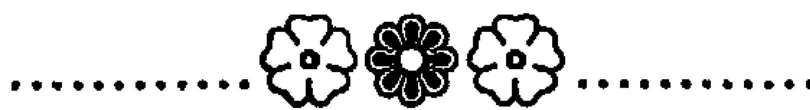
امید ہے جناب کی تشریف آوری سے جامعہ میں نئی روح پیدا ہو گی۔

والسلام

محمد اسماعیل

ناظمِ تعلیمات جامعہ سلفیہ

۵۔۴۔۵۹ء



مکتوب نمبر 14

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

مکرم ومحترم مولانا عبدالغفار حسن صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جامعہ سلفیہ کے نصابِ تعلیم پر غور کرنے کے لیے ایک ضروری اجلاس بلایا جا رہا ہے۔ جناب کی شرکت اس میں ضروری ہے۔ امید ہے کہ جناب وقتِ مقررہ پر تشریف لا کر اپنے مفید مشوروں سے

مستفید فرمائیں گے۔

تاریخ: ۱۵؍ مارچ ۵۹ء   دن: اتوار   وقت: ۸:۳۰ صبح

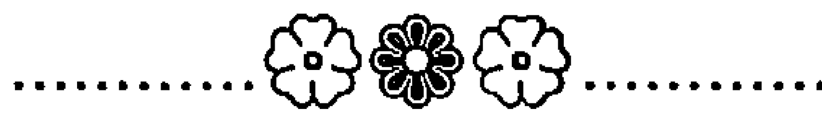
مقام: دفتر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، لاہور، بلڈنگ تقویۃ الاسلام، شیش محل روڈ۔

والسلام

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ

از راہِ کرم طلبہ جامعہ سلفیہ کے امتحانی پرچے نمبر لگا کر ضرور ساتھ لے کر آئیں۔ نوازش ہوگی۔ والسلام



مکتوب نمبر 15

(۶)

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

گجرانوالہ

۳۔۴۔۶۳ء

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! پہلی ملاقات دوسرے دن حاضری کے لیے نکلے۔ حاجی صاحب کی گاڑی فارغ نہ تھی۔ رکشا لیا، مولوی یحییٰ صاحب نے راستہ بھلا دیا۔ قاری عبدالخالق صاحب واپسی آتے راستے میں ملے۔ آپ حضرات کو انتظار کی زحمت ہوئی۔ معذرت خواہ ہوں۔ اگلے دن پھر حاضر ہوا۔ غالباً جمعرات تھی۔ کافی دیر بیٹھے رہے، نہ قاری عبدالخالق آئے نہ جناب۔ ہم بیٹھ کر واپس آ گئے۔ ﴿ اَلسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ﴾۔ ایک رقعہ دے آیا، غالباً ملا ہوگا۔

جناب نے نصاب دیکھ لیا ہوگا۔ اپنی ترمیمات سمیت واپس فرما دیجیے۔ اجتماعی مشورے کے لیے ممکن ہے کوئی وقت نکل سکے۔

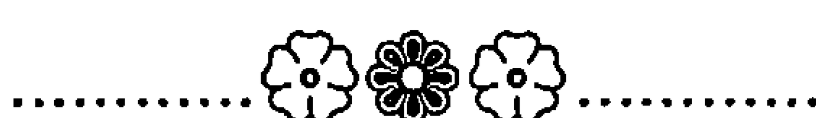
کراچی میں موحدین میں کافی کشیدگی ہے۔ طاش کبریٰ زادہ نے حضرت ابن عباس [رضی اللہ عنہما]

سے نقل فرمایا ہے: "إِيَّاكُمْ وَالتَّعَارُضَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ فَإِنَّهُمْ أَشَدُّ مِنَ التُّيُوسِ"۔[1] یہ علماء کا شکوہ ہے۔ کراچی [کے] تاجر حضرات بھی کسی سے کم نہیں۔ کوشش فرمائیں مختلف احزاب ایک دوسرے کے قریب ہو جائیں۔

مولوی یوسف صاحب نے پندرہ طلبہ کو تیار کیا ہے، غالباً اسی انداز سے جس کا خطرہ تھا۔ جہاں علم اور عقل [کی] جگہ کبر اور شر نے لے لی ہو، انجام کا خدا حافظ۔ امید ہے جناب سوچ سمجھ کر قدم اُٹھائیں گے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



مکتوب نمبر 16

(ے)

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated 2-5-60	Gujranwala

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر! مکتوب سامی ملا۔ جامعہ کے متعلق مفید مشوروں کے لیے شکریہ۔ گزارش ہے کہ دنیا ناسازگاریوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ شاید ہی دنیا میں کوئی ایسا آدمی ہو جسے ناسازگاریوں سے سابقہ نہ پڑا ہو۔ اس راہ میں اصل چیز صبر اور استقامت ہے، اور اصول سے وابستگی۔

جناب جب جامعہ میں بطورِ رفیق شریک ہوئے تھے، میں یقین رکھتا تھا کہ اب یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوگا اور ہم برسوں تعاون اور تناصر کے ساتھ اس سفر کو جاری رکھ سکیں گے۔ مجھے بے حد تعجب ہوا کہ جناب نے آشیانہ بدلنے میں واقعی عجلت فرمائی۔[2] جناب کا معاملہ مولوی شریف اللہ صاحب[3] سے کسی

[1] علماء کے تعارض و اختلاف سے بچو، وہ سرکش سانڈھ سے بھی زیادہ سخت ہیں۔
[2] مولانا سلفی رحمہ اللہ نے جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے مولانا حسن رحمہ اللہ کے استعفے کے سلسلے میں یہ خط لکھا تھا۔
[3] جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں مدرس تھے۔

قدر مختلف ہے۔ کیوں کہ جناب نے تھوڑی سی وضع داری ضرور رکھی ہے، مولانا سے یہ بھی نہ ہوسکا۔

میں سمجھتا ہوں کہ استعفیٰ کی اصل وجہ رفقاء کی ناہمواری ہے۔ یہ درست ہے کہ ان حالات میں کام کرنا مشکل ہوتا ہے، لیکن اگر آشیانہ بدلنے سے پہلے اس کا علم ہو جاتا تو شاید معاملہ حل ہوسکتا اور جناب کو تکلیف نہ ہوتی۔ مگر معلوم ہوتا ہے جناب آشیانے کی تلاش میں رہے۔ جب وقت آ گیا، ہمیں مطلع فرما دیا۔ میں سمجھتا ہوں دنیا میں دانش مندی یہی ہے، گو یہ میری توقعات کے خلاف ہوا ہے۔ تَجْرِيْ الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِيْ السُّفُنُ.

مولانا! شاید جناب نہ جانتے ہوں، میں برسوں سے ایسے حالات سے گزر رہا ہوں۔ رفقاء سے حسبِ منشا توافق نہیں، لیکن چوں کہ سازگار آشیانے کی تلاش میرے پروگرام میں نہیں، اس لیے میرا سفر ناسازگار حالات میں بھی جاری رہا اور ۔إن شاء الله۔ رہے گا۔ جناب نے جو کچھ کیا درست ہے۔ دانش مندی ہے، لیکن جناب کے مقام سے کسی قدر نیچے ہے!!

مولانا! ہمیں اس وقت جامعہ سے ایسا ربط رکھنا چاہیے کہ ہم جامعہ کے ہیں اور جامعہ ہمارا ہے۔ یہ درست نہیں کہ جامعہ رفقاء کا ہے اور جناب صرف ان کے ساتھ معلق ہیں۔ یہ تعلیق، جہاں ٹوٹے معاملہ وہیں ختم ہوگیا۔ مسلکِ سلف کے ساتھ اپنے اَسلاف کی وابستگی اور ان کی خدمات پر نظر فرمائیں اور پھر اپنی معذوریوں اور معذرتوں پر غور فرمائیں۔ والخير فيما وقع. اب یہ بحث بے سود ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے موجود انتخاب کو سازگار فرمائے اور آپ وہاں پر کوئی صحیح خدمت فرما سکیں۔

یہ جناب نے درست فرمایا کہ "جتنی چادر ہو، اتنے ہی پاؤں پھیلانے چاہئیں" لیکن یہ دانش مند اور دولت مند حضرات کا اصول ہے، ہمارے ہاں تو ہر سال ممکن سعی کے بعد توکل سے شروع ہوتا ہے، توکل پہ ختم ہو جاتا ہے۔ مجھے تو پوری زندگی ایسا موقع نہیں ملا کہ پاؤں ماپ کر چادر بنائی ہو۔ شکر ہے کہ جب پاؤں پھیلے، چادر مل گئی اور اپنے بزرگوں سے بھی قریباً ایسی ہی روایات سنی گئی ہیں۔

ہماری دنیا میں مشاہرات کا تعین اور رواتب کی بروقت ادائیگی کا رواج کب تھا؟ متوکلین کی ایک جماعت تھی جو سنت کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھی اور مسلکِ سلف کی ترویج ان کا اپنا فرض تھا، وہ کسی کے لیے ایسا نہیں کرتے تھے۔

مولانا شریف اللہ صاحب کی بات چھیڑنا بے سود ہے۔ میرے دل میں ان کے لیے احترام تھا اور ہے، لیکن جو کچھ انھوں نے کیا، اس کے لیے توجیہات بے سود ہیں۔

امید ہے جناب کی نوازشات جامعہ پر بدستور رہیں گی اور آپ اپنے تعاون سے ہمیں محروم نہیں رکھیں گے۔ جناب اگر مولوی شریف اللہ صاحب کی روش بھی اختیار فرماتے تو بھی ذاتی مراسم ۔إن شاء اللّٰہ۔ بدستور قائم رہتے۔

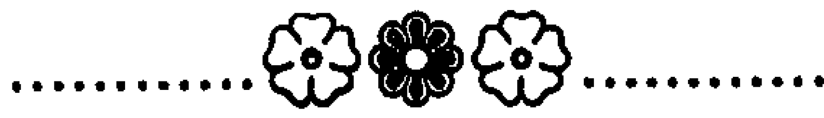
مولوی اسحاق کی بعض مسامحات کا پہلے بھی علم تھا، جناب کے مکتوبِ گرامی سے بعض دوسرے گوشوں سے بھی پردہ کشائی ہوئی، اس کے لیے ہم لوگ آپ کے ممنون ہیں۔

جناب نے یہ نصائح حکیم عبدالرحیم صاحب اشرف کی طرح لبِ جو بیٹھ کر دی ہیں۔ کاش آپ قعرِ دریا میں کچھ دیر شناوری کی تکلیف بھی فرماتے۔ مقصد دین کی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ جس قدر توفیق مرحمت فرمائے، خوش بختی ہے۔

نصاب کی تکمیل کے لیے چند ماہ تک مجلس بلانے کا خیال ہے، اُمید ہے جناب تشریف لائیں گے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 17

(مولانا غلام رسول مہر کے نام آٹھ خطوط)

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۱۹۔۲۔۴۸ء

محترم زاد لطفکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا مجمل سا پیغام ملا تھا کہ قاضی خاندان کے حالات سے اطلاع ہونی چاہیے۔ معلوم نہیں جناب کس قسم کی اطلاع چاہتے تھے؟ یہ مختصر سی تحریر قاضی عبدالرحیم صاحب کے قلم سے ہے جو اس وقت اپنے خاندان میں علمی حیثیت سے ممتاز ہیں اور گوجرانوالہ میں مطب کرتے ہیں۔

مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو تعمیل ہو سکے گی۔

والسلام

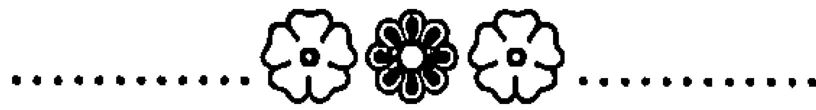
محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

ضروری: مولانا ثناء اللہ صاحب سرگودھا چلے گئے۔ اخبار ''اہلِ حدیث'' شاید دوبارہ جاری نہ ہو سکے۔ مولانا کی صحت اس قابل نہیں۔ آپ حضرات تو شاید ان قیود سے بلند ہو چکے ہوں گے، ہم لوگ وہیں ہیں۔ خیال ہے کہ آثارِ قدیمہ زندہ رہیں اور اس کی تاریخی خصوصیات نظر انداز نہ ہونے پائیں۔ اکابرِ جماعت نے اسلام کی اندرونی اصلاح یا بیرونی خطرات سے جو مدافعت فرمائی، وہ ایسی نہیں کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ مولانا داود صاحب غزنوی [قیادت] فرما رہے ہیں۔ خیال ہے کہ آپ حضرات ہم ایسے سوختہ پروں کو بھی اپنے مفید مشوروں سے محروم نہ فرمائیں گے۔ اب تو شاید مقتضائے حال کے مطابق اس تحریک کو پھر زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ رفض والحاد کی طغیانی پھر سر اُٹھا رہی ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس گجرانوالہ



مکتوب نمبر 18

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب ''إسماعیل''	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں	Chah Shahan
گوجرانوالہ	Gujranwala
(پنجاب)	(Punjab)
	Date 26-5-56

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس بھولی بسری تاریخ کو منظرِ عام پر لا کر جناب نے ملت پر احسان فرمایا ہے۔ عَلَى اللّٰهِ

أَجْرُكَ وَعِنْدَهُ ذُخْرُكَ۔ یہ تو معلوم ہے کہ اس تحریک میں اہلِ توحید فقہی فروع میں اختلاف کے باوجود پوری وحدت سے کام کرتے رہے، اس کے باوجود اس تحریک کا اپنا مزاج کیا تھا؟ آیا اس میں فقہی جمود تھا جس کی دعوت دیوبندی سکول فکر میں دی جارہی ہے یا اس میں حریتِ فکر کی دعوت بھی شامل تھی؟

مروجہ اہلِ حدیث کا طریقِ فکر تو شاید پوری طرح نہ ہو، لیکن اس کی طرف ایک موثر قدم ضرور تھا۔

اگر جناب نے کوئی ایسا عنوان رکھ لیا ہو تو مجھے مسرت ہوگی۔ جناب کی معلومات سے جو بھی ہوں، ہم لوگ مستفید ہوں گے۔ اگر جناب نے توجہ نہ فرمائی تو شاید یہ ایک خلا ہوگا جسے پر کیے بغیر تحریک کی تاریخ تشنہ رہے گی۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ تقلید یا ترکِ تقلید کے بے مقصد مناظرات کی دعوت دی جائے۔ صرف تحریک کے مزاج اور حریتِ فکر کی دعوت کو اس کا نمایاں مقام ملنا چاہیے۔

والأمر إليك.

1 قاضی عبدالرؤف قاضی کوٹ میں رہتے ہیں اور بہت کمزور ہیں۔ کئی برس ہوئے گوجرانوالہ نہیں آئے۔ ان کے معلومات کے متعلق کچھ کہنا مشکل ہے۔ بہرحال ان حضرات کا تعلق مولانا فضل الٰہی صاحب کی معرفت تھا۔

2 محمد حسین عرف محمد عمر کوٹ بھوانیداس کا رہنے والا تھا۔ بے حد مخلص نوجوان تھا۔ یہ اس مقدمہ میں اٹک کے پل سے گزرتے گرفتار ہوا۔ اس کے پاس ڈاک تھی جس میں مولانا آزاد و مولانا محمد علی کے نام خطوط تھے۔ یہ خطوط کپڑے پر تھے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے یہ ڈاک دھو ڈالی۔ پولیس کو اس وقت علم ہوا جب وہ ضائع کر چکا تھا، ورنہ اس کیس میں یہ دونوں بزرگ بھی گرفتار ہو جاتے۔ اسے پہلی عدالت سے ۱۱ سال سزا ہوئی تھی، ہائی کورٹ نے چودہ سال کر دی۔ پوری سزا کے بعد رہا ہوا، لیکن جیل ہی میں اس کی ٹانگ میں ناسور ہو گیا۔ رہائی کے بعد چھ سات ماہ زندہ رہا۔ ناسور سے جانبر نہ ہو سکا، اپنے گاؤں کوٹ بھوانیداس میں اس کا انتقال ہوا۔

3 مستری ابراہیم کا انتقال غالباً سنہ ۳۵ یا ۳۶ میں ہوا ہوگا۔ نظام آباد سے شاید صحیح علم ہو سکے۔

4 مولانا رحیم آبادی کے حالات کے لیے سید عبدالحفیظ سلفی لہریا سرائے دربھنگہ کو لکھیے، وہ مفصل حالات سے مطلع فرما سکیں گے۔ یا پٹنہ میں مولانا عبدالخبیر صاحب کو صادق پور کے پتا پر لکھیے، میرا خیال ہے یہ حضرات مفصل حالات بتا سکیں گے۔ اسی ضمن میں مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کے حالات آنے ضروری ہیں۔ یہ بھی ان دونوں جگہ سے معلوم ہو سکیں گے۔

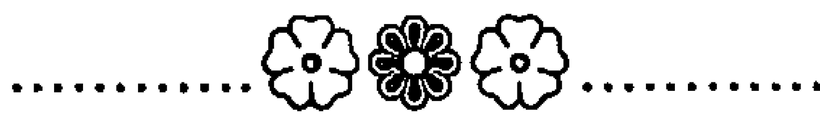
(5) مولوی ولی محمد کا انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا۔ وہ ہجرت کر کے وہیں چلے گئے تھے۔ ان کی چھوٹی لڑکی کا نکاح مولانا احمد علی صاحب لاہوری کے چھوٹے بھائی سے ہوا تھا۔ صحیح تاریخِ وفات وہ بتا سکیں گے۔

(6) یہ حالات مولانا حافظ عنایت اللہ صاحب خطیب جامع اہلِ حدیث گجرات بتا سکیں گے، یا صوفی عبداللہ مقیم اوڈانوالہ ضلع لائل پور۔ حافظ عنایت اللہ، مولانا رحیم آبادی کے رفقاء سے تھے اور صوفی صاحب مولوی فضل الٰہی صاحب کے زمانے میں جماعت کے سفیر۔

(7) سید شہید کے لشکر کے تین جھنڈے اس وقت دستیاب ہو سکتے ہیں۔ ایک جھنڈا تتریلا ضلع ہزارہ ڈاک خانہ نگری بالا میں ہے۔ یہ اس وقت میرے پاس ہے۔ دوسرا خان اسلم خان ایم۔ ایل۔ اے کالا باغ ضلع ہزارہ کے پاس ہے۔ یہ خان صاحب آج کل لاہور میں مل سکیں گے۔ تیسرا مولوی محمد ادریس مقام ڈھیری ضلع ہزارہ کے پاس ہے۔ اگر ہو سکے تو ان کی تصاویر آپ کی ان تصانیف کی زینت ہونی چاہیے۔

آج معلوم ہوا سید صاحب کا ایک جبہ مولوی فضل الٰہی صاحب کے پاس وزیر آباد میں تھا، شاید ان کے لڑکے سلیمان سے مل سکے۔ سمع خراشی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

والسلام
محمد اسماعیل
مدرس گجرانوالہ



مکتوب نمبر 19

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذكر فى الكتاب ''إسماعيل''
چاہ شاہاں
گوجرانوالہ
(پنجاب)

Mohammad Ismail
Chah Shahan
Gujranwala
(Punjab)
Date: ۱۲-۵-۵۶

اخونا الاعز المحترم مولانا زید شرفکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوبِ گرامی ملا۔ قاضی کوٹ بم کیس میں قاضی عبدالرؤف کو اپیل میں ۴ سال قید باقی رہی۔ یہ ابھی زندہ ہیں۔ خان بہادر کو غالباً سات سال باقی رہی۔ رہا ہو کر چینی مسجد میں خادم رہے۔ غالباً سنہ ۱۹۵۰ء میں انتقال ہوا۔

قاضی عبیداللہ سلطانی گواہ بن کر اختتامِ مقدمہ کے بعد رہا ہو گئے۔ محمد حسین المعروف محمد عمر کو ۲۲ سال قید ہوئی۔ اپیل میں ۱۴ سال رہ گئی۔ یہ کیس مسٹر دین محمد مشیر امور کشمیر نے لڑا تھا۔ وہ اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپیل بلا معاوضہ دائر کی اور یہ کام بڑی دلسوزی سے کیا۔

اس میں خواجہ عبدالعزیز دفتر اکونٹنٹ لاہور سے گرفتار ہوئے۔ مولوی الٰہی بخش صاحب بمبانوالہ ضلع سیالکوٹ سے، میاں محمد رمضان وزیر آباد سے گرفتار ہوئے۔ مستری محمد ابراہیم نظام آباد سے، حاجی بشیر الدین جوتے والے حافظ عنایت اللہ وزیر آبادی خلیفہ اسحاق دہلی سے گرفتار ہوئے۔ ان کو تکلیف بہت پہنچائی گئی، مگر ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے رہا کر دیے گئے۔

سنا ہے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی گرفتاری کا فیصلہ ہو چکا تھا، مگر گرفتاری سے ایک دو دن پہلے ان کا انتقال ہو گیا۔ مولانا اس تحریک کی روحِ رواں تھے۔

کاغذات فارغ ہو گئے تو مجھے بھیج دیجیے گا، وہ کئی دفعہ مطالبہ کر چکے ہیں۔

مقالہ کے متعلق پہلے بھی تجویز ہے، اسے الگ شائع کر دیا جائے۔

رمضان المبارک اور کانفرنس کے مشاغل کی وجہ سے جواب میں دیر ہوئی، جس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

چاہ شاہاں، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 20

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں	Chah Shahan
گوجرانوالہ	Gujranwala
(پنجاب)	(Punjab)
	Dated: 23-6-56

صدیقی الاعز! زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

علالت کی اطلاع سے دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ جناب کو صحت عاجل مرحمت فرمائے اور اپنی مرضیات کی توفیق عنایت فرمائے۔ آپ ایسے حضرات کی زندگیاں ملت کے لیے سرمایۂ فخر ومباہات ہیں۔

میں نے قاضی صاحب سے عرض کیا ہے، امید ہے وہ اپنی معلومات لکھ رکھنے میں تامل نہیں فرمائیں گے۔

میری گزارش کے متعلق جو کچھ جناب نے فرمایا اس کے انتہائی نکات سے مجھے پورا اتفاق ہے، بلکہ مناظرات کے دور نے تحریک اہلِ حدیث کو جس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، مقاصد کے لحاظ سے اس تحریک کے مخالف ان مقاصد سے باز رکھنے میں ہم سے زیادہ کامیاب ہیں۔ دورِ مناظرات سے سابقہ کس قدر ناگزیر وجوہ کی بنا پر ہو، مگر وہ قابلِ فخر نہیں۔ ان حالات کی حمایت کرتے مناظرات سے بچنا مشکل ہے۔

میرا مقصد یہ تھا کہ تقلید و جمود کا آخری دور جس میں فتاویٰ عالمگیری کی تسوید عمل میں آئی جس کے مرتبین سے شاہ عبدالرحیم صاحب بھی تھے، یہ دور علمی ہونے کے باوجود شاہ صاحب کے لیے تسکین بخش نہ تھا۔ وہ اپنی صوابدید کے فقہائے محدثین کی راہ کو پسند فرماتے تھے۔ اس کا تذکرہ حضرت نے حجۃ اللہ، عقد الجید، انصاف اور تفہیمات وغیرہ میں مختلف انداز سے فرمایا ہے۔ آج کا دیوبند شاہ

صاحب کے ساتھ بہ اعتبار عقیدہ اس راہ سے منحرف ہے، بلکہ اس کے مخالف۔ ہماری مستقبل کی ملی ضروریات کے لیے جمود سخت بے حد مضر ہے۔ اسے جناب اپنی موجودہ مساعی میں سموسکیں تو مناسب ہوگا ورنہ جیسے جناب پسند فرمائیں۔ مسودات جناب کی نظر میں ہیں، میرا معاملہ تو ﴿حَاجَةٌ فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْب﴾ سے زیادہ نہیں۔

امید ہے اب صحت اچھی ہوگی۔

والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ چاہ شاہاں

میرے پاس جو جھنڈا ہے وہ مثلث ہے، اس کے وسط میں ایک ریشمی پھول ہے جس پر سورت عادیات ریشم سے لکھی گئی ہے۔ پھول کے کچھ اوپر لفظ ''رحم اللہ'' ریشم سے کاڑھا گیا ہے۔ یہ قبائلی جھنڈا تو معلوم نہیں ہوتا ہے تو سرکاری بالکل ممکن ہے کہ اس کا استعمال شاہ صاحب کے لیے کیا گیا ہو۔ یہ جھنڈا سیاہ صوف کا ہے، حاشیہ سرخ حلوان کا ہے۔ اس کے آگے پھر سیاہ کنارہ ہے۔

نتھیا گلی کے قریب کالا باغ میں کرڑال قوم آباد ہے، ان میں مولانا عبدالرب اور مولانا منہاج الدین دو بزرگ سید شہید کے لشکر میں تھے۔ وہ لوگ ناکامی کے بعد علاقہ کالا باغ میں سکونت پذیر ہوئے۔ توحید و سنت کی اشاعت فرماتے رہے، اس وقت ان کی آبادی قریباً ساٹھ ستر ہزار کے قریب ہے۔ یہ حضرات مسلکاً سب اہلِ حدیث ہیں۔ جہالت کے باوجود ان کا مسلک یہی ہے۔ یہ جھنڈا مقام تتریلا، ڈاک خانہ نگری بالا ضلع ہریپور ہزارہ مولانا محمد ادریس صاحب کے پاس تھا۔ میں نے عاریتاً ان سے منگایا۔ جھنڈے کے زمانے کا تعین، اس کی کوئی دلیل مجھے نہیں ملی۔ ان گرمیوں میں کسی وقت وہاں جانے کا خیال ہے، اس کے متعلق مزید معلومات کی کوشش کروں گا۔

معلوم نہیں اسلم خان ایم۔ ایل۔ اے جناب کو ملے یا نہیں؟ والسلام

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 21

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں	Chah Shahan
گوجرانوالہ	Gujranwala
(پنجاب)	(Punjab)
	Date: 7-7-56

صدیقی المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قاضی صاحب کا مکتوب بھیجنے کے بعد میں فکر مند تھا کہ شاید عریضہ راستہ میں تلف ہو گیا ہو اور جناب تک نہ پہنچ سکا ہو۔ شکر ہے جناب کو مل گیا۔ قاضی صاحب سے جناب کے تشکر اور امتنان کا ذکر کر دیا ہے۔

پرچم کے متعلق میں نے جو سمجھا تھا سابقہ عریضہ میں لکھ دیا تھا۔ مولوی ادریس صاحب سے میں نے اس کی سند طلب کی، وہ مجھے مطمئن نہ کر سکے۔

مجھے اس کے متعلق اس قدر اطمینان ہے کہ یہ پرچم اس لشکر کا ہے اور سرکاری ہے۔ یہ کسی قبائلی کا نہیں ہوسکتا، لیکن کس امیر کے وقت اس کا استعمال ہوا، اس کا صحیح علم مشکل ہے۔ ملک اسلم نے یہ پرچم دیکھ کر بتایا کہ ہمارے پاس بھی اس قسم کا پرچم ہے۔ صحیح حالات کے لیے ایک دفعہ کالا باغ جانا مناسب ہو گا۔

تعارف کے لیے اگر میرا ہم رکاب ہونا ضروری ہو تو میں اس کے لیے حاضر ہوں۔ آج کل موسم بھی مناسب ہے۔

اس پرچم کا کپڑا دیکھ کر شاید اس کی عمر کا اندازہ ہو سکے۔ سیاہ صوف ہے اور پٹی سرخ حلوان کی۔ ممکن ہے یہ دونوں کپڑے سید شہید کے وقت بنے ہی نہ ہوں اور جناب کا اندازہ صحیح ہو۔

جو پرچم میرے پاس ہے اس کے کچھ حروف اڑ گئے ہیں۔ وہ پہلے ریشم کے کچے ریشوں سے

کاڑھا ہوا ہے، یہاں کچا ریشم نہیں مل رہا۔ کیا ریشم مہیا کرنے میں جناب میری مدد فرما سکیں گے؟ وہ رفوگر کے پاس کئی مہینوں سے رکھا ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس گجرانوالہ



مکتوب نمبر 22

(۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعيل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں	Chah Shahan
گوجرانوالہ	Gujranwala
(پنجاب)	(Punjab)

Date ۱۴/ جولائی ۱۹۵۶ء

مولانا الاعز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

قاضی صاحب مزید کچھ نہیں لکھنا چاہتے، غالباً جناب نے ان کا مطلب صحیح سمجھ لیا۔

کالا باغ میں سردی زیادہ ہوتی ہے، اس لیے موسم بہار میں جانا بہتر ہوگا۔

مریضہ کو اللہ تعالیٰ صحت عاجل عطا فرمائے، سنا ہے جناب کے ہاں توحید وسنت کے اثرات ان کی برکات سے ہیں جو ان کو اپنے آبائے کرام سے ورثہ میں ملے۔

مولانا رحیم آبادی کے حالات، رحیم آباد منشی عبداللہ صاحب، ڈاک خانہ ایضاً صوبہ بہار سے معلوم ہو سکیں گے۔

مولانا عبدالخبیر صاحب پٹنوی سے زیادہ معلومات ہو سکتے تھے، معلوم نہیں انھوں نے کیوں جواب نہیں دیا۔ وہ چند ماہ ہوئے سرحدی مرکز سے ہو کر گئے ہیں۔

ریشم دو تین تولے کافی ہوگا۔ رنگ پیلا سفیدی مائل ہونا چاہیے۔ پہلے ریشم کا رنگ کافی مائل

بہ سفیدی ہے۔ ایک کاریگر کو دیا ہے، وہ بھی ریشم تلاش کر رہا ہے، مگر اب تک اسے نہیں ملا۔

والسلام علی النبی و آلہ

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 23

(۷)



و اذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں	Chah Shahan
گوجرانوالہ	Gujranwala
(پنجاب)	(Punjab)

تاریخ: ۲۴۔۹۔۵۶

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

کانفرنس کی تواریخ قریب آ رہی ہیں، مشغولیت بڑھ رہی ہے، اس لیے جواب میں دیر ہوئی۔

مریضہ کی صحت سے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انھیں صحتِ عاجل سے نوازے۔

یہ بھی شکر ہے روپیہ تھا، عالمِ اسباب میں تسکین کا سبب ہو گیا، ورنہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کو تسکینِ قلب کے لیے اس قدر بھی توفیق نہیں کہ چند دن دوا استعمال کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، تحریک کے متعلق جس قدر مواد ممکن تھا تحقیقی طور پر جمع ہو گیا۔ آنے والے لوگ اس پر کام کی بنیاد رکھ سکیں گے، کم از کم رائے صحیح قائم کر سکیں گے۔

پرچم کے متعلق جناب کی تشویش بجا ہے۔ میرا خیال ہے یہ پرچم سنہ ۳۶ میں بنا۔ اس کی حیثیت قبائلی پرچم کی ہو گی جو علاقہ کالا باغ کے متدین حضرات نے اپنے خیال سے بنایا اور قبائلی پرچم کی حیثیت سے واپس کالا باغ پہنچ جاتا رہا۔ بلکہ یہ دلیل ہے ان قدوسی حضرات کا عزم صحیح تھا کہ

وہ کفر سے لازماً دست و گریبان ہوں گے۔

پرچم موجود ہے، جناب جب چاہیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ فرمائیں تو لاہور بھیج دوں، لیکن کانفرنس سے پہلے واپس مل جانا چاہیے۔ کانفرنس میں خیال ہے کہ اس کی نمائش کی جائے۔

الہدیٰ کا مقالہ الگ چھپ گیا، لیکن وہ اور غلط چھپا۔ مجھے اسے دیکھ کر دکھ ہوا۔ اب اکتوبر کے آخر میں اس پر نظر ثانی کے بعد اسے چھاپنے کا خیال ہے، اس میں کافی اضافوں کی گنجائش ہے۔ دوسرے رسالے کی کاپیاں پریس میں چلی گئی ہے، وسط اکتوبر تک طبع ہو جائے گا۔

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس گجرانوالہ

تحملِ حدیث کے متعلق ان شاء اللہ کسی قدر تفصیل سے لکھوں گا۔ اسم



مکتوب نمبر 24

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala

تاریخ: ۱۶/اگست ۵۷ء

حضرت مولانا المحترم زید شرفکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترمہ رفیقۂ حیات کے انتقال کی اطلاع بعض جرائد میں پڑھی، زندگی کا انجام بس یہی ہے۔ دنیا کا عامۃ الوقوع اور متفقہ مسئلہ شاید یہی ہے۔ صلحاء سے لے کر ہم ایسے اشقیاء تک اس کی گرفت میں ہیں۔ اس کثرت کے باوجود انسان اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حادثے میں جناب کو صبر کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اعزہ اور اقرباء کو میری طرف سے صبر کی تلقین فرمائیں۔

لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ إِلٰى أَجَلٍ مُّسَمًّى.

والسلام

محمد اسماعیل

چاہ شاہاں، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 25

(مولانا عبدالرؤف جھنڈا نگری[1] کے نام پانچ خطوط)

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۱۰۔۱۰۔۶۰ء

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا عبدالرحمان صاحب نے تصوف کے متعلق جو خط لکھا ہے، یہ مجھے بھی انھوں نے لکھا تھا۔ میں نے اپنے فہم کے مطابق جواب عرض کر دیا تھا۔ اب میرا جواب تو تکرار ہوگا۔ میں نے پہلے بھی یہ جواب عرض کیا تھا، معلوم نہیں وہ مکتوب کیوں نہیں ملا؟

مدارج السالکین جناب کے پاس ہوگی۔ مولوی عبدالرحمان صاحب نے وہ کتاب پڑھی ہے۔ ایسے آدمی [کو] میں اور آپ کیا جواب دے سکتے ہیں؟ ان کے سامنے خانقاہی نظام بانداز تھانہ بھون ہے۔ یہ نظام ہمارے ہاں تو نہیں ہے۔

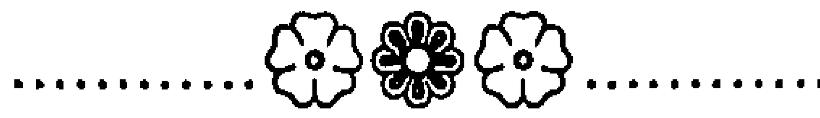
[1] مولانا جھنڈا نگری نیپال کے رہنے والے تھے۔ دار الحدیث رحمانیہ دہلی سے فارغ ہوئے اور اپنے آبائی مدرسے سراج العلوم جھنڈا نگر کے ناظم رہے۔ جمعیت اہلِ حدیث نیپال کے امیر اور رابطہ عالمِ اسلامی مکہ مکرمہ کے رکن بھی رہے۔ ۱۹۹۹ء میں فوت ہوئے۔ مولانا جھنڈا نگری نے مولانا سلفی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ''الاعتصام'' میں ایک مضمون لکھا تھا جس میں انھوں نے ذکر کیا ہے کہ ''میرے پاس مولانا سلفی رحمہ اللہ کے قریباً ایک سو خطوط ہیں۔'' تلاشِ بسیار کے بعد ہمیں ان کے نام مولانا سلفی رحمہ اللہ کے چند ایک مکاتیب ہی مل سکے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے ان کے ادارے سراج العلوم جھنڈا نگر میں بھی رابطہ کیا تھا، لیکن وہاں سے بھی کوئی مثبت جواب نہیں مل سکا۔

البتہ ذکر کے لیے ادعیہ مذکور ہیں۔ جب فقہی فرقوں کو نظر انداز کیا گیا ہے تو ان فرقوں کے لیے وجہ جواز کہاں سے لائی جائے؟ آپ ان سے دہلی میں بالمشافہہ گفتگو کریں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 26

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجامعة السلفية. لائل پور

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی درس گاہ

گجرانوالہ

۲۸۔ا۔۶۲ء

محترم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ مبلغ ۲۷ روپے میں نے حکیم محمد صادق [کو] بھیج دیے۔ اس کی [اطلاع] میں نے اور حکیم صاحب موصوف نے مولانا راز[1] کو دے دی ہے۔ مولانا حکیم محمد صادق صاحب کی چٹ لف کر رہا ہوں۔ امید ہے جناب بمبئی سے واپس وطن پہنچ گئے ہوں گے۔

کتاب "تنبيه الباحث السني على ما في التأنيب و رسائل الكوثري"[2] کی غالباً بمبئی کے مکاتب میں تلاش فرمائی ہو گی۔ یہاں یہ کتاب کراچی میں مرحوم نور محمد کے لڑکے کے ذاتی کتب خانے میں ہے، فروختنی نہیں۔ ابناء شرف الدین یا ابناء غلام رسول صاحب جہاں بھی ملیں تلاش

[1] مولانا محمد داود راز (شارح صحیح بخاری) مراد ہیں۔

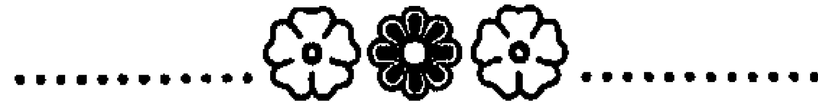
[2] یہ علامہ محمد عربی تبانی جزائری (م ۱۹۷۰ء) کی تالیف ہے۔ بعض مصادر میں اس کتاب کا نام "تنبيه الباحث السري إلى ما في رسائل و تعاليق الكوثري" مذکور ہے۔

فرمائیں۔ میں نے یہاں کے کتب فروشوں سے بھی کہا ہے۔

آپ نے اس [دفعہ] بڑا طوفانی دورہ فرمایا۔ ایک ماہ سے زائد عرصہ آپ غائب رہے۔ مولانا راز مطلع نہ فرماتے تو میں تو پاک و ہند کے اخبارات میں ایک مفقود الخبر کا اشتہار دینے والا [تھا]۔ مجھے اطلاع ملی تھی، نیپال اور ہند کے اختلافات کی وجہ سے آپ پر پابندی لگا دی گئی [ہے]۔ اس لیے اہلِ حدیث کانفرنس نے بھی آپ کو اپنی رکنیت سے علاحدہ کر دیا۔ معلوم نہیں ان واقعات میں کہاں تک صداقت ہے؟ فرمایئے کانفرنس اہلِ حدیث [کی تیاری کا کام] کس مرحلے تک پہنچا؟

والسلام

محمد اسماعیل



مکتوب نمبر 27

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۲۹۔۲۔۶۲ء

محترم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ عرصہ ہوا جناب کی خیریت سے اطلاع نہیں۔ امید ہے جناب مع العیال بخیر ہوں گے۔ اکمل البیان [1] کی پہلی جلد طباعت کے مراحل میں ہے۔ دوسری جلد کاتب کا تختۂ مشق۔ دونوں جلد یکجا شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے تکمیل تک پہنچائے۔ جناب کی رقم مبلغ ۲۵۰ امانت پڑی ہے۔ عید اضحیٰ سے پیشتر سبزی کے تاجر دہلی سے یہاں آئیں گے۔ اگر جناب پسند فرمائیں تو یہ رقم مولانا محمد داود صاحب راز کے پاس دہلی اجمیری گیٹ پہنچا دوں؟

[1] أكمل البيان في تائيد تقوية الإيمان، تالیف حافظ عزیز الدین مراد آبادی، جو مولانا سلفی رحمہ اللہ کی ترغیب و تحریض اور جماعت اہلِ حدیث گوجرانوالہ کے تعاون سے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کی زیرِ نگرانی مکتبہ سلفیہ لاہور کی طرف سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

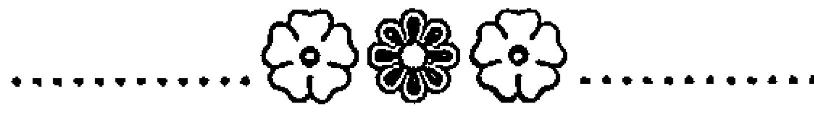
مجھے جناب کے جواب کا انتظار ہے۔ کاش آپ کا جواب عید سے پہلے مل جائے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

حاجی عبدالکریم صاحب تاجر ہڈی کے کیس کا کیا حال ہے؟ ان کی اعانت کے لیے رقوم کس پتے پر بھیجی جائیں؟ میری مراد پاکستانی رقوم سے ہے۔ میں نے اس کے متعلق خواجہ سلیم صاحب کو دہلی لکھا۔ انھوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ غالباً بڑے آدمی ہیں، انھیں ایسے معمولی امور کے لیے فرصت کہاں؟

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 28

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۳۰۔۹۔۶۲ء

محترم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

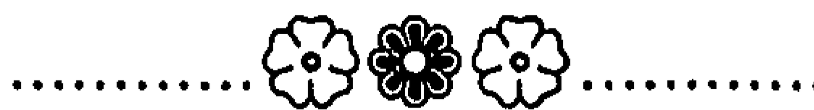
ملتان کی ایک کانفرنس میں جناب کا نام مرقوم ہے۔ کیا جناب کو دعوت ملی ہے اور آپ آرہے ہیں؟ اگر جناب آرہے ہوں تو اجازت کچھ زیادہ وقت کے لیے لائیں۔ شروع نومبر میں مرکزی جمعیت کی کانفرنس بھی ہورہی ہے۔

اگر جناب [کو] کوئی دعوت نہ پہنچی ہو یا جناب نے نفی میں جواب دیا ہو تو بھی مفصل اطلاع [فرمائیں] تاکہ جھوٹی دعایت کی راہ روکی جاسکے۔ جناب قریباً ستر روپے مدت سے آئے ہیں، فرمائیں کیسے بھیجوں؟

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 29

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

۱۳۔۹۔۶۰ء

مکرم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ پہلا عریضہ مل چکا ہوگا۔ مولانا راز کا اب تک کوئی خط نہیں [آیا]۔ میں نے ان کے حسب الحکم خطوط دہلی کے پتے پر لکھے، لیکن اب تک اس پتے سے کوئی جواب نہیں آیا۔ قرآنِ عزیز کے متعلق ایک مسودہ ان کو اسی پتے سے بھیجا، اس کی اکنالجمنٹ آئی، لیکن اس پر کسی کے دستخط نہیں، آج ہی ان کو پھر خط لکھا ہے۔

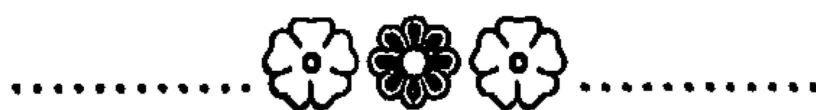
میں نے حتی المقدور کوشش کی کہ نصرۃ الباری[1] کا حساب ختم ہو جائے، مگر ایسے عوائق آرہے ہیں۔ یہ حقوق العباد کا معاملہ ہے، جس کے لیے رب العزت نے بھی عفو کا وعدہ نہیں فرمایا۔ اگر معاملہ درست ہونے سے پہلے کوئی ایسا حادثہ ہو جائے کہ یہ قرض ادا نہ ہو سکے تو امید ہے کہ آپ معاف فرما دیں گے۔ میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کا قرض ادا ہو جائے۔

مدیر ''الاعتصام'' کو میں نے آپ کے اخبار کے متعلق لکھا تھا، ان کا جواب آیا ہے کہ مولانا کا اخبار اعزازی ہے اور جا رہا ہے، البتہ مدرسے کا اخبار بند کیا گیا ہے، میں ان کا خط بجنسہٖ بھیج رہا ہوں۔

ابن حزم کی کتاب ''جوامع السیر'' آئی ہے۔ آپ بھی اسے ملاحظہ فرمائیں، بمبئی سے مل سکے گی۔ میری دانست میں اسے بطورِ نصاب مدارس میں رکھنا چاہیے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



[1] نصرة الباري في بيان صحة البخاري، یہ مولانا جھنڈانگری کی تالیف ہے۔

مکتوب نمبر 30

(علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ کے نام ایک مکتوب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

۷۔ایبک روڈ، حدیث منزل۔ لاہور

فون: 3489

مکرم و محترم عزیز گرامی شیخ احسان الٰہی صاحب زید اخلاصہ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا۔ مسرت ہوئی۔ آپ کی مخلصانہ مساعی کے لیے تمام احباب ممنون ہیں۔ کَثَّرَ اللّٰهُ أَمْثَالَكُمْ۔ حضرت الشیخ کے نام ٹیلیگرام بھیج دیا گیا ہے، اس کی کاپی آپ کو بھی مل گئی ہوگی۔ حافظ شریف سیالکوٹی نے ایک بڑا ذلیل پمفلٹ شائع کیا ہے، غالبًا وہ پوری پارٹی کانفرنس کو ناکام کرنے میں مشغول ہے۔ ساجد میر ضرورت سے زیادہ شریف ہے۔

ایامِ حج قریب ہیں اور سنا ہے حضرت الشیخ معذور بھی ہیں، اس لیے غالبًا مندوب ہی کا فیصلہ ہوگا۔ ہماری قلبی خواہش ہے کہ شیخ خود قدم رنجہ فرمائیں، لیکن اگر مندوب ہی کا فیصلہ ٹھہرے تو وہ عرب ہونا چاہیے اور شیوخِ جامعہ سے آپ کو یا محترم شیخ محمد شریف صاحب اشرف کو اگر بھیجا جائے تو اس کا اثر اچھا نہیں ہوگا۔ ضروری ہے کہ جامعہ کے عرب شیوخ سے ہو۔ جہاں شرارت پیشہ عناصر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہوں، وہاں کوئی ایسی صورت نہ ہونی چاہیے جس سے غلط تاثر لیا جائے۔

سنا ہے حاجی ظہور الٰہی مع العیال اس سال حج کے لیے تشریف لا رہے ہیں۔ شیخ فضل حق صاحب (کلاتھ مرچنٹ) کل حج کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت الشیخ سے عرض کریں کہ جواب اس پتا پر دیں: گجرانوالہ، چاہ شاہاں، محمد اسماعیل بن ابراہیم السلفی

محمد اسماعیل

اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ کراچی کے بعد تمام اخراجات ان شاء اللہ جماعت کرے گی۔

مکتوب نمبر 31

(مولانا نذیر احمد رحمانی کے نام دس خطوط)

(۱)

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

مکرم و محترم حضرت مولانا زادمجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی سالانہ کانفرنس امسال یکم تا چار اپریل لائل پور میں ہو رہی ہے۔ یکم، دو اپریل کو مرکزی کونسل کے اجلاس ہوں گے اور تین، چار کو پبلک اجلاس۔

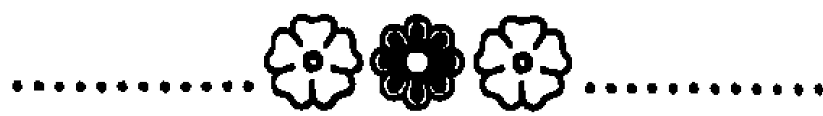
ارکانِ جمعیت کی دلی آرزو ہے کہ جناب اس کانفرنس میں شرکت فرمائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی اس مخلصانہ دعوت کو شرفِ قبولیت بخشیں گے۔

آپ کی تشریف آوری ہمارے لیے انتہائی مسرت کا موجب ہو گی۔ جناب کے مصارف جمعیت کے ذمے ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان



مکتوب نمبر 32

(۲)

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں گوجرانوالہ — Gujranwala

حضرت الاعز المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی! تقسیم کے بعد دونوں منطقوں میں بدعی عقائد کی اشاعت میں منظّم سرگرمی نظر

آ رہی ہے۔ ہمارے ہاں یہ حضرات قادیانیت اور تشیع کے متعلق بے حد متساہل ہیں۔ ہمارے ہاں یہ ہنگامہ تحریکِ ختمِ نبوت ۵۳ء کے بعد تیز ہوا ہے۔ باستثناء دو تین حضرات کے تمام بریلوی حضرات نے معافی مانگی۔

تحریکِ ختمِ نبوت کے ایام میں مولوی سردار محمد صاحب بریلوی نے سر ظفر اللہ سے ان کے سیلون میں ملاقات کی۔ ہمارے ایک دوست مولانا عبیداللہ احرار فیروز پوری نے اس واقعے کو عدالتی چیلنج کی صورت دی، لیکن نہ مولوی سردار محمد نے عدالت میں حاضری کی جرأت کی اور نہ عدالت ہی اس کے لیے آمادہ ہوئی کہ اس واقعے کی چھان بین کرے۔

میں نے رسالہ ''تردید عقائدِ بدعیہ'' بالاستیعاب پڑھا۔ بعض دوسرے دوستوں کو بھی پڑھنے کے لیے دیا، سب نے پسند فرمایا۔ ایک خوبی اس میں یہ ہے کہ مباحث کی پہنائی صرف مسائل تک محدود رہی ہے۔ مناظرانہ ہمز ولمز اور طعن و تشنیع کا طریق اختیار نہیں فرمایا گیا، حالاں کہ بریلوی لٹریچر پڑھنے کے بعد اس عادت سے بچنا مشکل ہے۔ مولوی احمد رضا اس کبر و تبختر کے باوجود انھیں معلومات کے متعلق وہ بدزبانی سے نہیں رکتے۔ مسائل سے زیادہ رذائل کا استعمال ان کی طبیعتِ ثانیہ ہے۔ ان کی کتاب پڑھنے کے بعد طبیعت قصاص پر مجبور ہو جاتی ہے۔ جہالت اور جھوٹ کے ساتھ یہ سینہ زوری؛ بریلوی مجدد کی خصوصیات سے ہے۔ لیکن آپ نے جذبات پر پورا ضبط کیا ہے۔ لِلّٰہِ دَرُّكَ وَعِنْدَہٗ أَجْرُكَ!

اس حصے میں بنیادی مسئلہ علمِ غیب کی تخصیص ذاتِ حق کے ساتھ ہے۔ قرآنِ عزیز میں غیب دو معنی سے استعمال ہوا ہے: ''مَا غَابَ عَنِ الْبَصَرِ'' اور ''مَا غَابَ عَنِ الْحَوَاسِّ بِحَيْثُ لَا يُمْكِنُ الْعُثُوْرُ عَلَيْهِ''. جناب نے یہ دونوں معنی ذکر فرمائے ہیں، لیکن ان پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی۔ غیب کے دونوں معانی کے متعلق غالباً حوالہ بھی نہیں دیا۔ راغب نے مفردات میں لکھا ہے:

''يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ: مَا لَا يَقَعُ تَحْتَ الْحَوَاسِّ وَلَا تَقْتَضِيْهِ بِدَايَةُ الْعُقُوْلِ''[1]

پہلے معنی میں تو عطا اور توہب کی گنجایش ہے۔ دوسرے معنی میں اس کا امکان ہی نہیں۔ اس لیے تفسیر فتح العزیز، کبیر اور مفردات راغب کی طرف توجہ فرما کر ذرا زیادہ واضح فرما دیجیے۔

[1] المفردات (ص: ۳۶۷)

خالص الاعتقاد وغیرہ میں احمد رضا بھی اپنی زبان سے اسے مانتے ہیں، لیکن حضرات بُزلاء اس کا بدستور انکار کر رہے ہیں۔

غالباً دوسرا حصہ لکھنا شروع ہو گیا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید ضبط کی توفیق مرحمت فرمائے۔ دوسرا حصہ بھی صرف مسائل کی حد تک پورا ہو جائے۔ حاضر ناظر، مختارِ کل وغیرہ مسائل آ جائیں۔ بدنصیبی ہے کہ اہلِ علم کو ان مبتذل مباحث پر لکھنا پڑا ہے۔

میرا اپنا یہ حال ہے کہ جب ان حضرات کے متعلق کچھ لکھنا چاہتا ہوں تو قلم مشتعل ہو جاتا ہے، لیکن بحمد اللہ آپ کے قلم سے یہ لغزش نہیں ہوئی۔

ہمارے بعض دیوبندی حضرات نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے۔ ایک کتاب بھیج رہا ہوں، ملاحظہ فرمائیں۔ اخوانِ یوسف کا کیا انداز ہے؟ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ!!

محمد اسماعیل

مدرس چاہ شاہاں گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 33

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۱۷/اگست ۵۹ء

اخی الاعز المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی! انوارِ مصابیح پہنچ کر موجبِ مسرت ہوئی۔ ان شاء اللہ کتاب پڑھنا شروع کروں گا۔ دیوبندی حضرات کی عادت ہو گئی ہے، وہ آج کل اہلِ حدیث کے خلاف اسی انداز سے لکھتے ہیں اور غالباً اُن کے اکابر کا بھی یہی انداز ہے۔ سنت سے بغض غالباً تقلید کے لوازم سے ہے۔ یہاں بھی دیوبندی حضرات اسی یہودی ذہن سے کام کرتے ہیں۔ یہ حضرات توحید کی آڑ میں سنت کا شکار کھیلتے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نیکی کی توفیق دے۔ جماعت کی [اکثریت] کبر کی مریض ہے۔

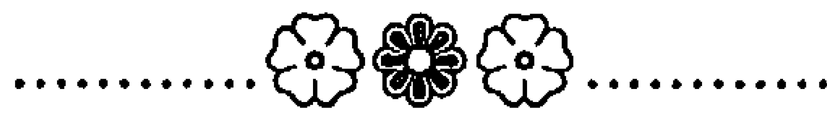
ہندوستان میں ایک جامعہ کی تاسیس کا انتظام فرمائیں جس میں مختلف علوم پر ریسرچ ہو، رجال، اصولِ حدیث اور حدیث پر کچھ تحقیقی انداز سے لکھا جائے۔

مولانا ابو القاسم صاحب کے خاندان اور لڑکوں کا کیا حال ہے؟ عاصم اب کیا کرتا ہے؟

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 34

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی اور معیاری درسگاہ

الجامعة السلفية. لائل پور

زیرِ اہتمام: مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

صدر دفتر

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

فون نمبر: ۴۹۱۴

پتا: جامعہ سلفیہ

نزد نشاط ٹیکسٹائیل ملز۔

لائل پور

تاریخ: ۴ر اگست ۱۹۶۳ء

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! میری دانست میں یہ خاصی مشکل ہے۔ اس لیے کہ اس وقت تحریک پر دو پابندیاں ہیں: انگریز کی طرف سے اور اہلِ بدعت کی طرف سے۔ افغانستان پہنچنے کے بعد سید احمد صاحب رحمہ اللہ نہیں چاہتے تھے کہ سرحد میں اس قسم کی تفریق ظاہر ہو۔ تصویر التقویر بجواب تنویر العینین

کے قلمی نسخے میں ہے کہ سید صاحب نے شاہ صاحب کو حکم کیا کہ آپ اس علاقے میں رفع الیدین وغیرہ نہ کریں۔ یہ مخطوطہ غالباً قلعہ میہاں سنگھ میں موجود ہے۔

آپ زیادہ زور تحریک کے مزاج پر دیں۔ اس میں شاہ عبدالعزیز صاحب میں ذرا لچک ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب میں یہ لچک نہیں یا بہت کم ہے۔ تحریک کے مزاج کے لیے اتحاف النبلاء، تاریخ علمائے اہلِ حدیث امام خان نوشہروی، اکمل البیان مولانا عزیز الدین مراد آبادی میں اس کے لیے کافی مواد ہے۔

ملا سید میر کے متعلق معلوم ہوا ہے، وہ رفعِ سبابہ اور جمعہ فی القریٰ کو ضروری سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے وہابی مشہور تھے۔ مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ ان سے بیعت تھے اور ملا صاحب توحید میں بڑے متشدد تھے۔ مولوی غلام رسول صاحب، حضرت میاں صاحب کے شاگرد ہیں۔ شاہ شہید رحمہ اللہ سے بہت بعد کے ہیں۔ گوجرانوالہ میں اس وقت بھی ان کے دیکھنے والے موجود ہیں۔ قلعہ میہاں سنگھ، گوجرانوالہ سے قریباً پانچ میل ہوگا۔ مولانا غلام رسول صاحب یقیناً اس جہاد میں شریک نہیں تھے۔ مولانا غلام رسول سنت کے اتباع کی تلقین کرتے تھے۔ خود کھلے طور پر رفع الیدین نہیں کرتے تھے، لوگوں کو اس کی تلقین کرتے۔ عاملین بالسنّت کو دیکھ کر خوش ہوتے۔ ان کے لڑکے مولوی عبدالعزیز، مولوی عبدالقادر کھلے اہلِ حدیث تھے۔ مولانا غلام رسول صاحب کی سوانح اگر مل سکی تو ان شاء اللہ بھیجوں گا۔

ایک صاحب مولانا عبدالرب اس جہاد کے بقیۃ السیف تھے جو ۱۸۳۷ء میں بالا کوٹ سے نکل کر کالا باغ ضلع ہزارہ میں آ گئے۔ یہ علاقہ نتھیا گلی سے جانب جنوب دور تک چلا گیا ہے۔ یہاں کی آبادی قریباً پچاس ہزار ہے۔ مولوی عبدالرب صاحب سے متاثر اور سب اہلِ حدیث۔ کالا باغ کی مسجد اہلِ حدیث میں اس وقت مولوی محمود صاحب امام ہیں۔ ایک مختصر سا مدرسہ ہے۔ یہ علاقہ بے حد ٹھنڈا ہے۔ مری سے اونچا علاقہ ہے۔ یہاں قریباً ۹ ہزار فٹ کی بلندی ہوگی۔ مولوی عبدالرب کے یہ تفصیلی حالات نہیں۔ اگر میں اب کے کالا باغ گیا تو مزید حالات دریافت کروں گا۔ مولوی عبدالرب یہاں چھپ کر وقت گزارتے رہے۔

میرا خیال ہے تحریک میں ابتداءً دو ذہن تھے، موحد حنفی اور اہلِ حدیث۔ تقلیدی جمود، ان سے

کسی کو بھی پسند نہ تھا۔ شاہ شہید تقلید کے خلاف کھل کر کہتے۔ کچھ اسے ناپسند کرتے۔ اس گروہ کی قیادت مولانا عبدالحی فرماتے تھے۔ بتدریج شاہ شہید کا اثر غالب ہوتا گیا اور حادثۂ شہادت کے بعد زمامِ اقتدا پوری اہلِ حدیث کے ہاتھ آ گئی۔ ۱۹۴۷ء تک قریباً انہیں کے ہاتھ میں رہی۔

گزارش بے ضرورت لمبی ہوگئی۔ معذرت چاہتا ہوں۔

والسلام

محمد اسماعیل

گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 35

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۸۔۶۔۶۳ء

اخی الاعز المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نصرۃ الابرار کا پہلا اِڈیشن ضرور تلاش فرمائیں۔ اس لدھیانوی خاندان کو بے نقاب کرنا چاہیے۔ یہ خاندان برزخی رہا ہے۔ دیوبند اور بریلوی دونوں سے ملتا اور فائدہ اُٹھاتا رہا ہے۔ نصرۃ الابرار کا مقدمہ خیر شاہ نے لکھا ہے جو امرتسر کا سخت بدعتی تھا۔

"تنبيه الباحث السري" میں اس موضوع کے متعلق کچھ نہیں۔ البتہ محمد زاہد کوثری کی تعلیقات اور رسائل پر کڑی تنقید ہے۔

مولانا عبیداللہ صاحب سے سلام عرض فرما دیں اور دعا کی درخواست۔

والسلام

محمد اسماعیل

گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 36

(۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۲۳۔۱۲۔۶۳ء

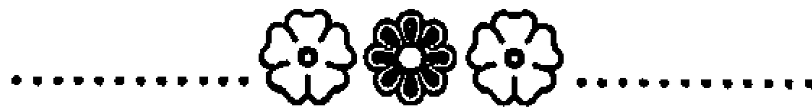
مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل میں لاہور گیا تھا۔ عبداللہ ملک کو فون پر تاکید کی تھی، وہ عنقریب تمام پرچے بھیج دیں گے۔ ویسے وہ مضامین مہر صاحب کی کتابوں کے اقتباسات ہیں۔ چند دن انتظار کے بعد اگر نہ پہنچیں تو مکرر مطلع فرما دیں۔ میں نے حاجی اسحاق صاحب حنیف کو بھی کہا ہے۔ ان شاء اللہ وہ بھجوا دیں گے۔ پہلے ''امروز'' حاجی صاحب ہی نے خریدا تھا، اب انھوں نے بیچ دیا ہے۔ پرچے ان شاء اللہ مل جائیں گے۔

والسلام

محمد اسماعیل

گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 37

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۱۹۔۵۔۶۳ء

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! مسرت ہوئی، جناب کو رسالہ پہنچ گیا۔ یاد نہیں میں نے جناب کو ''نصرۃ الابرار'' بھیجی تھی یا نہیں؟ یہ کتاب بھی لدھیانوی حضرات نے شائع کی تھی۔ اس کے تین اڈیشن شائع [ہوئے] پہلا اِڈیشن اس وقت شائع ہوا جب سرسید نے کالج کی بنیاد رکھی۔ یہ ضخیم ہے، اس میں

دیوبندی اور بریلوی حضرات کے فتوے ہیں۔ میری نظر سے نہیں گزرا۔ دوسرا اِڈیشن مختصر ہے جس میں میاں صاحب کو نذیر حسین بنگالی ظاہر کیا گیا ہے۔ اس وقت کانگریس وفادار جماعت تھی۔ اس کا مطمحِ نظر یومِ اول تھا، اس میں تفصیل نہیں دی گئی۔

تیسرا اِڈیشن تقسیم کے بعد شائع ہوا ہے۔ اس میں اہلِ حدیث اور میاں صاحب کا تذکرہ ہے۔ ناپید ہے۔ یہ دونوں اِڈیشن میں نے دیکھے ہیں۔ نصرۃ الابرا کا ایک ہی نسخہ ملا ہے، اگر ضرورت ہو تو بھیج دوں؟

عبدالرحمان صاحب کاشمیری کا عرصہ کے بعد کل خط آیا ہے۔ میں نے سرِ دست ان سے استخراج کیا ہے۔ جواب کے معاملے میں اُن سے دریافت کروں گا۔ ان شاء اللہ

والسلام

محمد اسماعیل

گوجرانوالہ

ایک کتاب حجاز سے آئی ہے: ”تنبیه الباحث السري إلی ما في رسائل وتعالیق الکوثري“، غالباً نظر سے گزری ہوگی۔ والسلام



مکتوب نمبر 38

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۲۷۔۴۔۶۳ء

اخی المحترم زاد مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک رسالہ بذریعہ بک پوسٹ مرسل ہے۔ یہ رسالہ مولوی عطاء اللہ صاحب کے پاس آیا تھا۔ اس میں کچھ مواد آپ کے موضوع سے متعلق ہے۔ اگر پسند ہو تو رکھ لیں، اگر ضرورت نہ ہو تو واپس فرمادیں۔ والسلام

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ قاری احمد سعید صاحب ملیں تو ان سے سلام عرض فرما دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

چاہ شاہاں



مکتوب نمبر 39

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan

Dated 25-3-64 — Gujranwala

محترم مکرم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! اس ہفتے کے ترجمان میں جناب کی علالت اور صحت کی اطلاع معاً پڑھی۔ افسوس ہوا، عیادت کے اجر سے محروم رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامل اور عاجل صحت عطا فرمائے۔ تحریک اہلِ حدیث کے متعلق معلوم نہیں، شہسوارِ قلم کہاں تک پہنچا؟ تحریک کے بعض رجال کے متعلق جناب نے دریافت فرمایا تھا، ان اتقیاء کا پتا کہاں سے چلے؟ تحریک سو سال تک معتوب رہی، لوگوں نے قیمتی اور محفوظ ذخائر کئی دفعہ جلائے۔

مولانا جعفر تھانیسری مرحوم کے پوتے لاہور صدر میں مقیم ہیں۔ خیال تھا ان سے کوئی پتا ملے گا، لیکن وہ بچارے ۱۹۴۷ء کے فسادات میں تہی دست لاہور پہنچے۔ اسمست میں آج کل مولوی برکت اللہ ہیں، شاید ان کے ہاں پرانے رجال کا کوئی ریکارڈ ہو، مجھے تو ان کے ساتھ مراسم نہیں۔ مولانا عبدالخبیر صاحب کی معرفت معلوم فرمائیں، اگر کچھ ہو تو کوئی آدمی بھیج دیا جائے۔

حال ہی میں ایک رسالہ "حدیث کی تشریعی اہمیت" طبع ہوا ہے، اس کے ساتھ "شرف اصحاب الحدیث" بھیج رہا ہوں۔ مل جائے تو مطلع فرما دیں۔ والسلام



مکتوب نمبر 40

(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

۲۴۔ ۷۔ ۶۸ء

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! تمام مرسلات اور مراسلات مل گئے۔ جزاکم اللہ أحسن الجزاء۔ لدھیانوی خاندان نے جماعت کی ایذا رسانی میں انتہائی عیاری سے کام کیا ہے۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ یہ نہ دیوبندی ہیں نہ بریلوی۔ اہلِ حدیث کے خلاف اس کنبے نے برزخ کے طور پر کام کیا ہے، ان کے مراسم بریلوی اور دیوبندی دونوں حلقوں میں ہیں، ان حضرات نے اپنی ساری صلاحیتیں جماعت کے خلاف ہیزم کشی میں صَرف کی ہیں۔

مولوی عبدالقادر صاحب کی بعض تصانیف اور بھی ملی ہیں۔ مگر وہ قادیانی اور سرسید کے متعلق ہیں۔ انتقادِ صحیح بہت اچھی ہے۔ میں نے نصف سے زیادہ پڑھ لی ہے۔ انتظام المساجد اور ملحقہ رسالہ کل آئے ہیں۔ پڑھ لیا ہے۔ انتظام المساجد نقل کرانے کا خیال ہے۔ نقل ہوتے ہی واپس کر دیے جائیں گے۔

میں نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب انتقاض الاعتراض نقل کرائی ہے۔ یہ نسخہ کثیر الغلط ہے۔ جناب کی نظر میں اس کا کوئی صحیح نسخہ ہو جس سے مقابلہ ہو سکے؟ نسخہ میں خود حافظ صاحب رحمہ اللہ نے بیاض رکھے ہیں۔ مرحوم تکمیل نہیں فرما سکے، اس کے باوجود اغلاط ہیں۔ غالباً میرا نسخہ مسودہ نسخہ کا نقل ہے۔

محمد اسماعیل

مدرس گوجرانوالہ

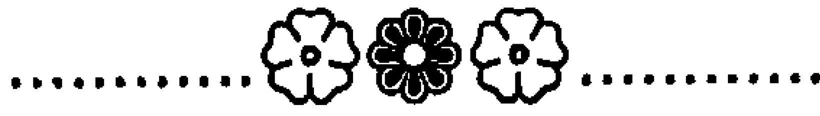
جناب کو یہ سن کر رنج ہوگا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کے دو پوتوں مسٹر بہاء اللہ اور ذکاء اللہ کو، ایک بدقماش آدمی نے شہید کر دیا۔ بے چارے دونوں پریس میں تھے، وہیں جان بحق ہو گئے۔ بظاہر اس کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔ بہاء اللہ مقامی سیاسیات میں بڑے مخلص ورکر تھے

اور ذکاء اللہ جماعتی کاموں میں بھی بڑے مستعد تھے اور پریس کا کام بھی سارا اُنھیں کے ذمے تھا۔

والسلام

محمد اسماعیل

گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 41

(مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری کے نام مکتوب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گجرانوالہ

۳۔۲۔۵۶ء

حضرت مولانا الاعز المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں پاسپورٹ کے لیے کوشش تو کر رہا ہوں لیکن حالات امید افزا نہیں ہیں، اس لیے کرایہ بھیجنے کی کوشش نہ فرمائیں۔ البتہ جلسہ کی حتمی تواریخ سے مطلع فرما دیں۔ والسلام

مقدمہ تحفۃ الاحوذی ارسال فرما دیں۔ قیمت مولانا عطاء اللہ صاحب کو دے دی جائے گی، غالبًا ان سے حساب چلتا ہے۔ دیوبندی رسالہ عنقریب بھیج دوں گا۔

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ

ایک مبسوط مضمون حجیتِ حدیث کے متعلق ''الاعتصام'' میں آ رہا ہے۔ یہ مودودی صاحب کے مسئلۂ اعتدال اور اصلاحی صاحب کے ایک مضمون پر ضمنی تنقید ہے۔ میں اس کے متعلق آپ حضرات کی رائے چاہتا ہوں۔ هَلْ أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ؟

شاید اس ''الاعتصام'' میں پہلی قسط آ جائے۔

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

باسمہ عز و جل

بخدمت اقدس محترم المقام جناب حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب

ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

جنابِ عالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گزارش ہے کہ بندہ جب سے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے دفتر میں بسلسلہ مبلغ ملازم ہوا ہے، بحمد اللہ اپنے فرائض بخوبی سرانجام دے رہا ہے جس کا ثبوت دفتر سے مل سکتا ہے۔ چونکہ آج کل مہنگائی کی وجہ سے اشیائے خوردنی اور دیگر ضروریاتِ زندگی سخت گراں ہیں جن کے لیے موجودہ تنخواہ کفیل نہیں ہوسکتی۔ میں اپنے علاوہ آٹھ کس افرادِ خانہ کے اخراجات کا کفیل ہوں۔

/۸۰ روپے ماہانہ تنخواہ بہت کم ہے۔ ازرہِ نوازش اگر آپ/۱۲۵ روپے ماہانہ منظور فرما دیں تو عین نوازش ہو۔ اور میری تنخواہ میں اضافہ ماہ جنوری ۵۹ سے شروع کیا جائے۔

محمد حسین

مبلغ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

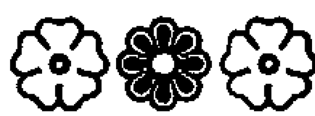
مولوی محمد حسین صاحب کا کام تسلی بخش ہے، ان کا مطالبہ درست ہے۔ قواعد و ضوابط کے مطابق ان کو ترقی دی جائے۔

والسلام

محمد اسماعیل

ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث

۲۔۳۔۵۹ء



مکتوب نمبر 42

(مولانا عبدالعلیم ماہر[2] کے نام چھے خطوط)

(۱)

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث مغربی پاکستان

۷۔ ایبک روڈ، حدیث منزل لاہور

مورخہ: ۵۔۱۲۔۱۹۶۶ء

حبي الأعز! زيد شرفكم. السلام عليكم و رحمة الله و بركاته

[1] مولانا عبدالعلیمؒ ماہر دہلی، انڈیا کے رہنے والے ہیں۔ آپ جامعہ ریاض العلوم دہلی کے مدرس اور ادیب و شاعر بھی ہیں۔ ایک شعری مجموعہ بھی مطبوع ہے۔

منطقوں کی تقسیم کے [بعد] آپ حضرات کی زیارت کافی مشکل ہے۔ ممنون ہوں کہ آپ حضرات کسی نہ کسی عنوان سے یاد فرما لیتے ہیں۔ زَادَكُمُ اللّٰهُ مَجْدًا وَّشَرَفاً.

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے تبوک کے اہلِ توحید و سنت کو لکھا تھا:

إِذَا طَلَعَتْ شَمْسُ النَّهَارِ فَإِنَّ ذَا أَمَارَةُ تَسْلِيمِي عَلَيْكُمْ فَسَلِّمُوا

احباب کو اسی نوعیت کا سلام ہر آن کیجیے۔

جماعت میں اہلِ علم اور اہلِ قلم کا فقدان روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اللہ ہی اس کمی [کو] پورا فرمائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ.

مرحوم① کے مکاتیب آخر ہماری بھی آس اور اُمید ہے۔ إن شاء اللہ مل جائیں گے، تلاش کی ضرورت ہے۔

استرخائے اعصاب کی وجہ [سے] تقریباً تین ماہ صاحبِ فراش رہا۔ اب کچھ ہمت ہوئی ہے۔ قریبی مقامات کا سفر کر لیتا ہوں، مگر اس وقت بھی نقاہت کافی ہے۔

خطوط کو اہتمام سے سنبھالنے کی عادت نہیں۔ اُمید قوی ہے کہ مرحوم کے چند خطوط مل جائیں گے۔ میں اتنی دور بیٹھے کیا مشورہ دے سکتا ہوں؟ دعائیں بہرکیف آپ کے ساتھ ہوں گی۔ حضرت مولانا عبیداللہ صاحب②، مولانا عبد الرؤف صاحب جھنڈا نگری، مولانا داؤد صاحب راز اور مولانا عبدالصمد عبدالحکیم صاحب، یہی بہترین مشورے دے سکتے ہیں۔ طبیعت تھوڑی بہتر ہوتے [ہی] ۔إن شاء اللہ۔ تلاش شروع کر دوں گا۔

میرا خیال ہے پاکستان میں مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ سے مرحوم کا یہ سلسلہ موجود تھا۔ ممکن ہے سید بدیع الدین صاحب نیو سعید آباد، گوٹھ پیر جھنڈا ضلع حیدر آباد سندھ سے بھی ہو۔ میں اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ یاد فرمائی کے لیے مکرر شکریہ۔

حضرت میاں صاحب مرحوم③ کے متعلق مولانا④ نے جو لکھا تھا غالباً مسودہ ہوگا، اُسے صاف کر

① مولانا ماہر نے حضرت سلفی رحمہ اللہ سے مولانا نذیر احمد رحمانی املوی (م ۱۹۶۵ء) کے مکاتیب کی بابت پوچھا تھا۔

② مولانا عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (۱۹۹۴ء)

③ میاں نذیر حسین محدث دہلوی (۱۳۲۰ھ)

④ مولانا نذیر احمد رحمانی املوی

کے شائع کرنا چاہیے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
محمد اسماعیل، کان اللہ لہ
گجرانوالہ



مکتوب نمبر 43

(۲)

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
۷، ایبک روڈ، حدیث منزل، لاہور

مورخہ: ۲۰۔ا۔ ۶۷ء

حضرت المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوبِ گرامی ملا۔ یاد فرمائی کے لیے شکریہ۔ مکتوب رمضان میں ملا۔ کچھ رمضان کے مشاغل، اس کے ساتھ اعصاب میں درد، کمر میں تکلیف، اس لیے جواب میں دیر ہوئی۔ بصمیمِ قلب معذرت خواہ ہوں۔

میرا خیال ہے میرے پاس حضرت مرحوم[1] کے تین خطوط ہوں گے۔ آج مولانا عبدالسلام صاحب مدرس[2] اور طلبہ کی تھوڑی سی محنت سے مرحوم کا آخری مکتوب ملا۔ اس کے بعد مولانا عبدالوحید صاحب کا مکتوب ان کی شدتِ علالت کے متعلق آیا، اور احباب کے خطوط بھی اسی سلسلے میں آئے، لیکن ان کا کوئی مکتوب نہ ملا۔ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ رَحْمَةً وَاسِعَةً.

اب ذرا طبیعت درست ہونے پر مزید کوشش کروں گا۔ اُمید ہے باقی خطوط بھی مل جائیں گے۔ إن شاء الله.

مولانا! صحیح قیادت ہر جگہ مفقود ہے۔ ’’كَبَّرَنِيْ مَوْتُ الْكُبَرَاءِ‘‘ کا معاملہ سب جگہ کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو نعمتِ اخلاص سے نوازے۔ مستقبل کے معمار آپ حضرات ہیں۔ وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضیٰ.



[1] مولانا نذیر احمد رحمانی املوی

[2] حافظ عبدالسلام صاحب بھٹوی مراد ہیں جو اُس وقت جامعہ محمدیہ چوک نیائیں میں مدرس تھے۔

① مولانا بھوجیانی رحمہ اللہ کا پتا: مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ، لاہور۔

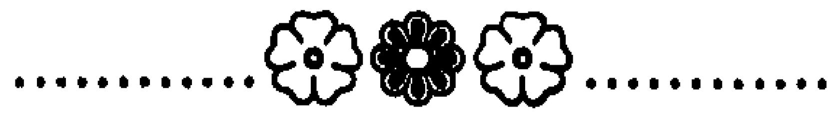
② گوٹھ پیر جھنڈا، نیو سعید آباد، ضلع حیدر آباد سندھ، سید شیخ بدیع الدین صاحب۔

مولانا رحمانی کی اس آخری تحریر متعلقہ میاں صاحب کو جلد از جلد شائع کرنا چاہیے۔ اگر وہاں چھپنے کا امکان نہ ہو تو اِدھر بھیج دیں، یہاں سے شائع ہو جائے [گی]۔ پیش لفظ مولانا عبید اللہ صاحب[1] لکھیں۔

والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ، چاہ شاہاں



مکتوب نمبر 44

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۲۳۔۱۔۶۷ء

محترم مولانا! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مکتوب شروع جنوری میں ملا۔ اس اثنا میں طبیعت پھر خراب ہو گئی۔ جواب میں غیر معمولی دیر ہوئی۔ حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مغفور کا ۱۴؍ مئی ۶۵ء کا آخری مکتوب سرِ دست ملا ہے جو بجنسہ مرسل ہے۔

کل یا پرسوں ایک جدید مطبوعہ نسخہ ''تحریک آزادیِ فکر اور شاہ ولی اللہ کے تجدیدی کارنامے'' بذریعہ رجسٹرڈ پارسل بھیج رہا ہوں۔ خدا کرے آپ تک پہنچ جائے۔ احتیاطاً میں نے چٹھی کی نقل رکھ لی

[1] مولانا عبید اللہ رحمانی (شارح مشکاۃ)

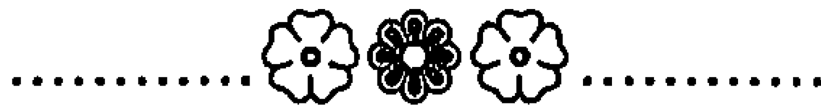
ہے۔ مکتوب ملنے کی اطلاع بھی دیں اور کتاب ملاحظہ فرمانے کے بعد اس کے محتویات کے متعلق رائے گرامی سے مطلع فرما دیں۔

''حسن البیان''[1] اور ''الارشاد''[2] اہلِ حدیث اکیڈمی نے شائع کی ہے۔ حسن البیان کے شروع میں مَیں نے یہاں کے دیوبند حضرات سے تنگ آکر مبسوط پیش لفظ لکھا ہے جس میں کسی قدر تلخی آ گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ حضرات اسے ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں کی بے اعتدالی دیوبند ہی سے آئی ہے۔ مولانا انور شاہ صاحب کے نام سے ایک ان کا لختِ جگر جو شائع کر رہا ہے، وہ خطرناک ہی نہیں، شرمناک بھی ہے۔ اپنے مسلک کی حمایت تو بجا ہے، مگر محدثین کی تنقیص کے لیے کوئی وجہ جواز نہیں۔ والسلام

اُمید ہے دعاؤں میں یاد رکھیں گے، عمر کے آخری لمحات قرآن و سنت کی خدمت میں گزر جائیں۔ مولانا عبدالرؤف صاحب[3] آپ سے کتنی دور ہیں؟

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



[1] یہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی (م مارچ ۱۹۱۸ء) کی تالیف ہے جو مولانا شبلی نعمانی (م نومبر ۱۹۱۴ء) کی کتاب ''سیرۃ النعمان'' پر نقد ہے۔

[2] مولانا ابو یحییٰ شاہجہانپوری (م ۱۹۲۰ء) کی تالیف: ''الإرشاد إلی سبیل الرشاد في أمر الاجتهاد والتقلید''، جو مولانا رشید احمد گنگوہی کی تصنیف ''سبیل الرشاد'' کے جواب میں ہے اور ۱۳۱۹ھ کو مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی تھی۔

[3] مولانا عبدالرؤف جھنڈانگری۔

مکتوب نمبر 45

(۴)

مرکزی جمعیۃ اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

۷۔ ایبک روڈ، حدیث منزل، لاہور

مورخہ: ۹۔۳۔۶۷ء

محترم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"أنوار الباري"[1] میری نظر سے نہیں گزری۔ دیوبندی حلقوں [میں] اس کی خاصی شہرت ہے۔ تحریر کا یہ انداز محمد زاہد کوثری کا پیدا کردہ [ہے]۔ مرحوم مولانا انور شاہ بھی اسی سے متاثر تھے۔ موجودہ دیوبندی پود اسی سے متاثر ہو رہی ہے۔ یہاں کے دیوبندی مصنف بھی یہی لب و لہجہ اختیار کر رہے ہیں۔ انیسویں صدی کے پہلے عشرہ [میں] ڈاکٹر عمر کریم پٹنوی نے یہ انداز اختیار کیا تھا۔ مرحوم مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی نے اس کا منہ توڑ جواب دیا۔[2] وہ بریلوی تھا، مگر یہ حضرات ائمۂ حدیث پر طعن میں کہیں زیادہ بے باک ہیں۔ پاکستان میں اس قسم کی قانونی دشواریاں ہیں جن کی تفصیل مشکل ہے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب محشی سنن نسائی نے اس موضوع پر کچھ لکھا ہے۔ معلوم نہیں پریس میں کب آئے؟

آپ حضرات مطالعہ کریں اور قلم اُٹھائیں۔ مولانا نذیر احمد تو اب نہیں آئیں گے۔ عزم ہو تو اسباب خود بخود پیدا ہو سکتے ہیں۔ میں کوشش کر رہا ہوں "حُسن البیان" آپ کو بھجوا دوں۔ معلوم

---

[1] یہ مولانا انور شاہ کشمیری (م مئی ۱۹۳۳ء) کے داماد احمد رضا بجنوری کی تالیف ہے جو صحیح بخاری کی شرح و تقریر ہے۔ یہ کتاب ہند و پاک سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے مقدمے (دو جلدیں) اور شرح میں ائمۂ سلف اور مسلکِ محدثین کے متعلق مولف نے انتہائی دریدہ دہنی اور طعن و تشنیع سے کام لیا ہے۔ اس کا جواب برصغیر کے معروف سلفی عالم مولانا رئیس الاحرار ندوی نے "اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات" کے نام سے دیا ہے جو پہلے جامعہ سلفیہ بنارس سے چار جلدوں میں اور پھر پانچ جلدوں میں پاکستان میں شائع ہو چکا ہے۔

[2] مولانا بنارسی مرحوم نے اس سلسلے میں سات کتب و رسائل لکھے تھے جو ام القریٰ پبلی کیشنز، گوجرانوالہ کی طرف سے "دفاعِ صحیح بخاری" کے نام سے یکجا شائع ہو چکے ہیں۔

نہیں کہ پہلے پارسل میں خطیب بغدادی کی کتاب ”شرف أصحاب الحدیث“ آپ کو بھیجی یا نہیں؟[1]

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ شخصیتیں اسی طرح اُبھرتی ہیں۔ مطالعہ کے لیے چند رفقاء رجحانِ طبیعت کے مطابق مختلف راہیں اختیار فرمائیں اور اس نہج پر متعدد کتابیں دیکھ ڈالیں۔ اس پر نوٹ لکھیں، اس سے مواد بھی فراہم ہو گا اور طبیعت بھی کھل جائے گی۔ متعدد ساتھی کسی مقام پر ہر ماہ جمع ہو کر اپنے موضوع پر تبادلہ خیال فرمائیں اور ایک دوسرے کے مطالعے سے استفادہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات سے اپنے دین کی خدمت لے اور آپ کو کام کے لیے عزم کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



مکتوب نمبر 46

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۹۔۶۔۶۷ء

محترم مولانا! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج گرامی! خیال نہیں کوئی مکتوبِ گرامی ملا اور جواب رہ گیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کسی وجہ سے ملا ہی نہ ہو۔ مولانا عطاء اللہ سے عرض کر دوں گا۔ غالبًا انھوں نے ایک دو مکتوب تلاش کیے ہیں۔ میں جب ملے، عرض کروں گا۔ مرحوم امام خاں[2] کا لڑکا لاہور میں وکیل ہے۔ ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔ مولانا عطاء اللہ صاحب سے مراسم ہیں۔ انھیں یاددہانی کرائیں، ممکن ہے کوئی مکتوب مل جائے۔

[1] یہ کتاب جمعیت اہلِ حدیث پاکستان نے شائع کی تھی، جس کے آغاز میں حضرت سلفی رحمہ اللہ کا عربی میں ایک مبسوط مقدمہ درج ہے۔ یہ مقدمہ زیرِ نظر مجموعے (ص: ۱۳۰) میں بھی شامل ہے۔

[2] مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی (م ۱۹۶۶ء)

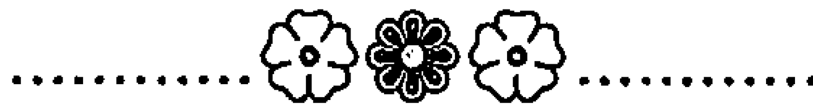
شیخ بدیع الدین حجاز گئے تھے، اب واپس آئے ہیں۔ ممکن ہے پہلے مکاتیب نہ ملے ہوں۔ انھیں پھر لکھیے۔ پیر صاحب ڈاک کے جواب میں بہت متساہل ہیں۔

جناب کے تاثرات مجھے نہیں ملے۔ ترجمان میں پڑھے۔ جناب کے تاثرات مجھے کتاب کے ناشر نے بھیجے۔ شکریہ۔ ملک امام خاں کے ورثاء بے حد حریص ہیں، ان کے مسودات کی بڑی گراں قیمت طلب کرتے ہیں۔ سنا ہے تراجم اہلِ حدیث ایک دو جلدیں بصورتِ مسودہ موجود ہے۔[1] وہ سودے بازی کر رہے ہیں۔ ویسے بھی بے دین ہیں۔ آخر عمر میں ملک صاحب کے حالات بھی کچھ خراب ہو گئے تھے۔ وہ خود بھی فروخت کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

اس پتے پر خط لکھیں: سوہدرہ، ضلع گوجرانوالہ براستہ وزیر آباد، بجانب ملک امام خاں صاحب ان کی اہلیہ کو ملے۔ والسلام



مکتوب نمبر 47

(٦)

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"　　Mohammad Ismail

چاہ شاہاں گوجرانوالہ　　Chah Shahan

Dated ٥-١-٦٧ء　　Gujranwala

حبی العزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا۔ تقسیم کے اثرات کے [متعلق] آپ کے احساسات بالکل درست ہیں۔ دونوں

[1] تراجم علمائے حدیث ہند کی جلد اول ۱۹۳۸ء میں دہلی سے شائع ہوئی۔ باقی جلدیں زیرِ ترتیب تھیں، لیکن مولانا دیگر تصنیفی مشاغل میں ایسے اُلجھے کہ اُنھیں مکمل نہ کر سکے۔ جناب ضیاء اللہ کھوکھر (گوجرانوالہ) نے دوسری جلد کا مسودہ مولانا نوشہروی کے فرزند عبد الباقی ایڈووکیٹ سے حاصل کیا جو بالکل ابتدائی حالت میں ہے اور اشاعت کے لیے موزوں نہیں۔

منطقے یکساں متاثر ہیں۔ یہاں بھی "كَبَّرَنِيْ مَوْتُ الْكُبَرَاءِ" ہی کا معاملہ ہے۔لیکن ماضی کا ماتم مرض کا علاج نہیں، بلکہ ماضی کے کھنڈروں پر مستقبل کی تعمیر اربابِ ہمت کا شیوہ ہے۔تقسیم سے پہلے جو خلا نمودار ہوئے، انھیں پاٹنے کی ہمیں توفیق کب ہوئی؟ نذیر احمد رحمہ اللہ اگر واپس نہیں آ سکے تو نذیر حسین کی جگہ کب پُر ہوئی؟ ہمت کو سہارا دیجیے اور اپنے کندھوں کو اس بوجھ کے لیے تیار فرمائیے۔

عرصہ ہوا مولانا مرحوم کا ایک مکتوب اور چند مطبوعہ پریشان خیالات بنام "تحریکِ آزادیِ فکر" ارسال کیے گئے۔ پارسل رجسٹرڈ تھا، مگر تا حال اس کی رسید نہیں ملی۔مل جائے تو مطلع فرما دیں۔اس کے ساتھ ہی یہ کتاب مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈا نگری کو بھیجی تھی، اُن کی رسید آئی۔اس کے ساتھ شیخ یحییٰ صاحب اُن کی رسید بھی نہیں۔ ہر کتاب کے متعلق اپنی رائے گرامی سے مطلع فرمائیں۔

مولوی عطاء اللہ حنیف صاحب کو غالباً آپ نے نہیں لکھا۔ ان کے پاس مرحوم کے کئی ایک مکتوب موجود ہیں، انھوں نے مجھ سے اس کا ذکر فرمایا۔

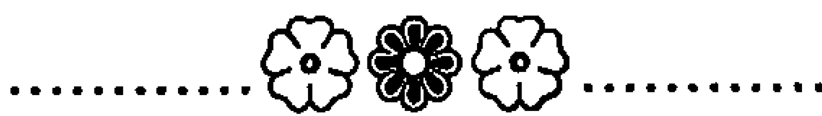
ہمارے ہاں ایک جدید فتنہ سر اُٹھا رہا ہے حافظ عنایت اللہ گجراتی۔آپ نے سنے ہوں گے۔ انھوں نے تین کتابیں شائع کی ہیں: "عیون زم زم" "بحر قلزم" اور "نظر حِزْيَم"۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش بلا باپ نہیں ہوئی، بلکہ حضرت مریم کا نکاح یوسف نجار سے [ہوا] تھا۔ وہ حضرت مسیح کے باپ تھے۔تا حال تو اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ خیال ہے یہ خاموشی توڑنی پڑے [گی]۔ والسلام

مولانا نذیر احمد صاحب کا جولڑکا مدینہ یونیورسٹی تعلیم حاصل کر رہا ہے، اس کا کیا نام ہے اور تعلیم اس کی کتنی مدت باقی ہے؟

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 48

(مولانا محمد داود راز کے نام ایک مکتوب)

از قلم علامہ نبیل حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مدظلہ العالی

(ناظمِ اعلیٰ آل مغربی پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس)

سیرت ثنائی سے متعلقہ یہ خط عوام وخواص اہلِ حدیث برادران کے لیے پھر جملہ ہمدردانِ ملت کے لیے بہت ہی گہری بصیرت اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور ایک ایسی مسلم اور بے لوث شخصیت کے قلم سے ہے جو مجھ جیسے ناکارہ انسان کے تعارف سے بہت ہی زیادہ بلند اور ملتِ اسلامیہ کی مایۂ ناز شخصیت ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ اس گرامی نامہ سے متعلقہ بصائر وحکم ومواعظ کو عام کرنے کے لیے اسے حوالۂ پریس کردوں۔ ہوسکتا ہے کہ ہماری غفلت زدہ دنیا کو بیدار کرنے کے لیے یہ صورِ اسرافیل کا کام کرسکے کہ ہم نے انقلاب چرخِ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں۔ (ناچیز: محمد داود راز۔ بمبئی)

برادر مولانا زادمجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج لاہور سے فتاویٰ ثنائیہ کا نسخہ لایا ہوں۔ دونوں حکومتوں کے تعلقات کی خرابی کی وجہ سے کتاب کی اشاعت مناسب طور پر نہیں ہوسکی۔ مشکل سے ایک نسخہ مل سکا ہے۔ آپ کی محنت صد ہزار تحسین کی مستحق ہے۔ آپ حضرات نے مرحوم کے مستحسن کارناموں کو ہمیشہ کے لیے زندگی دے دی۔ دیباچہ سرسری نظر سے دیکھا۔ اگر نظر ثانی کا موقع مل جائے تو ذیل کے واقعات کا مناسب مواقع پر اضافہ فرمادیں:

1. مرحوم (حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ) پر قاتلانہ حملہ کے بعد کیس چلتا رہا۔ اہلِ بدعت خفیہ سفارشیں کرتے رہے۔ بالآخر حملہ آور کو سزا دی گئی۔ چند ماہ کے بعد حضرت کو معلوم ہوا کہ حملہ آور کے عیال واطفال بڑی عسرت سے گزر کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کے سہارے اس نے یہ حرکت کی تھی، اس کی اعانت سے دست کش ہوگئے ہیں۔ مرحوم نے ان کی باقاعدہ کفالت شروع کردی۔ احباب کو معلوم ہوا تو انھوں نے اسے ناپسند فرمایا۔ مجھے علم ہوا۔ میں نے بھی حضرت سے عرض کیا کہ جناب مجرم کی حوصلہ افزائی فرمارہے ہیں؟! مسکرا کر فرمایا: مجرم باپ ہے۔ بچے نہیں۔ باپ کو تکلیف میری وجہ سے پہنچی ہے۔ اس لیے بچوں کی کچھ نہ کچھ کفالت

میرے ذمہ بھی آتی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ رہائی کے بعد حملہ آور سب سے پہلے حضرت مولانا کی خدمت میں آیا اور معافی چاہی۔

زیرِ خط فقرے کا مجھے ذاتی علم نہیں۔ میں نے امرتسر کے احباب سے سنا ہے۔

2 گوجرانوالہ کے ایک مقتدر دولت مند مسٹر عطاء محمد صاحب ایل۔ ایل۔ بی نے کشمیری کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ حضرت مولانا کو بھی کانفرنس میں بلایا۔ یہ کانفرنس دنیا داروں کی تھی۔ دنیوی مقاصد کے لیے مولانا شمولیت سے گھبرائے۔ مسٹر عطاء محمد وکیل نے کہا کہ آپ سے ہمیں اصلاحِ رسوم کا کام لینا ہے۔ حضرت مرحوم تیار ہو گئے۔ کانفرنس میں شامل ہوئے۔ اصلاحِ رسوم کا مسودہ دینی لحاظ سے مرتب فرمایا جس میں بعض چیزیں (باجہ وغیرہ کی ممانعت) ان حضرات کو ناپسند ہوئیں۔ حضرت مرحوم ناراض ہو کر چلے آئے۔ کچھ عرصہ بعد اہلِ کانفرنس نے مولانا کو پھر بلایا تو حضرت نے جواب دیا کہ میں کشمیری نہیں ہوں۔ میں مدت سے مسلمان ہو چکا ہوں!

3 ۱۹۴۷ء میں مولانا مرحوم نے جماعت گوجرانوالہ کی استدعا پر گوجرانوالہ آنا منظور فرمایا۔ مجھے خیال تھا کہ حضرت کسبِ معاش کے معاملے میں کچھ زیادہ محتاط نہیں ہوں گے، مگر قریب سے دیکھنے پر مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ مرحوم کے احساسات اس معاملے میں بے حد نازک تھے۔ لوٹ کا مال ان دنوں میں لوگوں کے پاس کافی تھا۔ مولانا کو مہاجر سمجھ کر مولانا کو پیش کرنا شروع کیا۔ حضرت نے انکار کر دیا۔ ایک صاحب نے پورے سال بھر کے لیے غلہ بھیجنے کا وعدہ کیا۔ مولانا کو علم ہوا کہ یہ لوٹ کا مال ہے۔ حضرت نے اس پیش کش کے قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرما دیا: میں لوٹ کا مال ناجائز سمجھتا ہوں۔

4 جماعت اہلِ حدیث چنیوٹ نے پانچ صد روپیہ کی رقم دے کر جناب خطیب جامع اہلِ حدیث چنیوٹ کو بھیجا کہ جماعت نے زکات کی مد سے جناب کی اعانت فرمائی ہے۔ حضرت نے رقم واپس کر دی۔ فرمایا کہ حافظ صاحب! میری مالی حالت بے شک خراب ہے مگر خدا کے سامنے زکات خور کی حیثیت سے نہیں جانا چاہتا۔ میں ہمیشہ زکات دیتا رہا ہوں۔ اب نہیں چاہتا کہ زکات کے لیے ہاتھ پھیلاؤں۔

5 گوجرانوالہ آنے کی اطلاع جب بیرونی احباب کو ملی تو احباب نے کافی رقوم، عطیے حضرت کی

خدمت میں بھیجے۔ چند دنوں میں سیکڑوں روپے پہنچ گئے۔ مرحوم نے میرے توسط سے اپنے احباب کو رقوم بھیجیں۔ کوپن پر لکھواتے: تحیہ مسنون۔ یہ رقم آپ کے مصارف کے لیے بھیجتا ہوں۔ ضرورت ہوئی تو لے لوں گا۔ حسابِ دوستاں در دل۔

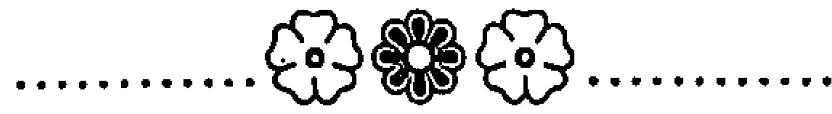
حضرت کے اس عارضی قیام سے میری بڑی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ اللهم اغفر له وارحمه.

سرگودھا کا قبرستان بڑا خوش نصیب ہے جسے اس سید المجالس نے گوشۂ تنہائی کے لیے پسند فرمایا۔

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گوجرانوالہ

۱۵/جنوری ۵۵ء



مکتوب نمبر 49

(مولانا محمد اسرائیل ندوی سلفی کے نام مکتوب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حبیبی الاعز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب سامی ملا۔ یاد فرمائی کے لیے شکریہ!

آپ کے محبت آمیز جذبات سے مسرت ہوئی۔ خدا تعالیٰ کی عنایت تو ہمیشہ اہلِ حق کے ساتھ شامل رہی ہے۔ اصل سہارا بھی وہی ہے۔ لیکن اسباب کے لحاظ سے آپ ایسے مخلص نوجوان ہی مستقبل قریب میں جماعت کے لیے سرمایۂ صد افتخار ہو سکتے ہیں۔ كَثَّرَ اللّٰهُ أَمْثَالَكُمْ.

ابن قیم رحمہ اللہ نے بعض اہلِ توحید کو خط لکھا تھا۔ خط منظوم تھا۔ اس کا آغاز اس شعر سے فرمایا تھا: ؎

إِذَا طَلَعَتْ شَمْسُ النَّهَارِ فَإِنَّ ذَا أَمَارَةُ تَسْلِيمِي عَلَيْكُمْ فَسَلِّمُوْا

میں بھی ابن قیم کی زبان سے آپ ایسے مخلصین سے اپنا سلام پیش کرتا ہوں۔ زَادَكُمُ اللّٰهُ إِخْلَاصًا وَبَرَكَةً.

ندوہ تو غالباً اسی دن ختم ہو گیا تھا جب حضرت سید صاحب نے تھانہ بھون کا رُخ فرما لیا تھا۔

شبلی مرحوم ابتداءً خاصے متعصب تھے، لیکن جیسے مطالعہ میں وسعت ہوئی، عصبیت جاتی رہی۔ سید صاحب رحمہ اللہ

سے میرے بھی کافی مراسم تھے۔ ان کے ہاں معاملہ برعکس ہو گیا تھا، تاہم عصبیت بحدِ عناد نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنا رحم فرمائے۔ ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾ [البقرة: ١٣٤]

علی میاں بھی بیعت کی زنجیروں میں بندھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں نجات دے۔ یہ حضرات اپنی صوابدید کے مطابق خدمت کر رہے ہیں۔ ہمیں ان سے مخاصمت نہیں۔ ہمیں اپنے مسلک کے لیے خلوص سے آگے آنا چاہیے۔ فنِ حدیث کے ماہر اب قریباً مفقود ہو رہے ہیں۔ ضرورت ہے رجال اور اسانید پر بحث کرنے والے۔ حدیث کو ائمۂ حدیث کی روش پر سمجھنے والے پیدا ہوں۔ آپ ایسی سعید روحیں اپنی ذمے داریوں کو سمجھیں۔ اگر اکابر میں اخلاص نہیں تو ہم انھیں اخلاص کا انجکشن نہیں دے سکتے۔ لیکن ہم اپنی صوابدید سے بلا تصادم خدمت کی راہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ منتقد علیہ رسالہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ ترجمہ پڑھا ہے، اگر مل سکے تو بھیج دیجیے۔

مولانا عطاء اللہ صاحب ''ابن تیمیہ'' (ابو زہرہ) پر کچھ نہ کچھ تنقیدی نوٹ لکھیں گے۔ ابو زہرہ اسلامی کانفرنس میں شرکت کے لیے جب لاہور آئے تو وہ احمد بن حنبل کے تنقیدی نوٹوں سے بہت خوش ہوئے تھے اور ترجمہ کے متعدد نسخے ہمراہ لے گئے تھے۔ میں مولانا عطاء اللہ صاحب سے آپ کا مشورہ عرض کروں گا۔ اب اگر ممکن ہو تو بہجۃ البیطار کے مضامین بھیج دیں۔ میں مولانا کو پہنچا دوں گا۔ ان شاء اللہ

مخلصین کی سب جگہ کمی ہے۔ یہاں کی مشکلات آپ کے علم میں نہیں۔ تاہم لوگ لڑتے بھی ہیں۔ چل بھی رہے ہیں۔ اتنا ہے کہ ہم اس غلط عنصر سے گھبراتے نہیں۔ بلکہ وہ ہم سے گھبراتے ہیں۔ اور عزیز! ہماری دنیا اس تصادم اور کشمکش سے خالی کب ہوئی؟ حالات جو بھی ہوں ہمیں اپنے لیے راہ پیدا کرنا ہے۔ یہاں پر جس قدر دوست تبلیغی جماعت میں شامل بھی ہیں، وہ جماعتی سرگرمیوں میں سہل انگار ہو گئے ہیں۔ ان اجنبی تنظیموں کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے کہ انسان سہل انگار ہو جاتا ہے کہ سنت کے ساتھ محبت نہیں رہتی۔ اس لیے میں نے ایک طنزیہ فقرہ لکھا تھا جسے مولانا نے معلوم نہیں پسند فرمایا یا خوشگوار سمجھا۔ میوات میں شدھی کے ایام میں یہ تحریک مفید تھی۔ لیکن اب بطور پیشہ اسے چلایا جا رہا ہے۔ مجھے اس میں کچھ روح معلوم نہیں ہوتی۔ یہ بے مقصد سفر ہے۔ کام سے زیادہ منادی ہوتی ہے۔ حقیقت سے زیادہ زور ٹیکنیکل الفاظ پر ہوتا ہے۔ اس کے باوجود خاکسار، لیگ ایسی تحریکات سے بہتر

ہے۔ دین سے شغف تو تھوڑا بہت ہے۔ اللہ آپ کو علم اور اخلاص مرحمت فرمائے۔

اگر طحاوی کی شرح شائع ہوئی ہو تو ایک جلد بھیج دیجیے۔ لیکن پہلے یہ سوچ لیں کہ آپ کو پیسے کیسے پہنچیں گے؟ پیسوں کی ترسیل کا مسئلہ بے حد مشکل ہے۔ میں نے بغداد سے "البرهان في علوم القرآن" زرکشی منگا لی تھی۔ ان کی شرافت تھی کہ انھوں نے مجھے کتاب فوراً بھیج دی۔ روپے پہنچانے کی ذمے داری مجھ پر ڈال دی۔ بڑی مشکل سے میں ان کو روپے بھیج سکا۔ اس معاملے میں مولانا عبدالصمد شرف الدین نے بہت تعاون فرمایا۔ طویل سمع خراشی کے لیے معذرت چاہتا ہوں۔ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم.

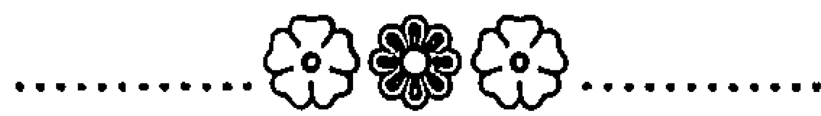
میں رات ان شاء اللہ کانفرنس کے لیے جا رہا ہوں۔ جماعت کا آئندہ سال کا بجٹ ایک لاکھ روپے بنا ہے۔ ہمارے گوجرانوالہ کے ذمے پندرہ ہزار لگایا تھا۔ ہم نے ان شاء اللہ رقم قریباً پوری کر لی ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل

گوجرانوالہ

(تراجم علمائے اہلِ حدیث میوات۔ ص: ۳۱۔۳۳)



مکتوب نمبر 50

(جامعہ سلفیہ بنارس کے قیام پر تہنیتی مکتوب)

منجانب: مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

حضرت مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ترجمان اہلِ حدیث اور احباب کے خطوط سے دار العلوم کی تاسیس کی بشارت سے بے حد مسرت ہوئی۔ حضرت سید القوم شیخ الکل استاذ الاساتذہ السید السند مولانا نذیر حسین صاحب مغفور کے تلامذہ سے بتدریج جو خلا پیدا ہوا تھا، رحمانیہ دہلی سے اس کی معمولی تلافی ہوئی تھی۔ اب وہ خلا پاک و ہند میں بدستور بڑھ رہا ہے جس کی تلافی واجباتِ قطعیہ سے ہے۔ فہمِ کتاب وسنت، طریقۂ سلف کا احیاء اور مسلکِ سلف کی حمایت وقتی طور پر اہم ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی مساعی سے اس خلا

کو پاٹ دے تو زندگی کا ایک کارنامہ ہوگا اور نجات کا یقینی ذریعہ۔ اَللّٰہُ مَعَکُم حَیثُمَا کُنتُم.

تمام رفقاء مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

والسلام

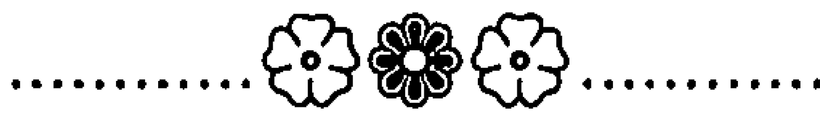
مولانا سید محمد داود۔ صدر جمعیت، مغربی پاکستان

اسماعیل سلفی۔ ناظم مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

الحاج محمد اسحاق حنیف۔ ناظمِ تعلیمات جامعہ سلفیہ

مولانا فضل حق صدر جامعہ سلفیہ، لاہور

۲۲/نومبر ۶۳ء



مکتوب نمبر 51

(مولانا عبدالمجید سوہدروی کے نام دو خطوط)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

۱۱۔۵۔۵۶ء

برادرم مولانا عبدالمجید صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر

جماعت کی تنظیم کا سلسلہ قریباً ۱۹۴۸ء سے شروع ہوا، آپ نے تعاون کے بجائے تنقید بلکہ احیاناً تخریب کی راہ اختیار فرمائی۔ لیکن میں اپنی دانست کے مطابق کہہ سکتا ہوں یہ بحرین کسی لحاظ سے بھی مفید نہ تھا اور غالباً اب تک جس طرح جماعت میں کام ہوا ہے، جناب نے محسوس فرمایا، اس تنقید سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اس دفعہ کے انتخاب اور شوریٰ کی کارروائی سے ظاہر ہے کہ ارکانِ شوریٰ نے جو فیصلے کیے ان پر کوئی بیرونی دباؤ نہ تھا۔ جماعت نے تمام فیصلے پوری آزادی سے کیے۔ شکر ہے کہ جناب کے متعلق

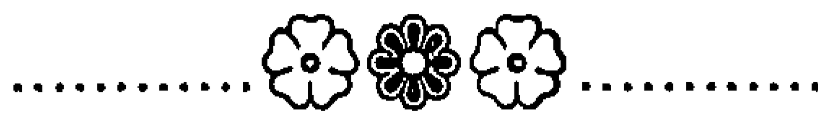
بدمزگی کا انجام بہتر ہوا۔

اب صاحبِ صدر عاملہ کی تشکیل فرما رہے ہیں۔ انھیں اپنے رفقاء کی تلاش ہے، آپ اگر قلبی طور پر اس رفاقت کے لیے آمادہ ہوں اور اس کی ذمے داریوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں تو صاحبِ صدر کو اس کے متعلق توجہ دلائی جا سکتی ہے۔ اس کی مشکلات جناب سے پوشیدہ نہیں، سوچ کر مناسب جواب سے ممنون فرما دیں۔ امانت، نصیحت، ایثار اس ذمے داری کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گذشتہ سال آپ کا لب و لہجہ صاحبِ صدر اور بعض خدام کے متعلق زیادہ تیز رہا۔ روش بدلنا بے حد ضروری ہے۔ اب اگر جماعت کی خدمت اور صاف دلی سے تعاون آپ پسند فرمائیں تو اس بدگمانی کو رفع کرنا بھی جناب کا فرض ہے۔ جو جریدہ اہلِ حدیث کی وجہ سے بعض رفقائے جماعت کے پیدا ہوئی یا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔

میں جمعرات لاہور جا رہا ہوں۔ میں اپنا عندیہ صاحبِ صدر اور باقی رفقاء کے سامنے رکھ سکوں۔ والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 52

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

۲۰۔۴۔۵۶ء

مکرم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کانفرنس کے سلسلے میں بعض احباب کی بے اعتنائی افسوس ناک تھی، بلکہ شرمناک، اگر ذمے داری کے احساس کا یہی حال ہو تو معلوم نہیں ہم لوگ دنیا میں [اصلاح کیسے] کر سکتے ہیں۔ ہزاروں روپے کے مصارف کا کام اور یہ بے اعتنائی اور بے توجہی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيۡهِ رَاجِعُونَ.

سوہدرہ جہاں آپ کا مسقطِ راس ہے، وہاں آپ کچھ نہیں کر سکتے، دوسری جگہ کے لیے کیا

امید کی جائے، کسی دوسرے پر اثر ڈالنے کے لیے پہلے اپنے دل میں عزم اور یقین ہونا چاہیے، جب اپنا دل اور دماغ اس [عزم و یقین] سے خالی ہو، دوسرے پر کیا اثر پڑے گا۔ میں بحمد اللہ مطمئن ہوں، جہاں مجھے آپ حکم دیں ان شاء اللہ کام ہو گا، سوہدرہ میں جو اعتراضات جناب پر ہوں گے، ان کا جواب میں کیا دوں گا۔

شیوخ آئے تھے، استعفا اس انداز میں آیا کہ ٹرسٹ کو اس میں کوئی فائدہ یا اعزاز نہیں، چنانچہ عرصہ ہوا میں نے استعفا دے دیا تھا، لیکن جس غنڈا گردی کا مظاہرہ عید کے موقع پر مولوی عبدالمجید صاحب سے کیا گیا باوجود [اس کے] آپ لوگوں نے سمن کی میٹنگ میں کیا یا جب تک شہر میں ایسے غیر اہلِ حدیث نظریات موجود ہیں جو نفاق سے مسجد پر قابض ہونا چاہتے ہیں، ٹرسٹ دست بردار نہیں ہو گا، آپ وہاں کی جماعت میں شامل ہو کر مسجد کی آبادی کے لیے کوئی کام کریں۔ ٹرسٹ نہ آپ کی راہ میں حائل ہوا اور نہ ہو گا۔

میں نے صراحتاً یہ سب کچھ کہا، اس میں سب کچھ غلطی نہیں سمجھتا، لیکن وزیر آباد کو آپ جانتے ہیں، ان کی روایت میں ثقاہت نہیں، ویسے میری دلی خواہش بھی ہے کہ مجھے ٹرسٹ میں نہیں رہنا چاہیے نہ میں وقت دے سکتا ہوں اور نہ کوئی کام کر سکتا ہوں، مسجد کے موقف کی حفاظت کے متعلق استعفا کے باوجود آپ حضرات سے ان شاء اللہ تعاون ہو گا۔

حاجی امام الدین صاحب کا معاملہ طے ہوا یا نہیں، رقم بینک میں داخل ہونی چاہیے یا کم از کم ایک تحریر آ جانی چاہیے۔ والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ

۲۱/ اپریل جمعہ کے دن مجلس استقبالیہ کی میٹنگ ہو رہی ہے، تشریف لا کر شکریہ کا موقع دیں، جب کام کرنا ہو تو کچھ نہ کچھ ذاتی نقصان سے ہی ہو گا۔ اسم

محمد اسماعیل

.... ❀❀❀ ....

مکتوب نمبر 53

(مولانا اسحاق بھٹی کے نام تیرہ خطوط)

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ لاہور

۱۹ر جولائی ۱۹۶۰ء

مکرمی مولوی محمد اسحاق صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصہ ہوا آپ نے خیال ظاہر کیا تھا کہ سر ڈھانپ کر نماز ادا کرنے کے متعلق مولوی عبداللہ مظفر گڑھی کا مضمون شائع ہو سکے گا۔ میں نے آپ کے وعدے کی بنا پر مضمون بھیج دیا۔ اب اس کے خطوط آ رہے ہیں، میرے خیال میں مناسب ترمیم کے بعد مضمون شائع ہو جانا چاہیے۔

اگر شائع نہ کرنے کا فیصلہ ہو تو اسے اطلاع کر دیں، تاکہ وہ بے چارہ منتظر نہ رہے۔ میں نے جو ابتدائی سطور لکھی ہیں، وہ غیر ضروری ہیں، انھیں شائع کرنا ضروری نہیں۔ اگر ناپسند ہوں تو چھوڑ دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 54

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

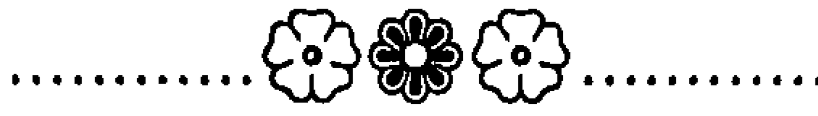
گجرانوالہ

۱۶ر نومبر ۱۹۶۰ء

مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تاج کمپنی کا اشتہار سودی ہے۔ اس کا پراسپکٹس منگا کر صفحہ ۸ دیکھیں۔ اخبار کا خسارہ ان چیزوں سے پورا نہیں ہوگا۔

والسلام
محمد اسماعیل
گجرانوالہ



مکتوب نمبر 55

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Chah Shahan
۱۷ر نومبر ۱۹۶۰ء Dated | Gujranwala

مکرم مولانا اسحاق صاحب مدیر الاعتصام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ — مزاج گرامی؟

کراچی سے واپسی کے بعد حضرت صدر محترم اور باقی رفقاء کا بھی خیال تھا کہ کراچی میں بعض احباب کو "الاعتصام" اعزازی طور پر بھیجا جائے اور اس کی قیمت دفتر ادا کرے۔ معلوم نہیں اس کے مطابق عمل ہوا ہے یا نہیں؟ اگر جناب کو معلوم ہو تو مطلع فرمائیں۔ ورنہ صدرِ محترم[1] اور ناظمِ نشر و اشاعت[2] سے اس کا تذکرہ فرمائیں۔ اگر وہ اس تجویز کو پسند فرمائیں تو کراچی میں آئندہ کام کے لیے یہ مناسب قدم ہوگا۔ اگر مدرسہ سعودیہ میں الاعتصام نہ جاتا ہو تو چھے ماہ کے لیے پرچہ اعزازی طور پر مدرسہ سعودیہ میں بھی بھیج دیا جائے۔

اخبار میں اشتہارات کے متعلق محمود صاحب[3] کا کام قابلِ تعریف ہے۔ معلوم نہیں یہ اشتہارات

---

[1] مولانا داود غزنوی (م ۱۹۶۳ء)

[2] حاجی محمد اسحاق حنیف۔

[3] مکتوبِ گرامی میں حضرت مولانا نے محمود صاحب کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ معروف اہلِ حدیث عالم و مصنف مولانا محمد جوناگڑھی دہلوی کے بیٹے تھے۔ کچھ عرصہ "الاعتصام" میں بطورِ مینجر کام کرتے رہے۔ بڑے مستعد اور محنتی شخص تھے۔ ←

محض اعزازی ہیں یا ان سے اخبار کو کچھ فائدہ بھی ہے۔ آپ کو اس کے متعلق اگر علم ہو تو مجھے مطلع فرمائیں۔ ناظمِ تعلیمات[1] سے میں نے دریافت کیا تھا، ان کو اس کے متعلق صحیح علم نہ تھا، لیکن اس کے متعلق محکمہ ٹیکس بھی دریافت کر سکتا ہے۔ اس کے حسابات درست ہونے چاہئیں۔ محمود صاحب کو کمیشن بھی ملنی چاہیے۔

والسلام

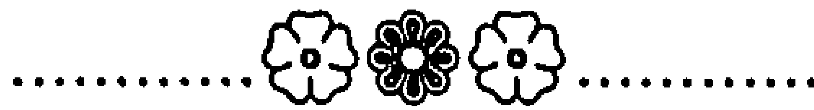
محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

مولوی عبداللہ صاحب مظفر گڑھی کے مضمون ''ننگے سر نماز'' کے متعلق آپ نے اشاعت کا وعدہ کیا تھا، اسے شائع کر دیا جائے۔ وہ بار بار مجھے لکھ رہے ہیں، اگر اشاعت کا خیال نہ ہو تو انھیں مضمون واپس بھیج دیجیے۔ ممکن ہے وہ ذاتی طور پر اسے شائع کرانا چاہتے ہوں۔ ان کے کئی خطوط آ چکے ہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 56

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۸/ مارچ ۱۹۶۱ء

مکرم و محترم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

پہلے بھی کئی دفعہ لکھا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب ڈیرہ غازی خاں کا مضمون میں نے آپ کو

← تقریباً تین سال قبل [۱۹۹۳ء] انھوں نے کراچی میں حرکتِ قلب بند ہو جانے سے وفات پائی۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. [مولانا محمد اسحاق بھٹی]

[1] ناظمِ تعلیمات سے مولانا محی الدین احمد قصوری مراد ہیں۔ [مولانا محمد اسحاق بھٹی]

بھیجا تھا، اسے شائع نہیں کرنا تو فوراً واپس بھیج دیں۔ وہ کئی خط لکھ چکے ہیں۔ ایسے مضمون واپس بھیجنا اخلاقاً ضروری ہے۔ مضمون بھیج کر مجھے اطلاع دیں کہ ان کو مضمون بھیج دیا ہے۔

میں تا حال ''الاعتصام'' کے لیے کچھ نہیں لکھ سکا، فرصت ہی نہیں تھی۔ کل لائل پور رجسٹری کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔ مولوی فضل حق [1] اپنے کیس کے سلسلے میں مشغول ہیں۔ پرسوں اگر وقت ملا تو لکھنے کی کوشش کروں گا۔ ڈیکلریشن ملا یا نہیں؟

۲۴ر فروری کے ''الاعتصام'' میں تعویذاتِ حب کا ایک اشتہار شائع ہوا ہے جو قابلِ اعتراض ہے۔ دوسرا حجاز میں قرآن مجید کے متعلق جو کچھ لکھا گیا، درست نہیں، اور وہاں قرآن مجید کی ضرورت.. [2] یہ مولانا عبدالرؤف صاحب جھنڈا نگری نے توجہ دلائی ہے۔ میری بھی یہی رائے ہے۔ اشتہار میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

محمد اسماعیل

مدرس گجرانوالہ



مکتوب نمبر 57

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

یکم مئی ۱۹۶۱ء

مکرم و محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ایک مضمون یوسف [3] کو دے آیا تھا۔ مل گیا ہو گا۔ ''الاعتصام'' مدرسہ محمدیہ [4] کے طلبہ کے نام ارسال کر دیں، اس کی قیمت میں۔ إن شاء اللہ۔ لیتا آؤں گا۔ اگر مینجر آ جائے تو وہ لے جائے۔

[1] مولوی فضل حق سے میاں فضل حق مراد ہیں۔ [مولانا محمد اسحاق بھٹی]

[2] جہاں نقطے لگائے گئے ہیں، وہاں لفظ پڑھا نہیں گیا۔ [مولانا محمد اسحاق بھٹی]

[3] یہ دفتر ''الاعتصام'' میں ملازم تھے۔

[4] مدرسہ محمدیہ سے مراد خود مولانا کا مدرسہ ہے۔ یعنی مدرسہ محمدیہ گوجرانوالہ۔ [مولانا محمد اسحاق بھٹی]

اخبار کچھ دنوں سے بہت خراب چھپتا ہے، کیا پہلا کاتب بدل دیا گیا ہے؟

والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 58

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجامعة السلفية. لائل پور

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی درسگاہ

۱۶۔۹۔۶۱ء

مکرم مولانا اسحاق صاحب مدیر الاعتصام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۵ر ستمبر ۶۱ء کے ''الاعتصام'' میں نوکھر[1] کے مدرسے کے متعلق آپ نے ایک مضمون شائع فرمایا ہے۔ اس سے پہلے اسی مدرسے کے متعلق ناظم صاحب کی طرف سے ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ دونوں کا لب و لہجہ نامناسب ہے۔ ایسے مضامین کی من و عن اشاعت سے قبل سوچنا چاہیے کہ اس کا عوام پر کیا [اثر] ہوگا؟ یا ایسے تلخ مضامین کی اشاعت نہ ہو یا اسے مناسب طور پر نرم کر دیا جائے۔ آیندہ اگر نوکھر یا اس مدرسے کے متعلق یا ان دو مضامین کے متعلق کوئی تحریر آئے تو اسے میری اطلاع کے بغیر شائع نہ فرمائیں۔

یہ مضمون مولوی فضل حق صاحب کے نام پر کسی دوسرے شخص نے دے دیا ہے۔ اب یہ نزاع ضلعی جماعت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ اس لیے اس کے متعلق مزید کوئی چیز شائع نہ کی جائے۔

رپورٹ[2] کی تکمیل جلدی ہونی چاہیے۔ کل جمعرات کو میں حاضر ہوا تو آپ نہ مل سکے۔

---

[1] ضلع گوجرانوالہ میں ایک مقام کا نام ''نوکھر'' ہے۔ وہاں کچھ جھگڑا سا تھا۔ مولانا کا اشارہ اسی طرف ہے۔ [مولانا محمد اسحاق بھٹی]

[2] رپورٹ سے حضرت مولانا کی مراد ہے جمعیت اہلِ حدیث کی خدمات، تنظیمی دورے، جلسے، تقریریں، جامعہ سلفیہ کی تعلیمی کیفیت، الاعتصام کے سلسلے کے ضروری کوائف اور دفتری معاملات کی تفصیلات۔ اس قسم کی رپورٹیں تیار کرنے کے بارے میں بالعموم مجھے ارشاد فرمایا جاتا تھا اور میں لکھ کر مولانا کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا۔ وہ رپورٹیں انھی کی طرف سے لکھی جاتی تھیں اور وہ مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں بحیثیتِ ناظمِ اعلیٰ پڑھ کر سناتے تھے۔ [مولانا محمد اسحاق بھٹی]

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 59

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۱۲/دسمبر ۱۹۶۱ء

برادرِ عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سنا ہے جناب کے کسی دوست عبدالرشید نامی کے پاس شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے قلمی خطوط ہیں اور وہ فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ غالباً یہ وہی خطوط ہیں جو حیاتِ طیبہ وغیرہ میں چھپ چکے ہیں۔ شاہ صاحب کے نام کی وجہ سے میرا خریدنے کا خیال ہے۔ آپ ان سے مل کر دریافت فرمائیں، وہ کہاں تک دینا چاہتے ہیں؟

یہ بھی دیکھ لیں کہ کاتب کون ہے؟ کس سن کے لکھے ہوئے ہیں؟ اگر ممکن ہو تو دیکھ لیں کوئی غیر مطبوعہ خط بھی ہے؟ اس سلسلے میں مولوی عطاء اللہ صاحب سے بھی مشورہ کر لیں۔

والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 60

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated ۲۶۔۱۲۔۶۱ء	Gujranwala

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر۔ مکتوب ملا۔ شاہ صاحب کے مکاتیب عموماً سوانح احمدیہ میں چھپ چکے ہیں۔ یہ مکاتیب بھی شاہ صاحب کے قلم سے تو نہیں ہوں گے، بہرحال نقل ہوگی۔ یہ بھی معلوم نہیں کس کے قلم سے لکھے گئے ہیں، اس لیے میں اتنے گراں خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ میرا خیال ایک صد کے پس و پیش تھا۔ اگر وہ اس کے لیے آمادہ نہ ہوں تو انھیں فروخت کی اجازت ہے۔ جواب میں دیر ہوئی۔ میں خود مخطوطہ دیکھنا چاہتا تھا، مگر وقت نہیں مل سکا۔ معذرت خواہ ہوں۔

"الاعتصام" کا معیار روز بروز گر رہا ہے۔ جماعت کے اہم حوادث پر بروقت کچھ نہیں لکھا جاتا۔ ہندوستان میں اہلِ حدیث کانفرنس ہوئی، اس کے متعلق آپ ایک حرف نہیں لکھ سکے، حالانکہ کانفرنس سے پہلے اور بعد اس پر مناسب نوٹ لکھنا ضروری تھا۔ سعود کی علالت وصحت دونوں پر آپ کے قلم میں جنبش نہیں ہوئی۔

"المنبر" حالانکہ جماعت کا اخبار نہیں، قابلِ رشک نوٹ لکھتا ہے اور بروقت لکھتا ہے۔ آپ عام مطالعہ تو خیر کرتے ہی نہیں، اخبار تو بقدرِ ضرورت پڑھیں۔ ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کے طواف سے تو حالات بہتر نہیں ہوتے، نہ اخبار کا معیار اونچا ہوگا۔ میری دانست میں اگر کوئی غیر اہلِ حدیث ایڈیٹر ہو تو اتنی غفلت اور بے پروائی نہ کرے جس قدر مولانا اسحاق صاحب اخبار سے برت رہے ہیں۔

اخبار کو اشاعت کے لحاظ سے خسارے میں نہیں جانا چاہیے، لیکن مینج منٹ کی خرابی کی وجہ سے اخبار خسارے میں جا رہا [ہے]۔ ایک کاروباری ادارہ جماعت کے نام پر ہاتھ جوڑ کر چلایا جا رہا ہے۔

یہی حال ادارہ "اشاعۃ السنۃ" کا ہے۔ شعبہ اشاعت کے لحاظ سے آپ دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہونا چاہیے، لیکن آپ ایک مکان میں رہتے ہوئے [بھی] ایک دوسرے سے اتنے اجنبی ہیں

جیسے ادارہ ''تحفظِ حقوقِ شیعہ''۔ یہ صورتِ حال قطعی ناپسندیدہ ہے۔

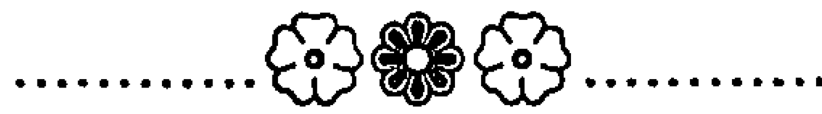
افسوس ہے کہ حضرت الامیر اور ناظمِ نشر و اشاعت میں اندازِ فکر میں فرق ہے، اس سے دفتری حضرات پورا فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ دفتر کے آدمیوں میں سے کوئی صاحب بھی ذمے داری اور محنت سے کام نہیں کر رہے۔ دفتر کی حالت دیکھ کر ''اَلْجَمْعُ بَيْنَ الضَّبِّ وَالنُّون'' کی ضرب المثل یاد آتی ہے۔[1]

میں جانتا ہوں کہ آپ کا براہِ راست تعلق حضرت نگران اور ناظمِ نشر و اشاعت سے ہے، لیکن ایک عام ممبر کی حیثیت سے ان تلخ گذارشات پر بھی غور فرمائیں۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.

والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 61

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۸؍ مئی ۱۹۶۲ء

مکرمی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

''تحریکِ اہلِ حدیث کا مد و جزر''[2] کا مسودہ اگر موجود ہو تو بھیج دیں۔ اس مضمون پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

آپ ہندوستان کی جماعتی خبروں کو التزام سے شائع کریں۔ کانفرنس اہلِ حدیث ہوگئی، آپ

---

[1] یہ مثال دو غیر ممکن الاجتماع چیزوں کے اکٹھا ہونے کے متعلق بولی جاتی ہے۔ ''ضب'' (گوہ یا سانہ) ایک صحرائی جانور ہے جو پانی کے اندر نہیں آتا اور ''نون'' (مچھلی) ایک آبی جانور ہے جو خشکی میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ یعنی دونوں کا اکٹھا رہنا ناممکن ہوتا ہے۔ دیکھیں: مجمع الأمثال للميداني (۱/ ۲۱۳)

[2] حضرت سلفی رحمہ اللہ کا ایک طویل مضمون، جو ہفت روزہ ''الاعتصام'' (۲۴؍ نومبر۔ ۹؍ فروری ۱۹۶۲ء) میں بارہ قسطوں میں شائع ہوا۔ یہ مکمل مضمون زیرِ نظر مجموعے کی جلد دوم میں درج ہے۔

نے اس پر ایک حرف نہیں لکھا۔ ہر کام کے لیے مطالعہ ضروری ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل



مکتوب نمبر 62

(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۱۲؍ جولائی ۱۹۶۲ء

مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل برقی پنکھوں کی تفصیل میں متفرق چار پنکھے لکھوائے تھے۔ یہ تین کر دیں اور ایک پنکھا میاں عبدالستار[1] کے نام لکھ دیں۔ مکرر اطلاع کی ضرورت نہ ہو۔

مولانا فضل احمد صاحب غزنوی[2] کی مصنفات قیمتی ایک ہزار روپے انھوں نے فروخت کے لیے دی ہیں۔ وہ جب پہنچ جائیں، ان کے متعلق اشتہار دے دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ



---

[1] میاں عبدالستار آف گوجرانوالہ ستارہ فیکٹری والے، جو مولانا سلفی رحمہ اللہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔

[2] شیخ الحدیث مولانا فضل احمد غزنوی حیدر آباد سندھ کے رہنے والے تھے۔ مختلف جماعتی اخبار و جرائد میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کی تاریخِ وفات معلوم نہیں ہوسکی۔

مکتوب نمبر 63

(۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۷/اکتوبر ۱۹۶۲ء

مکرم! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

کل آپ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ مولوی اسحاق برق نے حویلیاں سے آپ کے پاس کتاب ''فلاحِ عالم'' بھیجی ہے۔ ان کا تقاضا ہے کہ اس پر اپنی رائے کا اظہار فرمائیں۔ اگر اس میں کوئی مفید بات ہو تو انھیں حویلیاں کے پتے پر لکھ دیں۔ میری یاد دہانی کا بھی تذکرہ کر دیں۔

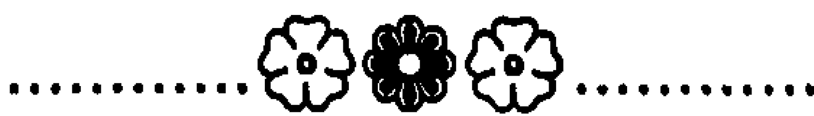
دو اعلان پہلے آپ کو مل چکے ہوں گے۔ ایک اعلان یہ بھی فرما دیں کہ گجرانوالہ کی جماعت اہلِ حدیث کی طرف سے بنگال سیلاب فنڈ کے لیے قریباً چھے سو سے زائد رقم جمع ہو چکی ہے جو عنقریب دفتر کو ارسال کر دی جائے گی۔

آپ نے نیپال کے لیے ایک دفعہ لکھ کر قصہ ختم کر دیا۔ ایسے اعلانات متعدد دفعہ ہونے چاہئیں۔ گجرانوالہ سے ممکن ہے سات سو ہو جائے۔ اتنی رقم اتنی دور بھیجتے ہوئے بھی شرم محسوس ہو گی، اس کے لیے متعدد دفعہ لوگوں کو توجہ دلانا چاہیے۔

والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 64

(۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب ''إسماعیل''	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
۱۹/ستمبر ۱۹۶۴ء Dated	Gujranwala

مکرم ومحترم مولانا اسحاق صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! آپ دو دفعہ یہاں تشریف [لائے]۔ جاتی دفعہ آپ نے وعدہ فرمایا کہ خود یا بذریعہ مولانا عطاء اللہ صاحب[1] حاجی اسحاق[2] سے معاملہ طے کرلوں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ مسئلہ طے نہ ہوا۔ اس کے بعد میں ۵/ستمبر ۶۴ء کو لاہور گیا۔ آپ نہ مل سکے۔ پروفیسر ابوبکر صاحب[3] سے فون پر ملاقات ہوئی، میں نے ان سے عرض کی کہ آپ مولوی اسحاق صاحب کو دفتر بھیج دیں۔ انھوں نے فرمایا: میں پیغام دے دوں گا۔ میں نے عرض کی: اگر وہ دفتر نہ جائیں تو انھیں میرے پاس گوجرانوالہ بھیج دیں۔ میں ۶۔ ۷/ستمبر کو دو دن جناب کا منتظر رہا۔ آپ نہ آئے۔ معلوم نہیں آپ کو پیغام ملا یا نہیں؟

اب یہ عریضہ جناب کے نام رجسٹری کر رہا ہوں۔ یا تو جناب عریضہ دیکھتے ہی مصری شاہ مجیدیہ فلور ملز میں دفتر تشریف لے جائیں اور کام شروع کر دیں۔ آپ کی شرائط، مطالبات حسبِ امکان پورے ہو جائیں گے۔

اگر مزید تامل ہو تو ۲۲/ستمبر منگل کو گوجرانوالہ تشریف لے آئیں۔ میں اتوار کو احمد پور شرقیہ جا رہا ہوں۔ سوموار کو اُمید ہے واپسی ہوگی۔ میں منگل کو آپ کا منتظر رہوں گا۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ

---

[1] مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (۱۹۸۷ء)

[2] حاجی محمد اسحاق حنیف (ناظمِ نشر واشاعت جمعیت اہلِ حدیث)

[3] مولانا داود غزنوی کے صاحبزادے پروفیسر ابوبکر غزنوی۔

مکتوب نمبر 65

(۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

مجیدیہ فلور ملز، رحیم روڈ، مصری شاہ۔ لاہور

فون ۲۲۶۶

عزیز مولوی محمد اسحاق صاحب! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاجِ گرامی! آپ کو کئی پیغام بھیجے، خطوط لکھے، نہ آپ ملے نہ ہی گجرانوالہ تشریف لائے۔

۲۔۹۔۶۴ء کو آپ کے نام رجسٹرڈ خط لکھا، معلوم نہیں آپ کو ملا یا نہیں؟ منگل کا دن آپ کے انتظار میں گزرا۔ یہ تعویق اور انتظار آپ کی خدمات کی وجہ سے ہے۔ آپ نے اَخبار اور جماعت کی جس تندہی سے خدمت کی ہے، اس سے متاثر ہوں، ورنہ آپ کی اس بے اعتنائی کے بعد مجھے کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے تھا۔

یہ عریضہ مکتبہ سلفیہ کی معرفت لکھ رہا ہوں۔ میں صبح جمعرات کو لاہور آ رہا ہوں۔ جناب مجھے دس گیارہ بجے کے درمیان میاں عبدالمجید صاحب[1] کی کوٹھی پر ملیں یا میاں صاحب کے فون پر اطلاع دیں کہ میں جناب کو کہاں ملوں؟[2]

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



[1] جمعیت کے ناظمِ مالیات اور مجیدیہ فلور ملز کے مالک، جہاں اس وقت جمعیت اہلِ حدیث کا دفتر تھا۔

[2] اس مکتوب گرامی پر تاریخ مرقوم نہیں ہے، تاہم یہ اکتوبر ۱۹۶۴ء کی ابتدائی تاریخوں کا تحریر فرمودہ ہے۔
حضرت مولانا کے دونوں آخری مکتوبات میری غیر حاضری میں آئے۔ ان دنوں میں لاہور سے باہر تھا۔ لاہور واپس آ کر حضرت مولانا کے خط پڑھے تو ان کے حکم سے ''الاعتصام'' کے نئے دفتر مجیدیہ فلور ملز (مصری شاہ) میں حاضر ہو گیا اور کام شروع کر دیا۔ [مولانا محمد اسحاق بھٹی]

مکتوب نمبر 66

(مولانا فضل حق قریشی[1] کے نام اکیس خطوط)

(۱)

گجرانوالہ

۲؍اپریل ۵۶ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم قاضی صاحب زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

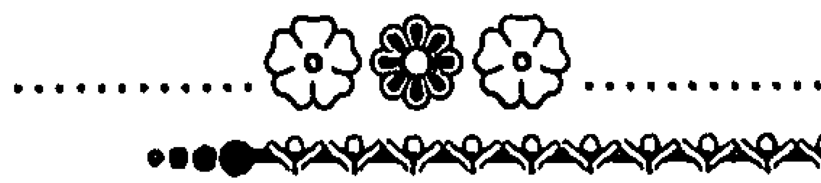
مزاج بخیر۔ مکتوب ملا۔ جناب کے جملہ مکاتیب لاہور بھیج دیے ہیں، امید ہے۔إن شاء اللّٰہ۔ منظوری ہو جائے گی۔

جناب کے حسب الحکم کانفرنس کے بعد۔إن شاء اللّٰہ۔حاضری کی کوشش کروں گا، بشرطیکہ جناب یاد دلا دیں، بلکہ گوجرانوالہ کانفرنس[2] پر جناب تشریف لائیں گے تو پروگرام بنا لیا جائے گا۔إن شاء اللّٰہ.

اب احباب سے عرض کریں گے کہ بے اُمیدی گناہ ہے۔ میری یا میرے دوسرے رفقاء کی غلطی سے مسلک کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی اہلِ قرآن کی اہلیہ میانوالی میں مقیم ہے۔ اس سے یا دوسرے آدمی سے مولوی عبداللہ کے سنہ وفات کا پتا چل سکے گا؟ مولوی عبداللہ کی کوئی ایسی کتاب جس میں حدیث پر اپنے شبہات کا ذکر کیا گیا ہو؟[3]

والسلام
محمد اسماعیل، کان اللہ لہ
گوجرانوالہ



[1] مولانا فضل حق قریشی رحمہ اللہ میانوالی جماعت کے سرگرم رکن اور وہاں محکمہ بہبودِ حیوانات میں ملازم تھے۔

[2] جمعیت اہلِ حدیث پاکستان کی یہ چوتھی کانفرنس ۱۲۔۱۳۔۱۴؍اکتوبر ۱۹۵۶ء کو گوجرانوالہ میں علامہ خلیل عرب کی زیرِ صدارت منعقد ہوئی تھی جس کا خطبہ استقبالیہ مولانا سلفی رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا تھا۔

[3] مولانا فضل حق ہاشمی نے اس مکتوب کے اوپر یہ نوٹ لکھا ہے:

مکتوب نمبر 67

(۲)

گجرانوالہ

۳رمئی ۵۶ء
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل لاہور دفتر گیا۔ وہاں بھی جناب کا مکتوب موجود تھا۔ ہم تو تیس روپے کی منظوری دے دیں گے، لیکن مقصد یہ ہے کہ آپ کے ضلع میں کچھ کام ہو۔ آپ کی تجویز کے مطابق تو وہ صرف آپ کے ماحول میں تھوڑا بہت کام کرسکیں گے۔ اس صورت کی اعانت مقامی جماعت کی اعانت کے مرادف ہوگی۔ آپ کچھ وسعت پیدا کریں اور میانوالی کو ضلع کی مرکزی حیثیت دیں، اعانت اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ دفتر سے آپ مکاتبت فرمائیں، غالباً آپ کو دفتر سے خط ملے گا۔

مولوی عبداللہ[1] کی موت ۱۹۱۴، ۱۹۱۵ء کے قریب معلوم ہوتی ہے۔ ان کی اہلیہ غالباً ملتان کی رہنے والی تھی۔ لاہور سے نکلنے کے بعد یہ نکاح ہوا تھا اور شاید کچھ اغوا کی صورت ہوئی۔ میں اس وقت بہت چھوٹا تھا جب مولوی عبدالرحیم مرحوم نے ان کو لاہور سے نکالا تھا۔ اس کے متعلق کچھ تفصیل مل سکے تو مطلع کریں۔ میں تاریخِ انکارِ حدیث کے مد و جزر پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ مولوی عبداللہ کی ''صلاۃ القرآن'' میرے پاس ہے، ان کا ترجمہ قرآن بھی کچھ پارے میرے پاس ہیں جو میاں چٹو[2] نے شائع کیا تھا۔[3]

والسلام
محمد اسماعیل
چاہ شاہاں، گوجرانوالہ



⬅ ۲۷/۴/۵۶ء کو جواب دیا گیا کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کو فوت ہوئے اکتالیس سال اور دو ماہ ہو گئے ہیں اور اب تیسرا ماہ شروع ہے۔ ان کی صرف ایک کتاب ''صلاۃ القرآن'' کا ہی پتا چل سکا۔ باقی معلوم نہیں، اور یہ کتاب بھی نہیں ملی۔

[1] معروف منکرِ حدیث مولوی عبداللہ چکڑالوی۔





② مولوی عبداللہ چکڑالوی کا قریبی دوست اور نظریۂ انکارِ حدیث کو پروان چڑھانے میں اس کا مددگار تھا۔ یہ جامع مسجد چینیانوالی کے قریب ہی رہتا تھا اور ریشمی کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔

③ حضرت سلفی رحمہ اللہ کے اس خط کے جواب میں مولانا فضل حق ہاشمی نے جو خط ۲۶/ مئی ۱۹۵۶ء کو لکھا، اس میں مولوی عبداللہ چکڑالوی کے متعلق بعض تفصیلات ذکر کیں۔ افادیت کے پیشِ نظر ذیل میں مولانا ہاشمی کا وہ مکتوب مکمل درج کیا جا رہا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قائدِ محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کی خدمت میں ایک عریضہ مورخہ ۱/ ۵/ ۵۶ء کو گزارش کیا اور وعدہ کیا تھا کہ بعد میں بھی مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی کے حالات سے آپ کو مطلع کروں گا۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ سول سرجن صاحب کے دفتر میں مولوی صاحب کی پیدائش و موت کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ دو سرٹیفکیٹ اس امر کے سول سرجن صاحب کے دفتر سے حاصل کر کے لف کر رہا ہوں:

مولوی صاحب فوتیدگی: ۱۹۱۵ء

والد صاحب: مولانا میر عالم صاحب ولد نور عالم

لڑکے: ① مولوی محمد عیسیٰ۔ مولوی محمد ابراہیم

محمد یحییٰ مولوی اسماعیل

دوسری شادی: ۱۹۱۰ء۔ ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

بمقام بھکڑا میں پیر صاحب کے پاس بیٹھنے پر سزا ملی تھی اور باندھ کر باہر جنگل میں ڈال دیا۔ کسی عورت نے آ کر چھڑایا۔ یار وخیل والوں نے دعویٰ کرنے کے لیے کہا، مگر وہ نہ مانے۔ مسجد چینیانوالی میں میاں چٹو اور دیگر حضرات کے ساتھ اہل قرآن ہوئے۔

یکم مئی والے خط میں مَیں نے مولوی عبداللہ صاحب کی وفات ۱۵/ دسمبر ۱۹۱۵ء لکھی تھی، مگر بعد میں جب ان کے پوتے قاضی محمد یحییٰ صاحب[1] نے ریکارڈ دیکھا تو مجھے مطلع کیا کہ مولوی صاحب مذکور ۲۹/ دسمبر ۱۹۱۵ء کو فوت ہوئے تھے۔ باقی ان کے تاریخی حالات کے متعلق فرمایا کہ میں (قاضی یحییٰ صاحب) مولوی صاحب کے حالات لکھ کر آپ کو ارسال کروں گا، مگر اب تک ارسال نہیں کیے۔ جوں ہی مجھے اس سے تاریخی حالات ملتے ہیں، جناب کی خدمت میں گزارش کر دوں گا۔



① یحییٰ کے دونوں چھوٹے بھائیوں کا نام محمد یعقوب اور محمد یونس ہے۔ (فضل حق)

← دراصل مولوی عبداللہ صاحب کی پہلی بیوی سے ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بڑے کا نام محمد عیسیٰ اور چھوٹے کا نام مولوی محمد ابراہیم صاحب تھا۔ بڑا لڑکا اپنا کوئی مستقل مسلک نہ رکھتا تھا، بلکہ جہاں جاتا اور جس قسم کے لوگ دیکھتا، اسی قسم کا مسلک ظاہر کرتا۔ لیکن ان کا چھوٹا لڑکا مولوی محمد ابراہیم صاحب پکا اہلِ حدیث تھا اور بہترین مقرر و مبلغ بھی۔

پھر ان دونوں صاحبان کے ایک ایک لڑکا ہوا۔[1] بڑے، یعنی مولوی محمد عیسیٰ کے بیٹے کا نام محمد یحییٰ ہے اور انھوں نے ہی مجھے مولوی صاحب کے حالات لکھ کر دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یہ اپنے والد صاحب سے بھی بازی لے گئے ہیں، پکے 420 ہیں۔[2] اگر انھیں یہ علم ہو جائے کہ میں مولوی صاحب کے حالات آپ کو بھیجنے کے لیے ان سے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، تو وہ مجھے کبھی بھی حالات نہ بتائیں گے۔ اب بھی میرا خیال ہے کہ وہ اس سراغ میں ہیں کہ میں کیوں ان سے مولوی صاحب کے حالاتِ زندگی لینے کی کوشش کر رہا ہوں۔ مولوی محمد ابراہیم کے لڑکے کا نام مولوی محمد اسماعیل تھا۔ یہ بھی اپنے باپ کی طرح نہایت متقی اور مسلکِ اہلِ حدیث کے مبلغ تھے، مگر عین جوانی کی عمر میں اپنی تین چھوٹی لڑکیاں چھوڑ کر آج سے قریباً ۱۲ سال قبل فوت ہو گئے۔

مولوی عبداللہ صاحب کی دوسری شادی سے ان کے ہاں ایک لڑکی ہوئی جس کا نام عائشہ ہے، اس نے بھی اپنے بھائیوں کی رضا کے بغیر شاید اپنا نکاح پڑھایا تھا۔ سنا ہے کہ اس کو اس کے خاوند نے کسی ذاتی جھگڑے کی بنا پر گھر سے نکال دیا ہے اور وہ اب اپنی والدہ مریم بی بی کے ہمراہ راولپنڈی میں رہتی ہیں اور اب قاضی یحییٰ ان ہی کے پاس گیا ہوا ہے۔

قاضی یحییٰ کی زبانی مجھے جو حالات مولوی عبداللہ صاحب کے متعلق معلوم ہوئے ہیں، وہ حسبِ ذیل ہیں:

مولوی صاحب نے شروع میں علمِ دین حاصل کرنے کی طرف کوئی غور نہ کیا، بلکہ عام لوگوں کی طرح زمینداری و کاشتکاری کر کے وقت گزار رہے تھے۔ نیز وہ ''پڑکوڈی'' کے بھی شوقین تھے۔ چناں چہ پڑکوڈی کھیلتے عین جوانی کی عمر میں ان کو سینے پر ایک سخت چپت لگی اور فوت ہونے تک ہاتھ کا نشان سینے پر باقی تھا۔

ایک دن مولوی صاحب کے والد صاحب ان پر گھاس وقت پر نہ لانے کی وجہ سے ناراض ہوئے تو یہ گھر سے نکل پڑے اور ''دندہ دابٹہ'' ایک گاؤں جو چکڑالہ سے تین چار میل ہے، وہاں جا کر کسی اور آدمی کو بھی ساتھ لیا اور وزیر آباد چلے گئے۔ وہاں ایک ویران سی مسجد میں پانی بھی بھرتے اور کسی عالم (غالباً مولانا الحافظ عبدالمنان صاحب) سے مذہبی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔ (یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کتنا عرصہ وہاں رہے)

پھر وہاں سے دہلی پہنچ کر حضرت میاں سید نذیر حسین شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے تو ←

[1] اب معلوم ہوا ہے کہ قاضی یحییٰ کے دو اور بھائی بھی ہوئے۔ ایک فوت ہو گیا اور ایک قاضی محمد یعقوب اب تک زندہ ہے۔ اس کا بھی ایک لڑکا ہے جس کا نام عبدالجبار ہے۔ (فضل حق)

[2] قاضی یحییٰ کی عمر قریباً ۵۵ سال ہو گی۔ اس نے اب تک شادی نہیں کی ہے۔ (فضل حق)

مکتوب نمبر 68

(۳)

گجرانوالہ

۱۶؍نومبر ۵۶ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل بیمہ بھیجا تھا، مل چکا ہوگا۔ ڈراف کا خیال [تھا کہ] اس پر خرچ کم آتا ہے، مگر تعجب ہوا

← انھوں نے مولوی صاحب کو پڑھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میرے پاس تین یا چار صد کے قریب طالب علم ہیں جو تعلیمی لحاظ سے آپ سے بہت آگے ہیں، لہٰذا ان کی طرف توجہ دینا ضروری ہے اور میرے پاس ایسا وقت نہیں ہے کہ تجھے پڑھا سکوں۔ آخر کار بڑی منت سماجت کی تو میاں صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس صرف ایک ہی وقت ہے کہ جب میں مسواک کرنے بیٹھوں تو میرے پاس آکر سبق حاصل کر لیا کرو۔ چناں چہ اس طرح سبق کا آغاز کرا دیا۔ حضرت میاں صاحب کا یہ خاص مقولہ قاضی یحییٰ صاحب نے فخریہ لہجے میں مجھے سنایا کہ مولوی عبداللہ صاحب فرماتے تھے کہ جب لڑکوں کو کوئی سبق نہ آتا اور میاں صاحب جب بہت زیادہ غصہ اور ناراض ہوتے تو ان لڑکوں کو میری طرف اشارہ کر کے کہتے: ''ایک پنجابی گدھے نے تم سب کو گدھا بنا دیا ہے۔''

میرے اس سوال پر کہ مولوی صاحب مفلوج کیوں اور کس سنہ میں ہوئے تھے؟ قاضی یحییٰ نے بتایا کہ مولوی صاحب جب دہلی سے واپس چکڑالہ آئے اور اس علاقے میں مذہب اہلِ حدیث کا پرچار کیا تو پہلے پہل لوگوں نے طرح طرح کی تکلیفیں دیں، مارا پیٹا، لین دَین کا بائیکاٹ کیا، مگر وہ نہ رکے تو ان کو زہر دیا گیا جس کا ان کو بروقت پتا چل گیا۔ علاج وغیرہ کرانے پر ہلاکت سے بچ گئے، مگر مفلوج ہو گئے۔

قاضی یحییٰ نے کہا کہ اس زہر کے واقعہ کی کوئی صحیح اور معین تاریخ یا سنہ مجھے علم نہیں ہے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ مولوی صاحب نے بطورِ محدث قرآن مجید کے ایک پارے کی تفسیر بھی لکھی تھی جو اَب تک ان کے پاس ہے اور پھر اہلِ قرآن مسلک کی بنیاد ڈالی تو بھی چند پاروں کا ترجمہ کیا جن کو میاں چٹو نے شائع کیا تھا۔

باقی حالات انھوں نے مجھے لکھ کر بھیجنے کا وعدہ کیا ہے، مگر ایک ماہ ہو گیا ہے، ابھی تک تو نہیں بھیجے اور اب راولپنڈی اپنی سوتیلی دادی اور پھوپھی کے پاس چلا گیا ہے، لیکن ان سے جلد ملنے کی کوشش کروں گا اور جونہی مجھے ان کی طرف سے کوئی چیز ملی، جناب کو ارسال کر دوں گا۔

باقی یہاں کی جمعیت کو حرکت دینے کی کوشش تو کی جا رہی ہے۔ جناب بھی ہماری کامیابی کے لیے دعا کریں۔ والسلام: تابعدار: فضل حق قریشی (کلرک محکمہ بہبودی حیوانات میانوالی)

کہ میانوالی میں کوئی بنک نہیں، اس لیے بیمہ بھیج دیا گیا۔

چٹائیاں خود ملاحظہ فرما دیں، دوہری ہوں اور پختہ۔ مجھے آپ کی مسجد کی چٹائیوں سے خیال آیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ ہم دونوں کو ندامت ہو۔ مال عمدہ ہونا چاہیے۔

کل لاہور گیا، جناب کا گرامی نامہ صدرِ محترم کو دے دیا تھا۔ سرِدست دونوں نام التوا کی نذر ہو گئے۔ آپ سرکاری ملازم ہیں اور مولانا ابراہیم صاحب نیم سرکاری۔ ورکنگ کمیٹی میں دونوں قسم کے ملازم نہیں لیے جاتے۔[1]

اب آپ حضرات کوئی تیسرا نام تجویز فرما دیں، ورنہ کوئی دوسرے صاحب آپ کی نمایندگی کریں گے، ویسے بھی ورکنگ کمیٹی میں ضلع وار نمائندگی نہیں۔

تسبیح[2] کے متعلق جناب نے فرمایا تھا۔ تسبیح درست ہے، سنت یا واجب نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ہاتھوں کی انگلیوں پر تسبیحات کا حکم فرمایا۔ منتقی میں ہے:

"بَابُ جَوَازِ عَقْدِ التَّسْبِيحِ بِالْيَدِ وَعَدِّهِ بِالنَّوَى"

اس میں دو حدیثیں مرقوم ہیں:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت اپنی ایک حرم کے پاس تشریف لے گئے:

"وَبَيْنَ يَدَيْهَا نَوًى أَوْ حَصًى تُسَبِّحُ بِهِ"[3]

---

[1] مولانا سلفی رحمہ اللہ نے مولانا فضل حق ہاشمی کا نام جمعیت اہلِ حدیث کی ورکنگ کمیٹی کے لیے تجویز کیا تھا، لیکن انھوں نے اپنی سرکاری ملازمت کی مجبوری کے پیشِ نظر معذرت کی اور اپنے بجائے مولانا محمد ابراہیم صاحب کا نام تجویز کیا جو ڈسٹرکٹ بورڈ میانوالی کے ملازم تھے۔ اس سلسلے میں حضرت سلفی رحمہ اللہ نے اُن کو صدرِ محترم مولانا محمد داود غزنوی رحمہ اللہ کے فیصلے سے آگاہ کیا۔

[2] مولانا فضل حق ہاشمی رحمہ اللہ نے اپنے مکتوب (۱۲/ ۱۱/ ۵۶ء) میں حضرت سلفی رحمہ اللہ سے مندرجہ ذیل چار سوالات بھی دریافت کیے تھے:

① کیا تسبیح (مالا) پر پڑھنا سنت ہے؟

② اگر سنت نہیں تو کیا بدعت ہے؟

③ اگر بدعت (بدعتِ حسنہ بھی) ہو تو کیا تمام بدعتیں بالفاظِ ہادیِ اعظم ﷺ گمراہی نہیں ہیں؟

④ تسبیح (منکوں والی) پڑھنے کا شرعی جواز؟

[3] سنن أبي داود، رقم الحديث (۱۵۰۰) سنن الترمذي، رقم الحديث (۳۵۶۸) نيل الأوطار (۲/ ۳۵۸) اس کی سند میں خزیمہ مجہول اور "سعید بن ابی ہلال" مختلط ہے۔

دوسری روایت حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں:

"دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَبَيْنَ يَدَيَّ أَرْبَعَةُ آلَافِ نَوَاةٍ أُسَبِّحُ بِهَا... الخ"[1]

(منتقىٰ لمجد بن تيمية، ص: ٦٩)

"حضرت صفیہ کے پاس آنحضرت تشریف لے گئے، ان کے پاس چار ہزار گٹھلیاں تھیں، جن پر وہ تسبیح کہتیں۔"

نیل الاوطار میں ایک حدیث بھی مروی ہے:

«نِعْمَ الْمُذَكِّرُ السُّبْحَةُ... الخ»[2] "تسبیح [سے] ذکر یاد رہتا ہے..."

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



مکتوب نمبر 69

(۴)

۱۷۔۱۱۔۵۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ، لاہور

مقتدر قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر۔ پرسوں بیمہ بھیجا تھا، کل صفیں پہنچ گئیں۔ ٹرک والا غلہ منڈی میں ڈال گیا۔ دو جگہ ٹرک والے کی بے احتیاطی کی وجہ سے مرمت کی ضرورت ہو گی۔ جناب کو اس سلسلے میں بہت تکلیف ہوئی۔ عَلَى اللّٰهِ أَجْرُكَ.

ٹرک والا کرایہ نہیں لے گیا۔ معلوم نہیں جناب نے دے دیا ہو گا؟ بیمہ میں نے پوری رقم کیا ہے۔ جو خرچ ہوا ہے، مطلع فرما دیں، بذریعہ منی آرڈر بھیج دیا جائے گا۔ صفیں لمبائی میں قریباً ایک فٹ

---

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٣٥٥٤) اس کی سند میں "ہاشم بن سعید" ضعیف ہے اور کنانہ مولیٰ صفیہ لین الحدیث ہے۔

[2] مسند الفردوس (٦٧٦٥) علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (٨٣)

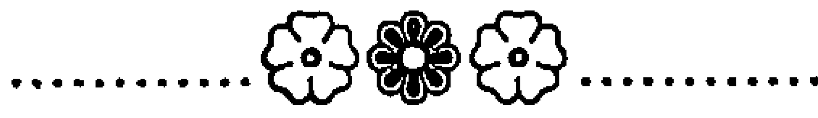
کم ہیں۔ میں نے جناب کو ۵۹ فٹ لکھا، یہ قریباً ۵۸ فٹ ہیں۔ یہ خلا بدنما سا معلوم ہوتا ہے، مگر یہ کسی کے اختیار کی بات نہیں ہے۔ تخمینی کاموں میں یہ کمی قدرتی ہے۔

ورکنگ کمیٹی[1] میں غالباً ایک دو آدمی کم ہوں گے، اگر کوئی مناسب آدمی ہو تو مطلع فرما دیں، لیکن ذرہ جلدی کریں۔ احباب سے مشورہ کر لیں۔ ممکن ہے کوئی مفید آدمی مل سکے۔

مولانا عبدالرحمان صاحب اور مولانا محمد شریف صاحب سے سلام عرض کریں۔[2] مولانا عبدالرحمان صاحب سے عرض فرما دیں، جناب نے ایک وعدہ فرمایا تھا، مجھے اس کا انتظار ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 70

(۵)

گجرانوالہ

۱۲۔۴۔۵۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر۔ عرصہ کے بعد گرامی نامہ ملا۔ شکر ہے آپ حضرات بخیریت ہیں۔ جانوروں کے متعلق یہاں پر افواہ ہے، لوگ جانوروں کو انجیکشن کرا رہے ہیں۔ ہمارے [یہاں] تاحال خیریت ہے، کوئی جانور بیمار نہیں۔[3]



[1] مرکزی جمعیت اہلِ حدیث پاکستان کی ورکنگ کمیٹی مقصود ہے۔

[2] یہ دونوں بزرگ ہماری قوم کے اکابر اور مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کے تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا محمد شریف صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب میں حافظ صاحب کے درس میں شریک تھا تو اس وقت وہ بخاری شریف کا 56 واں درس دے رہے تھے۔ [احسان الحق ہاشمی بن مولانا فضل حق ہاشمی]

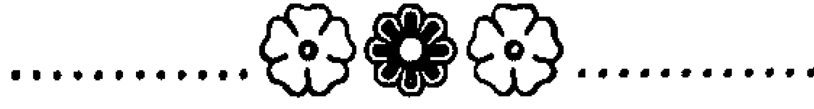
[3] اس وقت پنجاب کے مختلف علاقوں میں سیلاب آیا تھا، جس سے چاروں طرف بہت نقصان ہوا۔ یہ اسی سیلاب کے اثرات ونتائج کی طرف اشارہ ہے۔

آپ کے ضلع [کا] کوئی نمایندہ جمعیت میں نہیں آسکا نہ آپ حضرات نے کوئی اطلاع دی۔ انتہائی انتظار کے بعد اب ورکنگ کمیٹی کی تکمیل ہوئی ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 71

(٦)

گجرانوالہ

یکم اگست ۵۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم ناظمِ جمعیت میانوالی نے ایک ڈراف بھیجا تھا، اس کی رقم اب تک نہیں مل سکی۔ آپ کے بنک نے اب تک یہاں کے بنک کو اطلاع نہیں دی۔ اب تک دفتر مبالغ نہیں بھیجے جا سکے۔

بینک میں جا کر اطلاع بھجوائیں۔ پاکستان میں حکومت کے کام اسی انداز سے چل رہے ہیں۔

میں ناظم صاحب کا پتا بھول گیا، ورنہ جناب کو تکلیف نہ دیتا۔ براہِ عنایت ان سے سلام عرض فرما دیجیے اور معذرت۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ

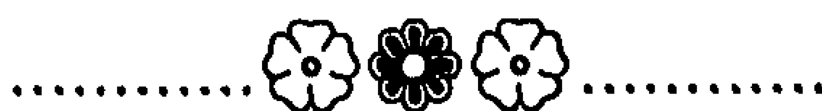
مولانا عبدالرحمان صاحب ملیں تو ان سے عرض فرما دیں کہ چکڑالہ کا کام غالباً وہ بھول گئے ہیں۔

جماعتی نقل وحرکت آپ کے ضلع میں کہاں تک ہے؟ اگر ضرورت ہو تو مبلغ بھیجا جائے؟

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 72

(۷)

واذکر فی الکتاب ''إسماعیل'' Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں گوجرانوالہ Gujranwala

۷؍جنوری ۵۸ء

مکرم محترم[1]! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر۔ محدثین یا ائمۂ اسلام نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ حفظِ قرآن یا تفسیرِ قرآن، حفظِ حدیث، روایتِ حدیث، شرحِ حدیث میں ان کی مساعی انسانی حدود سے بالا ہیں۔ یقیناً وہ انسانی مساعی اور انسانی تجربات [کی] آخری حد ہیں، اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے ان ارشادات کو شبہات کہوں یا بلا وجہ اوہام؟ اور بعض اس قدر بے جوڑ ہیں، جو فنی لحاظ سے مضحکہ خیز۔ معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے کسی ایسے آدمی سے گفتگو فرمائی ہے جسے فن میں رسوخ حاصل نہیں، لیکن آپ کو مغالطہ میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے مقاصد میں خیر سے شر غالب ہے۔ پوری تسکین اصولِ حدیث میں فنی مہارت کے سوا نہیں ہو سکے گی نہ مجھے اتنی فرصت ہے کہ اصول اور تفصیلی مباحث سے آپ کی سمع خراشی کروں۔

---

[1] حضرت مولانا سلفی رحمہ اللہ نے یہ خط مولانا فضل حق ہاشمی کے مکتوب میں ذکر کردہ درج ذیل سوالات کے جواب میں لکھا تھا:

① صحیحین کی حدیث، جس میں حدیث کی تشریح بھی صحابی یا تابعی سے ہو، افضل ہے یا دوسری کتبِ صحاح (مثلاً ابو داود شریف) کی صحابی سے روایت بالمعنی؟ ثبوت؟

② ایک ضعیف حدیث (ضعیف بالروایۃ) کس حد تک قابلِ قبول ہوتی ہے؟ نیز ایک صحیح حدیث کی تشریح ایسی ہی ضعیف حدیث سے کرنی چاہیے یا روایت بالمعنی سے؟ کیا ایک صحابی روایت بالمعنی میں غلطی نہیں کھا سکتا؟ ایک امام یا خلیفہ بعض وجوہ کی بنا پر بھی احادیث کی روایت بالمعنی اور مفہوم میں ہمیشہ حق کہتا ہے اور ہمیشہ ان کا مفہوم درست ہی ہوتا ہے؟ اور کیا اس طرح سوچنا بھی جرم ہے؟

③ کیا ہمارا رواجی نکاحِ تبادلہ، جس میں طرفین نکاح سے قبل ایک دوسرے سے رشتہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور بر موقع نکاح باقاعدہ مہر بھی مقرر کیا جاتا ہے اور نکاح میں ''شرطِ تبادلہ'' بھی نہیں ہوتی، جائز ہے یا ناجائز؟

امید ہے جناب مدلل اور مفصل جواب سے مشکور فرمائیں گے۔ والسلام: فضل حق، میانوالی

۱/۱/۵۸ء

1 جس حدیث میں راوی (صحابی ہو یا تابعی) کی تشریح درج ہو، اسے ''مُدْرَج'' کہتے ہیں۔ اس تشریح کا اگر علم ہو جائے تو باقی حدیث صحیحین میں یا کسی دوسری کتاب میں اپنے مقام پر ہو گی صحیح یا ضعیف۔ اگر اِدراج کا علم نہ ہو سکے تو اشتباہ ہو گا جس کے علم کی مختلف صورتیں ہیں، جن کی تفصیل کتبِ اصول میں مندرج ہے۔

2 اسبابِ ضعف سے ضعفِ حفظ اگر معمولی ہو تو روایت قبول کی جا سکتی ہے، اس کمی کو کثرتِ طرق سے پورا بھی کیا جا سکتا ہے۔ بعض اور قرائن بھی اس کمی کا عوض ہو سکتے ہیں۔ تشریح ضعیف حدیث سے ہو سکتی ہے، لیکن وہ ضعیف ہی ہو گی۔

روایت بالمعنی کا آپ یہاں عجیب جوڑ لگاتے ہیں۔ روایت بالمعنی کسی تشریح کے لیے نہیں کی جاتی، یہ بالکل دوسری چیز ہے۔ صحابہ کبھی آنحضرت کے لفظ ذکر فرماتے تھے، کبھی اس کا مفہوم اپنے لفظوں میں ذکر فرماتے۔ اس کا مطلب تشریح نہیں ہوتا۔

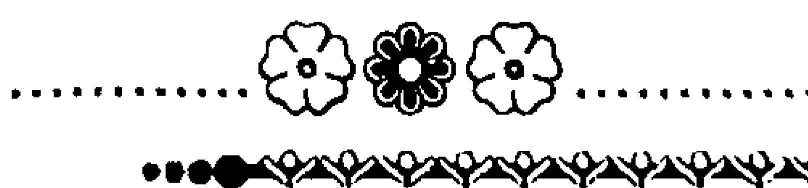
یہ ''کر سکتا''، ''ہو سکتا'' یہ امکانی الفاظ قرآن کے متعلق بھی کہے گئے ہیں: ''کیا حافظ غلطی نہیں کر سکتے؟''، ''کیا قرآن کا معنی غلط نہیں ہو سکتا؟''، ''کیا کاتب غلطی نہیں کر سکتا؟''۔ یہ سب کچھ سب جگہ ہو سکتا ہے۔ غلطی سے محفوظ صرف اللہ ہے۔

بحث یہ ہے کہ اس امکان کے بعد کہاں غلطی ہوئی؟ پھر اس کا علم ہوا یا نہیں؟ ادراج ہوا، اس کا پتا لگا یا نہیں؟ ہمارا یہ خیال ہے کہ جہاں غلطی ہوئی، ائمۂ حدیث نے اس کا پتا لگا لیا۔ مرزا جی[1] پوچھا کرتے تھے: کیا اللہ نبی پیدا نہیں کر سکتا؟

مجھے سمجھ میں آیا، آپ کس کیچڑ میں پھنس رہے [ہیں]۔ یہ دراصل کوئی سوال نہیں۔ فنِ اصول پر صحیح عبور نہ ہونے کی وجہ [سے] ایک مغالطہ ہے۔

3 اگر نکاح میں تبادلہ شرط نہ ہو تو شغار نہیں ہو گا۔

والسلام
محمد اسماعیل
مدرس گجرانوالہ



[1] مرزا غلام احمد قادیانی (م ۱۹۰۷ء)

مکتوب نمبر 73

(۸)

گجرانوالہ

۱۴/ اگست ۵۸ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم قریشی صاحب![1] السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ سعیدی صاحب[2] مخلص لیکن کسی قدر جذباتی اور تیز طبیعت ہیں۔ غالباً ان کا خیال ہے شاید تمام خرابیوں کا علاج صرف تنقید ہے۔ یہی حال مولوی عبدالمجید صاحب[3] کا ہے، حالاں کہ اصل حل دوستانہ اور برادرانہ گفتگو ہے۔ سعیدی صاحب ملیں تو ان سے زبانی گفتگو فرمائیں۔ یہ مسئلہ خطوط کا نہیں۔

---

[1] یہ خط حضرت سلفی رحمہ اللہ نے مولانا فضل حق ہاشمی کے مندرجہ ذیل پوچھے سوالات کے جواب میں لکھا تھا:

① حضرت عائشہ صدیقہ سے نبی ﷺ کے غسل کے متعلق استفسار کیا گیا تو انھوں نے برتن منگوا کر اوپر پردہ لٹکا کر اپنے بھائی اور ایک غیر شخص کی موجودگی میں غسل فرمایا۔ (بخاری: ۱/ ۳۹، فتح الباری: ۱/ ۱۸٤)

② حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کہ ہم نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مٹھی بھر آٹا دے کر عورتوں کو استعمال کر لیتے تھے اور اس حرکت سے ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکا۔ (مسلم: ۳/ ۴۴)

③ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے آفتاب کے متعلق بتایا کہ ڈوبنے کے بعد آفتاب عرش کے نیچے سجدے میں گر جاتا ہے اور صبح تک دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا رہتا ہے۔ (بخاری: ۲/ ۳۷)

④ ایک روایت کے مطابق عورت، گدھا، کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (مسلم: ۲/ ۱۱۱)

⑤ مجامعت کے وقت اگر مرد کا انزال عورت سے پہلے ہو تو بچہ باپ پر جاتا ہے، ورنہ ماں پر۔

(بخاری شریف: ۲/ ۱۴۹)

⑥ جو شخص گناہ ہمیشہ کرتا ہے اور شرک و کفر نہ کرتا ہو، تصدیقِ قلبی اس کی موجود ہے اور خیر ایک بھی نہیں کی، سوائے تصدیقِ قلبی کے۔ کیا ایسا شخص ناجی ہوگا اور کیا قرآن و حدیث میں اس کو مومن کہا گیا ہے یا نہیں؟

[2] مولانا عبدالعزیز سعیدی، انھوں نے مدرسہ غزنویہ امرتسر اور مدرسہ سعیدیہ دہلی سے تعلیم حاصل کی۔ مختلف مقامات ملتان، خانیوال وغیرہ پر درس و تدریس اور خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں منکیرہ ضلع بھکر میں مسجد تعمیر کی اور وہاں درس و خطابت میں مشغول رہے۔ مئی ۱۹۸۱ء کو وہیں وفات پائی۔

[3] مولانا عبدالمجید سوہدروی۔

انکارِ حدیث میری ناقص رائے میں انکارِ نبوت کے مرادف [ہے]۔ نبی کے جسم کا اقرار تو ان کے اشد ترین دشمن بھی کرتے تھے اور کرتے ہیں، جہاں تک ان کے فرامین کا تعلق ہے، ایمان بالنبوۃ اسی سے تعبیر ہے۔ جس انداز سے اہلِ قرآن بحث کرتے ہیں، اس میں ایمان بالنبوۃ کی تو کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی اور نہ ہی آنحضرت ﷺ کی اطاعت کا کوئی مطلب سمجھ میں آتا ہے۔

اس تحریک کی بنیاد یا بے عملی پر ہے یا بدعملی پر۔ حدیث کی تفصیلات میں اس کی گنجایش نہیں ملتی۔ قرآن میں تاویل سے بدعملی پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ عبداللہ سے پرویز تک اس جماعت میں یہ عیب موجود ہے۔ اس لیے اس جماعت میں نظم نہیں ہو سکا اور نہ ہی خیالات میں یکسانیت پیدا ہوسکی، بلکہ ہر ایک اپنی جگہ پر مجتہد مطلق ہے۔

اگر بالفرض چند احادیث کا مفہوم کسی کے ذہن میں نہیں آسکا تو پورے فن کا انکار، تمام احادیث پر بے اعتمادی قطعاً غیر معقول ہے۔ قرآن کی بعض آیات کے مفہوم میں رازی جیسا امام اقرار کرتا ہے کہ اس کے سمجھنے میں میرا ذہن صاف نہیں ہو سکا، اس کا یہ معنی نہیں کہ پورے قرآن کا انکار کر دیا جائے، زیادہ سے زیادہ فہم کا قصور ہے۔ ہمارے اہلِ قرآن دوستوں کا عجیب وطیرہ ہے، اپنی کم فہمی کی سزا پورے فن اور علم کو دینا چاہتے ہیں!!

اب سوالات کے متعلق گزارش سنیے:

① حضرت عائشہ کی حدیثِ غسل کے [متعلق] غور طلب مسئلہ یہ [ہے] کہ ابو سلمہ بن عبدالرحمان بن عوف اور ان کا ساتھی کیا دریافت کرنا چاہتے تھے؟ کیا وہ اتنے انجان تھے کہ غسل کا بھی علم نہ تھا کہ کیسے کیا جاتا ہے؟

بخاری نے باب کا عنوان "بَابُ الْغُسُلِ بِالصَّاعِ وَنَحْوِهِ" مقرر فرمایا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "فَدَعَتْ بِإِنَاءٍ نَحْواً مِنْ صَاعٍ فَاغْتَسَلَتْ وَأَفَاضَتْ... الخ"[1]

ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات کو شبہہ تھا کہ ایک صاع سے غسل نہیں ہوسکتا۔ یہ مقدار کم ہے۔ دوسرا یہ خیال تھا کہ صرف پانی بہا دینا کافی نہیں، مَلنا بھی ضروری ہے۔ حضرت عائشہ نے پردہ کیا اور ایک صاع پانی لے کر بدن پر بہا دیا۔ ان دونوں چیزوں کو اندورن پردہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں۔ پانی کی مقدار ان دونوں کے سامنے اندر رکھی اور سر پر پانی بہا دیا۔ دونوں کی تسکین

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢٤٨)

ہوگئی، اتنے پانی سے اس طرح غسل ہوسکتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

"وَلَمَّا كَانَ السُّؤَالُ مُحْتَمِلًا لِلْكَيْفِيَّةِ، ثَبَتَ لَهُمَا مَا يَدُلُّ عَلَى الْأَمْرَيْنِ مَعًا" (فتح الباري: ١/ ١٨٤)

''سوال غسل کی کیفیت اور پانی کی مقدار کے متعلق تھا، جس کا ثبوت ان کو مل گیا۔''

پھر یہ دونوں سائل، ایک حضرت عائشہ کا (رضاعی) بھائی ہے، دوسرا رضاعی بہن کا لڑکا ہے۔ حضرت عائشہ اس کی رضاعی خالہ ہیں۔ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ ام کلثوم کا دودھ اس نے پیا تھا۔ دونوں محرم ہیں۔ جسم کے اوپر کے حصوں کو وہ دیکھ سکتے ہیں، اس لیے بالکل ممکن ہے کہ جسم کا بالائی حصہ نظر آتا ہو۔ اس لیے دونوں سائلوں کو مزید سوال کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ یہ تکلیف تیرہ سو سال کے بعد حضرات اہلِ قرآن کو محسوس ہوئی۔ ''مدعی سست گواہ چست'' اسی کو کہتے ہیں۔ بخاری نے روایت جوں کی توں بیان فرما دی۔ سائل اور مسئول دونوں مطمئن ہو گئے۔ معلوم نہیں حضرات اہلِ قرآن سائل کی وکالت فرماتے ہیں یا حضرت مسئولہ کی؟ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

ذہن صاف اور دیانت موجود ہو تو حدیث میں کوئی الجھن نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اگر بند غسل خانے میں غسل فرماتیں تو بھی مسئلہ حل ہو جاتا، بشرطیکہ پانی سائل کے سامنے رکھا جاتا۔ کیفیت کا اندازہ غسل کے وقت سے بھی ہوسکتا تھا۔ اسی لیے دونوں سائل مطمئن ہو گئے۔ بخاری کا صرف یہ جرم ہے کہ اس حدیث کو پوری احتیاط سے جمع کر دیا۔ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ.

④ حضرت جابر اور بعض دوسرے صحابہ سے متعہ کے جواز اور حلت کے متعلق بعض روایات آئی ہیں، اس لیے متعہ کی حرمت کے متعلق متقدمین علماء میں اختلاف [ہے]۔ بعض اس کی حرمت کو مکرر سمجھتے ہیں، بعض اس کی حرمت کو اضطرار سمجھتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ متعہ ایک جاہلی نکاح تھا، جس طرح ① استبضاع ② خدن ③ سفاح ④ شغار نکاح تھے۔ اسلام نے مناسب اوقات میں انھیں حرام فرمایا۔ اسی طرح متعہ جاہلی نکاح کے طور پر ایامِ فتح مکہ تک، فتح مکہ اور غزوۂ اوطاس ایک ہی سفر میں قریباً آٹھ ہجری میں ہوئے، اس وقت متعہ کی قطعی حرمت نازل ہوئی، لیکن اس وقت نشر و اشاعت کے اسباب و ذرائع عام نہ تھے۔ بعض صحابہ کو اس کا صحیح طور پر علم نہ ہو سکا۔ فتح مکہ سے حضرت عمر کی خلافت تک قریباً چار سال یا ساڑھے چار سال ہوتے ہیں، اس عرصے

میں بعض صحابہ پر اس کا مخفی رہنا چنداں غیر ممکن نہیں۔ آج کے نشریات میں بعض معاملات انتہائی پبلسٹی کے باوجود مخفی رہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے قانونی طور پر روکا۔ تمام لوگ رک گئے۔ سوال یہ ہے کہ آیا آنحضرت سے اس کی اَبدی حرمت ثابت ہے یا نہیں؟ فتح مکہ میں اس کی حرمت قطعی ہے۔ اب صحابہ کے عدمِ علم سے استدلال کرنا معلوم نہیں یہ دلیل کی کون سی قسم ہے؟ حضرت عمر کے اس حکم کی آیا صحابہ سے کسی نے کھل کر اس کی مخالفت کی ہے؟ اس کا معنی ظاہر ہے۔ جب علماء صحابہ کو اس کی حرمت کا یقین [ہے] حکومت [نے] اس کی حمایت فرمائی۔ تمام نے اس نہی پر یقین اور امت نے اس پر اجماع فرمایا۔

محدثین کی دیانت ہے کہ علمی ذخیرے کے طور پر جو کچھ ان سے منقول تھا، انھوں نے اسے نقل کر دیا۔ علمی امانت دوسری چیز ہے اور تحقیق اور مسلک دوسری چیز۔ اس میں محدثین پر بڑی بے انصافی ہے۔ آج منکرینِ حدیث مولوی عبداللہ اور مولوی حشمت علی کا مذہب قریباً متروک ہے۔ مولوی رمضان اور پرویز وغیرہ کے مسالک زیادہ مقبول ہو رہے ہیں، لیکن پہلے مسالک کا علمی طور پر تذکرہ کوئی جرم نہیں۔ حدیث کی مخالفت میں علمی امانت اور دیانت پر ہاتھ صاف نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت جابر کی روایت اگر مسلم میں نہ ہوتی تو علمِ حدیث مستند ہو جاتا؟ اس قسم کے شبہات میرے لیے کم از کم قابلِ تعجب نہیں۔

❸ یہ اعتراض میں نہیں سمجھ سکا۔ اعتراض آفتاب کے غروب پر ہے یا اس کے سجود اور اجازت پر؟

غروب کا تذکرہ قرآنِ مجید میں [ہے]: ﴿ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ ﴾ [الکہف: ٨٦]

غروب کا وجدان قرآن مجید اس کا اعتراف فرماتا ہے۔ علمِ ہیئت میں غروب کی تعبیر موجود ہے۔ ہم لوگ ہی نہیں، بلکہ علمائے ہیئت رات کے وقت جانتے ہیں کہ سورج غروب ہو گیا۔ جس ملک سے وہ غائب ہو گیا، اسے غروب ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عرف جس طرح پاکستان میں ہے، اسی طرح امریکہ میں ہے۔ یہ عرف اور زبان کا مسئلہ ہے۔ علمائے ہیئت بھی جب گفتگو کریں گے تو یہی کہیں گے۔

اگر شبہہ آفتاب کے سجود پر ہے تو یہ سجود اجازتِ ربانی کا دوسرا نام ہے، جب وہ اُس ملک میں طلوع ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے، اگر اس سے غائب ہو کر کسی دوسرے ملک میں ظاہر ہوتا ہے تو اللہ کی اجازت سے۔ ہر لحہ جو اس دنیا میں گزر رہا ہے، وہ اللہ کی اجازت سے ہے۔ جہاں یہ اجازت ختم ہوئی، نظام درہم برہم ہو گیا۔ اس سجود سے مراد انسانی نماز کا سجود نہیں۔ ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ

﴿ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ [الإسراء: ٤٤]

ہر چیز تسبیح کہتی ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ انسان اس کی حقیقت کو سمجھ لے۔

④ معلوم نہیں اس حدیث میں اہلِ قرآن کے لیے کون سی چیز ناگوار ہے اور ان کے ہاں نماز کے آگے گزرنے کا مثبت طریق پر کیا حکم ہے؟ کھلی اجازت ہے؟ بالکل ممنوع؟ اور جو بھی صورت ہو، اس کی قرآنی دلیل؟

اگر ناگواری اس میں ہے کہ عورت کا تذکرہ گدھے اور کتے کے ساتھ کیوں آیا ہے؟ یہ تو کوئی چیز نہیں۔ قرآنِ عزیز [میں] گدھے اور خچر گھوڑے کا ذکر معاً آیا ہے، حالاں کہ وہ نہ اِفادی لحاظ سے مساوی ہیں نہ مرتبے کے لحاظ سے، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور قدرت کا مظہر ہونے میں برابر ہیں۔ عورت، گدھا اور کتا؛ نماز میں جاذبِ توجہ اور مانع خشوع ہونے میں برابر ہیں، بلکہ مرد بھی اس میں ان کے برابر ہیں، گو جذب کی وجہ الگ الگ ہے۔ عورت میں جذب کی وجہ جنسی کشش اور رجحان ہے۔ کتے اور گدھے میں نقصان اور ضرر کا خطرہ ہے۔

اگر ناگواری کا سبب نماز کا ٹوٹنا ہے تو گزارش ہے کہ گو بعض روایات [میں] ''قطع'' کا لفظ آیا ہے، لیکن اس سے مراد توجہ اور خشوع کا انقطاع ہے۔ اصل نماز کا انقطاع مقصود نہیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ، وَادْرَأُوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ'' [1] (أبو داود، مشكاة المصابيح، ص: ٧٤ أصح المطابع)

''نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی، لیکن اس حرکت سے روکنا چاہیے، کیوں کہ ایسا کرنا شیطانی فعل ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رات بوقتِ تہجد آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھیں۔ [2] (مشكاة، ص: ٧٤)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے اپنے گدھے کو نماز کے آگے چھوڑ دیا، وہ چرنے لگا۔ مجھے اس فعل سے کسی نے نہیں روکا۔ [3]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٧١٩)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٩٢)

[3] صحيح البخاري، رقم الحديث (٧٦) صحيح مسلم، رقم الحديث (٥٠٤)

ویسے نماز نہ ٹوٹنے کی صورت میں بھی عورت کا تذکرہ تو قبیح حیوانات کے ساتھ ہو جائے گا، مثلاً: آپ فرمائیں گے: عورت، گدھے، کتے اور خنزیر کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ اس صورت میں بھی عورت کی مزعومہ بے ادبی تو ہوگئی۔ ہماری روز مرہ کی گفتگو میں اس قسم کا تذکرہ آ ہی جائے گا اور ہر زبان میں یہ طریقۂ گفتگو مروج ہے۔

۵ اس قسم کی احادیث کا تعلق یا عرف سے ہے یا تجربے سے۔ اسے دین اور شریعت کی حیثیت سے ذکر نہیں فرمایا۔ آنحضرت ﷺ نے طب اور علاج کے متعلق بعض روایات فرمائیں، وہ شریعت یا دین نہیں، بلکہ اس وقت متعارف چیزیں یا آنحضرت کا ذاتی تجربہ [تھا]، لیکن اگر اسے دین اور شریعت سمجھ لیا جائے تو ان حضرات کے پاس اس کے خلاف کون سی آیت ہے؟ تعجب ہے کہ یہ حضرات اپنی ذہنی ہفوات کو آنحضرت کے ارشادات سے مقدم سمجھتے ہیں، بلکہ اپنی لاعلمی کو بھی علم پر مقدم سمجھتے ہیں!!

۶ قرآنِ حکیم میں اصولِ مجازات کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا:

① ﴿جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ [التوبة: ٨٢]

② ﴿وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ [آل عمران: ٢٥]

یعنی جزا کا انحصار اعمال پر ہے، اور اب اگر تصدیقِ قلب کا فعل ہے تو اس کی جزا اس کو ملنی چاہیے اور اس مفروضے کے مطابق وہ نجات کا حق دار ہونا چاہیے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا﴾ [مریم: ٧٢]

''اہلِ تقویٰ کو نجات ملے گی اور ظالم آگ میں گھٹنوں کے بَل گریں گے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ اچھے اعمال کی جزا تراخی اور دیر سے ملے گی، اس لیے قرآن کی رُو سے توحید اور اچھے اعمال کی جزا آخر میں ہی ملنی چاہیے۔ سید شہید کا رجحان ''تقویۃ الایمان'' میں اسی طرف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف یہ مفروضہ ہے، ورنہ تصدیقِ قلبی کے بعد اعمال سے خالی ہونا یا بدعمل ہونا، عرفاً ناممکن ہے۔ کھلی بدعملی کے بعد ایمان کی صحت اور خشیتِ الٰہی کا دعویٰ صرف طفل تسلی ہے، عملاً ایسا نہیں ہوسکتا، اس لیے عام اہلِ حدیث نے اس مسئلے میں شاہ صاحب سے اختلاف کیا ہے

اور اعمال [کو] جزوِ ایمان قرار دے کر اسے مدارِ نجات سمجھا ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

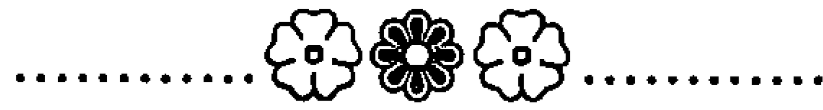
گوجرانوالہ

گذشتہ ہفتے انتخابات کے سلسلے میں زیادہ وقت سفر میں گزرا، اس لیے نہ تو جواب میں تفصیل ہو سکی اور نہ عجلت، بلکہ جواب دیر سے دیا جا رہا ہے، اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ اگر مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو۔إن شاء اللّٰہ۔ فقیر حاضر ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 74

(۹)

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں گوجرانوالہ Gujranwala

تاریخ: ۱۰؍ دسمبر ۵۸ء

محترم مولانا زاد مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ "سبیل الرشاد"[1] مل گئی۔ جناب نے مسئلہ واضح کر دیا۔ اس معاملے میں تشدد کی بدعت تو حافظ عبداللہ روپڑی نے پیدا کی۔ بہاول پور میں ایک مقدمہ چلا اور دو سال تک چلتا رہا۔ حافظ عبداللہ صاحب کا رجحان بھی پہلے جواز مع الکراہۃ کی طرف تھا، اس کیس میں اُن کا رویہ سخت ہو گیا، وہ اسے حرام بتانے لگے۔



[1] "سبيل الرشاد في تفريق التبادلة والشغار" کے نام سے مولانا فضل حق ہاشمی نے نکاحِ شغار کی حرمت اور نکاحِ بٹہ کی حلت کے متعلق ایک کتاب تالیف کی تھی۔

مشکل دونوں صورتوں میں ہے۔ حرام کہنے کے لیے شرعی صراحت کی ضرورت ہے اور کھلا چھوڑنے میں معاشرے کی خرابی کی وجہ سے تلخیاں پیدا ہوتی ہیں۔ استدلال کی چستی ان خرابیوں کا علاج نہیں کرسکتی۔ جواز کے باوجود کوشش ہونی چاہیے کہ مشروط تعلقات نہ ہونے پائیں یا اصلاحِ معاشرہ کے لیے حکومت کوئی جامع قانون بنادے۔

حدیثِ غسل[1] کے ''خلافِ ادب اور توہین'' کا بہانہ مضحکہ خیز ہے۔ شبہہ اس میں ہے کہ اتنے تھوڑے پانی میں غسل نہیں ہوسکتا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے غسل فرمایا اور پانی کی اسی مقدار میں فرمایا۔ سائل کو یقین ہوگیا کہ ایسا ہوسکتا ہے۔ گھروں میں غسل خانے موجود ہیں، گھر کی عورتیں بچوں اور بوڑھوں کے ہوتے گھر میں غسل کرتی ہیں، نہ ہم بے ادبی کے خطرے سے گھر چھوڑتے ہیں نہ وہ غسل کے لیے کوئی دوسرا مقام اختیار کرتی ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے، یہاں غسل خانہ کپڑے کا بنایا گیا، ہمارے ہاں غسل خانے اینٹوں کے ہوتے ہیں۔ گویا کپڑے کے غسل خانے میں نہانا توہین اور بے ادبی ہے اور اینٹوں کے غسل خانے میں ادب اور اعزاز ہے۔ ﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾

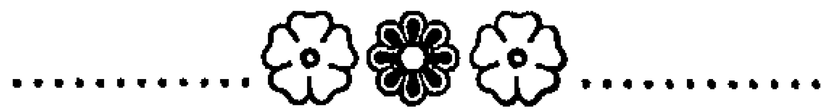
اسلامی فرقوں میں مَیں نے اہلِ قرآن سے زیادہ کم فہم کوئی فرقہ نہیں دیکھا۔

مولانا محمد شریف صاحب اور مولانا عبدالرحمان صاحب سے مؤدبانہ سلام عرض فرمادیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب نمبر 75

(۱۰)

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں گوجرانوالہ Gujranwala

تاریخ: ۲۵/اپریل ۵۹ء

محترم مولانا زادمجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ عید کارڈ اور تیل مل گئے۔ تیل کی دونوں کپیوں سے کچھ نقصان ہوا ہے۔ ٹین کے کاک کے اندر کوئی کاک ہوتا تو یہ نقصان نہ ہوتا، تاہم کافی بچ گیا ہے۔ کرم فرمائی کے لیے شکریہ، لیکن اگر جناب تھوڑی سی بے تکلفی فرما کر قیمت وصول فرما لیا کریں تو مجھے ندامت نہ ہو۔ اس میں یہ فائدہ ہوتا ہے بلاتکلف طلب کی جا سکتی ہے۔

جناب نے مولوی عبدالقادر صاحب[1] سے ثالثی کے لیے چند آدمیوں کو انتخاب فرمایا ہے۔ ثالث کو آپ حضرات حکم فرماتے ہیں کہ وہ آپ حضرات کے حکم کی تعمیل کرے۔ کسی ثالث کو معذرت یا مجبوری کے اظہار کی اجازت بھی ہے یا نہیں؟

میں نے مولوی عبدالقادر صاحب کو پہلی دفعہ لاہور کی مجلسِ مفاہمت میں دیکھا اور انکی نجی تحریر جناب کے توسط سے پڑھی۔ سچ ہے قلم کی آنکھیں نہیں ہوتیں۔ میں ایسے حضرات کے معاملے میں دخل دینے سے گھبراتا ہوں۔

یہ بھی فرمائیں! باقی ثالث حضرات بھی ثالثی کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟ کسی کی منظوری آئی ہو تو مطلع فرمائیں، میں تو بہرکیف معذور ہوں۔

اچھا یہ ہے کہ معاملہ جہاں ہے، وہیں ختم کر دیں۔ اس طعن وتشنیع میں باہم بے اعتمادی اور بدگمانی بڑھے گی۔ بظاہر فیصلے کی کوئی امید نہیں۔

میں تو آج تک مجلسِ مفاہمت میں شریک نہیں ہوا۔ صدرِ محترم ہی ہماری نیابت فرماتے ہیں۔

---

[1] مولانا عبدالقادر عارف حصاری (م ۱۹۸۱ء) مراد ہیں۔ مولانا ہاشمی اور مولانا حصاری کے درمیان نکاحِ بٹہ کے مسئلے کی بابت علمی نزاع تھا جس کے لیے ثالثی کا قضیہ پیدا ہوا تھا۔

حافظ عبداللہ صاحب روپڑی اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہیں۔ انھوں نے ساری عمر مل کر کام نہیں کیا۔ ان کی پوری زندگی تفریق پسندی میں گزری ہے۔ اب وہ کیسے جماعت کے ساتھ چل سکتے ہیں؟!

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 76

(۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

گجرانوالہ

۲۴ر جون ۵۹ء

مکرم قرشی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ جناب سے ملاقات ہوئی۔ میں اس وقت تشویش میں تھا۔ اس لیے جناب کے پاس ٹھہر نہیں سکا۔ اس وقت اتنی جلدی واپسی کا خیال بھی نہ تھا۔

میانوالی حاضری مشکل نہیں۔ میرا خیال یہ ہے ہماری تقاریر وہاں چنداں مفید نہیں ہوں گی۔ اپنی گزارشات کے متعلق تو مجھے پختہ خیال ہے، ممکن ہے صاحبِ صدر اس سے مستثنیٰ ہوں۔ وہاں کے قریبی اہلِ علم اس ماحول میں زیادہ مفید ثابت ہوں گے۔ اواخر اکتوبر یا نومبر میں یاد فرمائیں۔ إن شاء اللہ۔ کوئی صورت تجویز کر لی جائے گی۔ لیکن سعیدی صاحب کی شکایت کے متعلق مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ مجھے ان کے خلوص پر شبہہ نہیں، ان کا مزاج اور اندازِ گفتگو میرے ایسے کند ذہن کے فہم سے بالا ہے۔ مجھے ان کے ارشادات پڑھنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ دوسرے لوگوں کو بد دیانت سمجھتے ہیں اور اپنی دیانت داری پر کبر و غرور کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں:

- ''انتخاب ایک مجوزہ اور سوچی سمجھی سکیم اور خاص طریق سے عمل میں لایا جائے گا۔''
- ''بڑوں کے سیاسی جوڑ توڑ اور من مانی تجاویز کو جماعتی رنگ میں رنگنا وغیرہ وغیرہ سب میرے سامنے ہے۔''
- ''یہ بڑے دوسروں کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔''

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ!

آپ شوریٰ کے اجلاس میں موجود تھے۔ فرمایئے! کیا جوڑ توڑ ہوئی؟ کونسی مجوزہ سکیم سامنے آئی؟ کس کی آنکھوں میں دھول ڈالی گئی؟ قلم کی آنکھیں نہیں، ورنہ اسے لکھتے حیا محسوس ہوتی!!

سعیدی صاحب میں قوتِ گویائی نہیں، دلیل سے وہ کوئی چیز منوا نہیں سکتے، لیکن اپنی بڑائی کے متعلق انھیں پورا وثوق ہے۔ قلم کی زبان سے جلی کٹی کہہ کر اپنی مزعومہ دیانت کے متعلق مطمئن ہو جاتے ہیں۔

یہ لوگ مایوسی کی پیداوار ہیں۔ ان کا ماضی اور مستقبل صرف مایوسی ہے۔ وہ منتظر ہیں کہ ان [کے] مزعوم بڑے مر جائیں اور آیندہ ان کے لیے جگہ خالی کر دیں۔ خدا کرے ان کی یہ آرزو پوری ہو!

ہمارے [ہاں] ایک معمار ہے، وہ شاہی مسجد کی عمارت پر اعتراض کرتا ہے کہ اس کے بنانے والے ماہر نہ تھے، لیکن یہ حال ہے کہ اُسے کام پر کوئی نہیں لگاتا تو وہ اپنے ساتھیوں کو گالیاں دے کر دل ٹھنڈا کر لیتا ہے۔

سعیدی صاحب کا مزاج شورائی نہیں، لیکن ان کی آرزو یہ ہوتی ہے کہ ان کی ہر بات قبول کر لی جائے۔ اب یہ کیسے ہو؟ وہ اسے جوڑ توڑ کہہ کر خوش ہو جاتے ہیں۔

گذشتہ سال شوریٰ نے ابتدائی تعلیم کے ترک کا فیصلہ فرمایا، ہمارے خلاف اکثریت نے فیصلہ دے دیا۔ قبول کے سوا چارہ؟ امسال تجربے نے شوریٰ کی رائے بدل دی۔ یہ حضرات اس قابل ہیں کہ انھیں سیم و زر کے گنبد میں بٹھا کر ان کی زیارت کی جائے اور بس!

امید ہے آیندہ ان کے گرامی ارشادات اپنی ذات تک محدود رکھیں گے۔ ملیں، ان کا مزاج گوارا کرے تو سلام عرض کر دیں۔ اہلِ بدعت کی تکفیر میں کچھ غلو ہوا ہے، مگر ہم ان کی حمایت میں فریق نہیں بننا چاہتے، اس حمایت میں شرک اور بدعت کی فی الجملہ اعانت بھی ہوگی، حالاں کہ ان سے

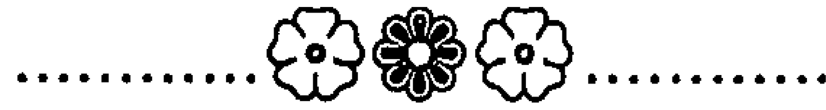
تنفر ضروری ہے اور مفید بھی۔

یہاں تو کوئی پریس میری نظر میں نہیں، لاہور مولوی عطاء اللہ صاحب سے مشورہ کریں۔ سعیدی صاحب کا حافظہ غلطی کرتا ہے۔ حافظ ابراہیم کے متعلق کیس کا فیصلہ نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ فیصلہ ہوا تھا انکوائری کمیٹی کی رپورٹ عاملہ میں پیش ہو کر شوریٰ میں آئے۔ سعیدی صاحب مع مولوی عبدالمجید صاحب حافظ ابراہیم کی حمایت میں تھے۔

مولانا محمد شریف صاحب اور مولانا عبدالرحمان صاحب سے سلام عرض کر دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



مکتوب نمبر 77

(۱۲)

گجرانوالہ

۱۸۔۷۔۵۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

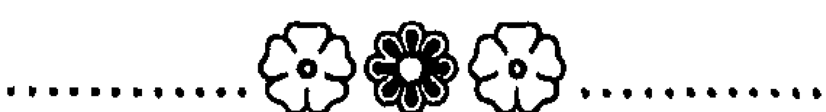
یاد فرمائی کا شکریہ۔ گجرانوالہ [ضلع] ایسی جگہ واقع ہے کہ یہاں سیول کا اثر بہت کم ہوتا ہے۔ امسال بھی خیریت رہی۔ امید ہے آپ حضرات کی ادعیہ سے خیریت ہی رہے گی۔

غلہ اور مویشی کا نقصان ضلع سیالکوٹ میں ہوا ہے۔ گوجرانوالہ کے دیہات میں سیلاب تو آیا ہے، لیکن انسانوں اور مواشی کا نقصان نہیں ہوا۔

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس گجرانوالہ



مکتوب نمبر 78

(۱۳)

گجرانوالہ

۲۷۔۵۔۶۰ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم قریشی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کانفرنس کی بندش سے نقصان بھی ہوا اور تکلیف بھی، مگر حکومت کی مصالح کا لحاظ ناگزیر تھا۔[1]

شکر ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کے عائلہ کو ٹائیفائیڈ ایسے موذی مرض سے صحت بخشی۔

سرگودھا کانفرنس کا خطبہ صدرِ محترم نے ہی ابھی پورا نہیں لکھا، طبع کیسے ہوتا؟

مارشل لا کا دور ہے، تاحال تگ و دو کامیاب نہیں ہوئی۔ جامعہ سلفیہ کی آمد وخرچ کے پیشِ نظر اُمید نہیں حکومت اس پر قبضہ کرے۔ اگر حکومت اسے چلانا چاہے تو ہمیں اور کیا چاہیے؟ حکومت کل قبضہ کرتی، آج ہی کرے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ جماعت کے کام کے لیے مجھے کوئی نیا جنجال گلے میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ شاید میں کسی سے اشتراک کر لوں۔ مولوی علی محمد صاحب صمصام اس کے لیے مع رفقاء تیار ہوئے ہیں۔ آج چار الگ الگ درخواستیں اسی مضمون کی ڈپٹی کمشنر صاحب بہادر کو بھیج دی گئی ہیں۔ بذریعہ رجسٹری ایک نقل چاروں کی طرف جناب کو یاد دہانی کے لیے بھیج رہا ہوں۔ تفصیلات سے مطلع فرما دیں۔ دونوں سکیم کی تفصیلات بھیج دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل

چاہ شاہاں، گجرانوالہ



[1] مرکزی جمعیت اہلِ حدیث پاکستان کی چھٹی سالانہ کانفرنس ۲۔۳۔۱۹۶۰ء کو پتوکی میں منعقد ہو رہی تھی کہ مارشل لاء حکومت نے کانفرنس کے انعقاد سے چند گھنٹے پیشتر اس پر پابندی لگا دی، جس کی بنا پر مجبوراً اربابِ جماعت کو یہ کانفرنس منسوخ کرنا پڑی۔ دیکھیں: ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۸/اپریل ۱۹۶۰ء)

مکتوب نمبر 79

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ، لاہور

۲۴۔۸۔۶۰ء

محترم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ توجہ سامی کا شکریہ۔ درخواست پہنچ گئی، اس کے لیے مکرر شکریہ۔ میں سوچتا ہوں، آج کل کے دفتری نظام میں میرے جیسا آدمی کیسے رُخ کر سکتا ہے؟ وہاں کا طواف، وہاں کے مطالبات میرے جیسا آدمی کیسے پورے کر سکتا ہے؟

مولوی صمصام صاحب اس کے لیے شوقین ہیں، ان سے عرض کروں گا۔

مولوی عبدالقادر حصاری معذور ہیں۔ مجھے ان کی زیارت لاہور کنونشن پر ہوئی، میری ان کے متعلق اسی دن سے یہ رائے ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

اینست جوابش کہ جوابش نہ دہی [1]

آپ جب شغار پر لکھ رہے تھے، مجھے اس وقت بھی آپ پر ترس آتا تھا کہ آپ کس مصیبت میں گرفتار ہیں؟ "ضرب الفأس" [2] میں نے دیکھی ہے اور ردّی کی ٹوکری میں ڈال دی ہے۔ آپ مسئلۂ شغار یا کسی دوسرے مسئلے پر ضرور لکھیں، اس کے شبہات کو بھی نظر میں رکھیں، لیکن اسے مخاطب کرنا چھوڑ دیں۔ مولوی عبدالستار دہلوی نے اُسے اِسی لیے رکھا ہے کہ وہ لوگوں کی بے آبروئی کرے اور شرفاء سے اُلجھتا رہے۔

اپنے خطیب صاحب مولانا عبدالرحمان صاحب سے میرا نیاز مندانہ سلام عرض کریں۔ مولانا عبدالرحمان سے کہہ دیں کہ مَیں نے "لسان العرب" ساڑھے آٹھ صد (۸۵۰) روپے میں خرید لی

---

[1] ترجمہ: "اس کا جواب یہ ہے کہ آپ اسے جواب نہ ہی دیں۔"

[2] یہ "ضرب الفأس علیٰ کاشف الرأس" مولانا عبدالقادر عارف حصاری کی تالیف ہے۔

ہے۔ اب چکڑالہ میں کوشش کی ضرورت نہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 80

(۱۵)

گجرانوالہ

۲۱۔۱۲۔۶۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مدت ہوئی جناب نے اپنی صحت و عافیت کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔ اُمید ہے جناب مع العیال بخیریت ہوں گے۔

مولانا حصاری[1] نے آپ کا پیچھا چھوڑا ہے یا نہیں؟

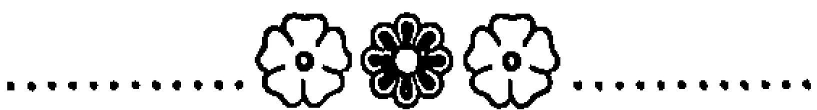
سعدی کا ارشاد ہے:

آنکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی — اینست جوابش کہ جوابش نہ دہی[2]

یہ حضرات مسائل سے زیادہ ذاتیات کی جنگ لڑتے ہیں۔ ان کا مقابلہ ہم ایسے لوگوں سے مشکل ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل



---

(1) مولانا عبدالقادر عارف حصاری (م ۱۹۸۱ء)، ان دنوں ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں مولانا حصاری اور مولانا فضل حق ہاشمی کے درمیان ایک مسئلے (نکاحِ شغار) کی بابت نزاع چل رہی تھی۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(2) ''جو شخص قرآن و حدیث کے جواب سے مطمئن نہ ہو اسے جواب نہ دینا ہی بہتر ہے۔''

مکتوب نمبر 81

(۱۶)

گجرانوالہ

۱۴۔۳۔۶۱ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم قرشی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب تشریف لائے۔ ملاقات نہ ہوسکی، افسوس ہوا۔ جناب نے سنا ہوگا، جامعہ سلفیہ کے ملحق ایک ایکڑ زمین کا سودا کیا تھا، رجسٹری [کی] آخری تاریخ ۱۹ر فروری تھی، قریباً تیس ہزار روپیہ وہاں پہنچانا تھا، اس لیے میں نے خود ہی جانا مناسب سمجھا۔ آپ کی تکلیف اور ملاقات نہ ہو سکنے کا بے حد افسوس ہے۔

مجھے جناب کی تشریف آوری کا علم ہوتا تو میں ایک جانماز، یعنی مصلیٰ کی تکلیف دیتا۔ آپ کے ہاں باریک پٹھے کی صفیں اچھی ہوتی ہیں۔ بہرکیف کسی آنے والے کے ہاتھ۔ إن شاء اللہ۔ منگالی جائیں گی۔

والسلام

محمد اسماعیل

چاہ شاہاں، گوجرانوالہ

آپ اتنی دور سے تشریف لائے، کم از کم رات قیام فرمایا ہوتا۔ مولانا محمد شریف اور مولانا عبدالرحمان صاحب سے سلام عرض فرما دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



مکتوب نمبر 82

(۱۷)

گجرانوالہ

۲۴-۴-۶۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصہ سے جناب کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ امید ہے جناب بخیریت ہوں گے۔ مولانا عبدالرحمان صاحب اور مولانا محمد شریف صاحب دونوں حضرات بخیریت ہوں گے۔ ان سے سلام عرض فرما دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 83

(۱۸)

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohd Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں گوجرانوالہ Gujranwala

۴-۵-۶۱ء

محترم قریشی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس سے پہلے کوئی خط مشتمل بر سوالات نہیں ملا۔ حافظ محمد صاحب کا فتویٰ بھی نہیں دیکھا۔ "الاعتصام" عموماً پورا دیکھتا ہوں۔ معلوم نہیں نظر سے کیوں نہیں گزرا۔[1]

---

[1] مولانا ہاشمی نے اپنے مکتوب میں ذکر کیا تھا کہ حافظ محمد صاحب گوندلوی (۱۹۸۵ء) کا ایک فتویٰ "ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور (۱۴/اپریل ۱۹۶۱ء) میں ادائے رکعاتِ فجر بعد نمازِ فجر کے متعلق شائع ہوا تھا۔

پھر ہاشمی صاحب نے اپنے مکتوب میں مولانا سلفی رحمہ اللہ سے تین سوال دریافت کیے تھے:

① کیا وتر کے بعد کوئی نفل نماز نہیں؟

←

1 «اِجۡعَلُوۡا آخِرَ صَلَاتِکُمۡ بِاللَّیۡلِ وِتۡرًا»[1] (مسلم) یہ آنحضرت کا حکم ہے، جس کا مفاد یہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل کی جائے۔ وتروں کے بعد دو رکعت یہ حضرت کا فعل ہے، اس میں خصوصیت کا احتمال ہے، اس لیے اس میں تعارض نہیں۔ امت کو قول پر عمل کرنا چاہیے، فعل ہو سکتا ہے آنحضرت کی خصوصیت ہو۔

2 حضرت عائشہ سے آنحضرت ﷺ کے دو عمل مروی ہیں: نو رکعت اور گیارہ رکعت۔[2] آخر عمر میں سات رکعت مع وتر ادا فرما کر دو نفل پڑھتے۔ اس سے پہلے ۹ رکعت مع وتر ادا فرماتے، اس کے بعد دو نفل ادا فرماتے۔

بعض نے توجیہ فرمائی ہے کہ اگر پہلی رات وتر پڑھے جائیں تو دو نفل پڑھ لے، لیکن آخر رات میں نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں۔ لیکن اس کی صراحتاً تائید نہیں ہوتی۔

3 صحیح صورت یہ ہے کہ نوافل [میں] وسعت ہے۔ وتر کے بعد دو نفل کا التزام نہیں کرنا چاہیے، اگر کبھی کوئی پڑھ لے تو درست ہے۔ حدیث میں التزام کا ذکر نہیں، اس لیے بہتر ہے کہ التزام نہ کیا جائے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

میانوالی کالج میں ایک نوجوان پروفیسر محمد اسحاق ہے۔ حافظ بھی ہے۔ بڑے دیندار گھر کا لڑکا ہے۔ چین گیا تھا، وہاں اسے دماغی خرابی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد کچھ درست ہو گیا، لیکن دینداری کی طرف توجہ بالکل ہٹ گئی۔ اگر ملے تو اندازہ فرمائیں دماغی حالت کیسی ہے؟ ممکن ہے آپ کی ملاقات سے دینی رجحان عود کر آئے۔ غالباً اکیلا رہتا ہے، لیکن متاہل ہے۔ اہلیہ کو اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اگر ہو

← ۲ نمازِ تراویح کے بعد وتر پڑھ کر نفل ادا کیے جا سکتے ہیں یا سحری کے نوافل کے بعد وتر پڑھے جائیں؟

۳ کیا وتر پڑھنے کے بعد نفلی عبادت کی کوئی پابندی بھی ہے؟

مولانا سلفی رحمہ اللہ نے اوپر انہیں تین سوالات کے جوابات رقم فرمائے ہیں۔

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۵۱)

[2] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۱۰۸۹، ۱۰۹۶) صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۳۰)

سکے تو اس کے حالات سے مطلع فرمائیں۔ مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ ممکن ہے اب اس کا حافظہ جواب دے چکا ہو۔

محمد اسماعیل



مکتوب نمبر 84

(۱۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث مغربی پاکستان

مکرم قرشی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ مکتوب ملا۔ تعجب ہے مجھے سرگودھا میں جناب کی ملاقات قطعاً ذہن میں نہیں۔ جن بزرگوں کو جناب نے شوریٰ کی ممبری کے لیے انتخاب فرمایا تھا، وہ متعدد دفعہ ملے۔

مولوی عبدالمجید صاحب[1] اور سعیدی[2] صاحب کے معاملے میں مجھے تو چنداں تشویش نہیں اور نہ ہی بحمد اللہ اب تک کوئی نقصان ہوا ہے۔ میں نے جہاں تک اپنے ضمیر کو ٹٹولا ہے، نہ کوئی ذاتی منفعت مطلوب ہے اور نہ کوئی طمع نہ کسی سے عداوت۔

مولوی عبدالمجید اور سعیدی صاحب کو آمریت اور نظم میں تمیز نہیں۔ نظم قائم رکھنے کے لیے صدر کو بعض وقت رولنگ دینا ہوتا ہے اور بحث کو غلط رخ سے پھیرنے کے لیے بظاہر سختی کی ضرورت ہوتی ہے۔

حضرات اسے آمریت سمجھنے لگتے ہیں، ورنہ جہاں تک میرا خیال ہے اس دفعہ شوریٰ کافی حد تک آزاد تھی، اگر آمریت ہوتی تو صدر کو ناظمِ تعلیمات کے سلسلے میں شکست نہ ہوتی۔ مولوی عبدالمجید صاحب ہمارے ضلع کے صدر ہیں، لیکن انھوں نے کچھ نہیں کیا، بلکہ کام میں رکاوٹ پیدا کرتے رہے۔ جماعت کو مالی نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ''الاعتصام'' کا کئی سو روپیہ ان کے ذمے ہے، وہ دینا نہیں چاہتے۔ ایسے لوگوں کو کوئی خوش کر سکتا ہے؟

سعیدی صاحب نیک نیت آدمی ہیں، لیکن انتہائی جذباتی۔ یہ ان کے اختیار کی چیز نہیں۔

[1] مولانا عبدالمجید خادم سوہدری۔

[2] مولانا عبدالعزیز سعیدی (م مئی ۱۹۸۱ء)

افتادِ طبیعت اُن کے بس میں نہیں، وہ بیچارے اس قدر دور ہیں، وہ صحیح حالات کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتے۔ پچاس فیصدی بھی جذباتی فیصلہ ہے، غلطیاں ضرور ہیں، اس سے بریت کا دعویٰ نہ صدر کرسکتا ہے نہ ناظم۔ یہ لوگ تنقید یا اعتراض کے بجائے اگر مشورہ دیں تو وہ بہت زیادہ مفید ہو۔

مگر ان حضرات نے سیاسی جماعتوں میں اپوزیشن کا لفظ سن رکھا ہے، اس لیے وہ اس لفظ کی آڑ میں غلط صحیح کہنے کے لیے وجہِ جواز پیدا کرتے ہیں۔ حالاں کہ سیاسی جماعتوں میں طریقِ کار یا پروگرام کی بنا پر اپوزیشن بنتا ہے، یہاں کتاب و سنت کے اتباع اور اشاعت کے سوا کوئی پروگرام نہیں، اس لیے اپوزیشن کے لیے کوئی موزونیت نہیں۔

مولانا سعیدی صاحب نے اگر جماعت میاں والی سے قطع تعلق کیا ہے تو افسوس ہے، لیکن مجھے معلوم نہیں گذشتہ سالوں میں انھوں نے میاں والی کی جمعیت کے لیے کیا قربانی فرمائی؟ آپ ان سے اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کی درخواست کریں۔ اگر وہ ایسا نہ کرسکیں تو اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا فرما دے گا، گھبرانے کا کوئی مقام نہیں۔

مجھے تعجب ہے کہ مولوی عبدالمجید صاحب نے اعتراضات کیا کیے ہیں، جن کے جوابات نمبر وار شائع کیے جائیں؟ ان کی شکایات کا جواب تو اراکینِ شوریٰ نے نمبر وار ہی شائع کیا ہے۔

جہاں تک میں نے مختلف سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں میں کام کیا ہے، نقائص سے خالی تو کوئی بھی نہیں، یہاں بھی نقائص ہیں، مگر یہاں اس قدر نقائص نہیں جس قدر دوسری جماعتوں میں دیکھے گئے ہیں۔ پھر اصل میں اپنے وقار اور جماعتی مفاد میں جب تصادم ہو تو بہت کم لوگ اس میں تطبیق دے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہو تو اعمالِ خیر کی توفیق مل جاتی ہے، ورنہ حیل تو بہر حال سوجتے ہی رہتے ہیں۔

تیل کے متعلق جناب نے شاید ابہام سے کام لیا۔ حال ہی میں ختم ہوا تھا، میں نے تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا اور یہاں انتظام کرلیا۔ جناب اگر اس کی قیمت وصول فرما لیں تو مجھے طبیعت پر بوجھ نہ رہے، میں بے تکلف رہوں بلکہ پُرسکون!

احباب سے سلام عرض فرما دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 85

(۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور

مکرم محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ مدت کے بعد مکتوب ملا۔ پروگرام بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر منسوخ کرنا پڑا۔ ان میں ایک وجہ آپ حضرات کی خاموشی بھی تھی۔ آپ نے ایک گرامی نامہ میں لکھا تھا کہ اب میری اطلاع کے بغیر میانوالی نہ آئیں۔ پروگرام کی اشاعت کے بعد مجھے آپ کے گرامی نامہ کا انتظار رہا، مگر آپ نے مکمل سکوت فرمایا۔

میں خوشاب تک گیا اور مولوی صدیق اور حافظ اسماعیل صاحب [1] کے ذمے لگایا کہ وہ آپ کی خدمت میں پہنچیں۔ اب رمضان المبارک سے پہلے پہنچنا تو مشکل ہے۔ میں ۵/ اپریل کو راولپنڈی سے ہوتا ہوا آزاد کشمیر جا رہا ہوں۔ غالباً ۱۲/ اپریل سے پہلے نہیں آسکوں گا۔ ۱۳/ اپریل کو رمضان المبارک شروع ہو رہا ہے۔

عید کے [بعد] کانفرنس کی تاریخ ہوگی۔ اس دس بارہ دن میں مشغولیت بہت زیادہ ہوگی۔ کانفرنس کے بعد آپ مختار ہوں گے، میں ۔إن شاء اللہ۔ ضرور پہنچوں [گا]۔

اپنے ہمراہ بھی کسی کو ۔إن شاء اللہ۔ لے آؤں گا۔

والسلام
محمد اسماعیل، کان اللہ لہ
گوجرانوالہ



[1] حافظ اسماعیل صاحب ذبیح آف راولپنڈی۔

مکتوب نمبر 86

(۲۱)

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی اور معیاری درس گاہ

الجامعة السلفية۔ لائل پور

زیرِ اہتمام: مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

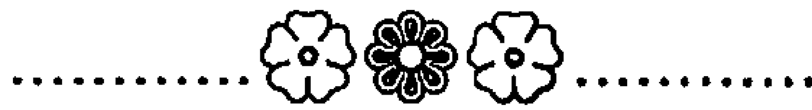
محترم ڈاکٹر صاحب زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ حاملِ رقعہ کا ایک مریض کئی دنوں سے ہسپتال میں داخل ہے۔ مریض قابلِ آپریشن ہے۔لوگ پریشان ہیں کہ آپریشن میں دیر کیوں ہو رہی ہے؟

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

۹۔۴۔۶۴ء



مکتوب نمبر 87

(مولانا محمد حیات آف پنڈی گھیپ کے نام دو خط)

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan

Gujranwala

Dated 67-8-24

عزیزم مولوی محمد حیات صاحب! السلام علیکم ورحمة الله

آپ کی پریشانی سن کر دُکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس پریشانی کو دور فرمائے۔ یہاں کے حالات اس وقت کچھ زیادہ سازگار نہیں ہیں۔ فسادات پر پولیس کی انکوائری شروع ہے۔ اڈیالہ کے کیس پر بھی مصارف ہو رہے ہیں۔ کاروباری حالات بھی اچھے نہیں۔ کاروباری لوگ اسی وقت اپنے ہیں جب آمدن ہو۔ والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



مکتوب نمبر 88

(۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohammad Ismail

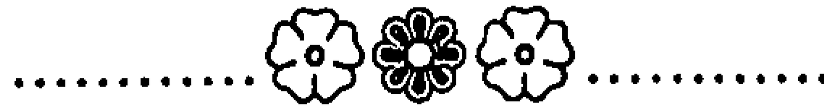
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Chah Shahan

Dated 67-2-2 Gujranwala

عزیزم سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کام اخلاص اور محنت سے کریں۔ کسی کو ناراض کرنے کی کوشش نہ کریں۔ اگر کوئی خوامخواہ ہو جائے تو منت کی ضرورت نہیں۔ اپنی طرف سے اصلاح کریں۔ طبیعت میں تیزی نہیں آنا چاہیے اور اپنے رفقاء سے صحیح صحیح بات کریں۔ بے ضرورت معاملے کو چھپانے کی کوشش نہ کی جائے۔ رات اُٹھنے کی عادت ڈالیں۔ تہجد میں بڑی برکتیں ہیں۔ ادعیہ کی قبولیت کا بہترین وقت ہے۔ والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



مکتوب نمبر 89

(ملک امام خان نوشہروی کے نام سات خطوط)

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

۱۸ر جولائی ۵۵ء

مکرم ومحترم ملک صاحب زادمجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا۔ حالات کے اس انقلاب سے افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے احوال کو سازگار فرما دے۔ آپ ان حالات میں ملازمت مشکل سے کرسکیں گے۔ یہاں جو لوگ کاروباری ہیں اکثر شیخ برادری

سے تعلق رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کے بعد یکا یک حالات کی تبدیلی نے ان میں رعونت اور خست پیدا کر دی ہے۔ کوئی شریف آدمی ان کے ماتحت تو بڑی بات ہے ان کے ساتھ مل کر بھی کام نہیں کر سکتا۔

اس کے باوجود میں تلاش کروں گا، آپ کے لیے کوئی مناسب جگہ مل جائے۔

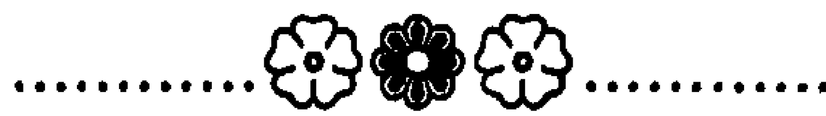
والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 90

(۲)



الجامعہ السلفیہ لائل پور

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی درسگاہ

گجرانوالہ

8-12-62

محترم ملک صاحب! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ مزاج گرامی

کل ملک عبدالمجید صاحب تشریف لائے، انھوں نے اپنے وکیل کو مطلع فرمایا کہ میں نے کیس چھوڑ دیا ہے۔ خود بھی نہایت شریفانہ انداز میں معذرت فرمائی۔ میں نے بھی معذرت کی کہ ہماری وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔ پھر چلے گئے، ان کا وکیل بھی چلا گیا۔ میں وہیں ٹھہرا رہا۔ کیس پیش ہوا، ہمارے وکیل نے حقیقتِ حال کہہ دی، کیس داخلِ دفتر ہو گیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے کیا لکھا؟ بہرحال معاملہ بحمد اللہ ختم ہو گیا۔ آپ کی مخلصانہ کوششیں قابلِ صد تشکر ہیں۔ میری طبیعت پر اس کا بہت زیادہ بوجھ تھا۔ میں اس نیک روی پر ملک عبدالمجید صاحب کا بھی شکر گزار ہوں۔

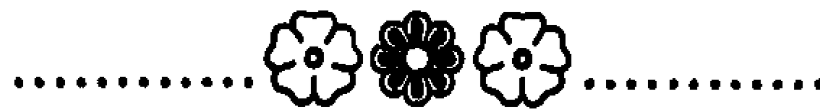
میں نے آپ کا گرامی نامہ مولوی خالد کو دے دیا تھا۔ معلوم نہیں آپ کو انھوں نے کیا جواب دیا؟ اگر مسودہ صاف ہو تو بھیج دیں۔ اگر کوئی حصہ قابلِ فہم ہے تو مطلع فرمائیں، میں مولوی خالد کو بھیج دوں، وہ آپ سے مسودہ لے آئے؟

میں نے شیخ عبدالحمید کو کہا ہے کہ وہ ملک عبدالمجید صاحب کی دعوت کرے۔ آپ کو بھی بمع احباب بلائے اور ماضی کی تلخی کلی طور پر ختم کر دی جائے۔

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس گجرانوالہ



مکتوب نمبر 91

(۳)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Chah Shahan
Dated: 22-12-62 | Gujranwala

محترم مکرم ملک صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

مکتوب ملا۔ تعجب ہوا آپ کس قدر احساسِ کہتری میں مبتلا ہیں۔ آپ ہمارے دیرینہ مخلص رفیق ہیں۔ توحید اور سنت کی اشاعت میں آپ کا مقام اچھے اچھے مشاہیر سے بھی کہیں بہتر ہے۔ آپ کے مکاتیب کا جواب میرا اخلاقی فرض تھا، لیکن ان کا تعلق مولوی خالد صاحب سے تھا، میں ان کو دے دیتا رہا، ان سے تساہل ہوا، اس لیے معذرت خواہ ہوں۔

کتاب آپ نے حافظ صاحب کو دے دی، کوئی حرج نہیں۔ انھیں چھاپنے دیجیے۔ اشتراک کی ضرورت نہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

ملک عبدالمجید صاحب کے پاس میری طرف سے شکریہ ادا فرمائیں۔ میں تہ دل سے ممنون ہوں، انھوں نے مجھے عدالتوں کی خجالت سے بچایا ہے، خدا انھیں جزائے خیر دے۔ کل میں نے انھیں

گجرانوالہ کچہری میں دیکھا، وہ سائیکل پر گزر گئے۔ میں نے بلانا مناسب نہ سمجھا، میں اصالتاً ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا، انھیں فرمائیں کہ وہ مسجد میں آنا شروع کریں۔

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 92

(۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated: 28-4-64	Gujranwala

محترم مکرم ملک صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

میں جناب کے معاملہ میں کوشش کروں گا۔ آپ فرمائیں اگر آپ کو لاہور جامعہ کے دفتر میں بطور کلرک موقع مل جائے تو آپ کام کریں گے؟ مشاہرہ ڈیڑھ دوصد کے قریب ہوگا۔ آپ کو لاہور ہی قیام فرمانا ہوگا۔ جماعت کے متعلق خط کتابت آپ کے ذمے ہوگی۔ میٹنگ کے وقت کارروائی لکھنا آپ کے ذمے۔ ڈاک لکھنا، اس کا اندراج، کاغذات کی حفاظت جناب کے ذمے ہوگی۔ سابق کلرک کے متعلق کچھ شکایات ہیں، ممکن ہے اسے جواب دینا پڑے۔ آپ یہ بوجھ برداشت کرسکیں تو میں اس معاملے میں کوشش کروں۔ یہاں بھی بعض فرموں سے گفتگو کروں گا۔ اونچی فرمیں تو انگریزی دان اور ٹائپسٹ آدمی چاہتی ہیں۔ معلوم نہیں یہ کام کہاں تک کرسکیں گے۔ غالباً آپ ٹائپ نہیں جانتے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو آسان فرما دے۔ اس ضعف کے دور میں یہ مشکلات واقعی ایک آزمائش ہیں۔ میں آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔ ویسے بھی ان عام کاروباری فرموں میں انسان کی آبرو محفوظ نہیں ہوتی۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 93

(۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Chah Shahan
Dated: 8-5-64 | Gujranwala

محترم مکرم ملک صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ فوراً لاہور پہنچیں۔ مولوی عطاء اللہ صاحب کے ہمراہ حاجی اسحاق صاحب حنیف سے ملیں۔ ان سے ملاقات کے بعد اگر ضرورت ہو تو ابوبکر صاحب سے مل لیں۔ عربی کے تراجم مینجر کا کام نہیں۔ مینجر کے متعلق تو حساب کی خط کتابت، طباعت، پریس میں آنے جانے کا کام ہوتا ہے۔

حاجی صاحب سے مفصل گفتگو فرما لیں، اس کے بعد جو فیصلہ چاہیں۔ کام کی نوعیت واضح ہو جائے گی۔ والسلام

جلدی پہنچیں۔

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 94

(۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Chah Shahan
Dated: 10-6-64 | Gujranwala

محترم مکرم ملک صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا۔ مسرت بھی ہوئی اور تعجب بھی۔ مسرت اس لیے کہ آپ کو ایک علمی کام مل گیا اور

تعجب اس لیے کہ جو کام ابوبکر صاحب وعدہ کے باوجود نہ کر سکے، اللہ تعالیٰ نے وہ کام حکیم محمد اشرف صاحب سے کرایا، حالانکہ وہ اس کے متعلق پابند نہ تھے، اللہ تعالیٰ جس سے چاہتا ہے اپنا کام لے لیتا ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ دونوں حضرات میں ہم آہنگی پیدا فرمائے۔ آپ دین کی خدمت کر سکیں۔ میری دلی خواہش ہے آپ لاہور دفتر میں قیام فرماتے، مگر مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ.

کام حسبِ منشاء اور رفقاء مناسب ہوں تو مشاہرہ کی کمی بیشی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اصل مقصد دین کی خدمت ہے۔ کم مشاہرہ میں بھی اللہ تعالیٰ برکت فرما دیں گے۔

ہمارے حکیم صاحب اہلِ حدیث کے معنی سے نہیں گھبراتے لیکن لفظ سے ذرا جھجکتے ہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ یہ جھجک بھی دور فرما دے۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 95

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

مکرم ملک صاحب! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

دوسرا مکتوب وقت پر مل گیا۔ ۱۵، ۱۶ کی میٹنگ پر لاہور گیا۔ جناب کے دونوں مکتوب مولانا کو دے دیے گئے۔ مولانا نے اس کے متعلق ممکن اعانت کا وعدہ فرمایا۔ جناب یاد دہانی ضرور کرائیں۔ مجھے بھی مطلع فرمائیں تاکہ میں دریافت کرتا رہوں۔

آج ایجنڈا پر مولوی عبدالمجید کی روش کا معاملہ بھی تھا۔ مولوی عبدالمجید بھی آئے ہوئے تھے۔ جناب کی رائے مولانا کی نظر سے گزری۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد مولوی عبدالمجید کا فیصلہ غیر مستحسن قرار دیا گیا۔ تفصیل آپ الاعتصام میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

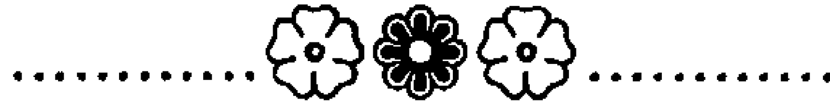
آپ اگر لاہور آئیں تو حاجی اسحاق حنیف کو بھی ملیں، ان کا تعارف بہت وسیع ہے۔ اگر

لاہور آئیں تو مجھے بھی اطلاع دیں، تاکہ مل کر کوشش کی جائے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 96

(مولانا قاضی محمد اسلم سیف فیروز پوری کے نام آٹھ خطوط)

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

۱۴۔۳۔۶۳

اخی العزیز سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ مزاج گرامی

آپ کا مکتوبِ گرامی حافظ محمد یوسف صاحب کی معرفت ملا۔ میں عرصہ سے آپ کو لکھنا چاہتا تھا، خیال تھا کہ الاعتصام میں آپ سے استفادہ کیا جائے، مگر پتا نہ معلوم ہونے کی وجہ سے نہ لکھ سکا اور موقع ہاتھ سے نکل گیا۔

مجھے مدینہ منورہ جامعہ اسلامیہ میں داخلے کے متعلق معلوم نہیں کیا کوائف ہیں۔ موجودہ سیاسی انقلابات سے سعودی عرب ضرور متاثر ہوگا، گو انھوں نے اخباری طور پر اس کا کچھ نمایاں اظہار نہیں کیا، ممکن ہے اس کا اثر جامعہ پر بھی ہو۔ تاہم یا آپ اس کے متعلق معلومات سے مجھے مطلع کریں یا پھر مجھے موقع دیں کہ میں معلومات حاصل کر سکوں۔

مولانا غزنوی زید مجدہ آج کل علیل ہیں، ان سے اس معاملے میں مدد حاصل کرنا مشکل ہے، تاہم میں کوشش کروں گا۔ عرصہ ہوا آپ نے مولانا کے متعلق بے ضرورت قلم اٹھایا تھا اور بے فائدہ۔ میرا خیال ہے مولانا کے ذہن میں اس کے متعلق تکدّر رہو گا، اسے بہر کیف دور ہو جانا چاہیے۔

تو قیرِ اکابر کے ضمن میں یہ ضروری ہے اور اسلامی اخلاق کا بھی تقاضا ہے۔ معلوم نہیں اس علالت میں مولانا ڈاک بھی پڑھتے ہیں یا نہیں۔ اگر ممکن ہو تو ایک دن عیادت کے لیے چلے جائیں اور ہو سکے تو کسی با اثر آدمی کو ہمراہ لے جائیں اور کھلی معذرت کیجیے۔

آپ نے حافظ صاحب کے خط میں رشتہ کے متعلق لکھا ہے۔ مدینہ یونیورسٹی اور رشتہ کا پروگرام بظاہر متصادم معلوم ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں آپ کسے ترجیح دینا چاہتے ہیں؟ اگر رشتہ کو ترجیح ہو تو شاید میں بھی اس سلسلے میں کچھ مفید ہو سکوں۔ اپنی عمر، موجودہ تعلیم، قومیت، گزر اوقات کے ذرائع وغیرہ سے مطلع فرمائیں، عموماً لوگ ایسے امور دریافت کرتے ہیں۔

جماعت کے لیے زندگی وقف کرنا بڑی بات ہے۔ آپ جماعت کے ساتھ مخلصانہ تعاون کا اپنے دل سے فیصلہ فرما لیں، یہ بھی غنیمت ہے۔ آیندہ نوجوان پود میں سب سے زیادہ کمی اخلاص اور اجتماعی تقاضوں کے ساتھ سازگاری کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کی توفیق مرحمت فرمائے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

نوٹ: آپ نے گکھڑ کا ضلع لائل پور لکھا ہے، غالباً ذہول ہے؟ اسم

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 97

(۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور

گجرانوالہ

۱۶۔۳۔۶۳

برادرم عزیز سیف صاحب! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

میرا عریضہ مل چکا ہو گا۔ غالباً بیک وقت ہی یہ داعیہ پیدا ہوا۔ آپ کا مکتوبِ گرامی بھی آج ملا ہے۔ بعض امور کا جواب تو پہلے عریضے میں لکھ چکا ہوں۔ جامعہ میں پہلے مولانا محمد صادق صاحب کا

لڑکا بھی رہ رہا ہے، لیکن اس کے متعلق بھی غلط صحیح شکایات پہنچی ہیں، اس لیے غیر متعلق آدمی جامعہ کو بطور ہوسٹل استعمال کرے، طلبہ کو اس میں دقت ہوتی ہے اور بعض شکایات بھی پیدا ہوتی ہیں، اس لیے اس کے متعلق رفقاء سے مشورہ کیے بغیر اجازت دینا مشکل ہے۔ کل صدرِ جامعہ میاں فضل حق صاحب آ رہے ہیں، ان سے استصواب کے بعد ہی صحیح حالات سے آگاہ کر سکوں گا۔

آپ نے پیر صاحب کی تشریف آوری کے متعلق جن تاثرات کا اظہار فرمایا وہ بالکل درست ہے، لیکن اس کی ذمے داری کسی فرد پر نہیں ڈالی جا سکتی، اس کی ذمے داری عربی اور دینی مدارس کے پورے نظام پر ہے۔ جب تک اہم مدارس کا باہم ربط اور تعاون نہ ہو اس وقت تک یہ مرض بڑھتا رہے گا اور ہم سب تکلیف میں رہیں گے اور اساتذہ میں ہوسِ زر اخلاقی تقاضوں کو مسلسل شکست دیتی رہے گی۔

اس سلسلے میں مَیں سب سے بڑا مجرم صوفی عبداللہ صاحب کو سمجھتا ہوں۔ حافظ محمد صاحب مدرسہ محمدیہ گجرانوالہ میں اطمینان سے کام کر رہے تھے۔ صوفی صاحب نے امتحان کے لیے بلایا، وہیں ان سے فیصلہ کیا، حافظ صاحب نے واپس تشریف لا کر تعطیلات کا مشاہرہ خاموشی سے وصول کیا، رمضان گزرتے جواب دے کر اوڈانوالہ تشریف لے گئے۔ مجھے بے حد دکھ ہوا، لیکن صوفی صاحب کو جو کرنا تھا کر لیا۔

طلبہ کے اخراج اور داخلے کے لیے کچھ اصول بنائے، اس میٹنگ اور مہتممینِ مدارس کے ساتھ قبلہ صوفی صاحب موجود تھے۔ تمام کام صوفی صاحب کی رضا سے ہوا، اس کے بعد جامعہ کے بعض طلبہ کو کسی جرم کی وجہ سے نکالا گیا۔ صوفی صاحب نے انھیں داخل فرما لیا اور بڑی معصومیت سے فرمایا کہ میں اگر ان کو علم سے محروم کروں تو خدا کو کیا جواب دوں گا؟ ہم لوگ حیران رہ گئے۔

اس کے بعد نصاب کی وحدت کے لیے کوشش کی۔ کم از کم اہلِ حدیث مدارس کا نصاب ایک ہو۔ قبلہ صوفی صاحب نے اس اصول کو قبول کرنے کے بعد اسے پارہ کر دیا۔

میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ صوفی صاحب اور ان کے حلقے کے ناخوشگوار تاثرات سے مجھے پوری ہمدردی ہے، لیکن اس کا علاج بھی ان حضرات کے ہاتھ میں ہے۔ میری دانست میں جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، جامعہ سلفیہ، دار العلوم اوڈانوالہ، دار العلوم تقویۃ الاسلام اور جامعہ سعودیہ کراچی؛ یہ مل کر اساتذہ، طلبہ اور نصاب وغیرہ کے متعلق کچھ ضوابط طے کر لیں تو یہ بیماری ختم ہو سکتی ہے۔

چھوٹے چھوٹے مدارس کی بڑھتی ہوئی تعداد نے جو تعلیمی انتشار اور فوضویت پیدا کر دی ہے اور علماء میں سائلوں کا ایک پیشہ ور طبقہ پیدا کر دیا ہے، یہ ملت کا ایک مستقل روگ ہے۔

آپ کا یہ ارشاد کس قدر صحیح ہے کہ ”آج تعلیم تو عام ہے لیکن تربیت کا بالکل فقدان ہے۔ وہ اساتذہ طلبہ کی کیا تربیت کر سکتے ہیں جو خود قابلِ تربیت ہوں۔“ حافظ محمد صاحب ایسا ثقہ آدمی گوندلانوالہ، گجرانوالہ، اوڈانوالہ، مدراس، جامعہ اسلامیہ گجرانوالہ اور مدینۃ العلم میں مشاہرے کے عروج و زوال میں چکر کھا رہا ہے، ایسے شیخ سے تلامذہ کیا اثر لیں گے؟!

اگر جناب کی اوڈانوالہ کے اربابِ حل و عقد تک رسائی ہو اور مکتوبِ گرامی کی حیثیت صرف وعظ کی نہ ہو تو ان سے عرض فرمائیں کہ ان گزارشات پر ہمدردانہ غور فرمائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ پچھلے مردے اکھاڑے جائیں۔ مضٰی ما مضٰی پر عمل کر کے مستقبل کی اصلاح کی جائے، ورنہ یہ ساری محنت غارت جائے گی اور ہم آخرت کی مسئولیت سے بھی نہیں بچ سکیں گے۔

صوفی صاحب بچارے مخلص اور سادہ دل ہیں، شاید اتنی دور تک نہ سوچ سکیں، لیکن برادرم مولوی عبدالقادر ندوی نہایت ہوش مند اور معاملہ فہم ہیں، ان سے عرض کیجیے۔ حضرات علماء کا علاج اس کے سوا نہیں ہو سکے گا۔ ہمارے علماء کی ذہنی کیفیت کا خدا حافظ۔ علم فروشی اور وعظ فروشی نے مقدس پیشے کا انداز اختیار کر لیا ہے۔

ضلع لائل پور کے متعلق آپ کی شکایت درست ہے، لیکن میں رجال سے بالکل ناواقف ہوں۔ مولوی صدیق کے متعلق آپ کی رائے بالکل صحیح ہے، اس عمر میں مَیں نے اتنا غلط آدمی کوئی نہیں دیکھا۔ آپ اس سلسلے میں کوئی اصلاحی قدم اٹھائیں تو میرے خیال میں انتہائی مناسب ہو گا۔ لیکن احباب کے مشورے سے۔ محض ہنگامہ نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ جو ہو رہا ہے وہ بھی رک جائے۔ مولوی محمد صادق صاحب بھی مولوی صدیق صاحب کے نام پر مطمئن نہیں۔ البتہ عبیداللہ احرار آج کل مولوی صدیق کا مرید ہو رہا ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 98

(۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

۴۔۴۔۶۳ء

اخی العزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

مکتوب ملفوف اور مکشوف دونوں ملے۔ زندگی کے تجربوں سے ایک چیز عرض کرنا چاہتا ہوں، الجھے ہوئے معاملات کا حل الفاظ کی شدت اور تنابز بالالقاب سے کبھی نہیں ہوا، بلکہ اس سے الجھاؤ میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہاں اصل راہ قولِ بلیغ ہے اور جدالِ حسن۔ آپ نے اپنی کسی تحریر میں انتخابی بورڈ کے دوممبروں کے متعلق ٹاٹا اور برلہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اگر یہ لوگ جماعتوں میں نہ آئیں تو ہم انھیں قارون اور فرعون کے القاب سے نوازتے اور اگر آجائیں تو وہ ٹاٹا اور برلہ کہلائیں اور ہمارا مقام صرف بدزبانی ہے!

علماء اور واعظین کے متعلق آپ نے جو فرمایا قطعاً بالکلیہ درست ہے۔ لیکن آیا اس لہجہ سے کوئی اصلاح ممکن ہوسکتی ہے؟ ممکن ہے جناب کے بعض مضامین لہجے کی تلخی کی وجہ سے شائع نہ ہوتے ہوں۔ حق اور باطل میں حقائق کا فرق ہے، لہجے کا فرق نہیں۔ فَافْهَمْ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَاصِرِيْنَ۔ یہیں ان حضرات کے ساتھ علی علاتہم چلنا ہے۔ قحط الرجال کا دور ہے، اس لیے زبان اور قلم پر پورا ضبط اور پوری احتیاط کی ضرورت ہے۔

رشتے کے متعلق عن قریب کوئی اطلاع کسی دوسرے ذریعے سے پہنچے گی ان شاء اللہ۔

عرب جانے کا خیال ہوتو درخواست لکھ کر اس پتے پر بھیج دیں اور مجھے اطلاع دے دیں:

الحاج محمد یعقوب صاحب وکٹوریہ روڈ، ڈینو چنبر نیشنل الیکٹرک کارپوریشن کراچی صدر۔

اور مجھے مطلع فرمادیں۔

لیکن یہ سوچ لیں! شادی اور سفرِ عرب کے دو پروگرام معاً کیسے چلیں گے؟

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

میں نے گذشتہ سال کراچی سے واپسی پر علماء کی وعظ فروشی کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا، لیکن وہ شائع نہیں ہو سکا۔ اسم



مکتوب نمبر 99

(۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گجرانوالہ

۸۔۶۔۶۳

محترم سیف صاحب! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ مزاج گرامی

غالباً انتخاب کی تمازت اب مائل بہ اعتدال ہو گی۔ اب کام کے لیے طبائع میں سکون ہونا چاہیے۔ جامعہ کا منصوبہ اور اجتماعی اور تعمیری مقاصد تمازت میں نہیں چل سکتے۔ معلوم نہیں اب مولانا محمد صدیق صاحب قبلہ کس انداز سے سوچتے ہیں؟ ۵ر مئی تک تو وہ امیر المومنین میں پریشان رہے۔ حافظ محمد صاحب اور حافظ عبداللہ صاحب نے اس کے تحمل سے انکار کرایا، اب ان کے رفقاء کی معرفت ان کو سمجھانا چاہیے۔

آپ کے نکاح کے متعلق صوفی صاحب نے ذمہ لیا تھا، تعجب ہے کہ انھوں نے مکمل سکوت اختیار فرمایا۔ آپ اپنی قومیت، عمر، موجودہ اقارب، اخوان، اخوات اور اس سے پہلے شادی ہوئی یا نہیں؟ بصورت اول اولاد ہے یا نہیں؟ اس کا مفصل جواب دیں۔ جواب میں دیر نہ ہونی چاہیے۔

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس چاہ شاہاں



مکتوب نمبر 100

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

فون: ۴۹۱۴ مورخہ: ۲۳/ جون ۱۹۶۳ء

برادرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ مزاج گرامی

آپ کی شادی کا مسئلہ آپ کے خط ہی کی بنا پر شروع ہوا تھا، اسی وقت صوفی صاحب کو آدمی ملے، انھوں نے ذمہ لیا اوران کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کی شادی ہو چکی ہے۔

صوفی صاحب کی علالت سے افسوس ہوا، اللہ تعالیٰ انھیں صحت مرحمت فرمائے اور اخلاص اور حسنِ عمل میں اضافہ فرمائے۔

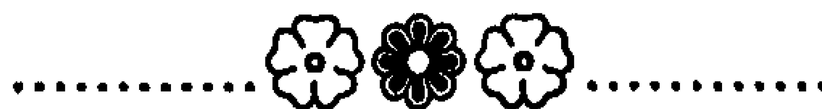
بہاولپور میں ان کی اقامت کہاں ہے؟ اگر وہ مریض ہیں تو ان کے علاج کے لیے کوئی اجتماعی کوشش ہونی چاہیے۔

مولوی صدیق کی مساعی کا کسی قدر علم ہے، بحمداللہ اس سلسلے میں نہ تشویش ہے نہ گھبراہٹ۔ جن سہاروں پر وہ اعتماد کر رہے ہیں وہ ان سے بھی کمزور ہیں۔ آپ کی رائے درست ہے کہ دماغ اپنی جگہ سے پلٹا ہوا ہے، اللہ اسے درست فرمادے۔ والسلام

حجاز میں ہیئۃ الامر بالمعروف نے ایک رسالہ شائع کیا ہے۔ مولوی عبدالحامد بدایونی نے علمائے حجاز اور حکومت کو دعوت دی تھی، وہ مقابر اور قباب کو بحال کر دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 101

(٦)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی اور معیاری درسگاہ

الجامعۃ السلفیۃ لائل پور

زیرِ اہتمام

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

صدر دفتر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور
فون: ۴۹۱۴

پتا: جامعہ سلفیہ
نزد نشاط ٹیکسٹائل ملز۔ لائل پور
تاریخ: ۲۲/ جولائی ٦٣ء

برادرم سیف صاحب! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ مزاج بخیر

اللہ تعالیٰ آپ کی مساعی کو مبارک اور کامیاب فرمائے، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ گندم کس قدر جمع ہوئی؟ مولوی صدیق نے سیالکوٹ پیشگوئی فرمائی تھی کہ گندم کم ہوگی۔ یہ پیشگوئی غلط ہونی چاہیے۔

مجلسِ شوریٰ کے رفقاء میں اضافہ میرے متعلق نہیں، اس کی اصل منظوری تو شوریٰ ہی دے سکتی ہے، جن حضرات کو خصوصی دعوت سے بلانا ضروری ہے۔ مولوی عبیداللہ صاحب اور مولوی اسحاق صاحب المدیر کو بلائیں۔ انھیں دعوت نامے جاری ہو جائیں گے۔ شوریٰ کا اجلاس عن قریب ہوگا، اس میں بھی ممکن ہے تلافی ہو سکے۔ ایک درخواست حضرت الامیر کو پہنچ جانی چاہیے۔

بنگالی طلبہ کے متعلق میں کل اساتذہ کو لکھ دوں گا ان شاء اللہ، اس کی تعمیل ہو جائے گی۔

محمد آج کل یہیں ہے۔ کالج میں تعطیلات ہیں، معلوم نہیں دفتر کا کیا حال ہے؟ میں اسے کہہ دوں گا، امید ہے کوئی صورت ہو جائے گی۔

مولانا اسحاق، مولانا رفیق صاحب، مولانا عبداللہ صاحب ثانی، مولانا اللہ بخش اور مولوی عبیداللہ

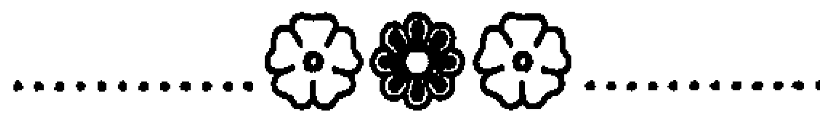
صاحب و دیگر احباب سے میرا سلام عرض کریں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

آپ کا خط آج ہی ملا ہے۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا مولانا اسحاق صاحب نے اپنی قیادت اور سیادت اور امارت کے صلے میں آپ کو آم کی دعوت بھی دی ہے یا نہیں؟ اسم



مکتوب نمبر 102

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Chah Shahan

Dated: 20-11-63 Gujranwala

محترم مکرم قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

آٹھ صفحات پر پھیلا ہوا مکتوب ملا۔ تعجب ہوا کہ رفقائے کار کہاں ہیں اور میں کہاں؟ اپنی قسمت پر افسوس ہوا۔ إِنَّا لِلّٰهِ ۔ اس موضوع پر تین خطوط آئے۔ آپ اور مولانا اسحاق تو چوراہے میں عریاں قیام فرمائیں اور حافظ ابراہیم صاحب سنجیدہ ہیں، لیکن ذہن ایک ہے۔ سرمایہ داروں کے جرم کی صفائی تو غالباً مولوی صدیق وغیرہ کے اس بیان سے ہو جائے گی جو آج مشرق میں چھپا ہے۔ میں نے سنا ہے تا حال پڑھا نہیں۔

آپ سرمایہ دار اسلامی اصطلاح سے فرماتے ہیں یا کمیونسٹوں کے نقطۂ نظر سے؟

ان دونوں حضرات کے ذہن آپ کے متعلق بالکل صاف ہوں اور آپ اس قدر بدگمانی کا اظہار فرمائیں، یہ غیبت میں تو شامل نہیں؟ میں نے آپ کے اس ذہن کا نہ پہلے ان سے ذکر کیا ہے نہ آئندہ خیال ہے۔

آپ اگر جمہوری اقدار کے تحفظ کے لیے احرار اور جماعتِ اسلامی میں جانا چاہتے ہیں تو بسم اللہ، میں ہاتھ میں ہار لے کر آپ کی واپسی کا انتظار کروں گا۔ ان شاء اللہ

﴿إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ سے کون سا ''ظن'' مراد ہے؟ بدگمانی کے اس سیلاب میں بہتے ہوئے آپ سوچیں! آپ کن کے ساتھ مل کر کام کر سکیں گے؟

وہ لوگ جھوٹ پر متفق ہو رہے ہیں اور آپ کی صداقت کا یہ تقاضا ہے کہ آپس میں دست و گریباں ہونے کی سوچ رہے ہیں۔

یہ بھی فرمائیں! جمہوری اقدار میں مجلسِ عاملہ کے فیصلوں کی بھی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟ میں ان نوازشات کے لیے ممنون ہوں اور اس سے بھی زیادہ سننے کے لیے تیار۔

بیروت سے مفضل بن عمر باطنی کی ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام ہے: ''الهفت والأظلة'' اس کا مقدمہ ایک عیسائی نے لکھا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ آنحضرت کی نبوت صرف ابولہب اور حضرت عباس کی دولت پر قبضہ کرنے کے لیے تھی اور آنحضرت کے بعد عثمان اور عبدالرحمان کی سرمایہ داری نے اسلام اور اہلِ بیت کو پامال کر دیا۔ آپ بھی کسی ایسی الجھن میں پھنس رہے ہیں۔ اگر حبِ علی نہ ہو تو بغضِ معاویہ تو کوئی مفید کام نہیں۔ والسلام

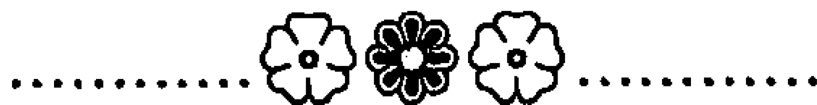
یہ بھی سوچیں ان مزعوم سرمایہ دار حضرات کو آپ کے ساتھ چلنے میں کیا فائدہ ہے؟ میرا اندازہ ہے کہ صلح کی بات چیت اب ختم ہو جائے گی۔ ماضی کو چھوڑیں اور آیندہ کے لیے سوچیے۔ مولانا اسحاق صاحب سے سلام عرض فرمائیں۔

مئی میں ضلعی انتخاب ہوا، آپ نے سات ماہ میں صدیق کے خلاف کیا کیا؟ لائل پوری دوست بھی باہم ناراض ہوئے، اس پر یہ گرم کیوں؟ والسلام

ممنون ہوں کہ آپ نے جو کہنا تھا کھل کر کہہ لیا۔

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

ع سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی[1] اسم



[1] ''دوستوں کا سر سلامت ہے آپ خنجر آزمائی کر لیں۔''

مکتوب نمبر 103

(۸)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الجامعہ السّلفیہ

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی درسگاہ

لائل پور

مورخہ: 21-6-64

مکرم اسلم صاحب سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

تعارف کا مسودہ کوئی آدمی مسجد میں دے گیا تھا، میں نے پڑھ لیا تھا۔ پڑھے لکھے کے لیے یہ تعارف مفید ہے۔ لیکن آپ کا میدانِ عمل ضلع لائل پور کے دیہات ہیں۔ یہ ملاحظہ فرما لیجیے، اس سطح پر یہ کہاں تک مفید ہو گا۔ مولانا حنیف صاحب کی پریس کانفرنس کا اقتباس ان اطراف میں شاید غیر مفید ثابت ہو، اپنے ماحول کے مزاج کو آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔

صفحہ ۲۰ پر ''تازہ کاریاں'' کی اصطلاح کے بجائے ''ذہن کا فطری نشوونما ختم ہو جاتا ہے'' بدل دیجیے۔ اسی طرح بعض اور الفاظ بھی قابلِ اصلاح ہیں۔ مدرسہ اوڈانوالہ کا اشتہار ملا۔ انتہا پسندی کی حد ہو گئی۔ آپ ایک چیز سوچ لیجیے کہ زود یا بدیر کاروباری انداز کو سمیٹنا ضروری ہو گا۔ مدارس کے تعارف کو اس انداز سے پھیلائیں، کل اس کے سمیٹنے میں دِقت نہ ہو۔ میں نے جامعہ کے تعارف میں اسے ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔

صوفی صاحب کا احترام اور ان کے جذبات کی رعایت پیش نظر نہ ہوتی تو جامعہ سلفیہ اور دار العلوم بہت قریب ہوتے۔ اب بھی دونوں درس گاہوں کا تعارف اس طرح کرائیں کہ تعلیم کے شاہنشاہ کبھی سر جوڑ سکیں۔ ملوکِ عرب کی طرح نہ ہوں کہ مر سکیں لیکن مل نہ سکیں۔

ضلع میں تبلیغ کا کام ضرور کیجیے، لیکن انداز مثبت ہو، منفی نہ ہو۔ دیہات کے لیے ایک اور

کتابچہ لکھوائیں یا لکھیے، جسے عامی ذہن قبول کر سکے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

میری صحت نسبتاً اچھی ہے۔ اسم

....

مکتوب نمبر 104

(..)[1]

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

مکرم ومحترم حضرت المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا۔ جماعت کے فیصلوں کا علم جناب کو بذریعہ ''الاعتصام'' ہو جائے گا۔ إن شاء اللہ۔ مختصر یہ ہے کہ لائل پور میں ایک لاکھ پچیس ہزار کی زمین خرید لی ہے۔ عمارت کے اخراجات کراچی کے احبابِ خیر دیں گے۔

جناب نے علمائے کراچی کا ذکر فرمایا ہے۔ ایسے حضرات میں ہمیں کام کرنا ہے، اس لیے ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔

جس شخص کا میں نے ذکر کیا تھا، وہ طبیب نہیں۔ اس کے پاس عطائی نسخہ ہے، جو مفید ہے۔ اس نے کافی تجربہ کیا ہے، اس کی رائے ہے کہ مفید ثابت ہوا ہے۔ دمہ اور ذیابیطس دونوں کے لیے کافی مفید ہے۔ اگر فرمائیں تو دوائی بھیج دوں؟

ان کا پتا یہ ہے: محترم فضل پہلوان صاحب، محلہ اسلام آباد گوجرانولہ، یا اڈہ جی ٹی بس سروس۔ ان کو جو کچھ لکھیں، میرا ذکر کر دیں، میں۔ إن شاء اللہ۔ ان کو مل لوں گا۔ ویسے وہ طبیب نہیں، بالکل بے علم آدمی ہے۔ نسخہ بتاتا بھی کسی کو نہیں۔

مودودی صاحب کا مسئلہ ہمارے ہاں اس حد تک پہنچ گیا ہے، اب مزید کوئی آدمی ان میں

[1] مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

شامل نہیں ہوتا۔ جو ہو چکے، وہ ہو چکے۔

مجھے مولوی عبدالغفار حسن کے متعلق افسوس ہے۔ وہ بالکل مودودیت کا ضمیمہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر جناب یا مولانا عبدالحنان کے ان سے مراسم ہوں تو ان کو لکھیے، ہم -إن شاء اللّٰہ- ان کی ضروریات کی پوری کفالت کے لیے تیار ہیں۔ اپنے آدمیوں کو اپنے حلقوں میں کام کرنا چاہیے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

.... ❀❀❀ ....

مکتوب نمبر 105

(..)[1]



الجامعہ السّلفیہ، لائل پور

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی درسگاہ

۱۳۔۲۔۶۲ء

حضرت مولانا زاد مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ مزاج گرامی

جناب کو انتظار کی زحمت ہوئی، اس کے لیے بصمیمِ قلب معذرت خواہ ہوں۔ مولانا حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ سال جناب سے جو شرائط طے ہوئی ہیں ان میں موجود نہ تھا۔ مولانا اسحاق اور صدرِ محترم کا ارشاد ہے کہ اب تک جو ہوتا رہا ہے وہ شرائط کے مطابق درست تھا۔ آپ فرمائیں: میں اکابر کی بات کا انکار کیسے کرسکتا ہوں۔ صدرِ محترم سے بات فرمائیں۔ کل الصيد في جوف الفرى.

اب جب کہ نئی درخواستیں لے لی گئی ہیں، اسی میں مشاہرات کی گفتگو آجانی چاہیے، کم از کم ماضی کی بات ہو، مستقبل کے متعلق ہی سہی۔

حضرت زکریا کی خاموشی تو بچے کے لیے تھی اور یہاں تو جناب کی ہیبت سے لرزہ ہو رہا ہے۔ ڈرتا ہوں کوئی لفظ خلافِ احترام قلم کی زبان پر نہ آجائے۔ اس سال درخواست میں بھی جناب نے

---

[1] مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔

مشاہرہ کا ذکر نہیں فرمایا۔ اس کا یہی مطلب ہوگا کہ جناب سابقہ مشاہرہ پر مطمئن ہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

مکتوب نمبر 106

(سعودی سفیر کے نام کانفرنس[1] میں شرکت کا مکتوب)

بسم الله الرحمن الرحيم

حضرة السمو صاحب الفضيلة، السفير المفوّض للدولة السعودية العربية! دامت بركاتهم. السلام عليكم ورحمة الله.

يا صاحب المعالي! إن الجامعة السلفية معهد علمي كبير للسلفيين في باكستان. وستكون لها في شهر أكتوبر ١٩٦١ء حفلة كبيرة سنوية في لائل فور.

نرجو أن تشرفونا بقدومكم الميمون، وأن تشاركونا في هذا التقريب المبارك. وسيحضر عندكم وفدٌ للجمعية السلفية برياسة حضرة الأستاذ سيد محمد داود الغزنوي رئيس الجمعية المركزية في باكستان الغربي.

ثم نكرر استدعاء الإجابة من فضيلتكم لهذه الحفلة الكبيرة.

والسلام

محمد إسماعيل

الناظم العمومي للجمعية المركزية لأهل الحديث في باكستان الغربي

............❀❀❀............

[1] یہ کانفرنس ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲/ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو لائل پور (فیصل آباد) میں منعقد ہو رہی تھی۔

مکتوب نمبر 107

(علامہ تقی الدین ہلالی مراکشی کے نام ایک مکتوب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

نمبر:۶۱/ ۷ بتاریخ: ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ/ ۲۶/ فروری ۵۲ء

حضرة الأستاذ الدكتور تقي الدين الهلالي المحترم

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته. من أيام لم نطلع على خبر العافية منكم. والمرجو أن تكونوا بخير إن شاء الله. فكرت وسعيت في أمر دار الحديث في بغداد. الآن أبشركم أن قد يسر لذلك بعض الأصدقاء من أهل الخير. يمكن أن آتي بنفسي مع هذا الصديق أو نرسل إليكم الدراهم بطريق البنك أو البريد؛ فأخبروني أيّ طريق أحفظ وأسهل.

وقد ذكرتم بعض الموانع من حكومة العراق في الأوقاف الأجنبية لم أفهمها حين ذكرتم حق الفهم، فأريد أن تكتبوها حتى نتشاور فيه بعض أهل البصيرة، أو نتكلم مع قنصلية باكستان في بغداد. هل يفيد في ذلك عبدالحميد الخطيب قنصل الحكومة السعودية في كراتشي؟

رأيي ورأي هذا الصديق أن يكون هذا البناء وقفاً، ويتولى نظمه جمعية سلفية، فهل هناك جمعية يعتمد الواقف على نظمها وتوليتها؟

ذكرتم أنه يكفي في ذلك ثلاثة آلاف (٣٠٠٠) ربابي. أظن هذه البالغ قليلة، فالأولىٰ أن تنظروا بناءً قيمته قريب من خمسة آلاف. لم تحصل لي هذه المبالغ لكن أظن أنها تبلغ إلي بعد أشهرٍ.

وصديقي هذا الذي وعدني بهذه المبالغ مشغول في بناء مكينة الغزل في

بلدة لائل فور، لا يحصل الفراغ منه قبل ستة أشهر، والله ولي التوفيق. أنا أريد العجلة في ذلك لكن الأمر بيد الله. تدعوا الله أن يوفقنا لذلك.

هذا الصديق يريد أن يكتب في ذلك شرائط لم أطلع عليها الآن.

سلم مني على حبي شكيب ومن عرفني من أهل التوحيد والسنة.

والسلام

أخوكم في الدين

محمد إسماعيل بن إبراهيم السلفي

خطيب الجامعة السلفية

چاه شاهانواله گجرانواله. باكستان

............❀❀❀............

مكتوب نمبر 108

(...)[1]

بسم الله الرحمن الرحيم

واذكر في الكتاب "إسماعيل"
چاه شاہاں۔ گوجرانوالہ
Dated: 12-12-61

Mohammad Ismail
Chah Shahan
Gujranwala

محترم مکرم مولانا الاستاذ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وصل المكتوب المنيف، وسررت بعطف حضرتكم السامي على مثلي ممن لا عداد له في محافل العلم صدرا ولا ورداً. وذلك من أخلاقكم الرفيعة۔ كثّر الله أمثالكم۔ والصدارة والنظامة عنوان للخدمة والمخدوم بالحقيقة أمثال حضرتكم من الأساتذة الكرام، لا زالت فيوضكم حافلة شاملة.

و أمر المشاهرة مفوض إلى قضاء حضرت الاستاذ الإمام الغزنوي عافاه الله،

[1] مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

كل ما قضى به فعلى الرأس والعين.

وأمر البناء في الصلاة فمسلّم عند السادة الحنفية رحمهم الله، لكن إذا كان في الوقت وبعد مُضي الشهور الطويلة لا معنى للبناء عندهم.

وأما السلفيون فلم ينقادوا لذلك، لأن حديث البناء ضعيف بالمرة، وحديث السهو في الصلاة أعلَّه السادة الحنفية بالاضطراب، وأصحاب الحديث اعترفوا به إذا كان في الوقت، وأما بعد الشهور فالحديث لا ينهض حجة لذلك.

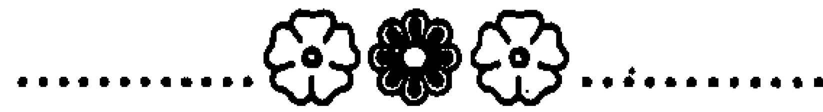
وأمر الطهر المتخلل والصلاة والانتظار لها لا يحتاج إليها في مثل ذلك، والأولى الرجوع إلى حضرت الاستاذ السيد الكريم محمد داود الغزنوي عافاه الله.

قرأت المكتوب وعلمت أنه مكتوبكم لكن المكتوب خال عن إمضاء جنابكم لم أعرف حكمة ذلك ووجهه، والقواعد تقتضي أن مكتوبكم لم تشرفنا.

والسلام

محمد إسماعيل

گوجرانواله



مکتوب نمبر 109

(حضرت حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ کی اولاد کے متعلق ایک وضاحتی مکتوب)[1]

مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت حافظ عبدالمنان صاحب کی اولاد کے متعلق آپ کی اطلاع اب بھی غلط ہے۔ حضرت

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (یکم جولائی ۱۹۶۰ء) کے ادارتی کالم میں لکھا گیا کہ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی رحمہ اللہ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ اس پر ملک ہدایت اللہ سوہدروی کی طرف سے ''الاعتصام'' (۸/ جولائی ۱۹۶۰ء) کے شمارے میں یہ تصحیح درج کی گئی کہ حضرت حافظ صاحب مرحوم کے چار لڑکے ① عبدالستار ② محمد حسین ③ عبدالرشید ④ عبدالباسط تھے۔ عبدالستار مولانا عبدالمجید سوہدری کے پھوپھا تھے اور حافظ صاحب کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے۔ سات آٹھ سال ہوئے کہ محمد حسین فوت ہوئے ہیں اور چار پانچ سال ہوئے کہ عبدالرشید اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ ان دونوں کی اولاد ہے۔ عبدالباسط زندہ ہیں اور پشاور میں مقیم اور صاحبِ اولاد ہیں۔ ←

مرحوم کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی مولوی عبداللہ چکڑالوی کی بہو تھی۔ ان سے حضرت کے پانچ لڑکے تھے: ① عبدالجبار ② عبدالستار ③ محمد حسین ④ عبدالرشید ⑤ عبدالباسط۔ لڑکیاں: عائشہ، زینب، مریم۔ یہ سب صاحبِ اولاد تھے۔ عبدالجبار اور عبدالستار، حضرت مرحوم کی زندگی میں انتقال کر گئے۔ عبدالجبار کی شادی مولانا عبدالقادر صاحب قصوری مرحوم کے خاندان میں مولانا اسماعیل صاحب دلاوری کے ہاں ہوئی۔ ان کے لڑکے عبداللطیف وکیل ہیں۔ کراچی میں پریکٹس کرتے ہیں۔ عبدالستار مرحوم کا لڑکا راولپنڈی میں دکان کرتا ہے۔

دوسری بیوی بمبانوالہ ضلع سیالکوٹ کے چوہدری محکم دین مرحوم کی ہمشیرہ تھیں۔ ان کے پہلے خاوند سے ایک لڑکا تھا، جن کا نام عبدالقادر، ایک لڑکی جن کا نام فاطمہ تھا۔ یہ دونوں حافظ صاحب کے ربیب تھے۔ مرحومہ فاطمہ مولوی عبدالمجید مرحوم کی والدہ تھیں۔ مولوی عبدالقادر، مولوی عبدالمجید صاحب کے سگے ماموں تھے۔ جموں میں ملازم تھے۔ ان کا وہیں انتقال ہوا۔

ملک ہدایت اللہ کی یہ اطلاع صحیح نہیں ہے کہ مولوی عبدالستار مولوی فاضل تھے۔ میں نے ان سے نسائی کا کچھ حصہ پڑھا تھا۔ یہ مرحوم کی پہلی اہلیہ سے عبدالجبار، عبدالرشید وغیرہ کے بھائی تھے۔

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 110

[اہلِ حدیث اور مودودی]

ہم نے ایک بار مولانا محمد اسماعیل صاحب ناظم جمعیت اہلِ حدیث سے مودودی جماعت کے متعلق استفسار کیا تھا تو آپ نے حسبِ ذیل جواب دیا۔ (محمد خاں سیف مونگ)

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اہلِ حدیث ہو کر ہمیں مولانا ابو الاعلیٰ کی جماعت میں شامل ہونے کی ضرورت نہیں ہے، وہاں بھی کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ دیوبندی اور اہلِ حدیث کے درمیان ایک برزخی حنفیت کی دعوت ہے جس سے ہم لوگ بحمد اللہ بہت آگے ہیں۔ مولانا ابو الاعلیٰ کی تحریک ایک علمی اور

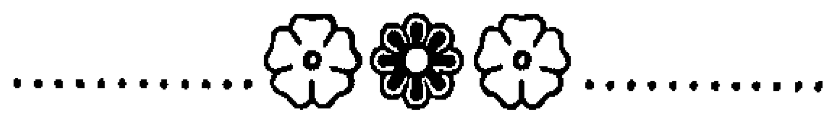
← ملک ہدایت اللہ صاحب کے اس اطلاعی خط کے بعد مولانا سلفی رحمہ اللہ نے مدیر ''الاعتصام'' کو مذکورہ بالا مکتوب لکھا، جس میں حضرت حافظ صاحب وزیر آبادی کی اولاد کے متعلق درست تفصیل ذکر کی۔ یہ مکتوب ہفت روزہ ''الاعتصام'' (۱۵ر جولائی ۱۹۶۰ء) میں شائع ہوا تھا۔

لٹریری تحریک ہے، کوئی عملی تحریک نہیں۔ اس میں تعمیر کی بجائے تخریب زیادہ ہے۔ پروگرام اتنا لمبا ہے کہ شاید ایک صدی میں اس کا سواں حصہ پورا ہو سکے۔ طریقِ کار بے حد غلط ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

۱۸۔۱۱۔۵۱ء



مکتوب نمبر 111

(حکیم عبدالرحیم اشرف کے نام)[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۲۸ر اکتوبر ۵۸ء

مکرم مولانا زاد فضلکم ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی۔ تعمیلِ ارشاد میں چند سطور لکھ رہا ہوں۔ بعض پریشانیوں کی وجہ سے کوئی مبسوط مضمون نہیں لکھ سکا۔ ''المنبر'' کی کامیابی کے لیے دعا ہے۔

مغلوں کی کئی سو سال حکومت اور انگریزوں کے دو سو سال کے تسلط سے ہندوستانی مسلمانوں کا مزاج عجیب سا ہو گیا ہے۔ مغل مسلمان تھے، لیکن بعض بادشاہ شیعیت سے متاثر تھے۔ ہندو رعایا کے ساتھ مدارات تو بحیثیتِ مسلمان ان کا فرض تھا جس سے ہندو ذہن کو ان سے متاثر ہونا چاہیے تھا، لیکن واقع یہ ہے کہ مغل بادشاہوں کی گھریلو اور خانگی زندگی پر بھی ہندو رسم و رواج غالب ہو گیا۔ عام رعایا کا ذہن بھی شیعہ اور ہندو رسوم و عادات کا خوگر ہو چکا تھا، بلکہ عوام میں صحیح اسلام کا احساس اور اس کی جستجو کے محرکات بھی ختم ہو چکے تھے۔ انگریز کی حکومت کے دو سو سال میں ان عیوب کی اصلاح تو کیا ہونا تھی، دینی تعلیم کو نظر انداز کر کے وہ دروازے بھی بند کر دیے گئے جن سے اصلاح کی امید کی جا سکتی اور ملت اپنے تاریخی محاسن کو قائم رکھ سکتی تھی۔

[1] مولانا سلفی رحمہ اللہ نے یہ مضمون نما مکتوب حکیم عبدالرحیم اشرف کے زیرِ ادارت نکلنے والے جریدے ''المنبر'' کے لیے لکھا تھا، جس میں تحریکِ آزادی میں جماعت مجاہدین کی خدمات پر مختصراً روشنی ڈالی گئی۔ یہ خط ''المنبر'' (۹ر فروری ۱۹۵۹ء) میں شائع ہوا تھا۔

شیخ محمد طاہر پٹنوی اور حضرت شیخ احمد مجدد سرہندی اور ان کے خلفاء مرزا مظہر جانِ جاناں، قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان نے صحیح اسلام کی اشاعت اور غلط رسوم و عادات اور بدعات کو روکنے کی کوشش کی جو اس وقت مذہب اور اسلامی زندگی کا جزو بن چکی تھیں۔ اس اصلاحی پروگرام نے بارھویں صدی کے اواخر میں ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ یہ تحریک برسوں سکھ حکومت سے برسرِ پیکار رہی اور سکھوں کے بعد انگریزوں سے اس کا مقابلہ رہا۔

سیاسی طور پر وہ نتائج برآمد نہ ہو سکے جو بانیانِ تحریک کے پیشِ نظر تھے۔ غلط عقائد، فاسد رسوم و عادات اور بدعات کے خلاف اس تحریک نے خوب کام کیا۔ ایک مادی حکومت جس کے ہر قسم کے مادی سامان کے علاوہ ڈپلومیسی اور پروپیگنڈا کے تمام وسائل موجود تھے۔ اس تحریک کے بانیوں اور ان کے رفقاء نے پوری ایک صدی تک انگریز کو پریشان رکھا۔ بالآخر انگریز کو یہ ملک خالی کرنا پڑا۔ ممکن ہے کہ انگریز کے اس تخلیہ کے کچھ اسباب یہ بھی ہوں، لیکن اس تحریک کے اثرات سے انکار ممکن نہیں، بلکہ اس کی اس جزوی کامیابی میں سب کے لیے سامانِ عبرت بھی ہے۔

تحریک کا مزاج:

اس تحریک کے بانی مخلص تھے۔ کتاب وسنت کے پورے پابند تھے۔ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ لوگ شخصی طور پر نہایت نیک، اعمالِ صالحہ کے پورے پابند تھے اور معاملات میں نہایت دیانت دار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سکھوں ایسی اندھی اور لاقانونی اور انگریزوں ایسی مستبد لیکن قانونی حکومت سے ان فقراء اور بے سروسامان لوگوں نے ڈیڑھ سو سال تک کے مقابلے میں بعض وجوہ میں جزوی اور بعض وجوہ سے پوری کامیابی حاصل کی۔ اس کا سبب اَفراد کی صلاحیت، اعمالِ صالحہ کا التزام اور خدمتِ دین کا مخلصانہ جذبہ تھا۔

کاروباری تحریکات:

اس عظیم دینی جدوجہد کے بعد قریباً پچاس سال سے یہ ملک مختلف تحریکات کا گہوارہ بھی رہا ہے اور مدفن بھی۔ اکثر تحریکات کے مقاصد کی صحت میں بھی شبہہ نہیں اور ان کی دعوت اور دعایت (پروپیگنڈہ) وقتی تقاضوں کو پورا کرنے والا تھا اور ان میں قوتِ عمل بھی بڑی حد تک موجود تھی۔ لیکن اس سب کچھ

کے باوجود یہ تحریکات کامیاب نہ ہوسکیں نہ چنداں مفید۔ اس کا سبب میری ناقص رائے میں یہ ہے کہ ان تحریکات کا عام انداز کاروباری رہا۔ ان کے علمبردار اپنے مقاصد کا بزنس کرتے رہے، جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ عوام کے رجحانات کے ساتھ ہی بانیانِ تحریک کا فکر بدلتا جا رہا ہے، زبان بدلتی جا رہی، اندازِ تخاطب بدلتا رہا، حتی کہ معروف ومنکر کی حقیقت بھی تبدیل ہوتی رہی ہے۔

ان تحریکات کا اگر بے لاگ تجزیہ کیا جائے تو یہ بات مشاہدے میں آئے گی کہ اخلاص کے ساتھ انفرادی طور پر حسنِ عمل کا ان کے ہاں کوئی پروگرام ہی نہیں۔ اِنابت الی اللہ، عبادات کو ان کے ہاں کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی رہی۔ افراد کی اصلاح، عامۃ الناس کی دینی تربیت، خانگی زندگی میں تدین، معاملات میں للّٰہیت؛ اگر یکسر ناپید نہیں رہی تو کم از کم یہ کہ اسے وہ درجہ حاصل نہیں رہا جو دین میں ان باتوں کو حاصل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تحریکات اپنے شباب کے ساتھ بوڑھی ہونا شروع ہو جاتی رہی ہیں اور ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ دنیا کے عوام جب ان سے اپنی امیدیں وابستہ کرتے ہیں، یہ اپنے گوروکفن کی تیاری میں مصروف ہو جاتی ہیں۔

یہ تو تھی گذشتہ نصف صدی میں اُبھرنے والی تحریکات کی ناکامی اور اس کے سبب کا اجمالی تذکرہ، لیکن مقصود اس وقت یہ تھا کہ ''المنبر'' کے اِجراء کی تقریب میں وہ بات کہی جائے جو ہماری آئندہ دینی کوششوں کی بنیاد ہونی چاہیے۔

میری رائے اس بارے میں یہ ہے کہ جو دینی جدوجہد یا رائج الفاظ میں ''اسلامی تحریک'' کی بنیاد و اساس، افراد کی تیاری اور اصلاح پر ہے۔ اگر اس بنیاد پر کسی تحریک کا قصرِ تعمیر ہوتا ہے تو اسے کامیابی بھی نصیب ہوگی اور اس میں دین اور ملت کے لیے خیر و برکت بھی ہوگی، اور اگر اسے نظر انداز کر کے حرکت اور جوش کا مظاہرہ ہوگا تو اس کا انجام وہی ہوگا جو پچھلے پچاس برس میں پیدا ہونے والی تحریکات کا ہوا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا لحاظ رکھنا بھی اسلامی جدوجہد کی اساس ہے کہ وہ کاروباری ذہن اس میں کارفرما نہ ہو جس کا ذکر اوپر ہوا۔ اسلامی دعوت، اسلامی جدوجہد اور اسلامی تحریک کے داعی اگر اپنا ذہن عوامی رجحانات کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں، ان کا اندازِ تخاطب بھی گردوپیش کے حالات کے مطابق تبدیل ہوتا رہے اور اَفراد میں اِنابت الی اللہ اور عبادات کا شوق پیدا کرنے کے

بجائے اجتماعیت پر سارا زور صَرف کیا جائے تو یہ خالص کاروبار ہوگا اور اس کا انجام بھی وہی سامنے آئے گا جو گذشتہ نصف صدی میں اُبھرنے اور دفن ہونے والی تحریکات کا ہوا ہے۔

اسلام فرد کو اجتماع کی بنیاد قرار دیتا ہے اور اصلاحِ معاشرہ اجتماعی انقلاب کا واحد ذریعہ ہے۔ اس موضوع پر مختصر گزارشات پیشِ خدمت ہیں:

قرآنِ عزیز نے معاشرے کی اصلاح کے لیے ایک اصل تو یہ قائم فرمایا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا ﴾ [التحريم: ٦]

''اپنی اور اپنے اقرباء کی تربیت اس طرح کرو کہ وہ جہنم کی آگ سے بچ جائے۔''

دوسرا اصل یہ طے فرمایا:

﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾

[آل عمران: ١١٠]

''امتِ مسلمہ کی خیریت اور بقا اسی میں ہے کہ معروف کی دعوت دیں اور بحدِ امکان منکر سے روکنے کی کوشش کریں۔''

تیسرا اصل یہ بتایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ [المائدة: ١٠٥]

''تم پہلے اپنی اصلاح کرو، دوسروں کی بے راہ روی تمھارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔''

سید شہید کی بے سروساماں دینی جدوجہد کا برسوں مستبد اور مادی تحریکات سے کامیاب مقابلہ اور اصلاحی پروگرام کا علمائے سوء اور غلط کار صوفیوں کی تیز و تند مخالفت کے باوجود حیرت انگیز کامیابی انہیں محاسن اور قرآنی اصولوں کی پابندی کی وجہ سے تھی۔ آج بھی جو مشکلات اہلِ حق کی راہ میں حائل ہیں، ان کا بھی حل یہی ہے کہ ان قرآنی اصولوں کی پابندی کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کتاب وسنت اور عملِ صالح کی طرف راہنمائی فرمادے۔ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ.



مکتوب نمبر 112

(مولانا عبدالجلیل رحمانی صاحب کے نام تین خطوط)

(۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۱۵۔۱۲۔۶۲

اخی الاعز زادشرفکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا عبدالرحمان مغفور کی رحلت کی اطلاع بذریعہ اخبار ''اہلِ حدیث'' پہنچی۔ اللہ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور آپ حضرات کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ اہلِ حدیث اہلِ علم کے پے بہ پے سفرِ آخرت کا پتا دیتے ہیں۔ لَعَلَّ هٰذِهِ أَوَانُ قَبْضِ الْعِلْمِ، وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلَّا عَلٰى شِرَارَ النَّاسِ. اَللّٰهُمَّ إِذَا أَرَدْتَّ فِتْنَةً فِي النَّاسِ فَاقْبِضْنَا غَيْرَ مَفْتُوْنِيْنَ.

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

مدرس گجرانوالہ



مکتوب نمبر 113

(۲)

باسمہ تعالیٰ

تاریخ: ۱۲۔۱۔۶۸ء

مولانا الاعز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

مکتوبِ گرامی مدت مدید کے بعد ملا۔ خیال تھا کہ جواب ذرا سوچ کر دوں گا۔ زیرِ غور ڈاک میں رکھا اور بھول گیا۔ رمضان میں ویسے بھی مشاغل کا ازدحام ہوتا ہے۔ جامعہ سلفیہ کے لیے مالی اِعانت کا بھی موسم ہوتا ہے۔ کئی دن کے بعد خیال آیا تو مکتوب ناپید تھا اور جناب کا عنوان نامعلوم۔

کئی دن کی تلاش کے بعد مکتوبِ گرامی ملا۔

کانفرنس کے نظام کی اصلاح کے متعلق آپ حضرات نے جو محنت فرمائی اس کا علم اسبوعی اخبارات سے بھی کچھ ہوتا رہا۔ کچھ رفقاء کی نجی ڈاک سے بھی پتا چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس محنت کا اجر مرحمت فرما دے۔ آپ نے جماعت کو ایک راہ پر لا کھڑا کیا ہے۔ اب مقاصد تک پہنچنا اربابِ ہمت کا کام ہے۔ اب جناب کے ہاں امارت یا امامت کا جھنجھٹ تو نہیں ہوگا۔

اگر ممکن ہو تو دار العلوم کا نصاب، اپنے ''دستور'' کی ایک ایک کاپی ارسال فرما دیں۔ ہم اپنے دستور پر مکرر غور کر رہے ہیں۔ ہو سکے تو جلدی ارسال فرمائیں۔

معلوم نہیں جناب کے ہاں ''الاعتصام'' جاتا ہے یا نہیں؟ اگر مناسب مواقع ہوں جہاں اخبار مفید ہو سکے تو مطلع فرمائیں۔ کوشش کر کے بھجوا دیا جائے۔

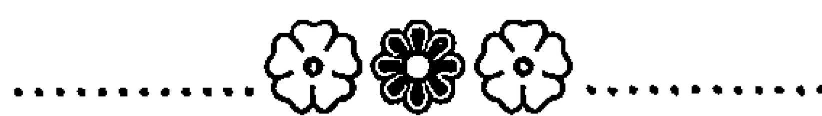
آپ حضرات کی زیارت کے لیے طبیعت بے تاب ہے۔ آرزو ہے کہ یہ طویل غیوبت جزوی شہود سے ہمکنار ہو۔ مگر فنی رکاوٹیں اور کچھ پرانے معاصی اس راہ میں حائل ہیں۔ متعدد دفعہ پاسپورٹ کے لیے کوشش کی، کامیابی نہیں ہوسکی۔ اب پھر تعمیلِ ارشاد کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ مگر کامیابی کی امید موہوم ہے۔ دونوں منطقوں میں کچھ اس قسم کی مشکلات ہیں کہ ہفتوں دفتروں کا چکر کاٹنا پڑتا ہے جس کے لیے نہ فرصت ہے نہ ہمت۔ جاننے والے اہلِ توحید و سنت حضرات سے سلام عرض فرمائیں۔

پرسوں ترسوں مولانا عبدالسلام صاحب بستوی لاہور تشریف لائے۔ ایک دن کے قیام کے بعد واپس چلے گئے۔ ملاقات بھی نہ ہوسکی۔ مولوی عطاء اللہ صاحب عجیب مست آدمی ہیں۔ کسی کو اطلاع تک نہ دی۔ مولانا ذبیح پر گذشتہ سال فالج کا حملہ ہوا تھا۔ اب آرام ہے مگر سفر کے قابل نہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

چاہ شاہاں



مکتوب نمبر 114

(۳)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

محترم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا اور ''دستور'' بھی۔ شکریہ۔ ''الاعتصام'' ارشادفرمودہ پتے پر بھیج دیے ہیں۔ میں تو قریباً ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہوا لاہور نہیں جا سکا، مسلسل کئی ہفتے طبیعت خراب رہی۔ انفلوائنزا کا شدید حملہ تھا۔ اب بحمد اللہ افاقہ ہے۔

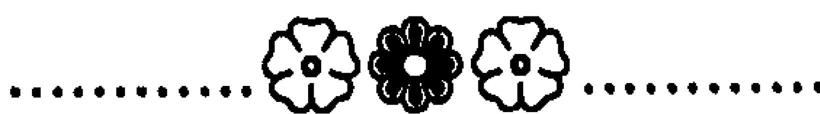
کانفرنس کے علاوہ احباب کی زیارت کے لیے بھی جی چاہتا ہے۔ مگر ''فعادت عواد بیننا وخطوب'' مسئلہ خاصا مشکل ہے۔ خصوصاً دفاتر کا طواف سب سے بڑی مصیبت ہے۔ مقالات کے لیے بھی محنت کی ضرورت ہے۔ لکھنے کی کئی چیزیں ہیں۔ محنت کون کرے؟ کتاب القراءۃ بیہقی کی کاپیاں لکھی پڑی ہیں۔ مقدمہ لکھنے کا خیال ہے، مگر تاحال خیال ہی ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ صحت عنایت فرمادے۔

میاں صاحب رحمہ اللہ کا فتاویٰ شیخ محمد اشرف شائع کر رہے ہیں۔ ابتداء ہوگئی ہے۔ شیخ یحییٰ صاحب، خواجہ سلیم، حاجی محمد صالح صاحب، مولانا راز صاحب ملیں تو سلام عرض فرمادیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

(اخبار ''اہلِ حدیث'' دہلی، ۷؍ مارچ ۱۹۶۸ء)



مکتوب نمبر 115

(مولانا عبدالستار دہلوی کی وفات (۲۳/ مارچ ۱۹۶۷ء) پر ان کے فرزند مولانا عبدالغفار کے نام تعزیتی مکتوب)

محترم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد بزرگ وار مولانا عبدالستار مرحوم کے انتقال کی اطلاع اخبارات سے ملی۔ ان کے انتقال سے آپ پر جو علمی ذمے داریاں عائد ہوگئی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کی بشری لغزشوں کو معاف فرمائے۔ حالات روز بروز نئے سے نیا رنگ اختیار کر رہے ہیں، آپ جیسے نوجوانوں کا فرض ہے کہ انھیں سازگار بنانے کی کوشش کریں۔ میں خود تقریباً ڈیڑھ ماہ سے صاحبِ فراش ہوں۔ اب کچھ افاقہ ہے، لیکن طبیعت پوری طرح سے صاف نہیں۔

[محمد اسماعیل، گوجرانوالہ]



مکتوب نمبر 116

(مولانا عبدالوہاب دہلوی کی وفات پر تعزیتی مکتوب)

بگرامی خدمت برادرم مولوی عبدالستار صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ حضرت الشیخ المکرّم دار الفناء سے انتقال فرما کر ملائے اعلیٰ میں قیام فرما ہو گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحوم کی رحلت کے سبب آپ کی ذاتِ گرامی کے شخصی رنج کے علاوہ جماعت میں ایک ایسی جگہ خالی ہوگئی ہے جس کے آسانی سے پُر ہونے کی کوئی توقع نہیں۔

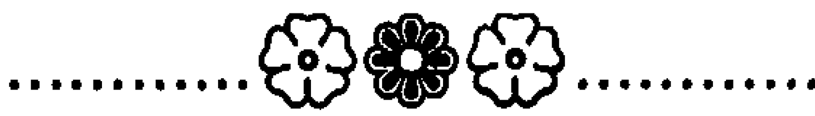
محترم مرحوم کی ذاتِ گرامی میں دو ایسے وصف تھے جن کی نظیر علمائے وقت میں کم ہے: صبر اور استقلال۔ ہمیں توقع رکھنی چاہیے کہ آپ ان کے بہترین جانشین ثابت ہوں گے۔ وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضىٰ وَزَوَّدَكَ التَّقْوٰى وَالْحُسْنىٰ، إِنَّ الْآخِرَةَ خَيْرٌ مِّنَ الْأُوْلىٰ.

اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجاتِ عالیہ عنایت فرمائے اور جناب و دیگر پسماندگان کو اجرِ جزیل وصبرِ جمیل مرحمت فرمائے۔ لِلّٰہِ مَا أَخَذَ وَلَہُ مَا أَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہُ إِلٰی أَجَلٍ مُسَمًّی. فقط

از اسماعیل بن ابراہیم

مدرس مدرسہ محمدیہ۔ گوجرانوالہ

(''صحیفہ اہلِ حدیث'' دہلی۔ دسمبر ۱۹۳۲ء)



مکتوب نمبر 117

(اہلِ حدیث کانفرنس دہلی کی مستقل صدارت پر حضرت مولانا اسماعیل صاحب گوجرانوالہ کا مکتوب)

اخبار ''ترجمان'' دہلی نے اپنی دسمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں یہ لکھا ہے کہ ۲۸ رمئی ۱۹۴۴ء میں آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کی مستقل صدارت کے لیے حضرت مولانا ابو القاسم صاحب سیف بنارسی رحمہ اللہ کی تحریک اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب گجرانوالہ کی تائید اور تمام اراکین کے اتفاق سے حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب آروی ہی کی ہستی منتخب ہوئی تھی۔ (ص: ۲۹)

حضرت مولانا ابو القاسم صاحب سیف بنارسی رحمہ اللہ تو رحلت فرما گئے۔ اس لیے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب گوجرانوالہ سے دریافت کیا گیا۔ مولانا مدظلہ نے جو کچھ اس کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ وہ بغرضِ ملاحظہ جماعت اہلِ حدیث ہند درج ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیۃ اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

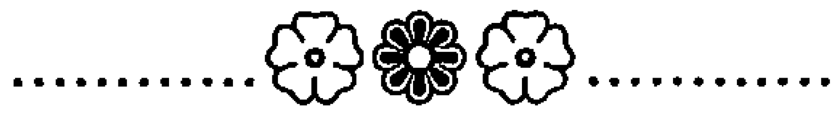
عرصے کے بعد جناب نے یاد فرمایا۔ جس معاملے کے متعلق جناب نے دریافت فرمایا، ذہن میں صحیح چیز اس وقت نہیں۔ حافظے پر زور دینے کے بعد جہاں تک کہا جا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ میں کانفرنس کی کسی انتخابی میٹنگ میں شامل نہیں۔ کاغذات دیکھیے۔ اگر کسی باقاعدہ اجلاس میں انتخاب کیا گیا ہو تو درست ہوگا۔ حافظہ غلطی کر سکتا ہے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب و حافظ حمید اللہ صاحب کی زندگی میں کانفرنس کے انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ حضرات نزاع کے یہ انداز چھوڑ دیں اور مل

کر کام کی راہ پیدا کریں۔ انڈیا میں جماعت موت و حیات کی کشمکش میں ہے۔ اگر مل کر کام کرنا ممکن نہ ہو تو الگ کام کیجیے، لیکن ایک دوسرے پر کیچڑ نہ اچھالا جائے۔ کام میں مسابقت کی کوشش کیجیے۔ جماعتِ اسلامی و جماعت اہلِ حدیث دونوں کے ساتھ مل کر چلنا مشکل ہے۔ احباب سے کہیے کہ وہ یک دلی سے کام کریں۔

والسلام

محمد اسماعیل، عفی عنہ

(اخبار ''اہلِ حدیث'' دہلی۔ یکم فروری ۱۹۵۸ء)



مکتوب نمبر 118

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت الامیر مرکزیہ کا پیغام

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث اور جامعہ سلفیہ کی مالی حالت عموماً اس طرح رہی کہ نہ اس کے خزانے میں کبھی لاکھوں روپے جمع ہوئے اور نہ اختتامِ سال کے بعد بحمد اللہ کوئی قرض کی خطیر رقم ہمارے ذمے رہی۔ ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا''۔ وقت آرام سے گزرتا رہا۔

اسی افتاد سے بحمد اللہ جامعہ کے پاس اس وقت ہزاروں روپے کا کتب خانہ ہے، لاکھوں روپے عمارت پر صَرف ہو چکے ہیں۔ اس سال بھی پہلے کی طرح ضرورت کے مطابق روپے خزانہ میں موجود تھے۔ خیال تھا کہ یہ سال بھی پہلے سالوں کی طرح گزر جائے گا۔ ۱۹۶۵ء میں جنگ کی آزمایش کے باوجود احباب نے جامعہ سلفیہ اور جمعیت کے ساتھ مخلصانہ تعاون فرمایا۔ بظاہر جماعت پر جنگ کا کوئی اثر نہ پڑا۔

اثنائے سال میں بینک کے اندرونی خلفشار اور نظم میں خرابی کے سبب حکومت نے بینک پر قبضہ کر لیا اور ماہانہ ادائیگیاں رُک گئیں۔ اساتذہ اور ملازمین کے مشاہرات قرض لے کر جزوی طور پر ادا کیے گئے اور رفقائے منتظمین کو خاصی دقت پیش آئی۔ گویا دفتر سرمایہ کے باوجود مقروض ہو گیا۔ ہمارے بعض خیر اندیش دوستوں نے اعانت کے بجائے اس حادثے کو ہوا دے کر جماعت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ «کُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ»

اب بحمد اللہ بینک نے با قاعدہ ایک مخصوص رقم دینا منظور کر لیا ہے۔ مرکزی جمعیت کی جمع شدہ رقم بظاہر کسی خطرے میں نہیں، لیکن یہ ماہانہ رقم ماہانہ ضروریات کے لیے کافی نہیں۔ اس لیے آپ کا دفتر مقروض ہے اور ہر ماہ اسے کچھ نہ کچھ مقروض ہونا پڑتا ہے۔

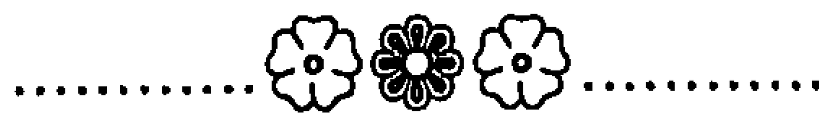
احباب سے گزارش ہے کہ ماہِ رجب سے رمضان تک جو صدقات وہ ادا کریں، مرکزی جمعیت اہلِ حدیث اور جامعہ سلفیہ کو یاد رکھیں اور اس عملِ خیر کے لیے زیادہ سے زیادہ رقم دے کر رفاقت اور خلوص کا ثبوت دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مال میں اضافہ اور اخلاص میں برکت فرمائے۔ جامعہ میں بحمد اللہ تعلیم کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ اساتذہ اور طلبہ اپنی بساط کے مطابق ان مشکلات کے باوجود مسلسل کام کر رہے ہیں۔

میں اس سے پہلے ان ایام میں احباب کو لکھتا تھا اور ضروری مقامات پر حاضر خدمت ہو کر توجہ بھی دلاتا تھا۔ اب علالت کی وجہ سے میرے لیے کام کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ صحت نہ سفر کی اجازت دیتی ہے اور نہ خط کتابت کی۔ نجی طور پر بھی اپنے کام کی اجازت نہیں۔ اس لیے احباب اس گزارش پر غور فرمائیں اور جماعتی فرض سمجھ کر اپنے اس عظیم ادارے کی کفالت اور حفاظت فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ [محمد: ۷]

''اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے، اللہ تمھاری مدد کرے گا۔''

محمد اسماعیل

امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان



مکتوب نمبر 119

[کوئٹہ کے احبابِ جماعت سے خط کتابت]

کوئٹہ۔ ۸/ اگست ۱۹۵۷ء   برادرم انصاری صاحب

سلام مسنون۔ آپ کا ایک کارڈ لائل پور سے موصول ہوا۔ خیریت معلوم ہو کر خوشی ہوئی۔ میں نے مولانا محمد اسماعیل صاحب کو کوئٹہ آنے کے متعلق تحریر فرمایا تھا۔ انھوں نے جواب میں لکھا ہے کہ ہمارا آنا اگست کے اخیر میں یا پھر ستمبر کے اوائل میں ہو سکتا ہے۔ نیز آپ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ

چونکہ تمام دفتری کام آپ کے سپرد ہیں، اس لیے آپ زیادہ روز مرکز سے غیر حاضر نہیں رہ سکتے ہیں۔ پس آپ تحریر کریں کہ آپ زیادہ سے زیادہ کتنے روز کوئٹہ کے لیے دے سکتے ہیں، تاکہ پھر مولانا صاحب کو پروگرام لکھ دیا جائے۔

بواپسی ڈاک حالات سے مطلع کریں۔ امید ہے بھائی نثار صاحب بھی لاہور واپس آ گئے ہوں گے۔

باسمہ

مکرم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! مزاج گرامی

اخبار الاعتصام اور بعض دوسرے ذرائع سے جناب کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ ۱۹۴۷ء میں جو سراسیمگی اور پریشانی جماعت پر آئی تھی اور اس ہنگامے میں جماعت کو جس قدر نقصان پہنچا تھا۔ علماء کی شہادت اور مدارس کی تباہی۔ مکاتب کی بربادی سے جو تکلیف دہ حالات پیش آئے تھے، اس کی تلافی کے لیے ۱۹۴۸ء میں جماعت کی تنظیم کا کام دوبارہ شروع کر دیا گیا تھا، اس میں بحمد اللہ کامیابی ہوئی۔ جماعت نے ان مساعی کی پوری حوصلہ افزائی کی۔ اخبار الاعتصام جماعت کا آرگن اور ترجمان ہے۔ پانچ سو کے قریب مختلف مقامات پر جمعیت کی برانچیں ہیں جو مرکز سے ہر ممکن تعاون کر رہی ہیں۔

جامعہ سلفیہ کی تاسیس بھی عمل میں آ گئی ہے۔ اس کی تعمیر لاکھوں روپے کے صَرف کا ایک پاکیزہ منصوبہ ہے، تعلیم بھی شروع ہے، قریباً چھے قابل ترین اساتذہ جامعہ میں تعلیم کا کام کر رہے ہیں۔

لیکن ساتھیوں کی قلت اور مخلصین کے فقدان کی وجہ سے سندھ اور بلوچستان میں کوئی کام نہ ہو سکا اور نہ ہی جماعت کی تنظیم ہو سکی، حالانکہ یہ پہلی سرزمین ہے جسے ہجرت کے بعد سید احمد شہید رحمہ اللہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کی اعانت اور خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ سکھوں کی جنگوں کے لیے اہلِ توحید نے اسی راہ سے سرحد پہنچنے کی کوشش کی۔ اب کچھ فرصت ہوئی ہے۔ اس لیے خیال ہے کہ کسی وقت جو آپ پسند فرمائیں کوئٹہ پہنچ کر آپ حضرات سے بالمشافہہ گفتگو کی جائے اور وہاں کے حالات کے مطابق اس دور افتادہ علاقے میں تبلیغ اور کتاب و سنت کی اشاعت کے متعلق سوچا جائے۔

آپ حضرات اس حاضری کے متعلق جو وقت متعین فرمائیں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ حاضر ہونے

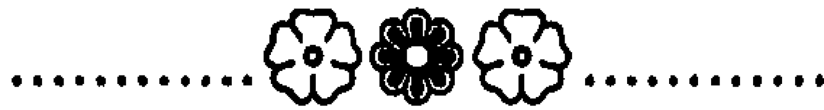
کی کوشش کریں گے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ جناب جلدی اس عریضے کا جواب تحریر فرمائیں گے۔

والسلام

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور



مکتوب نمبر 120

۲۱/اپریل ۱۹۵۹ء

بخدمت گرامی جناب ناظمِ اعلیٰ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امید ہے مزاج شریف بخیر ہوں گے۔

آپ کا ارسال کردہ عریضہ ملا۔ شرفِ تخاطب پر جناب کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ پڑھ کر مجھے انتہائی مسرت ہوئی کہ جناب تنظیمِ جماعت کے سلسلے میں یہاں تشریف لانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ساعتِ مبارک جلد لائے کہ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما ہوں۔ چنانچہ آپ نے غالباً تمام رفقاء سے انفرادی حیثیت سے دریافت فرمایا کہ کون سا وقت موزوں ہوگا۔ لیکن اگر آپ پہلے یہاں جماعت کی عارضی تنظیم عمل میں لاتے اور ذمہ دار حضرات سے دریافت فرماتے کہ کون سا وقت کوئٹہ کے لیے موزوں ہوگا تو آپ کو ایک ٹھوس اور باضابطہ دعوت دی جاتی اور آپ کو نسبتاً زیادہ سہولت بھی رہتی۔ اب چونکہ آپ انفرادی رائے طلب فرما رہے ہیں، اس لیے کوئی ٹھوس اور متفقہ وقتِ سعید آپ کو شاید ہی ملے۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ ہر شخص کی رائے مختلف ہو۔ بہرحال بندہ انفرادی حیثیت سے آپ کے اس نیک ارادے کی قدر کرتا ہے اور اپنی ناقص رائے کے مطابق آپ کی تشریف آوری کے لیے 15 مئی کے بعد کا وقت مناسب تصور کرتا ہے۔ کیونکہ آخری تاریخوں میں کاروباری حضرات نسبتاً فارغ ہوتے ہیں۔ ویسے کوئی خاص فرق نہیں۔ اور اگر آپ موسم کو ملحوظ رکھنا چاہتے ہیں تو پھر اگست کا مہینہ موزوں ترین ہوگا۔

خاکسار مارشل لاء سے قبل جماعتِ اسلامی سے متعلق رہا ہے۔ چنانچہ اطلاعاً آپ کے گوش گزار

کر رہا ہوں۔ جماعتِ اسلامی کے مقصد، طریقِ کار اور دستور سے کلی طور پر متفق تھا اور عملی کارکن تھا، لیکن اب تو تمام سیاسی تنظیمیں ختم ہو چکی ہیں، اس لیے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آپ تشریف لائیں گے تو جمعیت اہلِ حدیث کے طریق کار اور دستور وغیرہ سے متعلق بالمشافہ گفتگو کروں گا۔ اور اگر متفق ہوا تو اپنی حقیر صلاحیتیں اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔

آپ کا مخلص

عبدالوکیل شیخ



مکتوب نمبر 121

کوئٹہ

۵۹-۴-۲۱

محترمی جناب مولانا صاحب

السلام علیکم

آپ کا ارسال کردہ خط موصول ہوا۔ پڑھ کر نہایت خوشی ہوئی۔ میں اس کام کے لیے ہر وقت ان شاء اللہ تیار ہوں۔ لیکن یہاں کے موسم کا لحاظ رکھتے ہوئے میں آپ کی خدمت میں یہ ضرور عرض کروں گا کہ فی الحال آپ کا آنا مناسب نہیں ہے۔ ان شاء اللہ عیدِ قربان کے بعد یہاں پر موسم بالکل اچھا اور خوشگوار ہو گا۔ یعنی اگست کے ماہ میں آنا بہتر ہو گا۔ نیز باقی لوگوں کا بھی کچھ اسی طرح کا خیال ہے۔

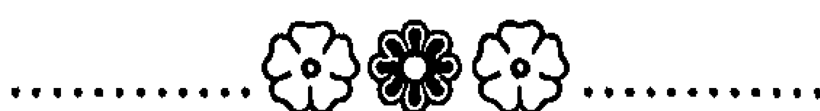
میری طرف سے آپ کی خدمت میں بہت سلام عرض ہے۔

فقط از طرف

محمد حسین

چغتائی کلاتھ ہاؤس

شارع لیاقت۔ کوئٹہ



مکتوب نمبر 122

کوئٹہ

۲۷/اپریل ۱۹۵۹ء

مکرمی ناظم صاحب مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر اس بات کی از حد خوشی ہوئی کہ کوئٹہ میں جماعت پھر سے منظّم ہو رہی ہے، تاکہ اسلام کی تبلیغ کا کام از سرِ نو شروع کیا جائے۔ دعا ہے کہ خداوند کریم کامیابی و کامرانی عطا کرے۔ ہم اس کے لیے ہر بڑی سے بڑی قربانی دینے کو تیار ہیں۔ آپ حضرات کا کوئٹہ تشریف لانے کا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ چونکہ کوئٹہ میں فی الحال موسم کوئی خاص اچھا نہیں جس کی بنا پر ہم نے عید الاضحیٰ کے بعد کا پروگرام بنایا ہے۔ اگر اس میں کوئی تبدیلی ہوئی تو پھر آپ کو مطلع کر دیا جائے گا، تاکہ آپ تشریف لے آئیں۔

اور ہم آپ کے ساتھ پوری تندہی سے تعاون کریں گے، تاکہ اس مردہ زمین کو جامِ توحید پلا کر خدا اور اس کے رسول کے صحیح احکامات سے لوگوں کو مالا مال کر دیا جائے۔

فقط نیاز مند

محمد موسیٰ

ٹیچر اسلامیہ ہائی سکول۔ کوئٹہ

نمبر۱ حافظ محمد موسیٰ، ٹیچر اسلامیہ ہائی سکول۔ کوئٹہ

نمبر۲ احسان الحق، بلوچستان مٹھائی ہاؤس، شارع لیاقت۔ کوئٹہ

نمبر۳ سید عبدالستار شاہ، دکاندار شاوک شاہ روڈ۔ کوئٹہ



مکتوب نمبر 123

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹۵۹-۵-۳

مکرم محترم جناب حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط مورخہ ۵۹-۴-۱۴ کو ملا۔ جواب میں کوتاہی ہوئی ہے، معافی چاہتا ہوں۔ آپ کی کوئٹہ تشریف آوری ہمارے لیے باعثِ فخر ہوگی۔ خیال تو تھا کہ آپ کو تحریر کیا جاتا کہ آپ اول وقت تشریف لے آویں۔ مگر اس میں چند معروضات ہیں:

اول یہ کہ موسم ابھی تک خوشگوار نہیں۔ دوسرے ہماری جماعت کے دو افراد (جو ہمارے بزرگ ہیں) فریضۂ حج کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔

اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے کہ دونوں بزرگ ان شاء اللہ اگست کے پہلے ہفتے میں واپس آجائیں گے تو پھر آپ اگست کی کسی تاریخ کو تشریف لے آویں۔ آپ سے مل کر دل کو بہت راحت ہوگی۔

آپ نے دینِ حق کی جو خدمت کی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو قبول فرمائیں اور آپ کو اجرِ عظیم عطا فرماویں اور خداوند کریم ہمیں وہ دن دیکھنا نصیب کرے کہ جس دن شرک اور بدعت کا اسلام سے قلع قمع ہو چکا ہو اور ہم مسلمان حقیقت میں اپنے پروردگار کو پہچانیں اور رسول کریم ﷺ کی لائی ہوئی سنت کو اپنائیں۔ آمین

میں ان شاء اللہ ۷ مئی کو لاہور آرہا ہوں۔ ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ دفتر میں حاضر ہوں۔

غالبًا بعد نمازِ جمعہ حاضر ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ اکثر جب میں لاہور میں ہوتا ہوں تو مسجد قدس میں نمازِ جمعہ ادا کرتا ہوں۔

حضرت میں بہت ہی گناہ گار ہوں، آپ میرے لیے ضرور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بھی اجر دے گا۔

والسلام

عبدالحمید خان

بمبئی موٹر سٹورز، سرکلر روڈ۔ کوئٹہ



مکتوب نمبر 124

۲۲؍اگست ۱۹۵۹ء

مکرم ومحترم جناب انصاری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ صاحبان نے جو کوئٹہ تشریف لانے کا پروگرام تحریر فرمایا ہے، بالکل بجا ہے۔ آپ صاحبان بمعہ مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح اور مولانا محمد صادق صاحب خطیب لائل پور ستمبر کے پہلے ہفتے میں تشریف لا سکتے ہیں۔ نیز اگر ہو سکے تو مولانا صمصام صاحب لائل پور والے ان کو بھی اپنے ہمراہ لاویں۔ تاکہ ان کی بھی وعظ سے لوگ مستفید ہوسکیں۔ نیز گوادر کے متعلق جو آپ نے دریافت فرمایا ہے، وہاں سے تقریباً چارصد 400 میل کی مسافت پر ہے اور راستہ خشکی کا ہے۔ براستہ قلات بسیں جاتی ہیں اور تقریباً چار روز کے بعد گوادر پہنچتی ہیں۔ راستہ نہایت خراب ہے۔ اس لیے کافی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ جماعت سے مشورہ کیا ہے۔ آپ صاحبان تشریف ضرور لاویں اور یہاں پر آپ جماعت کی تنظیم کے لیے خاص کوشش کریں۔ نیز جب آپ لاہور سے روانہ ہوں تو روانگی کی اطلاع ضرور دیں، تاکہ یہاں پر ہم لوگ اسٹیشن پر آپ کے منتظر رہیں۔

باقی سب خیریت ہے۔ موسم خوشگوار ہے۔ والدین کی طرف سے دعا عرض ہے۔ سب احباب کی طرف سے سلام مسنون عرض ہے۔

فقط از طرف

عبداللہ، عفی عنہ

کوئٹہ

.... ❀❀❀ ....

مکتوب نمبر 125

باسمہ

مکرم ومحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

اس وقت صرف پنجاب میں مدارس اہلِ حدیث کی تعداد چالیس سے زائد ہے۔ ان مدارس

میں باہم کوئی ربط نہیں۔ تعلیم میں اجتماعیت کے فقدان کی وجہ سے جماعت کا بھی نقصان ہے، طلبہ کا بھی اور مدارس کا بھی نقصان اور انتظام میں بھی مشکلات۔

یہ بھی معلوم ہے کہ موجودہ حالات میں مدارس کا باہم اِدغام اور تعلیمی پالیسی کی بالکلیہ وحدت ناممکن ہے، لیکن تعلیمی انتشار کے نقائص سے بچنا بھی بے حد ضروری ہے، ورنہ تعلیم کے متعلق ہماری تمام مساعی بے کار جائیں گی۔ اس لیے مندرجہ گزارشات کے جوابات دے کر شکریہ کا موقع دیں:

1 کیا آپ اسے پسند فرماتے ہیں کہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے مجوزہ نصاب کو جاری فرما کر طلبۂ مدارس اور جماعت اہلِ حدیث پر احسان فرمائیں۔ اور اپنے مدرسے میں اسے پابندی سے پڑھائیں؟

2 جماعت کے طے کردہ نصاب میں اگر کوئی نقص ہو تو مطلع فرمائیں۔ جمعیت آپ کے مشوروں پر شکر و امتنان کے ساتھ غور کرے گی اور اگر ضرورت محسوس کرے گی تو نصاب کے متعلق ایک کنونشن بلائے گی، تاکہ علماء اور اصحاب التدریس اجتماعی طور پر غور کر سکیں۔

3 طلبہ کے داخلے کے متعلق جمعیت نے طلبہ کے لیے داخلے کے فارموں کا ایک خاکہ بنایا ہے، اگر آپ اسے اپنے مدرسے کے لیے منظور فرمائیں تو اس کی اطلاع دیں۔ ایک کاپی جناب کے ملاحظۂ سامی کے لیے بھیجی جا رہی ہے۔

4 اہلِ حدیث مدارس میں تعلیمی نقائص کو دور کرنے کے لیے اگر کوئی اجتماع بلایا جائے تو جناب اس میں تشریف لانے کا وعدہ فرما سکتے ہیں؟

5 ہمارے مدارس کا طریقۂ امتحان بے حد ناقص ہے۔ جناب اپنے تجربے سے اس کی اصلاح کے متعلق کوئی مشورہ دے سکتے ہیں؟

امید ہے کہ جناب اس عریضے کے جواب سے محروم نہیں رکھیں گے۔

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 126

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

محترم المقام حضرت مولانا اسماعیل صاحب ناظمِ تعلیمات

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

مولانا شریف اللہ صاحب نے اپنی درخواست اور اس کے ساتھ آپ کے دو خطوط شامل کر کے میرے سامنے پیش کیے۔

میں نے دفتر سے اس فیصلہ کی نقل طلب کی جو مولانا اسحاق صاحب نے گزشتہ سال کیا اور جس کی توثیق جامعہ سلفیہ کمیٹی نے کی تھی۔ فیصلے کی نقل اس کے ساتھ شامل کر کے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔ فیصلہ بالکل واضح ہے۔اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور اس میں اب تخفیف نہیں ہونا چاہیے۔

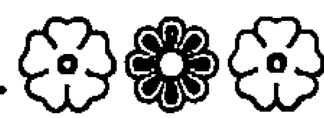
محمد داود راز

۲۱_۲_۶۲

انوویشن کی موجودگی میں معاملہ درست ہے۔ مبلغ پچیس روپیہ اضافہ جامعہ کے تعلیمی سال ۱۵/شوال ۸۱ مطابق ۲۲/ مارچ ۱۹۶۲ء سے مولانا کو مبلغ چار صد روپیہ دیا جائے۔ اسم

محمد اسماعیل

۲۲_۳_۶۲



مکتوب نمبر 127

باسمہ عزوجل

بخدمت اقدس ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

جناب عالی

گزارش ہے کہ بندہ چار پانچ سال سے جامعہ سلفیہ کے لیے فراہمیِ چندہ کی خدمت سرانجام

دے رہا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے میرا کام تسلی بخش ہے۔ اس سے پہلے بھی بندہ نے ایک درخواست کی کہ میری تنخواہ میں اضافہ کر دیا جائے، کیونکہ مہنگائی کی وجہ سے بڑی تکلیف میں ہوں۔ مہربانی فرما کر میری تنخواہ میں پچیس روپے اضافہ فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

والسلام

محمد حسین

مبلغ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

مورخہ: ۶۳۔ ا۔ ۲۸

محترم المقام حضرت مولانا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولانا محمد حسین صاحب کا کام واقعی تسلی بخش ہے۔ بڑی محنت سے فراہمیِ چندہ کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ گذشتہ دنوں جامعہ سلفیہ کے لیے غلے کی فراہمی کے سلسلے میں بھی انھوں نے بڑی مستعدی سے کام کیا تھا۔ اس لیے سفارش کی جاتی ہے مولوی صاحب کی تنخواہ میں دس روپے کا اضافہ کر لیا جائے اور بجائے/۹۰ روپے ماہانہ کے ایک سو روپیہ ماہانہ کر دیا جائے۔

والسلام

عبدالعظیم انصاری

ناظم دفتر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث

۶۳۔ ا۔ ۲۵

مجھے دس روپے اضافہ سے اتفاق ہے، اسے ناظمِ مالیات، عافاہ اللہ، کو پیش فرما دیں۔

مولانا محمد حسین صاحب حصے پر کام کیوں نہیں کر لیتے؟ ممکن ہے اس میں انھیں زیادہ مالی فائدہ ہو۔

والسلام

محمد اسماعیل

گجرانوالہ

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 128

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Chah Shahan

Dated: 14-11-65 Gujranwala

محترم مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

آپ ۶ ؍ستمبر سے نکلے اور آج ۱۴ ؍نومبر کو مجھے مطلع فرماتے ہیں۔ یہ عجیب ہے۔ میں پرسوں یہاں جس قدر سامان موجود تھا، جس میں قریباً ڈیڑھ سو بستر اور دوسرا سامان تھا، لے کر آزاد کشمیر گیا۔ سارا سامان وہاں دے کر رات واپس آیا ہوں۔ آپ بواپسی لکھیں۔ آپ کو کس قدر بستر مطلوب ہیں، تاکہ آپ کے لیے کوئی انتظام سوچا جائے۔ آپ اس کی اطلاع مولوی عطاء اللہ صاحب کو دے دیں۔

میں آنے والے بدھ یا جمعرات کو ان شاء اللہ لاہور آؤں گا اور کچھ کوشش کروں گا۔

لاہور میاں عبدالمجید صاحب کے پاس غالباً کچھ بستر موجود ہیں۔ آپ مولانا اسحاق رحمانی خطیب مسجد چینی والی سے مل کر دریافت فرمائیں۔ نہ ملیں تو مجھے مطلع فرمائیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 129

(مولانا عبداللہ نصر سوہدروی کے نام مکتوب)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

برادرم مولوی عبداللہ نصر صاحب

معرفت سپرینٹڈنٹ سنٹرل جیل میانوالی

جی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ خیریت مطلوب

میں اول رمضان کو آگرہ سے واپس آ گیا ہوں۔ اپنی خیریت سے بواپسی ڈاک مطلع کریں۔

منی آرڈر کا تاحال پتا نہیں چلا۔ اس طویل خاموشی کا مفہوم میں نہیں سمجھا۔ رہائی کی تاریخ سے اطلاع دینا۔

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

مدرسہ محمدیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اخویم سلمہ اللہ تعالیٰ! السلام علیکم

ملفوف پہنچا۔ کپڑے تیار ہیں، صرف جوتی کی دیر ہے، ان شاء اللہ عن قریب بھیج دیے جائیں گے۔ اخراجات میں تنگی اگر عملہ جیل سے ہے تو خیر، کَفَاھُمُ اللّٰہُ الْقِتَالَ. ورنہ جو ضرورت ہو صاف لکھ دیجیے گا، ان شاء اللہ حسبِ وسعت دریغ نہ ہوگا، آنکھیں دکھ رہی ہیں، اس لیے خط تفصیلی نہیں لکھ سکا۔

والسلام

اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 130

(مولانا عبدالعظیم انصاری کے نام تین مکاتیب)

(۱)

مکرم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل کا عریضہ مل چکا ہوگا۔ آج مولوی اسحاق صاحب کو صرف اس کام کے لیے بھیج رہا ہوں۔ کم از کم انھیں پانچ صد نسخہ قرآنِ عزیز دے دیں، تاکہ ان کی تشنگی کم ہو۔

بیرونی آڈر پر دیکھا جائے گا۔

محمد اسماعیل، مدرس

گوجرانوالہ

مولوی اسحاق کی تنخواہ فروری کی میں نے ادا کی ہے/ ۸۵ روپے۔ ۱۸۸ روپے علاقے کی انجمن کے تھے، وہ بھی جمعیت کے فنڈ میں دے دیے گئے۔ ابھی دو صد روپے علاقے کے خزانچی نے

نہیں دیے، وہ بھی ان شاء اللہ مل جائیں گے اور مرسل ہوں گے۔

مبلغ پچیس روپے آج بھیج دیے ہیں، جمع فرما لیجیے۔ مولوی اسحاق صاحب کی تنخواہ مارچ سے مبلغ /۴۵ روپے ہمارے ذمے ہے۔/۴۰ روپے الاعتصام کے ذمے۔ اس حساب سے مولوی اسحاق صاحب کا جو بقایا ہو، چکا دیں۔ میں چونکہ حساب نہیں جانتا، اس لیے یہ کام جناب ہی فرما دیں گے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

درخواست بنام حضور ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان (لاہور)

جنابِ عالی!

گزارش ہے کہ بندہ کو جو دفتر سے تنخواہ وصول ہو رہی ہے وہ بہت ہی قلیل ہے اور گزارہ ہونا نہایت مشکل ہے۔ لہٰذا برائے کرم بندہ کی تنخواہ میں اضافہ کیا جاوے۔ آپکی عین نوازش ہوگی۔

عرضے

رحمت اللہ انصاری

مبلغ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

بقلمِ خود رحمت اللہ

21/12/58

دفتر رپورٹ کرے مولوی رحمت اللہ صاحب کو کب رکھا گیا ہے اور آپ کے کام کی کیا نوعیت ہے۔

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

۸۔۱۔۵۹

گزارش ہے کہ جولائی ۱۹۵۸ء میں سید عبداللہ شاہ صاحب ساکن منڈا پنڈ نے صدرِ محترم سے گفتگو کر کے مولوی رحمت اللہ صاحب کو ضلع لائل پور کے لیے مبلغ مقرر کیا گیا تھا اور فیصلہ ہوا تھا کہ وہ رقمیں جو سالانہ وعدہ شدہ دفتر کو موصول ہوتی ہیں، ان کے علاوہ مولوی رحمت اللہ کا عام چندہ ضلع لائل پور سے فراہم کر کے بھیجا کریں اور ان کی تنخواہ پچاس روپے ماہانہ ہوگی اور وہ کوشش کریں

گے کہ اپنی تنخواہ وضع کر کے ماہانہ معقول رقم دفتر کو بھیجیں۔ یہ سب باتیں زبانی ہوئی تھیں۔

خادم

عبدالعظیم انصاری

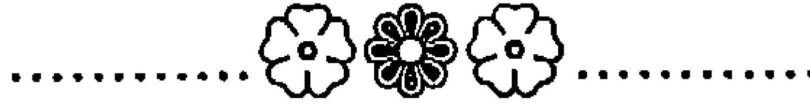
9/1/59

مکرم۔ سلام مسنون۔ مولوی رحمت اللہ صاحب کے متعلق عبداللہ شاہ صاحب سے گفتگو کی جائے۔ میری رائے یہ ہے کہ مولوی رحمت اللہ صاحب لائل پور کے ضلع میں کام کریں، لیکن وہاں کی جماعت کی نگرانی میں کریں گجرانوالہ میں ان کا کام چنداں تسلی بخش نہیں تھا۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

۳۱۔۱۔۵۹ء



مکتوب نمبر 131

(۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

گجرانوالہ ۱۳۔۳۔۶۳ء

مکرم مولوی عبدالعظیم صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں دو دن جامعہ میں ٹھہر کر رات واپس آیا ہوں۔ پیر یعقوب صاحب جامعہ میں پہنچ گئے۔ اسباق آج شروع ہو چکے ہوں گے۔ مولانا کی رائے کے مطابق شیخ الحدیث کے لیے حافظ عبداللہ صاحب کا تقرر ہوا ہے۔ پیر صاحب نے اسے خوشی سے مان لیا ہے۔ یہ بالاتفاق ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ اسے کامیاب فرمائے۔ آپ مولانا کو مطلع فرما دیں۔

طلبہ قریباً ساٹھ ستر کے قریب آ چکے ہیں۔ پروفیسر عمر فاروق اب تک نہیں پہنچے۔ انھیں تاکید کیجیے کہ فوراً پہنچیں۔

مولانا محمد بن عبداللہ کو بھیج دیجیے۔ میرے خیال سے سردست ۹۰ روپے اور کھانا ہم ان کو دے سکیں گے۔ آیندہ ان شاء اللہ ترقی ہوتی رہے گی۔ یہ تقرر عارضی ہوگا۔ طلبہ کے اطمینان کے بعد جلد ہی مستقل کرایا جائے گا۔ سرِ دست ان کے پاس ابتدائی جماعتیں ہوں گی، اگر انھیں منظور ہو تو فوراً لائل پور پہنچ جائیں۔

پیر صاحب سے ۲۵۰/ اور ۲۵/ کرایہ مکان کا فیصلہ ہوا۔ آپ ان کو اسی حساب سے مشاہرہ ارسال کریں۔

حافظ عبداللہ صاحب کا گریڈ طے کر کے انھیں سالانہ ترقی دینا چاہیے۔ میاں صاحب کو اس کی اطلاع دیں۔

محمد علی جانباز گزشتہ سال الگ ہو گئے تھے، ان کا دو ماہ کا مشاہرہ باقی ہے، وہ ان کو اب تک نہیں ملا۔ ماسٹر محمد علی کو ہم نے جواب دیا ہے، اس کو بھی دو ماہ کی تنخواہ مل جانی چاہیے۔ قواعد دیکھ کر جو کسی کا حق ہے، اسے مل جانا چاہیے۔ سنا ہے آپ نے اسے ایک ماہ کی تنخواہ بھیجی تھی، اس نے واپس کر دی۔ معلوم نہیں واپس شدہ رقم کہاں داخل ہوئی؟

حافظ صاحب نے استعفا خود دیا ہے، قواعد کے مطابق ان کو جو کچھ آتا ہو دے دینا چاہیے۔ غالباً ایک ماہ کی تنخواہ وہ لے چکے ہیں، کل میاں صاحب لائل پور تھے، ان سے مختصر گفتگو ہوئی تھی۔ آپ انھیں ضرور یاددہانی کرائیں۔

میں نے آپ کو جو رسید بکیں دی تھیں ان میں بعض رقوم مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں ہیں اور حسابات بقایا بے باق ہو جائیں۔

سریہ کا بے حد انتظار ہے۔ مستری کے دو صد روپے ماہوار خواہ مخواہ ہم پر پڑ رہے ہیں۔ حاجی صاحب کو توجہ دلائیں یا صدیق صاحب کو وہاں بھیجیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

یہاں کا مدرسہ چالو ہو گیا ہے۔ اس کے افتتاح کے لیے حافظ عبداللہ روپڑی آئے تھے اور عبدالقادر اور محمد حسین شیخوپوری۔

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 132

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

مجیدیہ فلور ملز، رحیم روڈ، مصری شاہ۔ لاہور

فون: 2266

بخدمت عالی قدر حضرۃ الامیر مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ قصور میں میرے تین قریبی عزیزوں کا الیکشن ۷۔۸۔۹ اکتوبر ہفتہ اتوار اور پیر کو ہے۔ اس مقصد پر ووٹروں اور پولنگ پر کام کرنے کے لیے وہاں میری حاضری ضروری ہے۔ لہٰذا ان تین روز کی رخصت عنایت فرمائیں۔ از حد شکر گزار ہوں گا۔

عبدالعظیم انصاری

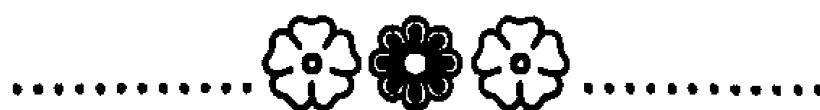
ناظمِ دفتر: مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان، لاہور

1-11-64

جس دن آپ کا ووٹ ہو، آپ جا سکتے ہیں۔ مزید کے لیے میاں عبدالمجید صاحب سے گفتگو فرمائیں۔ والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

۴۔۱۱۔۶۴ء



مکتوب نمبر 133

(میاں عبدالمجید مالواڈہ۔ ناظمِ مالیات جمعیت اہلِ حدیث کے نام اکیس خطوط)

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

۷۔ ایبک روڈ۔ حدیث منزل۔ لاہور

فون: 3489

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولوی صدیق صاحب نے کالا باغ کے علاقے میں تبلیغی دورے شروع کر دیے ہیں۔ ایک دن کی رپورٹ بھی آئی ہے۔ ان کا مشاہرہ کابینہ میں مبلغ پچاس روپے طے ہوا تھا۔ وہ عبدالعظیم صاحب سے دریافت فرما لیں۔ جب سے انھوں نے کام شروع کیا ہے، ان کو مشاہرہ بھیج دیں۔ ان کا مشاہرہ اسی پتے پر باخذِ رسید ارسال فرمایا کریں:

"مفتی اکبر علی صاحب۔ ناظم جمعیت اہلِ حدیث کالا باغ ڈاک خانہ خاص، ضلع ہزارہ"

ایک ایسا نقشہ مرتب فرمائیں جس سے مبلغین کی کارکردگی کا صحیح جائزہ لیا جا سکے۔ آپ اور مولوی عبدالعظیم صاحب مشورے سے نقشہ مرتب فرما لیں۔ یا تو چھپوا کر مبلغین کو بھیج دیں یا کوئی دوسرا انتظام فرما دیں۔

دفاع فنڈ میں درج ذیل رقوم آئی ہیں:

		رقم	رسید
میاں عمر الدین برف والے	گجرانوالہ	200/	12455
متفرق بروز جمعہ		197/	12456
محمودہ خانم	گجرانوالہ	75/	12457
مستری امان اللہ	گجرانوالہ	20	12458

جمعیت اہلِ حدیث منڈھیالہ تیگہ	گجرانوالہ	/15	12459
جمعیت اہلِ حدیث تلونڈی راہوالی	گجرانوالہ	/155	12460
مولوی محمد شریف نت بتالہ	گجرانوالہ	/10	12461
جمعیت اہلِ حدیث ہنجانوالی	گجرانوالہ	/155	12462
		/827	

مکتوب نمبر 134

(۲)



مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

مجیدیہ فلور ملز، رحیم روڈ، مصری شاہ۔ لاہور

فون: 2266

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

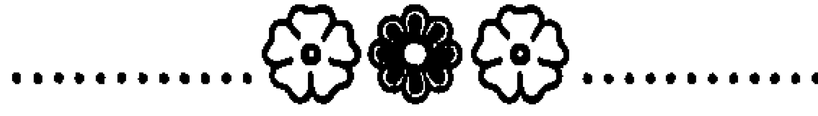
معلوم ہوتا ہے دفتر سرِدست جناب ہی کے زیرِ سایہ رہے گا۔ شیخ محمد اشرف صاحب کے ہاں فون کا انتظام تسلی بخش نہیں۔ اس لیے آپ براہِ عنایت گرام بنوا دیں، یا ایک دو کمرے اور مرحمت فرمائیں، تاکہ لٹریچر اور ضروری کاغذات باقاعدگی سے رکھے جائیں۔ میں خود حاضر ہوتا، مگر پورے ملک پر انتخابی جنون یا بحران مسلط ہے۔ خیال ہے جناب بھی کچھ نہ کچھ ضرور متاثر ہوں گے اور حاجی صاحب تو بہت زیادہ متاثر ہیں۔ حاضری مفید معلوم نہیں ہوتی۔ جناب میری گزارش پر بمع میاں عبدالمعید صاحب غور فرمائیں۔

منٹگمری سے چودھری عبدالقادر صاحب نے چار صد روپے دیے تھے، اس کی رسید غالباً اب تک ان کو نہیں ملی۔ سات ہزار روپے کا چیک بدست محمد صدیق بھیجا تھا، مل گیا ہوگا۔ اس کی رسید میں نے بھیج دی ہے۔ عبدالعظیم صاحب تین دن کی رخصت انتخاب کے لیے چاہتے ہیں، چند دن قبل بھی قریباً اتنی رخصت انھوں نے جلسے کے لیے لی تھی۔ میں تو انتخاب کو چنداں اہم نہیں سمجھتا، چنانچہ میں

یہاں بالکل اس ہنگامے سے الگ ہوں۔ آپ مولوی عظیم صاحب کو بلا کر دریافت فرمالیں، اگر آپ ضروری سمجھیں تو ان کو اجازت دے دیں۔ مولوی عظیم صاحب غالباً جمعرات کو جائیں گی، ان کی تعطیلات عددی طور پر پانچ ہو جائیں گی۔ مولوی عبدالعظیم صاحب کی درخواست ہمراہ بھیج رہا ہوں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 135

(۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گجرانوالہ

۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ

مکرم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

کنکشن کے فیصلے کا انتظار ہے، رمضان شریف میں مختصر وقت بڑی دقت ہو جاتی ہے، اگر ممکن ہوتو محترم بھائی میاں عبدالحمید صاحب ذرا زیادہ توجہ دیں۔

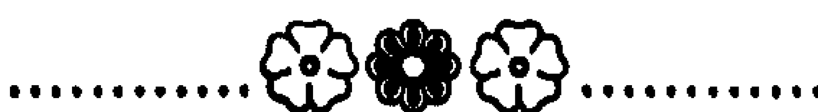
اترسوں مولانا غزنوی کسی نجی سلسلے میں یہاں تشریف لائے۔ انھوں نے جناب کے متعلق بہت شکایت فرمائی، اسی روایت کا تعلق جناب نے کچھ مجھ سے بھی فرمایا ہے۔

مجھے اس معاملے میں صرف اسی قدر شکایت تھی، اس وقت مدرسے کا چندہ نہ ہونا چاہیے تھا، اس وقت صرف کانفرنس کی اعانت کا موقع تھا، مجھے اس کا کوئی علم نہیں کہ آیا کانفرنس کو کوئی رقم ناجائز طور پر مدرسے کے نام منتقل ہوئی ہو۔

اس لیے گزارش ہے کہ یہ معاملہ ضرورت سے لمبا نہ ہونا چاہیے، واجب الادا رقوم ادا کر کے حساب صاف ہو جانا چاہیے۔ دونوں معاملات قریبی فرصت میں طے ہو جائیں تو مناسب ہوگا۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 136

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۱ رمضان ۱۳۶۸ھ [۱۷ جولائی ۱۹۴۹ء] گجرانوالہ

محترم میاں صاحب زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دستی خط ملا۔ ایک بیوپاری نے کارڈ کی بچت کر لی، ٹھیک ہے۔ جناب کی مساعی کی جماعت بے حد ممنون ہے، خدا تعالیٰ جناب کو مزید اعمالِ خیر کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمیں براہِ راست تاحال کوئی اطلاع نہیں ملی۔ خیال ہے آج کل میں اطلاع ہو جائے گی۔

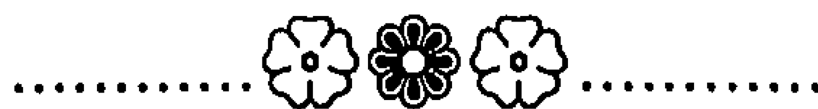
جناب کی نظر میں کوئی اچھی موٹر ہو تو مطلع فرمائیں۔ خیال ہے کوئی ارزاں چیز مل جائے۔ چیز اچھی ہونی چاہیے۔

مولانا غزنوی کے متعلق کیا عرض کروں، ان کے رجحانات بلند پروازی کی طرف ہیں، وہ دینی وجاہت کے بجائے اب دنیوی بلندیوں کی طرف زیادہ راغب ہیں اور یہ شاید لاہور کی آب و ہوا کا اثر ہے۔ وہاں عموماً بڑے لوگ رہتے ہیں۔

اب میرے اپنے ذاتی کنکشن کی باری جناب اور میاں عبدالحمید صاحب اس معاملے میں پوری توجہ فرمائیں گے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 137

(۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

لاہور

نمبر...... بتاریخ: ۲۔۹۔۴۹ء

محترم میاں صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! جناب کو علم ہے میں ۶ ستمبر کو سفر پر جا رہا ہوں، اس اثنا میں میری جگہ مولوی عطاء اللہ صاحب کام کریں گے۔ مولوی اسحاق صاحب ان کی اعانت فرمائیں گے۔ اس لیے اب مولوی اسحاق صاحب کی تنخواہ جمعیت کے خزانے سے جناب ادا فرمائیں گے۔

مولانا سیالکوٹی کا روپیہ خزانے میں موجود ہے، ان کے حسبِ مشورہ ہی وہ جمعیت کے کام میں لگ سکتا ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

کانفرنس کے موقعے پر مجھے جو آمدنی ہوئی اور جو خرچ ہوا، اس سے میرے ۳۳/۲/۹ زائد خرچ ہوئے تھے۔ وہ وصول کیے۔ نیز جمعیت کے ضروری دفتری اخراجات کے لیے -/۱۵ روپے وصول پائے۔

کل ۴۸/۲/۹ء وصول ہوئے۔

محمد اسحاق

ناظمِ دفتر

۳۔۹۔۴۹

یکم جولائی ۴۹ء سے ۱۳ اگست ۴۹ء تک میں نے تنخواہ نہیں لی۔ اس لیے کہ میں اس دوران

میں بیماری کی وجہ سے کوئی دفتری کام نہیں کر سکا۔

محمد اسحاق

ناظمِ دفتر

۴۹-۹-۳



مکتوب نمبر 138

(۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دفتر الاعتصام

گوجرانوالہ

نمبر: ۵۲/۷ تاریخ: ۵/دسمبر ۱۹۵۱ء

محترم میاں صاحب زاد مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ جناب تشریف لائے، میں ملاقات سے محروم رہا۔ اگر مولوی اسحاق صاحب دریافت کرتے تو میں مکان پر آ گیا تھا۔

الاعتصام کے متعلق جو انتظام اب چل رہا ہے، جناب اس پر مطمئن ہیں؟ جو روپیہ مکتبہ کے لیے لیا جا رہا ہے، اسے اخبار پہ صَرف کرنا معاملات کے لحاظ سے کہاں تک درست ہے؟ اگر اخبار اس انتظام پر ہی ہم زندہ نہ رکھ سکیں تو ادارے کے حسابات کا مطالبہ عوام کا حق ہو گا یا نہیں؟

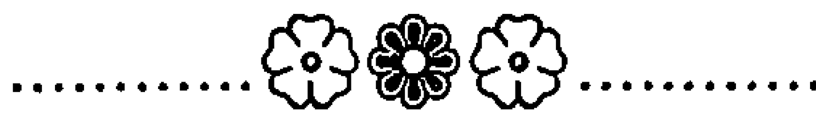
میں ''شرکتِ علمیہ'' کے بعد اس قسم کی تمام کوششوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، مولوی حنیف صاحب پر اعتماد ہے۔ مجھے بے حد تکلیف ہوئی پورا ہزار ہی مجھے ضائع ہوتا نظر آ رہا ہے۔ اس لیے یہ معاملہ بھی سوچ کر چلنا چاہیے، خدمت نہ کر سکیں، بدنام تو نہ ہوں۔

میں نے حضرت مولانا غزنوی سے /۵۱۴ روپے کا مطالبہ کر دیا ہے، آج اس کے متعلق دوسری چٹھی لکھ رہا ہوں، اگر جناب سے گفتگو آئے تو ڈھیلا جواب نہ دیں۔ میں نے انھیں لکھا ہے کہ مولوی اسحاق کی تنخواہ غالباً میاں صاحب جمعیت کو بدِ قرض دے رہے ہیں۔

قرآنِ عزیز کے بغیر پاروں کی طباعت کے متعلق کیا رائے ہے۔ آپ نے جب سے ارادہ ظاہر فرمایا، ہم نے بھی فروخت بند کر دی ہے۔

مولانا سیالکوٹی سے کیا فیصلہ ہوا؟ وہ آپ کے متعلق شاکی ہیں۔ یہاں سے چند آدمی گئے تھے، ان سے انھوں نے شکایت فرمائی۔ بہر کیف تصفیہ ہو جانا چاہیے۔ جناب مناسب ہو تو براہِ راست ان کو لکھیں یا منشی فیض الاسلام صاحب کو بھیج کر تصفیہ فرمائیں۔ اسم

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 139

(۷)

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ہی شیخوپورہ وغیرہ پانچ چھے مقامات کے دورے سے واپس آیا۔ حساب بھیجنے میں دیر ہو گئی، اس اثنا میں صدر محترم نے مزید پانچ صد روپے طلب فرمائے۔ ۱۴۔۱۲۔۵۲ء کو پیش کر دیے۔ حساب میں درج فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

مزاج بخیر۔ امید ہے درد کو آرام ہوگا۔

مولانا حنیف صاحب اور رفیق صاحب کا معاملہ جناب ہی کے اعتماد پر معلق ہے۔ رفیق صاحب اور مولانا سے دریافت تو فرمائیں، ان کا کیا منشا ہے۔ رفیق صاحب کو کئی دفعہ ملنے کی کوشش کی، کامیابی نہیں ہوئی۔ مولانا نواب ذرا کھچے کھچے رہتے ہیں۔ مسلمانوں میں عموماً معاملات کا یہی حال ہے۔ والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

۱۸۔۱۲۔۵۲ء



مکتوب نمبر 140

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۷؍جولائی ۱۹۵۶ء

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

حسابات ستمبر تک مکمل ہو کر جلسہ تک شائع ہو جانے چاہئیں، اور یہ اب صرف آپ کی ذمے داری ہے۔ پانچ صد روپے کے متعلق مولانا سے گفتگو فرمائیں۔ پہلے مولانا اسے واپس فرمانے پر آمادہ تھے، اب فرماتے ہیں یہ جماعت کی مدرسہ کی اعانت تھی۔ لیکن ۴۸ء کے اجلاسِ عام میں مولانا نے فرمایا تھا کہ یہ صرف خیال تھا، اس کی تکمیل نہیں ہو سکی۔

آج مولانا نے اپنی علالت کی وجہ سے استعفا بھیجا ہے۔ جناب سے اس معاملے میں مشورہ فرمایا ہے یا نہیں؟ آیندہ اس کے متعلق کیا رائے ہے؟

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

مکتوب نمبر 141

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۸۔۱۰۔۵۶ء۔ گجرانوالہ

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر۔ جس رفتار سے حساب تیار ہو رہا ہے، یہ تو مشکل ہے کہ آپ اسے چھپوا سکیں اور وہ کانفرنس میں تقسیم کیا جا سکے، لیکن اس کی کاپیاں سائیکلو سٹائل پر نکال لی جائیں۔ کم از کم دو سو کاپی نکل جانی چاہیے، تاکہ ہم کسی قدر عام کر سکیں۔ آپ کا احسان ہو گا اگر آپ اپنی نگرانی میں یہ کام کر سکیں۔

حافظ محمد ابراہیم صاحب کو متعلقہ کاغذات دے دیے گئے ہوں گے، بہتر ہوتا آپ ان کا کیس کانفرنس سے پہلے سن لیتے اور اس کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

کم از کم اسے کانفرنس کے بعد ہفتے کے اندر ختم کر دیں۔ اگر وہ بَری ہوں تو مفت میں ہمیں ان کی تنخواہ دینا ہوگی۔ اگر ایسا نہ ہو تو انھیں بلا مشاہرہ کیوں روکے رکھا جائے۔ اس لیے اسے جلد از جلد ختم فرمائیں۔ والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 142

(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور

۱۶-۴-۵۷ء

محترم میاں صاحب زاد مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جامعہ کی تعمیر اور اس کے تعلیمی پروگرام کے لیے خطیر رقوم کی ضرورت ہے۔ جلسے کی تواریخ کی تبدیلی سے بھی مالیات پر اثر پڑے گا۔ اکتوبر نومبر میں روپے کی وصولی میں خاصی دقت ہوگی۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس وقت کوشش کی جائے۔ لاہور میں ہماری مالی ساکھ بہت کمزور ہے۔ اس کا سبب آپ حضرات کی بے توجہی ہے۔ میرے خیال میں حاجی اسحاق صاحب سے مشورہ فرما کر چند امور کی پابندی کی جائے تو مفید ہوگا:

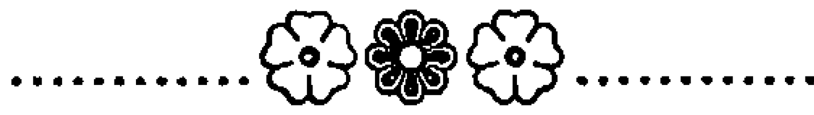
1. ایک وفد کی صورت میں اصحابِ خیر کے پاس لاہور حاضر ہوا جائے اور انھیں توجہ دلائی جائے۔ ہمیں یہاں مقامی طور پر اس سے فائدہ ہوا ہے۔ میں قریباً اڑھائی ہزار روپے دفتر کو بہ سلسلہ تعمیر دے آیا ہوں۔
2. اس وقت جو رقوم دفتر میں پہنچ رہی ہیں، انھیں نمایاں طور پر شائع کیا جائے، بلکہ اگر مناسب ہو تو کانفرنس کے حسابات تھوڑے کر کے شائع کیے جائے، اس سے توجہ ہو سکے گی۔

3. اپنے ذاتی صدقات زیادہ سے زیادہ جماعت اور جامعہ کے لیے محفوظ کر لیے جائیں۔
4. اشتہار اخبار میں نکل تو رہا ہے، لیکن اسے چوکھٹے میں پہلے صفحے پر نمایاں جگہ دی جائے۔ مولوی اسحاق صاحب کے مواعظِ حسنہ مختصر ہو جائیں یا دوسرے صفحات پر آ جائیں۔
5. آپ حضرات اپنی رقوم مرحمت فرما کر اس کا اخبار میں اعلان فرمائیں اور احباب کو توجہ دلائیں۔
6. اگر مولانا پسند فرمائیں تو لائل پور، سرگودھا اور ملتان وغیرہ شہروں میں دورہ کیا جائے۔ یہ رمضان ہی میں ہو تو مفید ہوگا۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

حافظ ابراہیم کے متعلق جو کمیٹی بنی تھی، اس کی رپورٹ طلب فرمائیں۔ اگر کوئی کارروائی ممکن ہو تو اس کے متعلق کی جائے۔ اسم



مکتوب نمبر 143

(۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

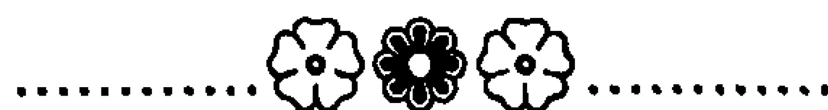
گجرانوالہ

۶/ مارچ ۱۹۵۸ء

مکرم! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

مولوی محمد حسین صاحب مشاہرہ طلب کرتے ہیں۔ انھیں اخراجات کی ضرورت ہے، اس پتا پر بھیج دیں: مکان نمبر ۵۵۱ ڈی محلّہ پرانا مسافر خانہ گجرانوالہ۔ عبدالرؤوف بن مولوی محمد حسین صاحب کو ملے۔

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 144

(۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

مکرم ناظمِ مالیات! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

حسبِ چٹھی آمدہ مولوی عبیداللہ احرار ناظمِ تعمیرات مبلغ / ۵۰۰۰ روپیہ مولانا عبیداللہ صاحب کو دیا جائے۔

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

ناظمِ تعلیمات

۵۸۔۳۔۳۰

مکرم میاں صاحب! السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

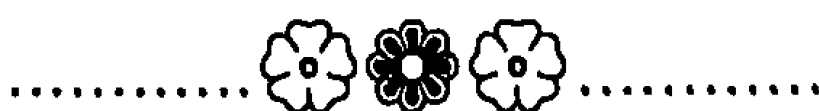
جامعہ سلفیہ کی اعانت کے سلسلے میں چٹھی کا مسودہ مرسل ہے۔ مناسب ترمیم کے بعد اسے جلد شائع فرما دیں۔

آپ نے مشورے کے بعد نیازی صاحب کو کیا جواب دیا؟

نہ ہو سکا ہو تو مزید کوشش کر کے مشورہ کر لیں۔ میں لاہور سے واپسی کے بعد کمر درد اور پیچش سے مجبور ہوں۔ سفر نہیں کر سکتا، ورنہ خود حاضر ہوتا۔

ذیل کی رقوم دفاع فنڈ میں شائع فرما دیں:

جمعیت کوٹلی لوہاراں شرقی	/۱۱۵۲
جمعیت اہلِ حدیث، ساھنکے، ضلع گجرانوالہ	گندم ۱۹ من، پندرہ کھیس
جمعیت اہلِ حدیث، وزیر آباد	/۱۵۰۰



مکتوب نمبر 145

(۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۹۔۵۔۶۰ء۔ گجرانوالہ

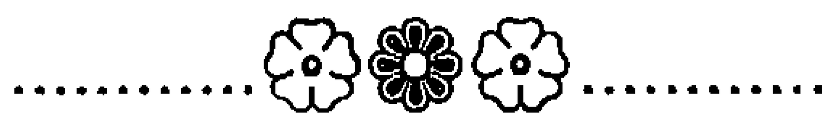
محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت صدرِ محترم نے اس دن کی تلخی کے متعلق معذرت کا اظہار فرمایا ہے، لیکن کام میں تعطل فرما رہے ہیں۔ عید الاضحیٰ کا اشتہار اب تک شائع نہیں ہوا۔ مولوی عطاء اللہ صاحب سے لکھوا کر اشتہار جلد شائع فرمائیں۔ عبدالعظیم وغیرہ کو بوقتِ ضرورت مشورہ دیں، تعطل نہیں ہونا چاہیے۔ مولوی فضلِ حق کراچی ہیں۔

مولوی ابو العلاء گودھری کو ایک ہزار روپے بھجوا دیں یا مجھے اجازت دیں، میں ان کو ایک ہزار روپے بھیج دوں۔ میرے فنڈ کا ایک ہزار موجود ہے، بلکہ پندرہ سو ہے۔ مولانا ابو العلاء کا پتا مولوی عبدالعظیم کے پاس موجود ہے۔ یہ رقم جلد بھیج دیجیے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 146

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

۸۔۲۔۶۱ء۔ گجرانوالہ

مکرم و محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ گذشتہ ایام میں میاں فضل الحق صاحب تشریف لائے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ لوہے کے تمام مواقع کھو دیے گئے ہیں۔ اگر لوہا نہ پہنچا تو جامعہ کا کام بند کرنا پڑے گا۔ اب تو لوہا

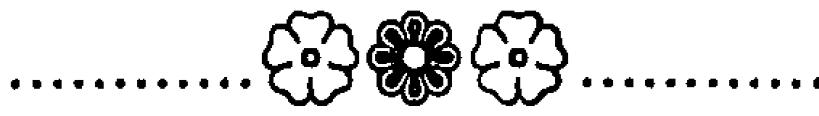
پرمٹ کے بغیر کنٹرول سے کم فروخت ہو رہا ہے۔ غالباً لوہا پہنچا دیا گیا ہوگا۔

لاہور میں کام کا جس قدر میدان ہے احبابِ لاہور اسی قدر مصروف اور سست۔ ورنہ لاہور سے بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ رمضان میں کچھ وقت نکالیے، اکیلے یا رفقاء کو ساتھ لے کر احباب سے ملیں۔

دوستوں سے لڑتے شرم ہی محسوس ہوتی ہے، مگر اب محسوس ہوتا ہے کہ احبابِ لاہور سے لڑنا بھی پڑے گا۔ مولانا کے متعلق سنا ہے قلب کی تکلیف پھر ہوگئی ہے، اس لیے باقی احباب حلقے تقسیم کر کے اصحابِ خیر سے ملنے کی کوشش فرمائیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 147

(۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

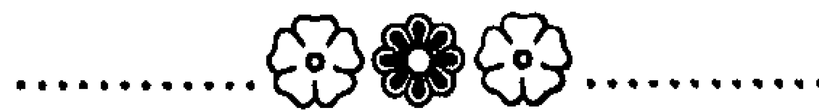
۳۱-۱-۶۳ء۔ گجرانوالہ

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجلسِ شوریٰ میں ناظمِ مالیات کی رپورٹ آنی چاہیے۔ امید ہے جناب اسے لکھوا کر تیار رکھیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ وقت پر ناظمِ نشر و اشاعت کی طرح غلط معذرت کرنا پڑے۔

میں نے عرض کیا تھا مسجد اور جامعہ کی عمدہ تصاویر بنوا دیں، تاکہ احباب تک رجب سے پہلے پہنچا دی جائیں۔ اب جمادی الثانی قریباً ایک ہفتہ گزر چکا ہے۔ تاحال نہ چٹھیاں چھپی ہیں، نہ فوٹو بنے ہیں، نہ رپورٹ چھپ سکی ہے، عوام کو توجہ دلانے کے لیے آخر آپ کیا کریں گے؟ میاں فضل حق صاحب نے بھی تصاویر نہیں بھیجیں۔ اسم

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 148

(۱۶)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی اور معیاری درسگاہ

الجامعہ السّلفیہ، لائل پور

زیرِ اہتمام

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

صدر دفتر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور
فون: ۴۹۱۴

پتا: جامعہ سلفیہ
نزد نشاط ٹیکسٹائل ملز۔ لائل پور
تاریخ: ۱۷/ اگست ۱۹۶۳ء

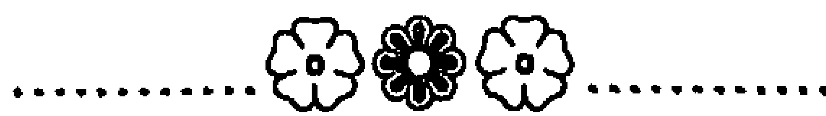
محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ رمضان المبارک قریب ہے۔ جماعت کی طرف سے کچھ لٹریچر شائع ہونا چاہیے۔ ۱۹۶۳ء کی رپورٹ اور جامعہ کی عمارت اور مسجد کا نقشہ آرٹ پیپر، کچھ خطوط جن میں جامعہ کے کام، پیش نظر پروگرام کا تذکرہ ہو، چھاپنا چاہیے، تاکہ ابھی سے اربابِ خیر اور احباب کے پاس بھیجا جائے۔

براہِ عنایت نقشہ جات پندرہ بیس دن میں تیار ہو جانے چاہئیں۔

سیلاب فنڈ میرے پاس ایک صد روپے جمعیت اہلِ حدیث جہلم کی طرف سے آیا ہے، کوئی آنے والا ملا تو بھیج دوں گا۔ اس کی رسید ناظم اہلِ حدیث جہلم کو ضرور بھجوائیں۔ والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 149

(۱۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور

فون: ۴۹۱۴ مورخہ: ۶۳-۹-۱۴

مکرم ومحترم میاں عبدالمجید صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ادارۃ المبلغین جو مولانا محمد صدیق نے حافظ محمد صاحب گوندلوی کی زیرِ امارت مقرر کیا ہے، اس پر غور کرنے کے لیے یہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے متوازی جماعت ہے یا نہیں اور اس میں جو لوگ ہماری جماعت کے شریک ہیں، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، مورخہ ۱۸/ستمبر ۶۳ء بروز بدھ بوقت دس بجے صبح بمقام جامعہ سلفیہ، لائل پور غور کیا جائے گا۔

آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ وقت مقررہ پر تشریف لائیں۔ شکر گزار رہوں گا۔

والسلام

(مولانا) محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

مکتوب نمبر 150

(۱۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

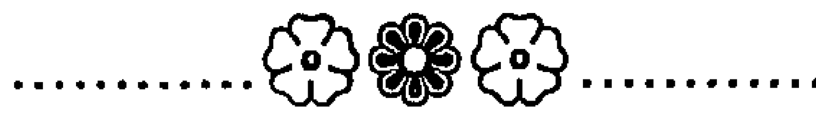
۱۸-۳-۶۵ء۔ گجرانوالہ

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ملک ہدایت اللہ صاحب حساب کتاب کا کام اچھی طرح کر سکتے ہیں۔ قادیانی اور بریلوی موضوعات پر اچھے مضامین لکھ سکتے ہیں۔ آپ کا حساب سالہا سال سے

کسی صحیح انداز پر نہیں پہنچتا۔ ملک صاحب پہلے دفتر میں آئے تھے، اس وقت ان کو ابوبکر صاحب نے بھگا دیا تھا۔ اب وہ لائل پور سے فارغ ہو رہے ہیں۔ اپنے آدمی ہیں، جماعت کے خیر اندیش اور پرانے اہلِ حدیث ہیں، انھیں اگر رکھ لیا جائے دو صد تک وہ آجائیں گے۔ آپ بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں۔ اگر ضرورت ہو تو میں ان کو آپ کے پاس بھیج دوں۔ آپ گفتگو کے بعد اطمینان فرمالیں۔ یہ مجھے معلوم ہے وہ بہی کھاتے کا کام اچھی طرح کر سکتے ہیں۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 151

(۱۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فون: 3489

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

۷۔ ایبک روڈ، حدیث منزل۔ لاہور

۲۸۔۴۔۶۵ء۔ گجرانوالہ

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ممتحنین کے خطوط سے معلوم ہوا کہ اب تک ان کو ان کی رقوم نہیں مل سکیں۔ یہ مناسب نہیں۔ سب کو فوراً ان کی محنت کا معاوضہ مل جانا چاہیے، اس میں اب تساہل کی کوئی گنجائش نہیں۔

میں آتی دفعہ ابوبکر صاحب کو ملا۔ میں نے ان سے عرض کی کہ آپ شوریٰ سے پہلے اپنے ناظمین سے رپورٹیں طلب فرمائیں۔ پھر یہ موسم فصل کی کٹائی کا ہے، اس لیے اس میں تاخیر ضرور ہی ہوگی۔ ان کا خیال ہے کہ آخر مئی میں شوریٰ کا اجلاس کر لیا جائے۔

انھوں نے حسابات کا ذکر کیا، میں نے ان سے عرض کی کہ آپ عبیداللہ اور چیمہ صاحب کو لکھیں کہ وہ حسابات صاف کریں۔ اگر دفتر میں غبن ہوگا تو ہم قطعاً کسی خائن کی حمایت نہیں کرنا چاہتے۔

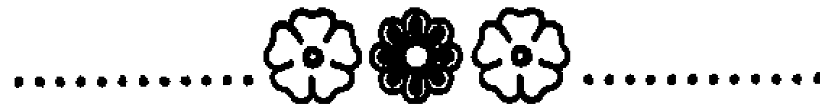
ایک پرچہ بھیج رہا ہوں، اس پتے پر اخبار وی۔ پی فرما دیں۔ مناسب ہوگا ایک پرچہ بھیج کر

دوسرا اوی۔ پی فرمائیں۔

ہدایت اللہ صاحب کو آپ منگا کر لگا لیں۔ میں نے ان کو سرِدست دو صد ہی لکھا ہے۔ اگر کام اچھا ہوا، اخبار میں کام بھی کیا تو کچھ الاؤنس دے دیا جائے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 152

(۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated 6-5-65	Gujranwala

محترم مکرم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حاملِ رقیمہ حاجی یوسف کے آدمی ہیں۔ حاجی صاحب اپنی بچی کی شادی کے سلسلے میں کافی دن گجرانوالہ رہے۔ اس لیے یقین ہے سرِدست روپیہ ان کے ہاتھ میں نہ ہو اور جامعہ کی ادائیگیوں کی وجہ سے انھیں دقت ہو۔ آپ انھیں دو ڈھائی ہزار روپے علی الحساب دے دیں۔ رفقاء کے ساتھ اس معاملے میں نرمی اور اعتماد کے سوا چارہ نہیں۔ میرے پاس کوئی رقم ہوتی تو میں ان کو ضرور دے دیتا۔ آپ حاملِ رقیمہ کو بقدرِ ضرورت رقم ضرور مرحمت فرما دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

عطیہ صاحبہ کا خط آیا ہے۔ میں کل پرسوں حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔ والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 153

(۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۶۵-۹-۱۱

محترم میاں صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مواصلات کی خرابی کی وجہ سے آنا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ حالات کو سازگار فرمائے۔

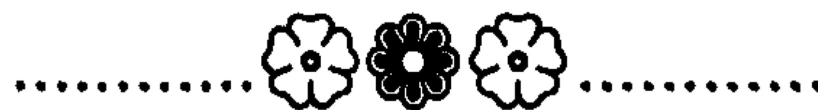
کشمیر کے متعلق مندرجہ رقوم وصول ہوئی تھیں جو بینک کو دے دی گئیں:

میاں محمد دین صاحب ستارہ فیکٹری	۵۰۰/	
محمد اسماعیل	۸۰۰/	۱۱۷۷۴
معرفت میاں عبدالستار صاحب	۸۰۰/	
از خانہ عبدالعزیز صاحب انصاری	۴۵۔ انگوٹھی سونا	۱۱۷۷۵
عبدالحی صاحب از ڈسکہ	۱۲۰/	
بابو عبداللہ صاحب مدینہ بک ڈپو	۱۰۱/	
سکینہ بیگم دس روپے صرف	۱۰/	۱۱۷۷۳

یہ رقوم بذریعہ میاں عبدالستار صاحب بینک میں داخل کر دی گئیں۔ اسے گجرانوالہ کی دوسری قسط ہی سمجھیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اللہ تعالیٰ حالات آبرومندانہ طور پر درست فرما دے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 154

(مولانا عبدالجلیل ہزاروی کے نام مکتوب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

جون ۵۷ء

محترم مولانا عبدالجلیل صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے جناب بخیریت ہونگے۔ میں ہری پور سے کالا باغ آیا۔ وہاں سے براستہ مری راولپنڈی جمعرات گوجرانوالہ پہنچا۔ بحمد اللہ یہاں ہر لحاظ سے خیریت ہے۔

عزیزی بشیر الدین صاحب[1] کی صحت کے متعلق مطلع فرما دیں کہ اب وہ مطمئن ہیں؟

جب وہ اس طرف تشریف لائیں تو مطلع فرما دیں۔ یہ بھی لکھیں کہ وہ تمباکو کے عادی تو نہیں؟

قاری شمس الدین صاحب لاہور میں کہاں مقیم ہیں؟ ان کے مکان کا پتا اور ڈاک پتا بھی لکھیں۔

اگر ان کے اہل وعیال لاہور میں ہوں تو وہ کسی وقت گجرانوالہ تشریف لے آئیں تاکہ آپ حضرات بھی علی وجہ البصیرت رائے قائم فرما سکیں۔

یہاں کا رشتہ اہلِ حدیث خاندان میں ہے۔ شیعہ یا بریلوی کنبے میں رشتہ پسند نہیں کرتے۔ اہلِ توحید سنی المسلک کو پسند کریں گے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ



---

[1] حضرت سلفی رحمہ اللہ کے داماد جن کا سکونتی تعلق ہری پور ہزارہ کے ایک مقام کہکہ سے تھا۔ اور بسلسلہ ملازمت کراچی مقیم تھے۔

مکتوب نمبر 155

(محترمہ زبیدہ کے نام ایک مکتوب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"　　Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ　　Gujranwala

تاریخ: ....

عزیزہ زبیدہ سلمہا اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　مزاج بخیر

آپ کو اس لیے بلایا تھا کہ آپ ام محمد کو سمجھا سکیں گی۔ غالباً اس کی آپ کو جرأت نہیں ہوئی۔ بہرکیف ہم نے آپ کے حسبِ مشورہ اللہ پر توکل کر کے فیصلہ کرلیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اب کی کوشش کے نتائج بہتر فرمائے اور اس تعلق کو طرفین کے لیے موجبِ برکت بنائے۔

ہماری طرف سے بجز شرعی ذمے داریوں کے ان پر کوئی بوجھ نہیں ہوگا۔ مہر شرعی چیز ہے، اسے شرعی حدود کے موافق ہونا چاہیے۔ اس میں فریقین کی آبرو ہے۔ زیور وغیرہ ان کا ذاتی معاملہ ہے، ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں، نہ ان پر کوئی بوجھ ہوگا ان شاء اللہ۔ البتہ وہ اس معاملے کی تکمیل کب تک فرما دیں گے؟ اس کی صراحت ہو جانی چاہیے، تاکہ ہم بھی تیار ہو سکیں۔

نیز بہتر ہوگا کہ شادی سے قبل عزیزی بشیر الدین صاحب بی۔ اے کر لیں۔ نکاح کے بعد عموماً تعلیم جاری رکھنا مشکل ہوتا ہے۔

قاری شمس الدین صاحب بحرین پہنچ گئے ہوں گے، مگر اب تک خط نہیں آیا۔ میں نے ان کو کراچی خط لکھا تھا، مجھے اس کے جواب کا انتظار ہے۔

اب معاملہ تکمیل تک پہنچا۔ آپ کی کوشش پر موقوف ہے، ورنہ اس قسم کے اجنبی تعلق کسی مرحلے پر بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔ خط کتابت کا سلسلہ جاری رہے تو ایک گونہ تسکین ہوتی ہے۔ والسلام

میں کل لاہور کانفرنس کے اجلاس میں آ رہا ہوں، غالباً قیام بھاٹی گیٹ شیش محل روڈ مولانا

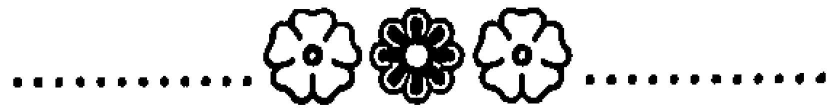
داود صاحب غزنوی کے مکان پر ہوگا۔ اتوار شام تک وہیں قیام ہوگا۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ

شاہد میاں سے سلام کہیے اور پوچھیے کب آئیں گے؟



مکتوب نمبر 156

من الزبيدة إلى أخي القاري شمس الدين

السلام عليكم

① شش روزہ بحری سفر میں فلک سے طلوع و غروبِ شمس و قمر کے نظاروں زیرِ آب مچھلیوں کی قسما قسم کی رنگینیوں بین السماء والارض کے حسین و جمیل طیور کے نغموں اٹھتی ہوئی موجوں کے تھپیڑوں سے محظوظ ہونے اور علالت کے دوران بالاحتیاط تحریر شدہ نامکمل خط نے بحمدہ میرے شدید انتظار کو بالآخر دور کر ہی دیا۔

② اور میں آپ کے شدید انتظار کو دور کرتی ہوں۔ مبارک ہو کہ مولانا کے ہاں بات درجۂ بشارت تک پہنچ گئی ہے۔ قریب ہوتے تو اس بشارت کی تکمیل شیرینی سے کروا دیتی۔

③ بشیر الدین صاحب کو ساٹن حلہ بھجوا دیں تاکہ آدابِ رسم جلد ادا ہو جائیں۔ پہلے آپ کی طرف سے جوڑا لے جاؤں گی، بعدہٗ وہ کراچی لے جائیں گے۔ اس کا بھاؤ یہاں -/۲۰ گز ہے۔ آپ کے ہاں -/۵ اور کسٹم سمیت ۸/۷ تک ہوگا۔

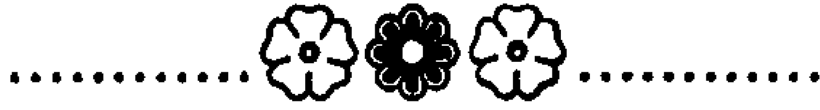
④ رنگ و زبان کے اختلاف کے علاوہ آج تک کے تہذیب و تمدن، اکل و شرب، عادات و اطوار، رسم و رواج کے متعلق بالعموم اور بالخصوص اتنے بعید کے مسلمانوں کے اسلام سے قرب و بعد کے متعلق اپنے مشاہدات و معلومات سے مطلع کریں۔

⑤ سوٹ پر کام کروا لوں گی۔ اخراجات کا اندازہ لکھیں۔ تاکہ اس کے مطابق کام کراؤں۔ جواب

دیر سے آنے کے باعث سخت کوفت ہوتی ہے۔ اس بات کا لحاظ رکھیں۔

زبیدہ خاتون

ہیڈ معلّمہ مدرسۃ البنات، لاہور



مکتوب نمبر 157

(قاری شمس الدین صاحب لاہور کے نام اکیس مکتوب)

(ا)

مکتوب گرامی انتظار کے بعد ملا۔ بہت مسرت ہوئی۔ عزیزی بشیر الدین صاحب کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ وہ امتحان کے سلسلے میں کم از کم ڈیڑھ سال کراچی نہیں چھوڑ سکتے۔ کاروباری قیام کے متعلق آپ حضرات مختار ہیں۔ میری گزارش مستقل اقامت کے متعلقہ تھی۔ وہ وسط مغربی پاکستان میں مناسب ہوتی۔ آب و ہوا اور کاروبار کے لحاظ سے یہ علاقے بہتر ہیں اور اسے بھی واجبی شرط کی حیثیت نہیں۔

اس شوال کا انتظار تو ہو سکے گا، آیندہ شوال کا مسئلہ غور طلب ہے۔ میں اپنی ذمے داری سے جلد سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ معلوم نہیں زندگی کب جواب دے دے!

جہاں تک عہد اور اس کی توثیق کا تعلق ہے وہ ہو چکا۔ اس کے لیے نہ عزیزہ زبیدہ کے آنے کی ضرورت ہے اور نہ اس سردی کے موسم میں مولانا کا آنا مناسب ہے۔ اگر عہد زبان سے پختہ نہ ہوا تو کپڑوں سے بھی پختہ نہ ہوگا۔ میں اس معاملے میں اختصار پسند ہوں۔ زبیدہ کپڑوں اور انگوٹھی پر زور دے رہی ہے۔ اس گرانی کے زمانے میں بے ضرورت مصارف سے جس قدر بچا جا سکے مناسب تھا۔

امید ہے پہلی فرصت میں کتابوں کی طرف توجہ دیں گے۔ میرا خیال ہے مکاتب کے بجائے علماء کی طرف توجہ سے مسئلہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے۔ ادھر گرانی کا کیا حال ہے؟ غلہ، چینی، کپڑا، سونا، چاندی، گرم کپڑا، ریشمی کپڑا، ان کے نرخ کیسے ہیں؟ یہاں کی طرح ہیں یا کم و بیش؟ روپوں کی آمد و رفت کا طریق منی آرڈر یا کوئی اور؟

عزیزی محمد، محمود اور داود میاں سلام کہتے ہیں۔

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

چاہ شاہاں گجرانوالہ



مکتوب نمبر 158

(۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mh. Ismail, Chah Shahan
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Gujranwala

تاریخ: ۲۸/ اکتوبر ۱۹۵۷ء

حبی الاعز سلمہ اللہ وعافاہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دونوں مکتوب مل گئے۔ شکریہ۔ قاری صاحب کا کوئی جواب تاحال نہیں ملا۔ غالباً وہ وہاں اطمینان کے بعد کچھ لکھیں گے۔

آپ تعلیم کی طرف پوری توجہ رکھیں ؎

بدانش پسندیدہ کن جان پاک
کہ نادان ندارد فزونی ز خاک[1]

دینی کتب کے مطالعہ کے لیے بھی کچھ وقت معین رکھیں، اس میں متاخرین سے زیادہ ائمۂ سلف کی کتابیں دیکھیں، اس میں علم بھی ہے اور برکت بھی۔

سکونت کا مسئلہ چنداں اہم نہیں، اس میں کاروباری نقطۂ نظر زیادہ اہم چیز ہے، البتہ مستقل رہائش ان علاقوں میں مفید نہیں ہوگی۔ اس کے لیے مغربی پاکستان کے وسطی علاقے ہی بہتر ہوں گے، آب وہوا اور صحت کے لحاظ سے یہ علاقے مفید ہیں۔

محمد، محمود، داود سلام کہتے ہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



[1] "بہترین عقل ودانش کے ذریعے اپنا تزکیہ کرو، کیوں کہ نادان بندے کی حیثیت خاک کے پتلے سے زیادہ نہیں ہوتی ہے۔"

مکتوب نمبر 159

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala

تاریخ: ۲۱/ دسمبر ۵۷ء

حبی الاعز عافاہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　　　مزاج بخیر

مکتوب ملا۔ مسرت ہوئی آپ نے یادفرمائی میں تقدم فرمایا، اس کے لیے شکریہ۔ مشغولیت کی وجہ سے مکاتبت میں تساہل کسی کے لیے قابلِ شکوہ نہیں ہونا چاہیے۔ آپ کے مشاغل کے لحاظ سے مزید مطالعہ کا التزام واقعی مشکل ہوگا۔

کراچی ایسے شہر میں جہاں ہر چیز مصنوعی ہے، محنت کے ساتھ صحت کا بحال رکھنا بھی کرامت ہی سمجھنا چاہیے۔ جب تک یہ مشاغل موجود ہیں، نماز اور قرآن مجید کی منزل کا التزام اس کمی کو پورا کر سکتا ہے۔

قاری صاحب کا مکتوب آئے کافی دیر ہوئی ہے۔ پہلے بھی ایک مکتوب پندرہ بیس دن کے بعد آیا تھا، اب بھی امید ہے آج کل میں ان کا مکتوب آجائے۔

عزیز سب سلام کہتے ہیں۔ اپنی صحت کا خیال رکھیں اور ہفتہ عشرہ میں حالات سے مطلع فرماتے رہیں۔

والسلام
محمد اسماعیل، کان اللہ لہ
گوجرانوالہ



مکتوب نمبر 160

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"　Mh. Ismail, Chah Shahan
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ　Gujranwala
تاریخ: ۱۰/جنوری ۱۹۵۸ء

اخی المحترم قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　مزاج بخیر

مکتوب بلا تاریخ آج جمعہ سے پہلے ملا۔ جناب کی تشویش نے ہمیں بھی تشویش میں ڈال دیا۔ اتفاقاً حافظہ زبیدہ بھی آئی ہوئی تھی، وہ بھی نہ بتا سکی کہ یہ تشویش کیوں ہوئی؟ وہ اپنے تاثرات جناب کو خود لکھے گی۔ ارشادات کے جوابات غیر مرتب عرض کر رہا ہوں:

1. یہاں آپ کا ان شاء اللہ کوئی خرچ نہیں ہوگا۔ آپ ہمارے مہمان ہوں گے۔ اپنی بساط کے مطابق جو ہوسکا، ہم خدمت کریں گے۔
2. زیور، کپڑوں کے متعلق ہماری طرف سے کوئی شرط یا مطالبہ نہیں۔ یہ آپ کی اپنی آبرو اور مستقبل کے متعلق خیر سگالی کا عنوان ہونا ہے۔ اس میں جناب مختار ہیں۔ اس طرف سے کوئی شرط یا مطالبہ نہیں۔
3. یہاں سونے کا نرخ متزلزل ہے۔ اس وقت تک ہم نے کچھ نہیں کیا۔ اگر آپ حضرات نے کچھ بنایا ہو تو مطلع فرما دیں، تاکہ زیور میں تکرار نہ ہو۔ ممکن ہے بچوں سے مشورے کے بعد آئندہ مکتوب میں بھی کچھ عرض کر سکوں۔
4. ہاں اس معاملے میں تاکیداً گزارش ہے، قرض کی قطعاً کوشش نہ کی جائے۔
5. معلوم نہیں صوفہ سیٹ کا تذکرہ کس انداز سے آ گیا؟ صوفہ سیٹ ہمارے ہاں بھی نہیں۔ بشیر الدین صاحب سے اس سوال کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔
6. زبیدہ سے کسی وقت یہ تذکرہ آیا تھا کہ ہم اگر عزیزہ کے لیے کوئی سامان بنائیں تو اس میں کراچی

کی عادات کو ملحوظ رکھیں، ہزارہ کے طریقۂ زندگی کو یا لاہور گوجرانوالہ کی رسوم کو پیشِ نظر رکھیں؟

7 معلوم نہیں، سامان کراچی جائے گا، ہزارہ میں رہے گا یا لاہور میں؟ زیادہ نقل و حرکت سامان کو خراب کر دیتی ہے۔ غالباً یہی چیز روایت بالمعنی کے طور پر آپ تک پہنچی اور تشویش کا موجب ہوئی، اس معاملے میں اس وقت بھی میرا ذہن صاف نہیں کہ ہم کہاں کی رسوم و عادات سامنے رکھیں۔ لباس اور استعمال کی اشیاء میں ماحول کا خیال مناسب ہوتا ہے۔ ہو سکے تو آپ اس میں ہماری راہنمائی فرمائیں۔ میں خود ان پابندیوں کو ناپسند کرتا ہوں، مگر دنیا میں رہ کر دنیا سے علاحدگی مشکل ہے، ورنہ میں آپ کے والد صاحب کی طرح سادگی پسند ہوں۔

8 اتفاقاً رہایش کا مسئلہ آ گیا ہے، میں اپنا عندیہ عرض کر دوں، شہر کی لڑکیاں دہات میں مشکل گزر کر سکتی ہیں۔ ہزارہ کے علاقے میں دیہات کی زندگی حضری لڑکی کے لیے بارِ خاطر ہو گی، اس لیے ہزارہ میں جناب کے مکان پختہ ہی ہوں، وہ ہمارے لیے دلچسپی نہیں رکھتے نہ اس وقت وہاں کی رہایش ذہن میں ہے۔ اس کے متعلق زبیدہ سے بھی ذکر آیا، اس نے آپ حضرات کی زبانی بتایا کہ بشیر الدین صاحب بھی ہزارہ کی رہایش کا ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ ہمارے خیالات ہیں قدرت کے فیصلے میرے اور آپ کے تصور سے بالا ہیں۔ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کا کیا فیصلہ ہے۔ یہ تذکرہ مولانا عبدالجلیل صاحب سے نہیں ہوا۔ آپ حضرات سے ہوا اور اب پھر آپ ہی حضرات سے ہے۔

9 یقیناً اصل چیز دیانت، اخلاق اور شرافت ہے، لیکن انسان کا مزاج اتھاہ سمندر ہے۔ طویل تجربے ہی سے یہ چیزیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ یہ مسئلہ گھنٹوں کا نہیں، برسوں میں سمجھنا مشکل ہے۔

10 میں نے مکتوب گرامی کا جواب جلدی دیا تھا، تعجب ہے جناب کو نہیں ملا۔ میں نے کپڑے کے رنگ اور بعض دوسری چیزوں کے متعلق بھی لکھا تھا۔ کپڑے کے متعلق گہرا عنابی لکھا تھا، باقی اشیاء کے متعلق بھی لکھا تھا مگر ان میں کوئی چیز بھی جناب پر بوجھ نہیں ہونا چاہیے۔ مَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ. [میں آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا]

بشیر الدین صاحب کا امتحان اگر اپریل میں ہوا تو انھیں دقت ہو گی، تقریب کو مئی میں ڈال لیا جائے، جیسے آسانی ہو۔

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

مکتوب نمبر 161

(۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala

تاریخ: ۸/فروری ۵۸ء

محترم مکرم قاری صاحب زید مجدکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

مکتوبِ گرامی ملا۔ جناب کی تشویش بجا تھی۔ سابق تعارف نہ ہونے کی وجہ سے یہ تاثر قدرتی تھا۔ ہماری اپنی حالت یہ ہے کہ بُعدِ مسافت، عادات و اخلاق میں ایک گونہ تفاوت کے سبب تشویش ہوتی ہے۔ یہ انسانی کمزوری ہے، اللہ تعالیٰ پر توکل کے باوجود ظاہری اسباب اور ان کے متوقع اثرات طبیعت پر محیط ہیں۔ یہ انسانی کمزوری ہے، اس کی صحیح صورت یہی ہے کہ ایسے مواقع پر براہِ راست ایک دوسرے کی طرف مراجعت کی جائے، جس طرح آپ نے کیا۔ عزیزہ کی والدہ کے اسی قسم کے تفکرات ہی کو غالبًا بے اطمینانی پر محمول کیا گیا جس سے جناب کو تشویش ہوئی۔ والدین کا یہ جذبہ قدرتی ہے۔ نتائج کا ظہور ہی اور جنبشِ معاملہ ہی اس تشویش کا مداوا ہوسکتا ہے۔

شنیل کے جو نمونے جناب نے بھیجے ہیں، اس کی قیمت جناب نے نہیں لکھی۔ یہاں اس قسم کی شنیل کی قیمت اس وقت سولہ سترہ روپے گز ہے۔ اگر اس سے اچھی کوالٹی مل سکے تو کوشش فرمائیں اور اگر پھول دار ملے تو اور اچھا ہے۔ سبز رنگ پسندیدہ نہیں۔ اگر سبز خریدیں تو اس سے گہرا خریدیں، عنابی رنگ درست ہے۔

زیور کے متعلق گزارش ہے کہ گلو بند، کانوں کے لیے جھالے، ہاتھوں کے لیے کڑے بنوانے کا خیال ہے۔ ممکن ہے ایک آدھ اور بھی بنا لیا جائے۔ سرِدست یہاں سونا ملنا مشکل ہوا ہے۔ پہلے فی تولہ/۱۰۰ تک تھا، اب بڑھ گیا ہے۔ ان کے علاوہ جو بنانا چاہیں بنالیں۔ مَا نُرِیْدُ أَنْ نَشُقَّ عَلَیْكَ.

کوئی مطالبہ یا پابندی نہیں۔ جو آپ پسند فرمائیں اور آسانی سے کرسکیں، آپ مختار ہیں۔ زیر باری کی قطعی کوشش نہ فرمائیں۔

آپ کے مکتوب سے معلوم ہوا ہے، آپ کے عزیز کو ٹی بی کی تکلیف ہے، ہمشیرہ محترمہ آپ

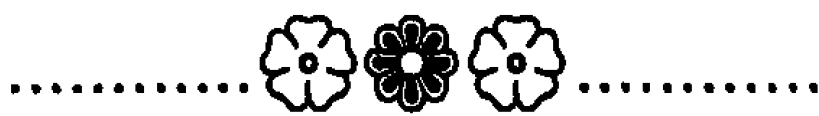
کی اہلیہ کو بھی غالباً یہی عارضہ ہے۔ گھر میں یہ عارضہ خطرناک ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مریضوں کو صحت عطا فرمائے، چھوٹے بچوں کی خوراک و ورزش کا خیال رکھنا چاہیے۔ بشیر الدین صاحب کو بھی لکھیں، وہ اپنی صحت کا خیال رکھیں۔ یہ مرض پاکستان میں روز بروز بڑھ رہا ہے۔

بشیر الدین صاحب کی اچکن اور باقی کپڑوں کے ماپ کی ضرورت ہے، بلکہ اگر ممکن ہے تو اچکن کے لیے عمدہ کپڑا وہیں سے خرید کر بنوا لیں۔ اس میں زیادہ کفایت کی ضرورت نہیں۔ مجھے دیسی لباس پسند ہے۔ اگر سوٹ پسند کریں تو وہی بنوا لیں۔ مارچ میں جو بزرگ آ رہے ہوں لیتے آئیں۔ بل ہمراہ بھیج دیں۔ اگر آپ اب کر سکیں تو میرا ایک فکر کم ہو جائے گا۔ جوتے کا ماپ بھی لکھیں اور جواب میں ذرا عجلت فرما دیں، وقت بہت کم ہے۔

فرنیچر کا مسئلہ ہمارے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ اگر یہاں سے یہ سامان ہزارہ جائے، پھر بوقتِ ضرورت اسے کراچی یا کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے تو یہ سامان بالکل برباد ہو جائے گا۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو یہ حصہ ملتوی کر دیا جائے، بوقتِ ضرورت پیش کر دیا جائے۔ یہ آپ حضرت کی صوابدید پر ہے۔ ہم آپ حضرات کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ یہ حصہ تھا جسے عزیزہ زبیدہ نے لکھوایا اور تشویش بڑھی۔ میرا ذہن انشراح سے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ اگر آپ اس مشکل کو حل فرما سکیں تو ممنون ہوں گا۔

اس تقریب میں آپ کی موجودگی قطعاً ضروری ہے۔ ہم تھوڑی بہت تاخیر کر سکیں گے لیکن آپ کا آنا ضروری ہے، ورنہ مولانا کو ہمیں سمجھنے میں دقت ہو گی۔ یہ بشیر الدین کے لیے بھی مشکل ہو گا کہ آپ اس تقریب میں نہ ہوں۔

کتابوں کے متعلق جناب نے کچھ نہیں لکھا۔ ظہران یا دھران آپ سے کتنی دور ہیں؟ دھران میں گجرانوالہ کے بہت آدمی کاروباری سلسلے میں گئے ہوئے ہیں۔



مکتوب نمبر 162

(۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"　Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ　Gujranwala

تاریخ: ۲۔۳۔۵۸

عزیزم سلمہ اللہ وعافاہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　مزاج گرامی

عرصہ ہوا آپ نے اپنی خیریت سے مطلع نہیں فرمایا۔ قاری صاحب نے بھی اس دفعہ خلافِ عادت جواب میں دیر کی۔ مانع بخیر ہو۔

آپ کے کپڑوں کا سائز اور جوتے کا نمبر دریافت کیا تھا۔ امید ہے آپ مطلع فرمائیں گے۔ میں تو ایک حد تک قدامت پسند ہوں۔ مجھے انگریزی لباس سے چنداں دلچسپی نہیں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو آپ کے لیے سوٹ بنوا لیا جائے یا پھر اچکن۔ جو چیز پسند ہو مطلع فرمائیں اور سائز لکھ دیں۔ اس سلسلے میں فٹنگ کا مسئلہ مشکل سا معلوم ہو رہا ہے۔ قاری صاحب کو لکھا تھا مگر وہ بھی اب تک خاموش ہیں۔ بعض اور چیزیں بھی ان سے دریافت کی تھیں، معلوم نہیں ان کو خط ملا یا نہیں؟

امید ہے آپ کی صحت اچھی ہوگی اور تعلیم میں مشغول ہوں گے۔ امتحان کب ہوگا؟

تعلیم کے ساتھ کاروبار کا بھی جائزہ لیتے رہیں۔ کاروبار میں ملازمت سے زیادہ برکت ہے۔ آپ کی کمپنی ایجنسیاں دیتی ہے، یہاں ان کے ایجنٹ اچھے خاصے کاروباری لوگ ہیں۔ خیریت سے مطلع فرماتے رہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 163

(۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala

تاریخ: ۱۲؍ جون ۵۸ء

جبی الاعز زید شرفہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

رمضان المبارک کے بعد گلے میں خراش اور کھانسی بخار سے مسلسل تکلیف رہی، اس لیے میں تو امسال مظفر آباد نہ جا سکا۔ لیکن حضرت مولانا ہزارہ سے ٹھیک انہی تواریخ میں تشریف لے آئے جن تواریخ میں مجھے مظفر آباد یا ہزارہ جانا تھا۔ ایک رات قیام فرمایا، صبح واپس تشریف لے گئے۔

کپڑے کی قیمت حسبِ ارشاد، محترم قاری صاحب مولانا کی خدمت میں پیش کر دی گئی۔

قاری صاحب کے مکتوبِ گرامی کا مطلب یہی تھا کہ گولڈن سوٹ لاہور بھیج دیا جائے اور عنابی گجرانوالہ رکھ لیا جائے، میں نے حکم کی تعمیل کر دی ہے۔

اب حافظہ زبیدہ تشریف لائی تھیں۔ وہ فرما گئی ہیں کہ شنیل اب خارج از فیشن ہے۔ یہ فیشن ایک ایسا مخمصہ ہے جس کا کوئی اصول نہیں۔ نہ اس کا وجود دلیل کا محتاج ہے نہ اس کا بدلنا دلیل کا محتاج۔ اور حافظہ زبیدہ ہماری گردن میں فیشن پرستی کا سب سے بڑا جرثومہ ہے۔ دریافت کروں گا اگر ضرورت ہوئی تو منگا لیا جائے گا، غالباً زبیدہ نے اس میں قطع وبرید کر دی ہوگی۔

آپ نے فرمایا تھا امتحان میں ایک پرچہ کسی قدر کمزور ہے، نتیجہ کب تک شائع ہوگا؟

زبیدہ ہمیشہ آپ کا پتا یہاں سے دریافت کرتی ہے۔ اسے اپنا ایڈریس بھیج دیجیے۔ معذور ہے اسے چیز سنبھالنا بھی مشکل ہے۔

والسلام
محمد اسماعیل، کان اللہ لہ
چاہ شاہاں گجرانوالہ



مکتوب نمبر 164

(۸)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

واذكر في الكتاب "إسماعيل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala
تاریخ: 29-9-58

محترم مکرم قاری صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

1. افسوس ہے کہ شادی میں عجلت کی وجہ سے جناب کو تکلیف ہوئی۔ اگر ذرا صراحت سے فرمایا ہوتا تو سوچا جا سکتا تھا۔ ابتداء میں بچاری حافظہ زبیدہ ہمارے اور آپ کے حالات کا جائزہ اپنے نقطۂ نگاہ سے لگاتی رہی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ معاملہ کہیں درمیان میں نہ رہ جائے۔ وَالْخَيْرُ فِيمَا وَقَعَ.
2. عزیز بشیر الدین صاحب سلمہ نے میرے کہنے پر اچکن کا ماپ تو بھیج دیا ہے، مگر خیاط فٹنگ کے معاملے میں صرف ماپ پر مطمئن نہیں، اس لیے بہتر ہے کہ جناب کپڑا ہمراہ لائیں اور کراچی ہی میں سلالیں۔ مصارف میں پیش کر دوں گا۔ ان شاء اللہ
3. شنیل غالباً کراچی پہنچ گئی ہے لیکن یہاں نہیں پہنچی۔
4. مہر کی جو بھی رقم آپ حضرات پسند فرمائیں، اس کے نقد کا قطعاً کوئی سوال نہیں۔ وہ زوجین کا معاملہ ہے۔ ازدواجی زندگی میں جس طرح چاہیں فیصلہ کریں۔ ہاں آپ کو اگر اچھے چاولوں کی ضرورت ہو تو لے جائیں، چاول کافی گراں ہو رہے ہیں۔
5. وہاں کی رسوم کے متعلق عرض کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اصول کی بات یہی ہے کہ ان تقریبات میں کفایت شعاری سے ہی کام لینا چاہیے، لیکن اعزہ میں کنجوس نہیں کہلانا چاہیے۔ اس میں آپ حضرات کا جائزہ ہی صحیح سمجھنا چاہیے۔ البتہ غیر مشروع رسوم سے پرہیز ضروری ہے۔
6. اگر وہاں گھڑیاں ارزاں ہوں اور لانے میں خطرہ نہ ہو تو ایک اچھی ویسٹ واچ مردانہ لیتے آئیں، اگر مشکلات ہوں تو تکلیف نہ فرمائیں۔

تاریخ کا صحیح تعین تو جناب کی تشریف آوری پر ہو سکے گا۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ

مکتوب نمبر 165

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala

تاریخ: یکم نومبر ۱۹۵۸ء

عزیزم عافاہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　　　مزاج بخیر

مکتوب پہنچ گیا۔ امید ہے قاری صاحب اب بخیر ہوں گے۔ میرا عریضہ ان کو مل گیا ہوگا۔

آپ کے خط کے ساتھ ہی مولانا کا گرامی نامہ ہزارہ سے آیا۔ وہ فصل سے فارغ ہوکر کراچی آنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس سے پہلے ان کی خواہش ہے کہ عزیزہ کچھ دن ہزارہ آئے۔ معلوم نہیں اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

موسم کی تبدیلی کی وجہ سے سلمٰی کسی قدر مزکوم سی ہے اور ترجمۃ القرآن کا کچھ حصہ دہرانا چاہتی ہے۔ زکام کی وجہ سے سبق شروع نہیں ہوسکا۔

اپنی صحت کا خیال رکھیں اور صبح سویرے اٹھنے کی عادت ہو تو عمر کے لحاظ سے کوئی ورزش ضرور رکھیں۔ کراچی کی مرطوب آب و ہوا اور ورزش صحت کے لیے بہتر محافظ ہے۔ وَالْأَمْرُ كُلُّهُ لِلّٰهِ.

اَجرام۔ جِرم بالکسر کی جمع ہے۔ جُرم بالضم کی جمع جرائم آتی ہے۔

جناب کی یہ رائے درست ہے کہ حالات یکساں ہیں، اب بتدریج مائل بسکون ہیں۔ ہمارے محلّہ سے حاجی محمد ابراہیم صاحب مشہور بلیکی گرفتار ہو چکے ہیں۔ کیس ملٹری کی عدالت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے۔

والسلام
محمد اسماعیل، کان اللہ لہ
گجرانوالہ



مکتوب نمبر 166

(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Gujranwala

تاریخ: ۱۱؍نومبر ۵۸ء

محترم المقام قاری صاحب زادت مفاخرکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوبِ گرامی ملا۔ بشیر الدین صاحب نے کوئی اطلاع نہیں دی، غالباً وہ جناب کے مکتوب کو کفارہ سمجھتے ہوں گے، لیکن معلوم ہے کہ ہمارے ہاں کفارے کا مسئلہ نہیں۔ ان کے مکتوب کی ضرورت ہنوز باقی ہے، معلوم نہیں گھر کے خط کا ان کو جواب ملا یا نہیں؟

مولانا کے مکتوبِ گرامی کا جواب میں نے دے دیا تھا جس میں یہ معذرت کر دی تھی، اس کے بعد کوئی خط نہیں آیا، غالباً وہ فصل میں مشغول ہوں گے۔ مجھے تو ان سے اس لیے بھی محبت ہے۔ آپ تجدد پسند حضرات میں ہم دو ہی قدامت پسند ہیں اور شاید ذہنی مساوات بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی صحت میں مزید اضافہ فرمائیں۔ آپ کا قلم ہی صرف وہابی نہیں، آپ خود بھی اچھے خاصے وہابی معلوم ہوتے ہیں۔ قدیم اور جدید دونوں پر محاکمہ کرنا اچھے خاصے مجتہد آدمی کا کام ہے۔ زَادَ اللّٰہُ أَمْثَالَکُمْ.

نظام کے اثر عوام میں تو اچھے ہیں، خواص بہت پریشان ہیں۔ ہمارے ہمسایہ حاجی محمد ابراہیم کو آج ۵ سال قید اور چار لاکھ جرمانہ کی سزا دی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہر آدمی کو اپنے غضب سے بچائے، کاروباری حلقوں میں ہراس ہے۔ لیکن جس طرح شر پھیل رہا تھا اس سختی سے اس کا رکنا ناممکن تھا۔

ہمارے ہاں گھی ناپید ہو رہا ہے، اس وقت نرخ پانچ روپیہ فی سیر ہے۔

بشیر الدین صاحب سے سلام مسنون کے بعد عرض فرمائیں کہ ہر ہفتے میں کم از کم ایک خط لکھ دیا کریں۔ اسے بھی نصف ملاقات کہا گیا ہے۔

کوئی ضرورت ہو تو مطلع فرمائیں۔ چاول پر پابندی ہے، ورنہ آپ بحرین کے لیے کچھ چاول لے جاتے۔

محمد، محمود اور داود میاں سب سلام عرض کرتے ہیں۔ گھر میں سب گھر والوں کی طرف سے سلام عرض کیجیے گا۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 167

(۱۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب ''إسماعیل'' Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Gujranwala

تاریخ: ۲۹ر نومبر ۵۸ء

عزیزی المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

قاری صاحب بمع عائلہ بخیر ہوں گے۔ غالباً پابہ رکاب۔ اللہ تعالیٰ ان کے سفر کو مختصر لیکن مثمر فرمائیں۔ ہمارے ہاں زکام نے وبائی صورت اختیار کر لی ہے۔ عزیز محمود اور میں تاحال محفوظ ہیں، باقی سب گھر کے آدمی مبتلا ہیں یا رہ چکے ہیں۔ کم وبیش اثر تاحال سب پر ہے۔

مکان کے متعلق عجلت نہ فرماویں اس میں ماحول، مسافت، کرایہ، ساری ہی چیزیں ملحوظ رکھنا ہوتا ہے جو عموماً جمع نہیں ہوسکتیں۔ خلیل صاحب سے ملنا ضروری نہیں، وہ بچارے کمزور ہیں۔ ممکن ہے سفر میں ہوں۔ وہ مکان فروخت کرنے کے لیے لکھنؤ جانا چاہتے تھے، ان کے گھر میں لڑکیوں کی بادشاہت ہے، ان کا لڑکا ریڈیو میں عربی خبروں کے تراجم پر مامور ہے۔

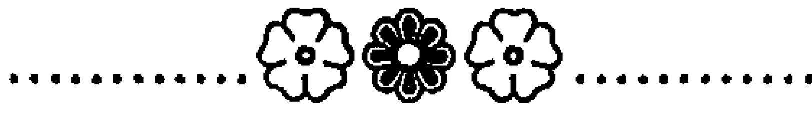
مولانا تبلیغی جماعت کے اجتماع میں گئے، لیکن بیمار ہونے کی وجہ سے گجرانوالہ نہ اتر سکے۔ وہ مکئی سے فارغ ہو چکے ہیں۔ غالباً ربیع کی فصل کاشت کر رہے ہیں۔ ان کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے وہ ۲۲ر دسمبر تک کراچی کا سفر کریں گے۔

داود میاں کافی بیمار ہیں۔ دو تین دن تک دوکان پر نہیں جا سکے۔ اب جانا شروع کیا ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 168

(۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Gujranwala

تاریخ: ۳۰/نومبر ۵۸ء

عزیزم عافاہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

عزیزہ کو اب زکام سے کافی آرام ہے۔ دوائی سے تو آرام نہیں ہوا، روزے رکھنے سے فائدہ ہوا۔ رمضان کی قضا باقی تھی۔ گوجرانوالہ کی آب و ہوا بہت ہی مرطوب ہے۔ موسم بدلنے پر اکثر زکام سے سابقہ ہوتا ہے۔ یہ تکلیف ویسے بھی متعدی سی ہے۔ ترجمے کا اعادہ بھی اسی وجہ سے نہیں ہو سکا۔

مولانا نے سلمیٰ کو ہزارہ لے جانے کے لیے لکھا تھا، میں نے بھی علالت کی معذرت لکھی تھی، اس کے بعد کوئی جواب نہیں آیا۔ شاید یہ جواب ان کے لیے خلافِ امید تھا۔ کل میں نے ان کو پھر خط لکھا ہے۔

مکان بدل لیں۔ اچھا مکان صحت کے لیے ضروری ہے، لیکن مصارف کا خیال رکھیں۔ مصارف میں قوام ضروری ہے۔ زیرباری سے بچنا چاہیے۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد کاروبار کے متعلق کچھ سوچیے۔

ناظم آباد میں علامہ خلیل عرب کا پتا پوچھیے۔ بہت نیک آدمی ہیں اور میرے کرم فرما ہیں۔ ان کی لڑکی عطیہ، سلمیٰ کی سہیلی ہے، لیکن ہے بہت ہشیار۔ ممکن ہے مکان کے معاملے میں آپ کی وہ لوگ کچھ اِعانت کر سکیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ

قاری صاحب یہیں ہیں یا چلے گئے؟ بحرین کا پتا وہی ہوگا یا کوئی اور؟ یہاں ہوں تو سب سے سب کو سلام عرض فرمایئے گا۔ اسم

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 169

(۱۳)



واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Gujranwala

تاریخ: ۱۳/ دسمبر ۵۸ء

حبی العزیز سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

کئی دن ہوئے، آپ کا کوئی مکتوب نہیں آیا، نہ ہی قاری صاحب نے یاد فرمایا۔ یہ بے پروائی مناسب نہیں۔ امید ہے قاری صاحب جہاز پر سوار ہو گئے ہوں گے۔ امید ہے وہاں پہنچ کر خط لکھیں گے، ان کا پہلا عنوانِ ڈاک تو مجھے معلوم ہے، اگر اس دفعہ بدلا ہوا تو ان کا صحیح پتا ارقام فرما دیں۔

مولانا نے لکھا تھا وہ ۲۱۔۲۲/ دسمبر کو بارادۂ سفر کراچی تشریف لائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ عزیزہ ان کے ہمراہ آجائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو اپنی رضا مندی اور باہم نصحۃ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آپ تو سفر کے بحمد اللہ عادی ہیں لیکن سلمٰی کے لیے یہ پہلا سفر ہوگا۔ اس کی سہولت اور دلجمعی آپ ہی کے اخلاق کی مرہونِ منت ہوگی۔ بچپن اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے کوئی لغزش بھی ہو جائے تو اسے بنظرِ مسامحت دیکھنا چاہیے۔ حافظ شیرازی زندگی کا تجزیہ فرماتے ہیں: ؎

ہمہ عیش و کامرانی بس اندریں دو حرفست — با دوستان تلطف با دشمنان مدارا[1]

امید ہے خیر و عافیت کی اطلاع میں تساہل نہیں ہوگا۔

ہمارے ہاں اس وقت گھی اور تیل کی بہت کمی ہے اور یہ قدرتی ہے۔ جب خالص ہوگا تو اتنا نہیں ہوگا جتنا ملا جلا میسر آ سکتا تھا۔ یہ چیز موجودہ حکومت کے محاسن سے ہے کہ خوردنی اشیاء میں

---

[1] "پر لطف اور کامیابی زندگی کا راز بس انہی دو کاموں میں پوشیدہ ہے کہ دوستوں کے ساتھ محبت و مہربانی سے پیش آیا جائے اور دشمنوں کی خاطر مدارات کی جائے۔"

ملاوٹ بہت حد تک بند ہوگئی ہے۔

یہاں سے کوئی چیز لانا ضروری ہو تو لکھ دیں، ان شاء اللہ بھیج دی جائے گی۔

عزیزہ ہزارہ سے کچھ روپے لائی تھی، اس کا خیال تھا کہ کوئی زیور بن جائے۔ یہاں سرِدست یہ حال ہے کہ سونا نہیں ملتا۔ جو ملتا ہے وہ خالص نہیں، اور بہت گراں ہے۔ اس وقت ۱۲۰/۱۲۲ کے پس و پیش ہے۔ اگر پسند فرمائیں تو روپے ہمراہ بھیج دیے جائیں یا سونا ملنے پر بنوا لیا جائے۔ فَالْأَمْرُ إِلَيْكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرَىٰ.

امید ہے آپ امتحان کے سلسلے میں محنت کر رہے ہوں گے۔ انسان کو پوری زندگی طالبِ علم رہنا چاہیے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

قاری صاحب یہاں ہوں تو ان سے سلام عرض فرما دیں۔ سب سلام کہتے ہیں۔



مکتوب نمبر 170

(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذكر في الكتاب "إسماعيل"　Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ　Gujranwala

تاریخ: ۲۸/دسمبر ۵۸ء

عزیزم عافاہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　مزاج بخیر

امید ہے آپ آج بخیریت پہنچ گئے ہوں گے۔ خیال تھا آج مغرب سے پہلے آپ کا ٹیلیگرام مل جائے گا۔ اس وقت رات آٹھ بج چکے ہیں، جناب کی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ ایک گونہ فکر ہے۔ رات سردی کافی تھی اور آپ کے پاس سامان کم تھا۔ امۃ البصیر پہلے بھی علیل تھی، سلمٰی کی صحت بھی اطمینان بخش نہیں تھی۔ رات عشاء کے بعد بادل چھٹ گئے تھے۔ آج تمام دن دھوپ رہی۔ آسمان صاف رہا۔ امید ہے خط میں تساہل نہیں ہوگا۔ اگر فرصت کم ہو تو گھر میں اجازت دے دیں، آپ کو اتنی اعانت تو گھر سے مل جائے گی۔

آپ تعلیم کی طرف پوری توجہ دیں۔ بی۔ کام کے بعد یہاں قریب بھی ملازمت کی صورت بن

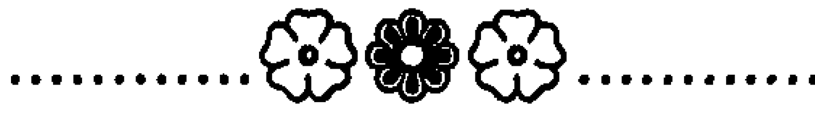
سکے گی۔ کوشش کی جائے تو بینک میں اچھے مشاہرہ پر کام مل سکتا ہے۔

قاری صاحب کی کوئی اطلاع آئی ہو تو مطلع فرما دیں۔ امِ سلمٰی کی طرف سے آپ سب کو سلام اور دعائے صحت و عافیت۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 171

(۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala

تاریخ: ۱۰؍ جنوری ۱۹۵۹ء

عزیزی المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

مکتوب ملنے سے پہلے خط لکھ چکا تھا، اس لیے جواب میں دیر ہو گئی۔ شکر ہے آپ بخیریت ہیں۔ آپ تو کراچی کی آب و ہوا کے عادی ہیں۔ بچیوں کے لیے دو طریق کی پابندی مناسب ہو گی: ① کھانے کے ساتھ پانی بالکل نہ پیئیں۔ پون گھنٹہ پانی کھانے کے بعد پیئیں، اس سے پانی کی اجنبیت کا اثر نہیں ہو گا۔ ان شاء اللہ۔ ② پودنہ، انار دانہ اور چینی مساوی؛ مناسب نمک ملا کر رکھیں۔ کھانے کے بعد تھوڑا سا استعمال کریں۔

صحت اور عافیت کے متعلق ہفتہ وار اطلاع دیتے رہیں۔ مولوی خالد گرجاکھی کراچی آئے ہیں، لیکن مل کر نہیں گئے، ورنہ مالٹے بھیج دیتا۔ ام سلمٰی کی طرف سے سب کو سلام۔ یہاں خیریت ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ

امۃ البصیر کو سلام و پیار۔ اسم



مکتوب نمبر 172

(۱۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala

تاریخ: ۳۰/ جنوری ۱۹۵۹ء

عزیزان محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ	مزاج گرامی

خط ملا۔ اطمینان ہوا۔ شکر ہے آپ بخیریت ہیں۔ زیادہ مسرت اس پر ہوئی کہ عزیزہ امۃ البصیر اداس نہیں ہوئی۔ خطرہ تھا کہ کہیں اداس نہ ہو جائے۔

کوئی آنے والا ملا تو کتابیں بھیج دوں گا، ورنہ آپ آرام باغ مکتبہ نور محمد سے تفسیر ابن کثیر منگا لیں، اس کی قیمت ۳۰/ ۳۱ روپے ہو گی، وہ آپ کے آنے پر ان شاء اللہ میں دے دوں گا۔ ویسے مولانا آزاد کی ترجمان القرآن پہلی جلد وہیں ہے، فارغ وقت میں پوری کتاب پڑھ ڈالیں، وہ مفید بھی ہے اور آسان بھی۔

یہاں کے اوقاتِ نماز کراچی میں مفید نہیں ہو سکے۔ غالباً یہاں کا اور کراچی کا پون گھنٹے کا فرق ہے۔ پرسوں آپ کو مالٹے بجھوائے تھے۔ کچھ اخروٹ اور نیوزے بھی تھے۔ ایک سو بتیس مالٹے تھے۔ اخروٹ دو سیر، نیزے ایک سیر۔ مل جانے پر اطلاع دیں، راستے میں کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟

آپ ہفتہ وار خط لکھتے رہیں۔ دعوتوں میں پرہیز رکھیں۔ مجھے تو دعوتیں سازگار نہیں آتیں۔

میں نے آپ کو ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی ایک کتاب دی تھی، معلوم نہیں آپ ہمراہ لے گئی ہیں یا نہیں؟

والسلام
محمد اسماعیل، کان اللہ لہ
گجرانوالہ



مکتوب نمبر 173

(۱۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و اذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mh. Ismail, Chah Shahan
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Gujranwala

تاریخ: ۲۹/ مارچ ۱۹۵۹ء

عزیزی المحترم زادعزہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

پہلا عریضہ مل چکا ہوگا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ عزیز شعیب کی خالہ کی شادی رمضان کے بعد متصل ہی ہونے والی ہے۔ غالبًا شعیب کی والدہ عید کے دن ہی چلی جائے گی۔ محمود میاں کی اہلیہ علیل نہ ہوتی تو شعیب وغیرہ آج تک چلے گئے ہوتے۔

عزیزی محمد کو تجویز یہ ہے کہ آپ جوان آدمی ہیں، سفر سے گھبراتے نہیں، اس لیے آپ بمع عزیزہ عید پر یہاں تشریف لے آئیں۔ ہماری مسرت المضاعف ہو جائے گی۔ اگر آپ امۃ البصیر کی معیت پسند فرمائیں، اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

اگر اب ممکن نہ ہو تو آپ عزیزہ کو بشیر صاحب کی والدہ کے ہمراہ بھیج دیں۔ وہ قابلِ اعتماد ہیں۔ وہ عید سے پہلے گجرانوالہ آرہی ہیں۔

اگر شادی کی مشکل نہ ہوتی تو عید کے بعد آنے کا خیال غالب تھا۔

سب سے پسندیدہ صورت تو وہی ہے کہ جناب چھٹیاں لے لیں اور عید گھر پر کریں۔ دوسری صورت ان کے ہمراہ بھیجنے کی ہے۔ غالبًا دوسری صورت کے لیے محمد صاحب نے کسی ذریعے سے کچھ پیسے بھی بھیج دیے ہیں۔ مجھے آج انھوں نے بتایا۔

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس گجرانوالہ، چاہ شاہاں



مکتوب نمبر 174

(۱۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mh. Ismail, Chah Shahan
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Gujranwala

تاریخ: ۳۱/ مارچ ۵۹ء

حبی العزیز زادشرفہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

یہاں کی عام رائے جناب کے محاذیر سمجھنے سے تو قاصر ہے۔ مکان کے محلِ وقوع کے لحاظ سے تو واپسی کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔ البتہ آپ کی مصالح سے پوری ہمدردی ہے۔ اگر امتحان کی تیاری تسلی بخش ہو تو آپ کے اطمینان کے لیے جس قدر وسائل ضروری ہوں، ہمیں ان کی تکمیل پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ خِدمَۃٌ لِلْعِلْمِ وَحِفْظًا لِعِرْضِہٖ.

مشیر صاحب نے جب امتحان کا مشورہ دیا ہے تو اس کے نتائج بھی بطیبِ خاطر برداشت کرنے چاہیے۔ یہ تو مناسب نہیں کہ ادھر امتحان ہو، ادھر کھانے کا انتظام بھی آپ ہی کو کرنا پڑے۔

البتہ اس مسئلے میں عزیزہ سلمٰی کی حتمی رضا مندی ضروری ہے۔ طبیعت پر بوجھ اور ناگواری کا اثر ہو تو یہ مناسب نہیں۔ اس کا اثر صحت، اخلاق اور جذبات پر پڑ سکتا ہے۔

اگر امتحان کے لیے محنت قابلِ اعتماد نہ ہو تو پھر آجائیں۔ روپے ضائع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اور دے دے گا۔ بے اطمینانی امتحان مفید نہیں ہوگا۔

آج پچاس روپے بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ آجائیں تو یہ حقیر رقم زادِ راہ میں صَرف فرمالیں ورنہ اسے عیدی سمجھیے۔ بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمْ وَعَلَيْكُمْ.

گھر میں بعد سلام عرض کریں کہ امۃ الحفیظ کی شادی ۱۷/ رمضان المبارک کو ہو رہی ہے، اس کو کیا دینا ہے؟ اس کے متعلق آپ کا مشورہ ضروری ہے۔ اپنی رائے سے مطلع فرمادیں۔

امۃ البصیر کی صحت کے متعلق ہر خط میں اطلاع دیتے رہیں، کچھ پڑھی ہے یا نہیں؟

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ

مکتوب نمبر 175

(١٩)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعيل" Mh. Ismail, Chah Shahan

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Gujranwala

تاریخ: ۸ر جون ۱۹۵۹ء

عزیزم عافاہ اللہ وعزہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

عرصہ ہوا جناب کا گرامی نامہ ملا۔ جواب دیر سے دے رہا ہوں۔ کام اس قدر زیادہ رہا، زیادہ تر وقت سفر میں گزرا۔ جواب کے لیے وقت ہی نہ مل سکا۔ ابھی دو تین سفر باقی ہیں اور گرمی کی اس قدر شدت ہے، اور یہ شدت یکا یک ہوگئی ہے۔ امید ہے جناب اس تعویق سے کوئی غلط اثر نہیں لیں گے۔

گھر سے آپ کی خیریت کا پتا چلتا رہا، اس لیے اطمینان رہا۔

عید الاضحیٰ قریب ہے۔ اگر ممکن ہو تو عید اسی طرف کریں۔ معلوم نہیں آپ کی کمپنی میں عید کی تعطیلات کتنی ہوں گی؟ اگر ایامِ تشریق بھی تعطیلات میں شامل ہوں تو آ ہی جانا چاہیے۔

داود کو گذشتہ ہفتے بے حد تکلیف رہی۔ کل سے افاقہ ہے۔ بخار اتر گیا ہے۔ چچا صاحب کی تعزیت کے متعلق حکیم محمد یوسف صاحب بیرون شاہدولہ گیٹ گجرات کو بھی مناسب ہو تو خط لکھ دیں، گجرات میں عزیزی داود کی خالہ رہتی ہے۔

امید ہے عیدِ اضحیٰ پر آنے کے متعلق بواپسی مطلع فرما دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گوجرانوالہ

قاری صاحب کا خط آیا تھا، میں ان کو بھی جواب نہیں دے سکا۔



مکتوب نمبر 176

(۲۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Chah Shahan
Dated: 24-11-62 | Gujranwala

محترم مکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن ہوئے خط لکھا تھا، جواب کا انتظار ہے۔ عرفان صاحب سے سلام عرض فرمائیں اور ان سے عرض کیجیے وہ خود خط لکھیں یا خط پر اپنے دستخط کریں۔

یہاں پرسوں سے سردی کافی تیز ہو رہی ہے۔ سارا دن برفانی ہوا چلتی رہتی ہے۔ آپ اپنی صحت کے متعلق لکھیں، جو علاج آپ کر رہے تھے، کہاں تک مفید ثابت ہوا؟ رگوں کی تکلیف بار بار نہیں ہونی چاہیے، اسی سے رگوں میں زخم ہو جاتے ہیں اور وہ مستقل صورت اختیار کر لیتے ہیں، اس لیے اس سے غفلت نہیں ہونی چاہیے۔

غذا ہلکی استعمال کریں، زیادہ مرغن غذا شاید مفید ثابت نہ ہو۔

اس دفعہ چاول کی فصل اچھی ہے، لیکن پابندی اس قدر ہے کہ کوئی شریف آدمی لے جانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

گھی کی قیمت انھوں نے آج 8 / 1.3 روپے بتائی ہے، معلوم نہیں کیا حساب ہوا؟

زکیہ گجرات سے آ گئی ہے، اس وقت ہم سب خیریت سے ہیں۔ میاں محمد کو دو تین دن سے انفلوئنزا سے بخار رہا، اب وہ بھی درست ہیں۔ گجرات میں بھی خیریت ہے۔ قاری صاحب پرسوں ملے تھے۔ گھر میں خیریت ہے۔ اب بچے اچھے ہیں۔ قاری صاحب کی صحت بھی اچھی تھی۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

مکتوب نمبر 177

(۲۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور

فون: ۴۹۱۴ | مورخہ: ۵/نومبر ۱۹۶۳ء

محترم عزیز سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

کئی دنوں سے آپ کی صحت اور دیگر کوائف کا علم نہیں ہو سکا تھا۔ مولانا اس دفعہ کافی دن قاری صاحب کے ہاں ٹھہرے رہے، کچھ بیمار بھی ہوئے تھے۔ اب چلے گئے ہیں۔ قاری صاحب مع عائلہ بخیریت ہیں۔

عرفان میاں کے بھیجنے کی بظاہر کوئی اطمینان بخش صورت نہیں آ سکی۔ داود صاحب کی ہمشیرہ کے آنے کا تو اب کوئی امکان نہیں۔ اور کوئی صورت نظر میں نہیں۔

مرسلہ منی آرڈر مبلغ پچاس روپے پہنچ گیا ہے۔ گھر میں دے دیا گیا ہے۔ بچے بھیجنے کے لیے جب بھی کوئی تسلی بخش صورت میسر ہو گی ان شاء اللہ بھیج دیے جائیں گے۔ آپ تو شاید آ نہیں سکیں گے، اگر فصل کے بعد مولانا تیار ہو جائیں تو مناسب ہو گا۔ آغاز سردی کا وہاں گزار لیں تو ممکن ہے ان کی صحت پر بھی اچھا اثر پڑے۔

عرفان صاحب تو فرماتے رہتے ہیں، مجھے کراچی چھوڑ آئیں۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 178

(میاں بشیر الدین (داماد) کے نام سینتالیس خطوط)

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mh. Ismail, Chah Shahan
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Gujranwala

تاریخ: ۱۴/اگست ۵۸ء

عزیزم! "زِیدَ رُشْدُہٗ"! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

کل ہی قاری صاحب کا خط آیا، وہ بخیریت ہری پور پہنچ گئے ہیں۔ اب نسبتاً ان کی طبیعت اچھی ہے۔ امتحان کے معاملے میں چنداں متفکر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ دنیا کامیابیوں کا اور ناکامیوں کے مجموعے سے تعبیر ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ اپنی مساعی کو جاری رکھے، کامیابی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

میرا خیال ہے ایک دو دن کے لیے ہزارہ جاؤں۔ راولپنڈی میں کچھ کام ہے۔ کھلابٹ میں مہدی زمان خان سے ملنا ہے۔ ویسے اس دفعہ پورے سال میں اس طرف جانے کا موقع نہیں ملا۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 179

(۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mh. Ismail, Chah Shahan
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Gujranwala

تاریخ: ۱۴/جنوری ۶۰ء

حبی العزیز سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

کئی ہفتے گزرے، کوئی گرامی نامہ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے مولانا کے قیام کی برکات نے آپ کو

سب کچھ بھلا دیا ہے۔ امید ہے آپ سب حضرات بخیریت ہوں گے۔ چھوٹے میاں کی صحت اچھی ہو گی۔ یہاں تو عفیفہ، شاہدہ اور سعود روزانہ استقبالیہ جلوس لے کر چاہ شاہاں تک جاتے ہیں۔ لاری گزر جاتی ہے تو مایوس ہو کر واپس آ جاتے ہیں۔

کل سے یہاں بارش شروع ہے۔ یہ موسمِ خزاں کی پہلی خوشگوار بارش ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے خیر و برکت کی بارش کرے۔

اواخر جنوری آ رہا ہے، کیا مولانا کے ہمراہ عزیزہ سلمہ آ جائے گی یا ہم سے کسی کو آنا پڑے گا؟ رائے گرامی جو بھی ہو مطلع فرمائیں۔

اب کے سردی بڑی تلخ رہی، آج قدرے خوشگوار محسوس ہو رہا ہے۔ میاں نور الدین اویس آ گئے ہیں، کوئی خاص پیغام نہیں دیا۔

کسی چیز کی ضرورت ہو تو لکھیں، کسی آنے والے کی معرفت ان شاء اللہ بھیجی جا سکے گی۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 180

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated: 4-6-60	Gujranwala

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ　　　　مزاج گرامی

کئی دن ہوئے آپ نے اپنی اور بچوں کی صحت کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔ عرفان میاں کیسے ہیں؟ کچھ طبیعت سنبھلی یا نہیں؟ پاخانہ کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا نسخہ بھیج دوں؟ گھبرانے کی بات نہیں۔ ایک دو دانت نکل آئے تو ان شاء اللہ طبیعت سنبھل جائے گی۔ اَللّٰهُ حَفِيظُهُ وَنَاصِرُهُ.

میرا آنے کا خیال تھا، لیکن اب یہ امکان نہیں ہے۔ شاید اس کے بعد کسی وقت موقع مل جائے۔

ستمبر شروع ہو چکا ہے۔ قاری صاحب کی کوئی اطلاع نہیں۔ غالبًا وہ آنے کے لیے تیار ہوں گے۔ مولانا کاہری پور سے خط آیا تھا، وہ بھی قاری صاحب کے منتظر ہیں۔ غالبًا کوئی مکان خرید رہے ہیں۔ عرصہ ہوا وہاں سے بھی کوئی اطلاع نہیں آئی۔ عبدالحمید صاحب کے متعلق مہدی زمان خان صاحب کو لکھا تھا، انھوں نے باقی امور کا جواب دے دیا، لیکن یہ حصہ چھوڑ گئے۔

عبدالحمید خان صاحب سے دریافت فرما دیں، اگر وہ اپنی ذمے داری پر نکاح کے لیے آمادہ ہوں تو لاہور میں ایسی جگہیں موجود ہیں جہاں خیال ہے کہ معاملہ خوش اسلوبی سے ہو جائے گا۔ زبیدہ نے کئی دفعہ ان کے متعلق دریافت کیا، بلکہ ایک دو دفعہ اسی مطلب کے لیے گجرانوالہ آئی، لیکن میں نے جب خان صاحب کو لکھا وہ خاموش ہو گئے۔

گھر میں اس وقت بحمد اللہ خیریت ہے۔ آپ اپنی، عرفان اور اس کی والدہ کی صحت کے متعلق ہفتہ وار اطلاع دیتے رہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 181

(۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ
Dated: 9-6-60

Mohammad Ismail
Chah Shahan
Gujranwala

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن کے بعد خط لکھ رہا ہوں۔ معذرت خواہ ہوں۔ یہاں خیریت ہے، بچے بڑے سب بخیریت ہیں۔ عرفان صاحب ہفتہ عشرہ میں ایک دفعہ ناز برداری پر اتر آتے ہیں، لیکن وہ معمول ہے۔

کل کھانسی زکام کی دوائی دی تھی، آج نسبتاً آرام ہے۔

محمود کا حجاز سے صرف ایک خط آیا جو مدینہ منورہ جانے سے قبل لکھا تھا۔ اس کے بعد معلم صاحب کا خط آیا کہ وہ مدینہ چلے گئے۔ اب واپسی کی تیاری ہو گی۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہ بشرطِ صحت ۱۵/۶/۶۰ کو چلیں گے۔ شاید بمشکل ۱۷/۶/۶۰ کو پہنچیں۔ ۱۷۔ ۱۹ تک مظفر آباد میں جلسہ ہے، جس کے لیے محمود صاحب کے جانے سے پہلے وعدہ ہو چکا تھا۔ اب سوچ رہا ہوں کراچی آؤں یا مظفر آباد جاؤں؟ دینی کام کی وجہ سے غالباً مظفر آباد ہی کو ترجیح ہو گی۔

میں ۲۰۔ ۲۱ تک وہاں سے واپس آسکوں گا۔ معلوم نہیں آپ نے کیا طے فرمایا؟ اگر آپ ہزارہ کو بھی شاملِ سفر کریں تو ملاقات یقینی ہو سکے گی۔ مجھے شاید ایک دن کے لیے بالاکوٹ ٹھہرنا پڑے گا۔ ایک دوست کا دیرینہ تقاضا ہے۔

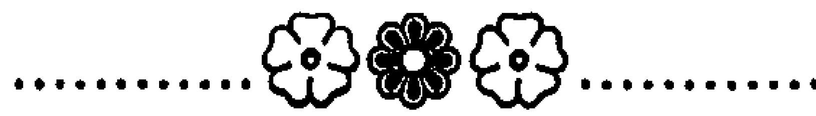
آج کل یہاں گرمی جوبن پر ہے، ٹمپریچر ۱۱۶ سے اوپر جا رہا ہے۔ فَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار.

اپنی صحت اور خیریت کے متعلق مطلع فرمائیں۔

محمود میاں کی اگر صحت اچھی ہو تو کراچی رکنے کی کوشش نہ کریں۔ یہاں ان کو جلدی پہنچنا چاہیے۔ اگر ممکن ہو آپ بھی آٹھ دس دن کی چھٹی لے لیں، تاکہ اطمینان سے آیا جایا جا سکے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 182

(۵)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

واذكر فی الكتاب ”إسماعيل“ — Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan

Dated: 25-7-60 — Gujranwala

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

عرفان صاحب کی صحت سے مسرت ہوئی۔ سیر کی ڈیوٹی تو آپ کو دینا ہی ہو گی۔ شریف آدمی

ہے آپ کا انتظار کرتا ہے۔ انتظار کی مدت ہی میں شور مچانا شروع کر دے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ بہتر ہے کہ ادویہ کے بجائے خوراک کی اصلاح کریں۔ طبیب کے مشورے سے وہی گلیکسو کے بسکٹ بقدرِ ضرورت عادت ڈالیں۔ اگر خالص مکھن مل سکے تو چینی ملا کر استعمال کروائیں۔

شعیب صاحب آپ کو، پھوپھو صاحبہ اور عرفان میاں کو سلام کہتے ہیں۔

قاری صاحب کا مجھے کافی دنوں سے کوئی خط نہیں آیا۔ امید ہے بخیریت ہوں گے۔ امی کو اب بڑھاپے کے علاوہ کوئی تکلیف نہیں۔ قدرتی چیز ہے کہ اس دنیائے مسافر کو آخرت کی طرف بڑھنا ہے، اس کے عزائم میں فتور آ جاتا ہے، امید پر یاس غالب ہو جاتی ہے۔

آج محمود کے بچے کا عقیقہ تھا، معلوم نہیں نام کیا تجویز ہوا؟ اس کے لیے دوسری ڈاک کا انتظار فرمانا ہوگا۔ یہاں آنتوں کی بیماری کا پرسوں سے کافی زور ہے۔ ایک الٹی ایک اجابت سے بیمار رخصت ہو جاتا ہے۔ حکومت نے بڑی مستعدی سے اس کی روک تھام کے لیے کوشش کی ہے۔ یہاں مریضوں کے لیے چار سنٹر کھولے گئے ہیں۔ دوائی بڑی فراوانی سے مہیا کی جا رہی ہے۔ عَلَى اللّٰهِ أَجْرُهُمْ.

آپ داود میاں سے دکان کے متعلق براہِ راست گفتگو کریں۔ وہ کیا کرنا چاہتا ہے، میں نے جب دریافت کیا وہ چپ ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے آپ کو صحیح بات بتائے۔ مجھے تعجب ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے داود کو کوئی بری عادت نہیں اور دکان میں بھی خسارہ کی کوئی وجہ نہیں، کام کرنے دو۔ دوست بتاتے ہیں کہ اس دکان میں خسارہ کی کوئی وجہ نہیں۔ آپ اسے مناسب طور پر لکھیں، تاکہ اس کی روشنی میں آیندہ کام پر غور کیا جائے۔ میڈیکل اور جنرل سٹور کے لیے کافی موقع ہے، بشرطیکہ آدمی ہوشمند ہو۔

والسلام

محمد اسماعیل

یہاں اب بے تحاشا گرمی پڑ رہی ہے۔ کئی دن کے بعد آج کچھ ہوا چلی ہے، ورنہ متواتر کئی دن تک حبس رہا۔

محمود کی اہلیہ سخت بیمار ہوگئی تھی۔ مایوسی کی صورت ہوگئی، مگر اب بحمد اللہ بالکل تندرست ہیں۔

اسم



مکتوب نمبر 183

(۲)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Chah Shahan
Dated: 31-7-60 Gujranwala

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا۔ آپ حضرات کی صحت کی اطلاع سے مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو بخیریت رکھے۔ اب بحمد اللہ زچہ اور بچہ دونوں بخیریت ہیں۔ نقاہت کافی ہے، وہ ان شاء اللہ بتدریج دور ہو جائے گی۔

ہیضہ کے کیس بکثرت ہو رہے ہیں، لیکن شکر ہے کہ موتیں نسبتاً کم ہیں۔ اکثر مریض صحت یاب ہو جاتے ہیں۔

امتحان میں کامیابی سے مسرت ہوئی۔ امسال امتحانات کافی مشکل تھے۔ بشیر احمد، رشیدہ کا بھائی، وکالت کے امتحان سے رہ گیا ہے۔ غالباً ڈیڑھ ماہ تک پھر امتحان دے گا۔

عرفان میاں کے لیے دودھ کا اچھا انتظام ہو گیا ہوگا۔ دو وقت سیر کی پابندی رکھیں۔ ان شاء اللہ تندرست رہے گا۔

شہر میں وبا کی وجہ سے کافی ہراس ہے۔ لوگ گھبرائے ہوئے ہیں۔ کاروبار پر بھی اس کا برا اثر ہے۔

داود سے آپ مشورہ دریافت کریں کہ اگر آپ کا کاروبار اچھا ہوا ہے تو پھر میں بھی شریک ہو جاؤں، ورنہ کوئی دوسرا کام شروع کیا جائے۔ اگر ممکن ہو تو اشتراک کیا جائے۔ دو تین کام لکھ دیں جو پاکستان میں ہو سکتے ہوں۔

عرصہ ہوا قاری صاحب کا کوئی خط نہیں آیا، غالباً وہ تیاریوں میں ہوں گے۔

آپ کا یہ امتحان پہلے سال کا ہے یا اس سال ختم ہو چکا ہے؟

اپنی علالت کے متعلق بواپسی اطلاع دیں۔ پیچش کا تکرار رگوں کو کمزور کرتا ہے، اس کے لیے

کوئی مستقل چیز استعمال کیجیے۔

عرفان صاحب کو ٹانک کے بجائے غذا اچھی دیجیے۔ کل سے عفیفہ کو سخت بخار ہے، کل ۱۰۵ تھا، آج صبح ۱۰۱ تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے صحت دے، گھر کی رونق یہی بچی ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 184

(۷)



واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ
Dated: 19-9-60

Mohammad Ismail
Chah Shahan
Gujranwala

محترم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں عریضہ پوسٹ کر چکا تھا، دوسری ڈاک میں آپ کا خط ملا۔ میں نے زیور کی فروخت میں تامل کیا، اس لیے ۱۵ر ستمبر تو گزر چکی اور تاریخ میں اضافہ کا کوئی اعلان نظر سے نہیں گزرا۔ قاری صاحب کے پانچ صد روپے اس وقت میرے پاس موجود ہیں اور تیرہ سو مزید، وہ یکم ستمبر کو بھیج چکے ہیں جس کا انتظار ہے۔ پندرہ سو سے تو یہی رقم زاید ہو جائے گی۔ معلوم نہیں مکان کی نوعیت کیا ہے: سب بھائیوں کا مشترک ہے، یا صرف آپ ہی خرید رہے ہیں۔ کلیم خریدنا آج کل بڑے ہوشیار آدمی کا کام ہے۔ اکثر کلیم بوگس نکل رہے ہیں۔ آپ دونوں بھائیوں سے کوئی صاحب یہ کام اپنے ذمے لیتا تو بہتر ہوگا۔ مولانا نیک دل آدمی ہیں، کہیں وہ دھوکا نہ کھا جائیں۔ کلیم کے معاملے میں بڑے بڑے ہوشمند آدمیوں نے دھوکا کھایا ہے۔

ہار اور کڑے پندرہ روپے کی مالیت نہیں ہوں گے۔ دونوں چیزیں غالباً چار چار تولے ہوں گے۔ پاسے کے سونا کا نرخ 123/ ہے۔ دو تین دن سے بازار نہیں جا سکا، ممکن ہے کچھ کم و بیش ہو

گیا ہو۔ یہ رقم ہزار کے پس و پیش ہو گی۔

یہاں سیٹل ٹاؤن کا پلاٹ بھی عن قریب ملنے والا ہے، اس پر بھی کچھ خرچ کرنا پڑے گا، ورنہ خطرہ ہے ضبط ہو جائے۔

زیور کی فروخت سے متعلق مشورہ کر لیا ہو گا۔لڑکیوں کے احساسات مردوں سے مختلف ہوتے ہیں، اس لیے مشورہ مناسب ہے۔ میں نے زیور نکالا تھا، آپ کی والدہ نے ذرا ڈھیلی سی بات کی، میں نے مناسب سمجھا آپ کو توجہ دلا دوں۔

عزیزوں اور بھائیوں کے ساتھ مروت اور مدارات تو ضروری ہے، لیکن اشتراک؛ تجربہ شاہد ہے کہ اس کے نتائج عموماً تلخ دیکھے گئے ہیں۔

قاری صاحب کا انتظار تھا، وہ اب تک نہیں آئے۔نذیر صاحب آئے جن کو روپے دے کر بھیجا ہے۔

مجھے اگر اجازت ملی تو میں یہاں ۲۵ ؍ ستمبر شاہین یا تیز گام پر چلوں گا۔ اگر مل گیا تو ایک ٹین گھی لے آؤں گا، مگر بذریعہ ریل یہ تجارت بالکل نامناسب ہے، گورنمنٹ اس کی ذمے داری نہیں لیتی۔ٹین یا تو پھٹ جاتے ہیں یا اٹھا لیے جاتے ہیں جس سے خسارے کا امکان بہت زیادہ ہے۔اگر ضمنی کام کا ارادہ ہو تو کپڑے کا کام شاید زیادہ مفید ہو۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

زیور کی فروخت آپ کا جواب آنے تک ملتوی رہے گی۔

ہری پور میں اگر کوئی بینک ہو تو اس کا ڈراف دے دیا جائے ورنہ ایبٹ آباد کا ڈراف ہو جائے، محترم سرور صاحب وصول کرا ہی لیں گے۔

عزیزی محمد نے ایم۔ اے اسلامیات کا امتحان دیا تھا، دو سیکنڈ (سیکنڈ ڈویژن) میں کامیاب ہوئے ہیں۔

عرفان میاں کو سب یاد کرتے، سلام دیتے ہیں۔ والسلام



مکتوب نمبر 185

(۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

و اذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Chah Shahan
Dated: 10-11-60 Gujranwala

محترم و مکرم بشیر الدین صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مزاج بخیر۔ مکتوب، منی آرڈر دونوں مل گئے۔ وزن کے متعلق اس سے پہلے کوئی خط نہیں ملا، بائع نے اٹھارہ سیر دو چھٹانک وزن بتایا تھا، میں نے اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا اور کئی دن ہوئے رقم بھی اس کو دے دی، مگر نرخ 5/8 طے ہوا۔ معاملہ پورے ایک صد روپے میں ختم ہو گیا۔ آپ اتنی تفصیل فرما دیں کہ یہ وزن ٹین سمیت ہے یا اس کے علاوہ۔ روپے کے لیے چنداں عجلت نہ تھی۔ میں چاہتا تھا کہ بازار کا حساب بے باق ہو جائے۔

عارف صاحب کو چبانے کے لیے مشین مل گئی، اب معدے کو تین ٹوکر مل گئے۔ امید ہے اب ہضم کی خرابی کا علاج ہو جائے گا اور ان شاء اللہ صحت بھی اچھی ہو جائے گی۔

معلوم نہیں قاری صاحب تنہا تشریف لائیں گے اور ہمیں بھی زیارت کا موقع ملے گا یا نہیں؟ بہتر یہی ہو گا کم از کم گجرانوالہ ضرور تشریف لے آئیں، اگر پابندی کی رکاوٹ نہ ہوتی تو میں ان شاء اللہ کراچی حاضر ہو جاتا۔

اگر آگے تشریف لانے کا خیال نہ ہو تو روپیہ کے متعلق دریافت فرمائیں کہ کہاں صَرف کیا جائے؟

والسلام

محمد اسماعیل۔ گجرانوالہ



مکتوب نمبر 186

(۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"　Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ　Chah Shahan
Dated: 31-1-61　Gujranwala

محترم ومکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا۔ آپ صحت مند ہیں، خوشی ہوئی۔ امتحان کے متعلق کوشش فرمائیں، اس سال کام ختم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرما دے۔

قاری صاحب کا گرامی نامہ آیا ہے، ان کی خواہش ہے کہ ہری پور میں کوئی مکان اڑھائی ہزار میں ملتا ہے اور یہ بہت ارزاں ہے، آپ بھی خرید لیں۔ سلمیٰ کا خیال تھا کہ یہاں سیٹل ٹاؤن میں مکان مل جائے۔ میں نے عرصہ ہوا کوشش کی تھی۔ مکان الاٹ ہو چکا ہے، پہلی قسط بھی دی جا چکی ہے، لیکن قبضہ کچھ قانونی مشکلات ہیں۔ حکومت سے ابھی اس زمین کا قبضہ نہیں مل رہا۔ ممکن ہے چند ماہ صرف ہو جائیں۔ اس لیے اگر یہ سودا واقعی مفید ہو تو لے لینا چاہیے۔ جہاں تک ماحول کا تعلق ہے ایوب صاحب کی حکومت میں ہری پور کی پوزیشن کم نہیں ہوگی۔

گجرانوالہ میں ایک ہی قطعہ زمین ایک گنجان آبادی میں ہے، اس میں کوئی الجھن نہیں۔ آپ سوچ کر جو قدم اٹھائیں، ہمیں اعتراض نہیں۔ اگر ممکن ہو تو ہری پور کا مکان ایک نظر دیکھ لینا چاہیے۔

یہاں دو دن بہت بارش ہوئی، ابھی ابر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ انجام خیر فرمائے۔ معلوم نہیں قاری صاحب کا قیام یہاں کب تک ہوگا؟

حاجی یعقوب صاحب نے لاؤڈ سپیکر بھیج دیا ہے۔ اب انھیں اس کے لیے ملنے کی ضرورت نہیں۔ والسلام

عرفان صاحب اب بحمد اللہ بالکل تندرست ہیں، میں تو بلا ضرورت ادویہ کا استعمال پسند نہیں

کرتا۔ بہر حال گرائپ واٹر استعمال ہو رہا ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل



مکتوب نمبر 187

(۱۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

واذکر فی الکتاب ''إسماعیل''

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Dated: 10-2-61

Mohammad Ismail

Chah Shahan

Gujranwala

محترم مکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا۔ الحمد للہ آپ سب حضرات بخیریت ہیں۔ میں نے حاجی حنیف صاحب کو مکرر یاددہانی کروائی ہے۔ ان شاء اللہ سوموار جانے کا خیال ہے، ان سے مل کر بات کروں گا۔ خدا کرے یہ کوشش کامیاب ہو۔

ہزارہ سے مجھے بھی کوئی خط نہیں آیا۔ قاری صاحب سے ملاقات ہوتی رہتی ہے، قریباً بخیریت ہیں۔

داود کا پتا یہ ہے: داود صاحب، معرفت فضل حق اینڈ کمپنی، ضلع سرگودھا۔ خوشاب

کیس شروع ہو چکا ہے۔ دو تاریخیں ہو چکی ہیں۔ ابھی استغاثہ کی شہادت ہو رہی ہے۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

حکیم صاحب کی گھڑی مل گئی ہے۔ وہ اجرت دریافت کرتے ہیں۔ کیس کے متعلق دعا فرماتے رہیں، اس میں تشویش کی کوئی چیز نہیں، دعا تمام تفکرات کا حل ہے۔

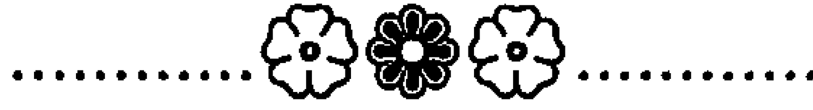
داود بھی کسی جوتوں کی فرم میں کام کرنا چاہتا ہے۔ اگر خیریت رہی تو خیال ہے اپریل میں داود کی شادی ہو جائے۔

گھر میں سب خیریت سے ہیں۔ سلام عرض کرتے ہیں۔

شام افطاری کے وقت عرفان صاحب کی باتیں ہوتی ہیں اور انھیں بلانے کا مطالبہ ہوتا ہے۔ پھر سحری کے وقت بھی ان حضرت کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 188

(۱۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan

Dated: 20-3-61 — Gujranwala

محترم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

مکتوب اور مرسلہ اشیاء پہنچ گئیں۔ آپ کی صحت کی خرابی سے تشویش ہوئی۔ امید ہے اب طبیعت درست ہو گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے اور امتحان میں کامیاب فرمائے۔

عرفان صاحب خیریت سے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی شرارتیں کرتے ہیں۔ دوائیاں سب ترک کر دی ہیں۔ بسکٹ بھی قریباً متروک ہیں۔ بحمد اللہ صحت درست ہے، کھیلتے رہتے ہیں۔

کل امین ایوب آئے تھے، عصر کے قریب چلے گئے۔ عرفان صاحب ان کے کندھوں پر سوار رہے۔

قاری صاحب کے ویزے کا مسئلہ کہاں تک پہنچا؟ علوی صاحب تشریف لائے تھے، غالباً واپس پہنچ گئے ہوں گے۔

ہمارے ہاں شیعہ حضرات کے سوا سب نے ہفتہ کے دن عید کی۔ لاہور میں سات آدمیوں نے چاند دیکھنے کی شہادت دی۔ آج مولانا احتشام اور ڈائرکٹر موسمیات کے بیانات پڑھے، تعجب ہوا۔

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس گجرانوالہ

داود صاحب کی شادی کا مسئلہ غالباً بقرہ عید کے پس و پیش ہو گا۔ غالباً آپ اس وقت امتحان سے فارغ ہو چکے ہوں گے۔

محمد اسماعیل



مکتوب نمبر 189

(۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Chah Shahan
Dated: 7-4-61 Gujranwala

محترم و مکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ امید ہے آپ بخیر ہوں گے

جناب کا مکتوب آئے کافی عرصہ گزرا، جواب دینا ذہن سے اتر گیا۔ یہاں عید ہفتہ کے دن ہوئی۔ لاہور میں متعدد شہادتوں کی بنا پر باستثناء حضرات شیعہ عید ہفتہ کو ہوئی۔ رات اختلاف میں بسر ہوئی، صبح ہوتے اتفاق ہو گیا۔ یہاں حکومت کی طرف سے کوئی دخل نہیں دیا گیا بلکہ ہمارے ڈپٹی کمشنر صاحب رات آرام سے سوتے رہے۔ انھوں نے عید کے معاملے میں کوئی دخل نہیں دیا، بلکہ لاہور کی رویت کا پتا بھی ان کو فون پر میں نے دیا۔

مستری عبداللطیف صاحب کی معرفت پانچ سیر چاول بھیجے تھے، معلوم نہیں ملے یا نہیں؟ میں نے ان کو مکان کا پتا لکھ دیا تھا۔

پرسوں بدھ کے دن مولانا رائے ونڈ سے واپس تشریف لائے اور آج شب جمعہ کو بمع عرفان صاحب ہزارہ تشریف لے گئے۔ عرفان کی اب صحت اچھی تھی، خدا کرے ہزارہ کی آب و ہوا انھیں سازگار آجائے۔ مولانا نے فرمایا تھا کہ آپ سے اجازت حاصل کر لی گئی۔ آپ ہی فرمائیں انھیں وہاں کب تک ٹھہرنا ہے؟ میں شاید چند دنوں تک اپنے ایک ذاتی کام کے لیے بالا کوٹ جاؤں، اگر

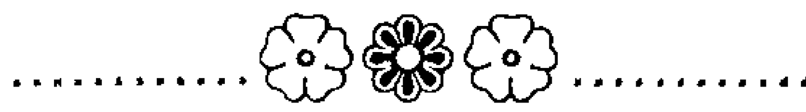
ہو سکا تو گکھڑ جانے کی کوشش کروں گا۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

قاری صاحب کے ویزہ کا کیا بنا؟

اسم



مکتوب نمبر 190

(۱۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Dated: 12-6-61

Mohammad Ismail

Chah Shahan

Gujranwala

محترم ومکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرصہ ہوا؛ آپ کا کوئی گرامی نامہ نہیں آیا۔ نہ ہی آپ نے اپنی صحت کے متعلق لکھا۔ امید ہے مزاج بخیریت ہوں گے۔

پرسوں گجرات گئے تھے۔ عرفان صاحب ہمراہ تھے۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے فیصلہ یہی ہوا کہ داود میاں کی شادی ستمبر اکتوبر پر ڈال دی جائے۔ آج کل جس طرح گرمی پڑ رہی ہے، میں نے بھی ان کی بات کو قبول کر لیا۔ اس لیے اب شادی کا مسئلہ تو کم از کم تین چار ماہ کے پس و پیش آگے بڑھ گیا۔ اب عرفان صاحب کے متعلق آپ جس طرح فیصلہ فرما دیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اگر چھٹی مل جائے تو ملاقات ہو جائے گی۔ آب و ہوا بدل جائے گی۔ اگر ممکن ہو تو یہاں سے کسی عورت کے ہمراہ بھیج دیا جائے یا ہم سے کوئی چھوڑ آئے، جیسے آپ پسند فرمائیں۔

غالباً میں مشکاۃ شریف کی جلد اول وہاں چھوڑ آیا تھا اگر آپ کو ضرورت ہو تو رکھیں، ورنہ آنے کی صورت ہو تو ہمراہ لیتے آئیں، یہاں اس کی ضرورت ہے۔

اپنی منشا کے متعلق بواپسی پر مطلع فرمادیں۔

والسلام

محمد اسماعیل۔ گجرانوالہ

عرفان صاحب کو ایک دو دن ہضم کی تکلیف رہی۔ اب آرام ہے۔

محمد اسماعیل



مکتوب نمبر 191

(۱۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گجرانوالہ

۶۱/۶/۲۴

عزیزم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل امید ہے دونوں تار مل گئے ہوں گے۔ کل [ایک] دوست بمع عیال کراچی جا رہے تھے۔ انھوں نے فرمایا: میں شام اکسپریس سے جاؤں گا۔ عزیزہ نے تیاری شروع کر دی۔ اچانک انھوں نے بارہ بجے اطلاع دی کہ وہ تیز گام سے جا رہے ہیں۔ عزیزی عرفان[1] کو بخار شروع ہو گیا۔ شعیب[2] کو ٹائیفائیڈ ہو گیا۔ اس لیے اتنی جلدی تیاری ممکن نہ تھی۔ بخار میں بچے کا سفر بھی مناسب نہ تھا، اس لیے جناب کو التوا کا تار دینا پڑا۔ امید ہے تار بروقت مل گئے ہوں گے اور آپ اسٹیشن پر آنے کی زحمت سے بچ گئے ہوں گے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ



① مولانا سلفی کے نواسے۔

② مولانا سلفی کے بڑے بیٹے پروفیسر محمد صاحب کے صاحبزادے۔

مکتوب نمبر 192

(۱۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan

Dated: 5-7-61 — Gujranwala

محترم ومکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

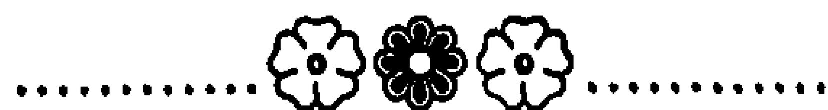
مزاج بخیر۔ رات تار ملا، تسکین ہوئی۔ آپ نے خلافِ امید تساہل کیا، اس لیے گذشتہ رات بہت تشویش میں گزری۔ صبح دس بجے پھر آپ کو تار دیا۔ تشویش اس لیے تھی کہ سفر کی یہ صورت پہلی دفعہ اختیار کی گئی۔ میں بالکل مطمئن نہ تھا۔ داود کی یقین دہانی اور عزیزہ کی جرأت نے آمادہ کر دیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا وَقَعَ.

امید ہے عرفان صاحب گھبرائے نہیں ہوں گے۔ یہاں بچوں کا زحام تھا، وہاں بچے اکیلے ہیں۔ اس کی صحت کا خیال رکھیں۔ اب ان شاء اللہ زیادہ کمزور نہیں۔ عموماً ھضم کی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو ناگی کا نسخہ بھجوا دوں۔

دو چٹیں لف کر رہا ہوں۔ مطیع اللہ صاحب سے مل کر چٹ دکھا کر چاول لے آئیں۔ مطیع اللہ ہر ماہ کے شروع گوجرانوالہ آتے ہیں، جس چیز کی ضرورت ہو لکھ دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 193

(۱۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گوجرانوالہ

۱۱۔۹۔۶۱

عزیزی المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج بخیر۔ امید ہے عرفان میاں اب بالکل روبصحت ہوں گے۔ میں ۹۔۱۰ ستمبر کو راولپنڈی گیا تھا۔ پیر صاحب دیول کے مکان پر میٹنگ تھی۔ مولانا بھی وہاں حسبِ اطلاع تشریف لائے۔ میں نے آپ کے حسب الحکم مبلغ ایک ہزار روپیہ ان کو دے دیا تھا۔ یہ جیسے کہ میں نے عرض کیا تھا، امانت ہے۔ جب بھی مطالبہ ہوا اسے ادا کرنا ہوگا۔

قاری صاحب تشریف لائے تھے۔ لاہور گئے تھے۔ غالباً روزگار کی تلاش میں ہیں۔

داود [1] کی دکان فروخت کر دی ہے، اب اس کے لیے روزگار کی تلاش ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

مکتوب نمبر 194

(۱۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ
Dated: 24-9-61

Mohammad Ismail
Chah Shahan
Gujranwala

محترم ومکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے مکاتیب [موصول ہوئے] ابھی تک زیور موجود ہے، فروخت نہیں کیا۔ کلیموں میں اس

[1] مولانا سلفی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے۔

قدر جعل سازی ہے، حکومت کے ادارے بھی ان کی تہہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ کبھی توقع نہ تھی کہ مسلمان میں اس قدر اخلاقی انحطاط ہوگا۔ یہی حال رشوت کا ہے۔ انگریز کے زمانے میں اس کا عُشرِ عشیر بھی نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد: «لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ»[1] حرف بہ حرف درست ہو رہا ہے۔

زکام کثرت سے کھانے پینے میں بد پرہیزی یا بہت گرم کھانا کھانے سے عموماً ہوتا ہے۔ یا پھر برف کے بے ضرورت استعمال سے۔ ہمارے اس دفعہ دو ماہ تک برف بند رہی، اس سے کافی فائدہ ہوا۔ گوجرانوالہ ایسے شہر میں برف بالکل تکلف ہے۔

عرفان صاحب کو اگر ہومیو پیتھک دوائی موافق ہو تو بہتر ہے، ایلو پیتھک سے یہ کم مضر ہے۔ معلوم نہیں کوئی دانت نکلا یا نہیں؟

ابھی رخصت کا مرحلہ طے نہیں ہو سکا، مبادی کافی حد تک طے ہو گئے، غالباً سوموار کو یہ مرحلہ طے ہو جائے گا۔ غالباً کراچی کے سفر کا آغاز یکم کو ہو سکے گا۔ باقی رفقاء سے ابھی مشورہ نہیں ہو سکا۔ میرا خیال ہے ہم لاہور سے شاہین یا خیبر پر سوار ہوں گے۔ اتوار کو پہنچیں گے، ان شاء اللہ۔ آپ کو ان شاء اللہ بذریعہ تار اطلاع دے دی جائے گی۔

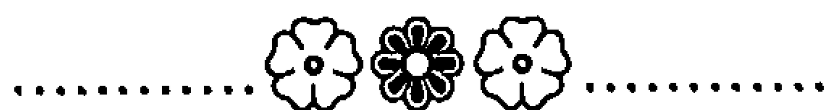
رفقاء کے فیصلے کے مطابق دس بارہ دن ٹھہرنا ہوگا۔ قیام کا انتظام حاجی محمد یعقوب، فضل ربی الیکٹرک اینڈ ریڈیو کمپنی ڈینو چیمبر وکٹوریہ روڈ کراچی میں ہوگا۔

گھی کے لیے کہہ دیا ہے، ان شااللہ کوئی مانع نہ ہوا تو ایک ٹین تو میں ہمراہ لیتا آؤں گا۔

چاول کے متعلق سخت پابندی ہے، اس کے متعلق لانے کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ پہلے پانچ سیر کی اجازت تھی، اب سنا ہے وہ بھی نہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل



[1] شعب الإيمان (٢/ ٣١١) اس کی سند میں ایک راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (١٩٣٦)

مکتوب نمبر 195

(۱۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذكر في الكتاب "إسماعيل" — Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan

Dated: 7-12-61 — Gujranwala

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن ہوئے آپ کا کوئی گرامی نامہ نہیں ملا۔ محمود میاں نے دو گھڑیاں کسی دوست کے ہاتھ بھیجی تھیں، معلوم نہیں پہنچیں یا نہیں۔ اگر بن گئی ہوں تو کسی مستند آدمی کے ہاتھ بھجوا دیں اور جس قدر مصارف ہوں مطلع فرما دیں۔

عرفان صاحب کا کیا حال ہے؟ اب تو بھاگتے پھرتے ہوں گے۔ کیا ابھی گجرانوالہ آنے کا پروگرام نہیں؟ اب تو چھ سات ماہ ہو چکے ہوں گے۔

تبدیلی کی مساعی کہاں تک پہنچی ہیں؟ کوئی انٹرویو ہوا یا نہیں؟ اگر لاہور نہ ہو تو کھیوڑہ ہی تبادلہ ہو جائے۔ ویسے کھیوڑہ کراچی ہی ہو گا۔

حالات کے متعلق ہفتہ عشرہ کے بعد مطلع فرماتے رہیں۔ سلمہ کی صحت اب کیسی ہے؟ یہاں اب سردی کافی تیز ہے۔ ہری پور والا مکان ملا یا نہیں؟ میں نے مولانا سے قبضے کے متعلق دریافت کیا تھا، کوئی جواب نہیں آیا۔

سنا تھا امۃ الخبیر کی والدہ سیڑھی سے گر گئی ہیں۔ معلوم نہیں ان کا کیا حال ہے۔ داود ایک صد روپے پر خوشاب میں کام کرتا ہے، لیکن میں مطمئن نہیں ہوں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

گھڑیوں کے متعلق ضرور لکھیں، گم ہی نہ ہو گئی ہوں۔ اسم

مکتوب نمبر 196

(۱۹)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan
Dated: 12-1-62 — Gujranwala

محترم و مکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

بلٹی مرسل ہے۔ اسٹیشن سے چھڑا لیں۔ خیال تھا کوئی آدمی آپ کو پہنچا دیتا، آپ کو تکلیف نہ ہوتی، لیکن مکاں کا پتا سمجھنے سے قاصر رہے، اس لیے آپ کو تکلیف ہوئی، معذرت خواہ ہوں۔

امان اللہ جاتے ملا تو تھرماس بھیج دوں گا۔ ان شاء اللہ

عرفان صاحب اور گھر میں سب کی طرف سے سلام عرض ہے۔ اپنی صحت کا خیال بھی رکھیں اور اطلاع بھی دیتے رہیں۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ

............✿✿✿............

مکتوب نمبر 197

(۲۰)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan
Dated: 23-1-62 — Gujranwala

محترم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا۔ شکر ہے آپ سب بخیریت ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو بخیریت رکھے۔ عرفان

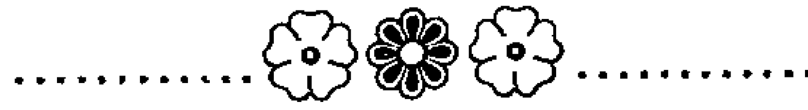
میاں کا تحریری سلام بچوں کو دکھا دیا، سب ہنسنے لگے۔ عرفان میاں کو ابھی لکھنا نہیں آتا۔

میں کل لاہور حاجی اسحاق صاحب سے ملا، وہ اب پھر کوشش کریں گے۔ جس آدمی سے ان کی گفتگو ہوئی اس کا نام انھوں نے مسٹر ''کوس'' بتایا ہے۔

بکس کے متعلق عزیزہ سے کہہ دیں، فکر کی کوئی بات نہیں۔ دنیا ابتلا کا مقام ہے، یہاں تو آزمائشیں آتی رہتی ہیں، اصل فکر تو انجام کی ہے۔ اگر خاتمہ ایمان پر ہو جائے تو ساری تکلیفیں آسانیوں سے بدل جاتی ہیں۔

داود میاں کی شادی کا مسئلہ بھی شاید بشرطِ خیریت اپریل ہی میں ہو۔ اپنی خیریت سے مطلع فرماتے رہیں۔

والسلام
محمد اسماعیل
مدرس گجرانوالہ



مکتوب نمبر 198

(۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Chah Shahan
Dated: 21-2-62 | Gujranwala

محترم و مکرم عزیز سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ بخیریت ہوں گے۔ کل تاریخ تھی، استغاثہ کا ایک گواہ غیر حاضر تھا، اس لیے کسی کارروائی کے بغیر ۲۴/۲/۶۲ تاریخ مقرر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرما دے۔

کل رات گھر میں مشورہ ہوا ہے۔ کافی عرصہ ہو گیا ہے؛ اب عرفان میاں کچھ عرصے کے لیے تشریف لے آئیں، عید یہیں کریں۔ عفیفہ اور شاہدہ وغیرہ نے اعلان کیا ہے: اگر عرفان میاں نہ آئے

تو ہم کسی کو عید نہیں کرنے دیں گے۔

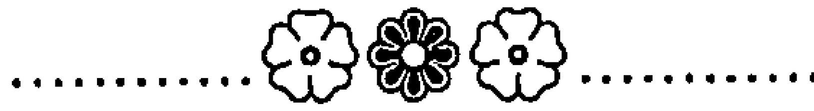
آپ کو رمضان میں کھانے کی تکلیف کا خیال ہے، اگر کوئی خاص دقت نہ ہو تو بالکل اواخر رمضان میں بھیج دیں۔

اگر ہو سکے تو مطلع فرما دیں۔ کوئی صورت سوچی جائے۔ اکیلے آنا تو آج کل مناسب نہیں۔ اس دفعہ رمضان میں جماعت کے سلسلے میں کراچی آنے کا خیال تھا، مگر کیس کی وجہ سے میں تو نہیں آ رہا، ممکن ہے کوئی زنانہ ساتھ مل جائے، تبدیلی کے سلسلے میں اب تک حاجی اسحاق صاحب نے کوئی اطلاع نہیں دی، میں ان کو یاد دہانی کرا رہا ہوں۔ والسلام

امید ہے آپ اس درخواست پر ہمدردانہ غور کریں گے۔ خیال ہے شاید اپریل میں داود کی شادی کی صورت بن جائے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 199

(۲۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۷۔۳۔۶۲ء

عزیزم سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے رخصت ہو کر ہم سب بخیریت رات ساڑھے دس بجے گوجرانوالہ پہنچ گئے۔ روہڑی سے گزر کر گاڑی قریباً دو گھنٹے لیٹ ہوئی۔

راستے میں عرفان صاحب نے ایک دو دفعہ آپ کا ذکر کیا، یہاں پہنچ کر سب معصوم روحیں جمع ہیں۔ اطمینان سے دن گزر رہے ہیں۔

اپنی تبدیلی کے متعلق جو کوشش ہو مطلع فرماتے رہیں۔ میں بھی عید کے بعد لاہور جاؤں گا، خدا

کرے اپریل تک یہ مسئلہ بھی طے ہو جائے۔

والسلام
محمد اسماعیل۔ گجرانوالہ



مکتوب نمبر 200

(۲۳)

بسم الله الرحمن الرحيم

و اذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Chah Shahan
Dated: 10-6-62 | Gujranwala

محترم مکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی دن ہوئے مکتوب ملا تھا۔ مشغولیت کچھ ایسی رہی کہ جواب نہ دے سکا۔ تبادلہ کے معاملہ میں پہلی کوشش تو یہیں ہونی چاہیے کہ g-C-g- کے ساتھ وابستگی قائم رہے اور جو حقوق ان سے مل سکتے ہیں وہ ملنے چاہئیں بشرطیکہ وہ لاہور کا تبادلہ منظور کر لیں ورنہ صحت مقدم ہے۔ روپے کی ہوس میں صحت خراب نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری کمپنی کی تنخواہ بھی مناسب ہے، پھر ان سے فیصلہ کر لیجیے، ویسے آپ اپنے فائدے اور نقصان کو ہم سے بہتر سمجھتے ہیں۔

عرفان میاں کے ختنے بروز منگل مورخہ ۵/ ۶/ ۶۲ کو کرا دیے گئے۔ ہم نے تو یہ تقریب ضرورت سے زیادہ سادہ کر دی ہے۔ دس پندرہ روپے بھی غالباً صرف ہوئے ہوں گے۔ آج پانچواں دن ہے۔ خیال ہے ایک دو دن تک درست ہو جائے گا اور ان شاء اللہ چلنے پھرنے لگے گا۔ ہزارہ بھی اطلاع بھجوا دی ہے۔

محمد میاں کا بھی انٹرویو ہوا تھا، اسے بھی منظوری کی اطلاع آ گئی۔ یہ اسامی بہاولپور کے لیے ہے، دیکھیں انجام کیا ہوتا ہے؟

عرفان صاحب اب سارا دن لیٹے رہتے ہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 201

(۲۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated: 13-6-62	Gujranwala

محترم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

آپ نے اپنی صحت کے متعلق مفصل اطلاع نہیں دی۔ آپ نے [اس] کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ آپ نے جو کیا سوچ کر کیا ہوگا۔

اب تبادلے کے لیے ذرا سنجیدگی سے کوشش فرمائیں، میری واقفیت تو حاجی اسحاق صاحب کی معرفت ہے۔ کوئی دوسرا آدمی موثر ہو تو اس کی واقفیت کے متعلق بھی لکھیں، ان شاء اللہ کوشش ہو سکے گی۔ صحت کا خیال مقدم رکھیں، ایسا نہ ہو کہ اس آب و ہوا کی وجہ سے کوئی اور عارضہ ہو جائے۔

عرفان میاں کے ختنے کر دیے تھے۔ معلوم نہیں اس میں آپ کی خاندانی رسوم کی کہاں تک خلاف ورزی ہوئی۔ میں نے اس کی اطلاع ہری پور بھی کر دی ہے۔ اب قریباً آرام ہو گیا ہے۔ اب عرفان صاحب بھاگتے پھرتے ہیں۔

البتہ عزیزہ کی طبیعت خراب ہے، سوچ رہا ہوں کہ علاج ڈاکٹری کرایا جائے یا یونانی۔

اپنی خیریت کے متعلق مطلع فرمائیں۔

والسلام

محمد اسماعیل۔ گجرانوالہ



مکتوب نمبر 202

(۲۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Chah Shahan
Dated: 25-6-62 | Gujranwala

محترم مکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تبادلے کا اصل محرک آپ کی صحت ہے۔ لیکن آپ نے غور و فکر کے بعد جو فیصلہ فرمایا، اب کوئی بحث نہیں۔ اَلْخَیْرُ فِیْمَا وَقَعَ. [جو ہوا، اسی میں بہتری ہے]

عرفان کے ختنے تو بالکل درست ہو گئے، اس کے بعد پیچش ہو گئے۔ کل سے اب آرام ہے۔ کمزور ہے مگر چلتا ہے، کھیلتا ہے۔

سلمٰی کی صحت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ اطمینان بخش نہیں۔ میری مشغولیت کا یہ حال ہے کہ جب تک بیمار چارپائی پر گر نہ جائے، مجھے احساس نہیں ہوتا۔

داود کا مسئلہ میں جلد سے جلد ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دو دن تک گجرات جانے کا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ خیر کرے۔

داود کو سروس والوں نے حافظ آباد میں دکان دے دی ہے۔ اب حافظ آباد کام کرتا ہے، جمعہ کو آتا ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 203

(۲۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور

گجرانوالہ

۲۵ر جولائی ۶۲ء

عزیزم سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

کئی دن ہوئے آپ کا کوئی مکتوب نہیں۔ امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ داود کے نکاح کے لیے ۹ر ستمبر ۱۹۶۲ء اتوار کا دن مقرر ہوا ہے۔ امید ہے آپ ایک دو دن نکال سکیں گے۔ یہ تاخیر عبدالحمید کی شمولیت اور آپ کے لیے کی گئی ہے۔

گھڑی کی سوئیاں بدستور بیکار ہیں۔ اندھیرے میں ان سے کوئی فائدہ نہیں۔ مجھے زیادہ ضرورت صبح کے وقت ہوتی ہے۔ جناب کے سیالکوٹی دوست کی محنت قابلِ شکریہ ہے، ان کا کیا خرچ آیا؟ دریافت فرمائیں، تاکہ انھیں بھیج دیا جائے۔ ان کا پتا دیں، میں خود دریافت کر لوں گا، یا سیالکوٹ جا کر ان سے مل لوں گا۔

اچکن کا کپڑا مجھے تو پسند ہے، داود کو بھی پسند ہی ہوگا۔ آپ نے اس کی قیمت کے متعلق کچھ نہیں لکھا؟ مطلع فرما دیں۔

ہری پور سے کوئی خط نہیں آیا۔ داود کی شادی کے لیے سرور صاحب کو الگ لکھا جائے یا صرف مولانا کو اطلاع دینا کافی ہوگا؟ آپ جو مشورہ دیں ان شاء اللہ تعمیل ہوگی۔

کافی دیر ہوئی قاری صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی، کل لاہور جانے کا خیال ہے۔ وقت ملا تو ان شاء اللہ ان سے ملوں گا۔

عرفان صاحب اچھے ہیں۔ اب تو پنجابی لہجہ بھی کافی اچھا ہوگیا ہے اور بحمد اللہ صحت بھی اچھی ہے۔

گھڑی کی اجرت اور کپڑے کی قیمت کے متعلق جلدی مطلع فرما دیں۔ سلمہ وہاں کوئی ہومیو پیتھک دوائی استعمال کرتی ہے، اگر یاد ہو تو مطلع فرما دیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 204

(۲۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۹۔۱۰۔۶۲ء

عزیزم سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

آج منگل گزر چکا ہے۔ میں یہ خط شام کے بعد لکھ رہا ہوں، آپ کے بخیر پہنچنے کی اب تک کوئی اطلاع نہیں۔

امید ہے عرفان میاں اداس نہیں ہوں گے اور سفر نے آپ لوگوں پر کوئی برا اثر نہیں کیا ہوگا۔ آپ اپنی صحت کا پورا خیال رکھیں۔ جوارش مصطگی بہ نسخہ کبیر ہمدرد یا ہندوستانی دواخانہ سے لے کر کم از کم ایک ہفتہ استعمال کریں۔ اگر موافق آ جائے تو میں محمود سے بنوا کر بھجوا دوں گا۔ ان شاء اللہ

میرا خیال ہے یہ ثقیل ناشتہ ڈبل روٹی انڈے اور گھی لگا کوئی اچھی چیز نہیں۔ آپ گھر میں خمیری روٹی پکا کر بے شک گھی سے استعمال کریں، یہ زود ہضم ہوگی۔ یہ باسی روٹیاں انگریز کی سنت ہے۔ کھانا اور ناشتہ ہلکا اور زود ہضم استعمال کریں اور اپنی صحت کی ہفتہ وار اطلاع دیتے رہیں۔ عفیفہ وغیرہ بہاول پور پہنچ گئیں تھیں۔ طارق صاحب کا خط بھیج رہا ہوں۔ انھیں افسوس ہے کہ آپ نہ مل سکے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 205

(۲۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

و اذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated: 21-10-62	Gujranwala

محترم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ سب حضرات بخیریت ہوں گے۔ میری طبیعت گذشتہ ایام میں کافی خراب رہی، اب ایک دو دن سے بہتر ہے۔ لاہور کانفرنس کے سلسلے میں کافی مشغولیت ہے۔ علاج کی طرف بھی پوری توجہ نہیں ہوسکی۔

آپ کی تھرماس رکھی ہے، شاید آپ بھول گئے۔ آپ کو سفر میں تکلیف ہوئی ہوگی۔ کوئی آنے والا ملا تو ان شاء اللہ بھیج دوں گا۔

آپ کی اپنی صحت اب کیسی ہے؟ صبح سویرے اگر ہو سکے تو عرفان کو ساتھ لے کر میل دو میل سیر کیجیے۔ آپ نے جوارش مصطگی کبیر کا استعمال کیا یا نہیں؟

گھر میں بحمد اللہ خیریت ہے۔ بچے سب اچھے ہیں۔ عرفان صاحب کا ذکرِ خیر ہوتا رہتا ہے۔ اسد کہہ رہا تھا خود کراچی چلا گیا ہے، مجھے نہیں لے گیا۔

تبدیلی کے مواقع کا خیال رکھیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 206

(۲۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Chah Shahan
Dated: 25-10-62 Gujranwala

محترم ومکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا۔ کل ایک خط پوسٹ کر چکا تھا، آپ کا یہ خط ملا۔ آپ سب حضرات کی علالت سے تشویش ہوئی۔ عرفان صاحب کو جاتے ہی پھنسیوں کی تکلیف سے تعجب ہوا۔ میرا خیال ہے ہومیوپیتھک دوائی سے ہی فائدہ ہوگا۔ ان شاء اللہ

اپنی صحت کے متعلق مطلع فرما دیں، آپ نے جوارش مصطگی کبیر استعمال کی ہے یا نہیں؟

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

مکتوب نمبر 207

(۳۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Chah Shahan
Dated: 1-12-62 Gujranwala

محترم ومکرم عزیز! سلمہ اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوبِ گرامی ملا، آپ حضرات کی صحت سے مسرت ہوئی۔ آپ کی صحت کے متعلق

مجمل اطلاع کافی نہیں۔ آپ فرمائیں کہ آپ کے عوارض کی کیا کیفیت ہے؟ اِجابت، بھوک، نیند، تکان اور نقاہت کا کیا حال ہے؟

گھی کی قیمت لکھ دی تھی 8 / 103 روپے، معلوم نہیں جناب کو وہ خط کیوں نہیں ملا۔

زکیہ گجرات سے آئی ہوئی ہے، وہ سلمیٰ کے لیے کوئی بنا لائی ہے۔ غالباً ۱۵/ دسمبر تک کوئی آدمی لیتا آئے گا۔ داود کو سویٹر کی ضرورت ہے، اگر آدمی نہ ملے تو پارسل کر دیں۔

زکیہ شکایت کرتی ہے کہ میں نے گجرات سے دو خط لکھے مگر آپا جی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے نام لفافہ میں الگ خط رکھ دیں۔ اس وقت تک تو زکیہ کی آمد سے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی۔

میرا سفید سوتی دراز معلوم نہیں عزیزہ سلمیٰ نے کہاں رکھا ہے، وہ اب تک نہیں ملا۔ امسال سردی بہت تیز ہے۔ رات بہت کورا پڑتا ہے۔ تا حال فصل کی حالت اچھی ہے، معلوم نہیں آیندہ کیا ہو۔

...... کا استعمال اب تک ختم نہیں ہوا۔ مُنجی کی فصل زیادہ اچھی نہیں۔

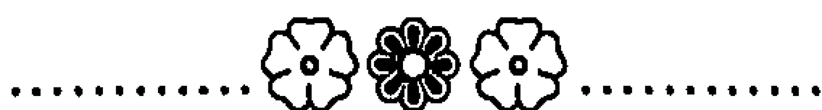
حضرت مولانا حافظ قاری عز الدین عرفان خان صاحب سے سلام عرض کریں اور فرمائیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے خط لکھیں یا خط پر اپنے دستخط کریں۔ نماز روزانہ پڑھا کریں۔ اب قرآن بھی شروع کر دیں۔ صبح کم از کم بیس منٹ قرآنِ عزیز ضرور پڑھیں۔

طیبہ، عفیفہ، شعیب، شاہدہ، سعود اور ساجدہ وغیرہ سب سلام عرض کرتے ہیں اور عرفان میاں کا روزانہ انتظار کرتے ہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل

مدرس گجرانوالہ



مکتوب نمبر 208

(۳۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

واذكر في الكتاب "إسماعيل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated: 19-12-62	Gujranwala

محترم ومکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں آپ کا اور عزیزہ کا مکتوب ملفوف ملا۔ آپ کی صحت سے مسرت ہوئی۔ علاج میں تغافل نہ کریں۔ تفریح کے لیے کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکالیں۔ محنت بقدرِ برداشت کریں۔ عرفان میاں کو بھی تفریح کے لیے ہمراہ لے جائیں۔ سنا ہے وہ ضد بہت کرتے ہیں۔ انھیں میرا پیغام دیجیے کہ اچھے اور نیک بچے ضد نہیں کرتے!

آج تھرماس بھی مل گیا۔ آپ نے تکلیف فرمائی، لیکن میں نے محسوس کیا ہے مجھے صحت میں اس کی ضرورت بہت کم ہو گی۔ آپ کا تھرماس واپس بھیج دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اس کی قیمت سے آپ نے مطلع نہیں فرمایا۔

حضرت عز الدین عرفان خان صاحب سے السلام علیکم عرض کریں اور عرض کریں کہ مالٹا اچھا ہو رہا ہے، ابھی کچھ ترش ہے، عنقریب آپ کو بھیجا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ اور آپ نماز بھی پڑھا کریں اور سبق بھی ضرور پڑھیں۔

عزیزی محمد گذشتہ اتوار آئے تھے، انھوں نے بتایا قاری صاحب اچھے ہیں۔ ہزارہ سے کوئی اطلاع نہیں۔ مولانا کو پرانا درد اس سال تو نہیں ہوا؟ غالباً وہ اس سال تبلیغی جماعت کے اجتماع پر بھی نہیں آئے۔

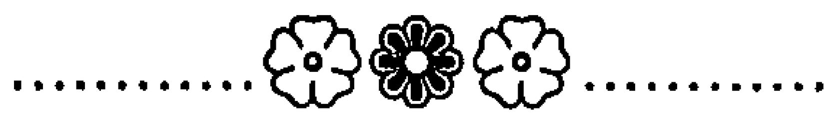
عزیزہ سلمٰی سے دریافت کریں! میرا سوتی دراز کہاں رکھا تھا؟ اگر یاد ہو تو بہتر، ورنہ دوسرا انتظام ہو جائے گا۔

آپ کی تبدیلی کی صورت تو کوئی سامنے نہیں آئی۔ عفیفہ اور شاہدہ خواب بتا رہی ہیں، بھائی

جان کی تبدیلی ہو گئی ہے، وہ لاہور آ گئے ہیں۔
خیریت سے مطلع فرماتے رہیں۔

والسلام
محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

نوٹ: مکان کا پتا لکھیں جس پر آپ کو کوئی ملنا چاہے تو آسانی سے مکان پر پہنچ جائے۔
اسم



مکتوب نمبر 209

(۳۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated: 5-3-63	Gujranwala

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ مکتوب کے منی آرڈر کی رسید بھی مل گئی۔ آپ اپنی صحت کے متعلق بالکل مجمل اور مختصر لکھتے ہیں جس سے اطمینان نہیں ہوتا۔ دشمن اور بیماری کو کمزور نہیں سمجھنا چاہیے، اس لیے جب تک تکلیف تھوڑی بہت بھی باقی ہو علاج میں تساہل نہیں ہونا چاہیے۔ ڈاکٹر یوسف صاحب (گجرات) نے بھی کئی بار آپ کی صحت کے متعلق دریافت کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے وہ اپنے فن کے لحاظ سے آپ کی صحت کے متعلق متفکر ہیں۔ اگر صحت پر کچھ زیادہ اچھا اثر نہ ہو تو کراچی چھوڑنے کا فیصلہ کیجیے۔ کمانا زندگی کے لیے ہے، زندگی کمائی پر قربان نہیں کرنی چاہیے۔ تھوڑی تنخواہ پر لاہور، ہری پور، گجرانوالہ آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی راہ پیدا کر دے گا۔

پندرہ شوال کے بعد امید ہے کراچی آنے کا موقع ہو گا۔ کوئی چیز مطلوب ہو تو لکھ دیں۔ چاولوں پر بڑی سخت پابندی ہے۔ اگر پرمٹ مل سکا تو ہی آ سکیں گے ورنہ مشکل۔ ساری ٹرانسپورٹ

وغیرہ پر بڑی سخت چیکنگ ہے۔

یہاں کل ہلکی سی بارش ہوئی ہے۔ آج موسم خوشگوار ہے۔ غالباً کراچی میں بھی موسم بہتر ہوگا۔ اگر کراچی آنا ہوا تو غالباً آٹھ دن قیام رہے گا۔ اب کے بذریعہ ٹرین آنے کا خیال ہے۔

عید کے بعد کل لاہور جانا ہوا، لیکن قاری صاحب سے ملاقات نہیں ہوسکی۔ ہری پور کا مکان خالی ہو گیا ہوگا؟ اس دفعہ مولانا تبلیغی اجتماعات پر غالباً نہیں آئے۔ معلوم نہیں ان کی صحت کیسی رہی۔

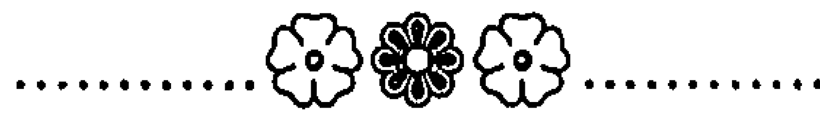
والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ

چاہ شاہاں

عرفان میاں سے سلام عرض کیجیے۔ سب بچے عرفان صاحب کو سلام کہتے اور بلاتے ہیں۔ اسم سلمٰی کے لیے اگر ضرورت ہو تو دبید الورد جو دوائی وہ یہاں استعمال کرتی تھی، اگر ضرورت ہو لیتا آؤں یا بھجوا دوں۔ اسم



مکتوب نمبر 210

(۳۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۲۱۔۵۔۶۳ء

عزیزم سلمہ اللہ وعافاہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی۔ پرسوں سکینہ بیگم پہنچ گئی اور حضرت مولانا قاری محمد عرفان صاحب کی ٹافیاں اکیلے بیٹھ کر ہنس ہنس کر کھائی گئیں۔ ساجدہ کہتی تھیں: عرفان بھائی کی ٹافیاں میٹھی نہیں، عرفان میاں خود بہت میٹھے ہیں، ان کو ضرور بلاؤ۔

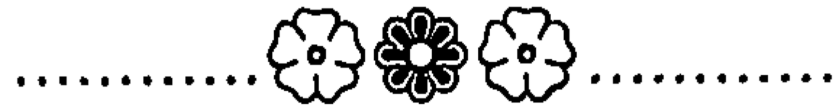
میں شاید وسط جون تک کراچی آؤں۔ ایک کام نکل رہا ہے، امید ہے دوبارہ حتمی اطلاع دے سکوں گا۔ ان شاء اللہ

اگر کوئی چیز لانا ضروری ہو تو مطلع فرما دیں۔ خدا کرے اس وقت تک آپ کے تبادلے کا فیصلہ ہو جائے۔ والسلام

یہاں کل پرسوں سے گرمی شروع ہوئی ہے۔ پہلے تو کافی ٹھنڈک رہی۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 211

(۳۴)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الجامعہ السّلفیہ لائل پور

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی درسگاہ

گجرانوالہ

۹۔۶۔۶۳

عزیزم عافاہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

کئی ہفتے ہوئے آپ کی خیریت کی کوئی اطلاع نہیں۔ عید سے پہلے بھی دو تین خطوط لکھے مگر جواب نہیں آیا۔ عرفان میاں کے لیے عیدی بھیجی تھی، اس کی رسید بھی تا حال نہیں ملی۔ اپنی اور گھر والوں کی خیریت کے متعلق بواپسی لکھیں۔ عرفان میاں کیسے ہیں؟ یہاں سے سکینہ بیگم گئی ہیں، امید ہے آپ کے ہاں ضرور پہنچیں گی۔ اگر آپ کو تکلیف نہ ہو تو عرفان میاں کو بھیج دیں ورنہ جیسے آپ پسند کریں۔

میں کل ہری پور قریباً دو گھنٹے کے لیے گیا تھا، لیکن مولانا سے ملاقات نہ ہو سکی۔ شعیب بھی ہمراہ تھا۔ روڈ میں پانی تھا اور وقت بے حد کم۔ رات کو راولپنڈی واپس آنا تھا۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 212

(۳۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

فون: ۴۹۱۴ مورخہ: ۱۲/ جون ۱۹۶۳ء

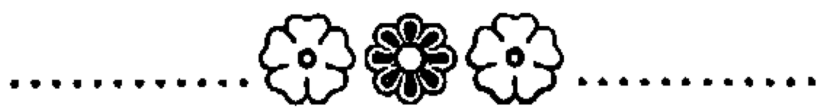
عزیزم سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

کل ہی آپ کو عریضہ لکھا تھا۔ گھر گیا تو آپ کا تار ملا۔ اللہ تعالیٰ مولود کو مسعود کرے اور طبعی عمر مرحمت فرمائے۔ آپ کے اور اپنے اقارب کے لیے دنیا اور آخرت کا ذخیرہ بنے۔

میری طبیعت ابھی درست نہیں۔ میں شاید اخیر جون آسکوں۔ یہ بھی یقینی نہیں۔ اگر بچوں کا آنا ممکن ہو تو اس کے لیے کوئی کوشش کی جائے۔ سرِ دست تو عزیزہ کی صحت کمزور ہو گی۔ آپ بھی ان کی غیر حاضری میں کیا صورت اختیار کریں گے، ساری چیزیں سوچنے کی ہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 213

(۳۶)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ Chah Shahan

Dated: 4-7-63 Gujranwala

محترم مکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

مورخہ: ۱/ ۷/ ۶۳ کا مکتوب مل گیا۔ تعجب ہے آپ کو میرا خط کیوں نہیں ملا؟

کل بشیر احمد صاحب وکیل کے ہاں بھی لڑکا ہوا اور اس سے چند روز پہلے عطاء اللہ بن بھائی محمد حسین صاحب مرحوم کے ہاں بھی لڑکا ہوا۔ داود کے ہاں بھی بچی ہوئی ہے۔ سعید حکیم یوسف صاحب کے بھائی کا بھی پرسوں نکاح ہوا ہے۔ سلمٰی کی والدہ بچی پیدا ہونے کے بعد گجرات گئی تھی، ابھی وہیں ہے۔ شاید کل آجائے۔ کل جمعہ ہے۔

میری طبیعت اب بحمد اللہ اچھی ہے۔ کوشش کر رہا ہوں آپ حضرات کی زیارت کر سکوں۔ یہاں معمولی بارش ہوئی ہے، لیکن موسم پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ گرمی شدت کی ہے، اس لیے سفر سے جی گھبراتا ہے۔ محمد صاحب گجرانوالہ ٹرانسفر کی کوشش کر رہے ہیں، ممکن ہے کامیابی ہو جائے۔

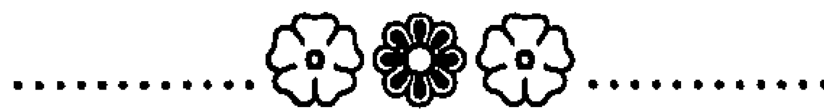
والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

حضرت مولانا قاری علامہ عرفان صاحب سے سلام عرض کریں اور فرمائیں کہ وہ پنجاب سے ناراض نہ ہوں، تشریف لے آئیں۔ آج کل یہاں آم، آلو بخارا، خربوزے کافی ہیں۔ آپ کی خدمتِ عالی میں پیش کیے جا سکیں۔ شعیب، اسد، سعود، طیبہ، عفیفہ اور شاہدہ وغیرہ آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔ اب آپ کو آ ہی جانا چاہیے۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 214

(۳۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۲۳۔۷۔۶۳ء

عزیزم سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

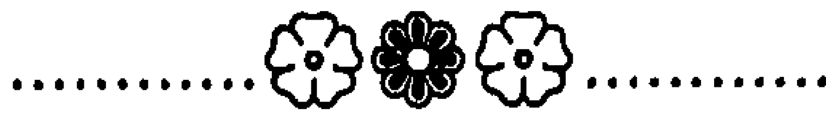
ہم سوموار صبح ۹ بجے گوجرانوالہ پہنچ گئے۔ مجھے راستے میں پیچش کی تکلیف ہوگئی، آج آرام ہے۔

عرفان صاحب ہم عمر رفقاء میں مل گئے۔ شاید کچھ دن کے بعد کراچی یاد کریں۔ پنجابی پروگرام شروع ہو گیا ہے۔ باقی سب خیریت ہے۔

عزیزم محمود[1] بمع اہل و عیال کئی دن سے کراچی ہیں۔ شاید ایک دو دن میں آ جائیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 215

(۳۸)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گجرانوالہ

۱۷۔۸۔۶۳ء

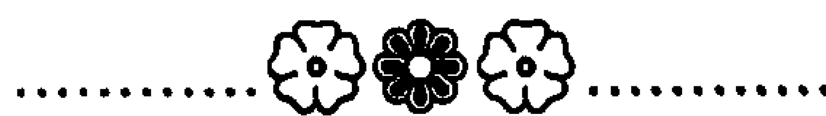
عزیزم سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ کئی دن سے آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔ عرفان صاحب اور عمران صاحب بخیریت ہیں۔ مسجد آئے ہوئے تھے، ابھی ہانڈی لے کر گھر گئے ہیں۔ مکان کے لیے زیور فروخت کرنا کیوں ضروری ہے؟ کچھ روپے آپ بھیج دیں، کچھ یہاں سے کوشش ہو جائے گی۔ اگر بیچنا ضروری ہوا تو تعمیر کے وقت فروخت کر دیں۔ اس وقت سونا کافی ارزاں ہے، قریباً /۱۲۵ سے پاسہ بک رہا ہے۔

باقی گھر میں خیریت ہے، میں آخر ستمبر ہزارہ جاؤں گا۔

والسلام

محمد اسماعیل۔ گجرانوالہ



[1] مولانا سلفی کے منجھلے صاحبزادے حکیم محمود سلفی رحمہ اللہ مراد ہیں۔

مکتوب نمبر 216

(۳۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور

فون: ۴۹۱۴ مورخہ: ۱۵/ستمبر ۱۹۶۳ء

عزیزم سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

مزاج بخیر۔ دونوں مکتوب یعنی خط اور ملفوف ۱۴/۱۰/۶۳ کو ایک ہی ڈاک میں ملے۔ مولانا کا ہزارہ سے خط آیا تھا کہ ایک ماہ تک بچوں کو چھوڑ جاؤں گا۔ غالباً ایک ماہ ہو گیا۔ پھر کوئی خط نہیں آیا۔ مجھے فرصت نہیں ملی کہ جا سکوں۔ ویسے بحمد اللہ خیریت ہے۔ عرفان میاں تو اچھے تھے، عزیزہ کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ امید ہے بہتر ہی ہو گی۔

آج ہی ہزارہ خط لکھ رہا ہوں۔ موقع تلاش کر رہا ہوں ہزارہ جانے کے لیے نکل آئے تو لے آؤں۔ مولانا تو فصل کے ایام میں مشکل ہی آ سکیں گے۔

قاری صاحب کے ہاں اللہ تعالیٰ نے لڑکا دیا ہے۔ اللہ اسے سعادت مند کرے۔ محمود میاں کے ہاں لڑکی ہوئی۔ آج اس کا عقیقہ تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کو نیک اور اقبال مند کرے۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 217

(۴۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ
Dated: 24-9-63

Mohammad Ismail
Chah Shahan
Gujranwala

محترم مکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ میں ۶۳/۹/۲۱ ہفتہ کے دن عرفان میاں کو ہزارہ چھوڑ آیا ہوں۔ مولانا صبح اسٹیشن پر آ گئے تھے۔ بچے آرام سے گھکہ پہنچ گئے۔

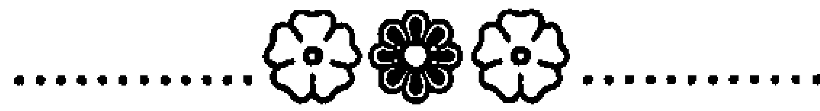
میں نے مولانا سے دریافت کیا تھا کہ یہ کب تک یہاں رہیں گے؟ مولانا خاموش رہے۔ جناب خود دریافت فرمائیں۔

امید ہے آپ کی صحت درست ہوگی۔ آپ بخیریت ہوں گے۔ اپنے کوائف سے مطلع فرماتے رہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 218

(۴۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"	Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ	Chah Shahan
Dated: 3-10-63	Gujranwala

محترم ومکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج بخیر

کئی دن گزرے، جناب کی صحت کا علم نہیں ہوا۔ ہزارہ سے خط آیا ہے۔ عرفان اور عمران سب بخیریت ہیں، غالباً وہ وہاں ایک ماہ ٹھہریں گے۔ شاید پندرہ بیس دن تک مجھے پھر اس طرف جانا پڑے، لیکن یہ یقین نہیں۔

مولانا محمد طاسین سے دریافت فرمائیں کہ مسند حمیدی کی دوسری جلد اگر آ گئی تو ارسال فرما دیں اور قیمت بھی لکھ دیں۔ میں نے پچھلی جلد اسی انتظار میں جلد ساز کو نہیں دی۔ آپ کراچی میں آزادانہ کام کی کوشش کریں۔ کراچی کی فرمیں حسابات کے متعلق کافی معاوضہ دیتی ہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 219

(۴۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" — Mohammad Ismail

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan

Dated: 30-12-63 — Gujranwala

محترم مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی

ڈاکٹر ناگی جناب کو ملے بغیر کل واپس پہنچ گیا۔ وہ آپ سے نہیں مل سکا۔ پھر کوئی اتفاق ہوا تو منگوا لیا جائے گا۔

عرفان صاحب کے بخار سے تشویش ہوئی۔ خوراک میں پرہیز رکھیں۔ ناہموار خوراک سے بعض وقت پیچش شروع ہو جاتی ہیں جو بے حد خطرناک ہوتی ہیں اور بخار پرانا ہو جاتا ہے۔

کل خط ملا تھا۔ رات دعا کی تھی، امید ہے ان شاء اللہ بخار اتر جائے گا۔

آپ کو تو میں نے کہا تھا یہیں رہیں، کراچی نہ جائیں، مگر آپ بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ ان شاء اللہ صحت دے گا۔

اکاونٹ تو ہے لیکن یہ پانچ صد روپیہ کیسا ہے اور آپ کیوں بھیج رہے ہیں؟ مفصل لکھیں

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 220

(۴۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گجرانوالہ

۴۔۱۔۶۴ء

محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پہلا خط مل چکا ہوگا۔ یہ عریضہ صرف عزیزی عرفان کی صحت کے متعلق لکھ رہا ہوں۔ بخار ٹوٹا یا

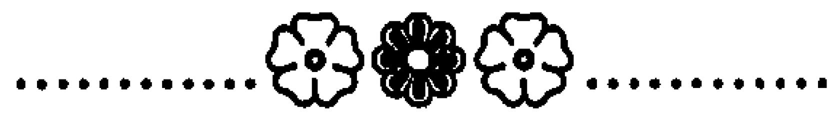
نہیں؟ کھانسی زکام وغیرہ کا کیا حال ہے؟ جو مالٹے عرفان میاں لے گئے تھے، کوئی اچھا بھی نکلا یا نہیں؟ فصل کی ابتدا تھی، ابھی پکے نہیں تھے۔

آپ نے اخبارات میں گجرانوالہ کا ڈاکا کیس پڑھا ہوگا۔ قریباً رات سات بجے کے قریب کھلے بازار کے قریب ہوا۔ گھر میں روپیہ پیسہ زیور نہیں رکھنا چاہیے۔ ہمارا ملک بھی بتدریج یاغستان بن رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

ایک کام نکل رہا ہے، شاید دس بیس دن کے اندر کراچی آنا پڑے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو لکھیں۔ سب بچے عرفان صاحب کو سلام کہتے ہیں۔ گھر میں سلام کہہ دیجیے۔

والسلام

محمد اسماعیل۔ گجرانوالہ



مکتوب نمبر 221

(۴۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان میں اسلامی علوم کی مرکزی اور معیاری درسگاہ

الجامعہ السّلفیہ لائل پور

زیرِ اہتمام

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

صدر دفتر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور
فون: ۴۹۱۴

پتا: جامعہ سلفیہ
نزد نشاط ٹیکسٹائل ملز۔ لائل پور
تاریخ: ۲۲/اپریل ۱۹۶۴ء

حبی العزیز سلمہ اللہ! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

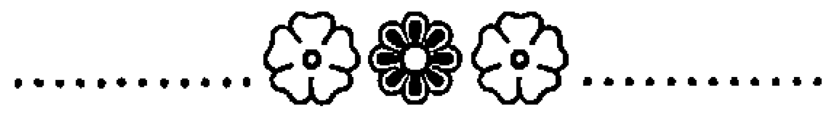
مکتوب ملا۔ تعجب ہوا میرا خط آپ کو نہیں ملا۔ میں نے آتے ہی واپسی کی اطلاع دے دی تھی۔ آپ شروع مئی میں آرہے ہیں، ایک ہفتہ پہلے آجاتے تو عید اہل وعیال میں ہو جاتی۔ غالباً کوئی مجبوری ہوگی۔

بچوں کی صحت سے مسرت ہوئی۔ میں اس دفعہ کچھ اس طرح مشغول رہا کہ بچوں کی عیدی بھی نہیں بھیج سکا۔ یہاں اس دفعہ بہت اولے پڑے۔ ہندو چک میں گندم کو کافی نقصان پہنچا ہے۔

ہری پور میں ڈھیری کے پاس مولوی عبدالحمید صاحب مدرس کی قریباً ساڑے تین کنال زمین ہے، وہ فروخت کر رہے ہیں۔ کیا آپ خریدنا چاہتے ہیں؟ زمین ہری پور کے قریب ہے۔ سردست اس میں کچھ نزاع ہے جو ختم ہو ہی جائے گا۔

عرفان عمران صاحب اور سب گھر والوں کو سلام۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ



مکتوب نمبر 222

(۴۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذكر في الكتاب "إسماعيل" — Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ — Chah Shahan
Dated: 18-6-64 — Gujranwala

محترم ومکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکتوب ملا۔ آپ بخیر کراچی پہنچ گئے۔ یہاں بھی بحمد اللہ کافی حد تک بچے اچھے ہیں۔ مجھے کل سے کافی افاقہ ہے۔

اب آپ کو اقامت کے متعلق مستقل فیصلہ کرنا چاہیے، ورنہ بچوں کی تربیت کا مرحلہ کافی مشکل ہوگا۔ یہ ذمہ شرعاً اور عرفاً بے حد اہم ہے۔ بچے بحمد اللہ ہوشمند ہیں، اگر صحیح تربیت نہ ہوسکی تو طبائع میں آوارگی کا آنا قدرتی ہے۔ کراچی، ہری پور، لاہور اور گجرانوالہ؛ کوئی بھی جگہ مستقل اقامت کے لیے ضروری ہے تاکہ بچوں کی نگہداشت کی جا سکے۔

تبادلے کے متعلق پوری کوشش کریں، تاکہ تذبذب نہ ہو۔

والسلام
محمد اسماعیل۔ گجرانوالہ



مکتوب نمبر 223

(۴۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل" | Mohammad Ismail
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ | Chah Shahan
Dated: 27-6-64 | Gujranwala

محترم مکرم عزیز! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل تبادلے کی اطلاع بعد نمازِ جمعہ ملی۔ تمام اعزہ کو مسرت ہوئی۔ خدا کرے تبادلہ مفید ہو۔

اس ضمن میں چند ایام کے لیے بچوں کا کراچی آنا اس کی حکمت معلوم نہیں۔ اس وقت گرمی اپنے جوبن پر ہے اور ریل کے سفر کی مشکلات آپ سے مخفی نہیں۔ اس وقت بچے بحمد اللہ بالکل صحت مند ہیں۔ عرفان اور عمران دونوں تندرست ہیں۔

گرمی کی اس شدت کا اثر صحت پر یقینی ہے۔ آپ کے جواب کا انتظار ہے۔ اگر آنا ضروری ہو تو سوار کرا دیا جائے گا۔ ممکن ہے ان ایام میں کوئی اچھا ساتھ بھی مل جائے۔ اکیلے سفر اور چھوٹے بچوں کی وجہ سے طبیعت فکر مند ہے۔

والسلام
محمد اسماعیل، گجرانوالہ

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 224

(۴۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزی جمعیۃ اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

مکرم ومحترم عزیزم! زَادَكَ اللّٰهُ عِزًّا وَكَرَامَةً. السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انتظار کے بعد کل خط ملا۔ شکر ہے آپ بخیریت ہیں۔ عرفان اب بحمد اللہ بالکل تندرست ہیں بقدرِ ہمت اچھلنے کودنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے صحت، زندگی اور صلاحیت مرحمت فرما دے۔

آپ نے اب پڑھنا شروع کر دیا ہوگا، خدا کرے آپ اس امتحان کا مرحلہ طے فرما لیں۔

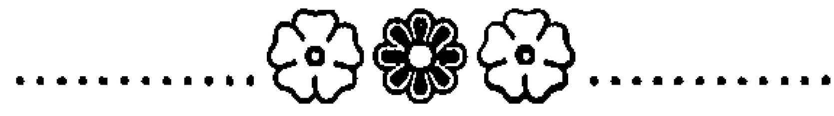
قاری صاحب کا گرامی نامہ کل آیا تھا، عزیزہ امۃ الخبیر کے خطبہ کا مرحلہ ان کے سامنے ہے، مجھ سے بھی انھوں نے مشورہ فرمایا تھا بحکم «اَلْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ»[1] میں نے اپنی رائے ان سے عرض کر دی، لیکن میں سمجھتا ہوں یہ مسئلہ آپ کی اعانت کے بغیر مشکل ہی حل ہوگا۔ اس میں قاری صاحب کے تدبر کا بھی ایک گونہ امتحان ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں کامیاب کرے اور عزیزہ کے خوشگوار مستقبل کی صورت نکل آئے۔

کل سے یہاں سردی بہت تیز ہو رہی ہے، سنا ہے یہ لہریں کوئٹہ سے آ رہی ہیں۔ امید ہے کراچی بھی اس سے متاثر ہوگا۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 225

[اپنی بیٹی سلمٰی کے نام تین مکتوب]

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذكر في الكتاب "إسماعيل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala

تاریخ: ۲۸/ دسمبر ۵۸ء

عزیزہ سلمہا اللہ تعالیٰ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ بخیر پہنچ گئی ہوں گی۔ آج اطلاع کی امید تھی، لیکن تا حال انتظار ہے۔ سفر کیسے گزرا؟ مفصل لکھیں۔ گجرانوالہ میں تو جگہ چنداں موزوں نہ تھی۔ داود میاں بھی اب تک گھر نہیں پہنچے۔ اس لیے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ لاہور میں زحام (بھیڑ) کی کیا صورت رہی۔

بر وقت نماز کی پابندی رکھیں۔ نماز دیر سے پڑھنا اور جلدی پڑھنا اجر کو ضائع کر دیتا ہے۔ وقت پر بھی پڑھیں اور اطمینان سے بھی ادا کریں۔

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث (٥١٢٨)، سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٨٢٢) سنن ابن ماجه، رقم الحديث (٣٧٤٥) السلسلة الصحيحة، رقم الحديث (١٦٤١)

شروع میں چند دن کھانے میں پرہیز رکھیں۔ بھوک کے بغیر نہ کھایا جائے اور زیادہ نہ کھایا جائے۔ آب و ہوا موافق ہونے کے بعد اس پرہیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔ کراچی چائے کا استعمال ان شاء اللہ مفید ہوگا۔ کراچی میں آج کل بدہضمی کی وبا ہے۔ کم کھانے میں ان شاء اللہ اس سے بھی حفاظت ہوگی۔

آپ کے جانے سے جو خلاء پیدا ہوا ہے، اس کا اثر کم وبیش سب پر ہے، لیکن عفیفہ اور شعیب سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔ خط میں سب بچوں کا نام بنام ذکر کریں، ان دونوں کو خاص طور پر تسکین دیں۔

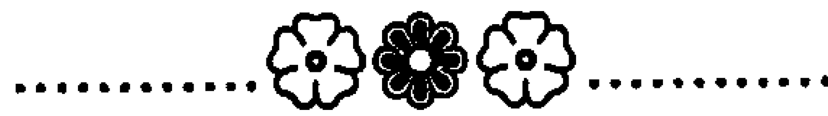
صبح کی نماز خاص طور پر سویرے پڑھنے کی عادت ڈالیں، بلکہ ہو سکے تو سحری کو بھی نوافل پڑھیں۔ تہجد کی دعائیں منظور ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مشکلات آسان فرماتے ہیں۔ اگر ہو سکا تو تہجد کا التزام رکھیں۔ بشیر الدین صاحب کو دفتر جانا ہوگا، سویرے اٹھنے سے کھانا وغیرہ تیار کرنے میں سہولت ہوگی۔

کراچی میں گجرانوالہ کے کافی آدمی رہتے ہیں۔ ممکن ہے پتا چلنے پر گھر آنے کے لیے کہیں۔ عام لوگوں کے گھروں میں جانے کی عادت اچھی نہیں۔ جو خود آ جائے اس کی خدمت کرنا اخلاقاً ضروری ہے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 226

(۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"

چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan

Gujranwala

تاریخ: جنوری ۱۹۵۹ء

عزیزہ زید شرفہا وعزہا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ بخیریت ہوں گی۔ آپ کے بخیر پہنچنے کی اطلاع سے خوشی ہوئی۔ خدا کرے آب و ہوا موافق آ جائے۔ عزیزہ امۃ البصیر سلمہا اللہ آپ کی تنہائی میں آپ کی رفیق ہوں گی۔ دراصل تنہائی ان لوگوں کو ناگوار ہوتی ہے جو پڑھنا لکھنا نہ جانتے ہوں۔ پڑھے لکھے آدمی کے لیے کتاب سب سے بہتر

ساتھی ہے۔ "وَخَيْرُ جَلِيْسٍ فِي الزَّمَانِ كِتَابٌ" "دنیا میں کتاب سب سے بہتر ساتھی ہے۔"

قرآنِ مجید پڑھیں، ترجمان القرآن وہیں ہے، اسے مطالعہ میں رکھیں۔ تیسیر الوصول، مشکاۃ وغیرہ کتابیں معلوم نہیں آپ کے پاس ہیں یا نہیں؟

امۃ البصیر کو مطمئن رکھیں، اس کی والدہ کا بہت بڑا احسان ہے، اس نے تمھاری دل جوئی کے لیے اتنے لمبے سفر کی اجازت دے دی۔

کل ہری پور سے خط آیا ہے، وہ امۃ البصیر کی غیر حاضری کو بہت محسوس کرتے ہیں۔ ناول اور ماہانہ رسائل میں عموماً اچھا ذخیرہ نہیں ہوتا۔ مخربِ اخلاق مضامین شائع ہوتے ہیں۔ تاریخ، سیرت، دینیات کی کتابیں مطالعہ میں رکھیں، ان سے زندگی بنتی ہے۔

کسی چیز کی ضرورت ہو تو لکھیں، کسی آنے والے کے ہاتھ بھیج دی جائے گی۔ لوگ عموماً کراچی آتے جاتے رہتے ہیں۔

آپ کو پہلی دفعہ اتنا لمبا سفر کرنا پڑا، ہم سب اسے محسوس کرتے ہیں اور آپ کی حوصلہ مندی پر ہمیں خوشی ہے۔ یہاں سیٹلائٹ ٹاؤن میں عن قریب زمین کا قبضہ ملنے والا ہے۔ آپ گھر میں مشورہ کریں، اگر ایک دو کمرے بن جائیں تو سہارا ہو جائے گا۔ کوشش ہو سکتی ہے کہ ملازمت کے لیے یہاں کوشش کر لی جائے۔ بشیر الدین صاحب "بی۔ کام" کر لیں تو لاہور وغیرہ شہروں میں ملازمت کی صورتیں نکل سکتی ہیں۔

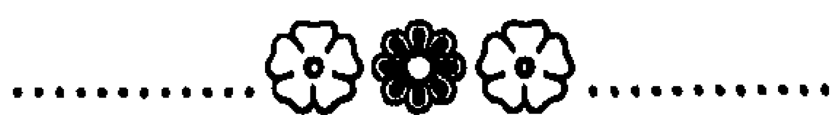
ہم سب قدرت کے فیصلوں کے تابع ہیں، اس کے فیصلوں پر مطمئن ہونا چاہیے۔ بے صبری سے کوئی مشکل حل نہیں ہوتی بلکہ طبیعت پر بوجھ زیادہ ہوتا ہے۔

یہاں کل سے بارش شروع ہے۔ سردی تیز ہو رہی ہے۔ کل سیٹھ نظام الدین صراف کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم نیک آدمی تھے۔

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گجرانوالہ



مکتوب نمبر 227

(۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

واذکر فی الکتاب "إسماعیل"
چاہ شاہاں۔ گوجرانوالہ

Mh. Ismail, Chah Shahan
Gujranwala
تاریخ: ۲۱۔ ۹۔ ۵۹

عزیزہ سلمہا اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں کوئٹہ سے آتے ہی ملتان چلا گیا۔ عزیزی بشیر الدین صاحب کا مکتوب گرامی آیا تھا۔ جواب کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ آج ان کا دوسرا خط بھی آ گیا۔ جَزَاہُ اللّٰہُ۔ ہم لوگ کراچی کی بارش کے متعلق عموماً متفکر رہتے ہیں۔

سمندر کے بخارات اور اس کی ہواؤں کے فیوض سے اس سال پوری دنیا حیرت میں ہے۔ آپ لوگ سمندر کے کنارے پر بیٹھ کر سمندر کے فیضان سے کیسے محروم رہ سکے، آجکل یہاں بھی یہ حال ہے کہ گوجرانوالہ سے لاہور جاتے وقت ایمن آباد کے موڑ سے آگے لاہور تک سڑک کے دونوں طرف پانی ہی پانی نظر آئے گا، نیلوفر کے پھول سڑک کے دونوں طرف بہار دے رہے ہیں۔ اس طرف بھی بارش بہت ہے۔ سیلاب نے فصل کو بے حد نقصان پہنچایا ہے۔ جان و مال کو بھی کافی نقصان ہوا۔

گاؤں میں ابھی تک پانی پانی ہے۔ شاید فصل کاشت نہ کی جا سکے۔

کوئٹہ کا موسم نہایت خوشگوار تھا۔ فروٹ کافی تھا، لیکن اب شروع ہو رہا تھا۔ انگور کافی ارزاں تھا۔ موٹا انگور ۶ آنے سیر جو لاہور میں اس وقت ۸ آنے سیر ہے۔ ہوا بہت خواشگوار تھی۔ افسوس ہے کہ فرصت نہ تھی، ورنہ کچھ دن اور ٹھہرتا۔

آپ نے پلاٹ لے لیا۔ اللہ تعالیٰ اسے برکت کا موجب فرما دے۔ یہ نہیں لکھا کہ قسط کس قدر ہو گی اور کتنے عرصے کے بعد؟

ہری پور سے خط آیا تھا۔ مولانا کو پہلے کمر میں کچھ تکلیف رہی، اب آرام ہے۔ قاری صاحب کی اہلیہ محترمہ قریباً ایک ماہ سے زیادہ عرصہ سخت علیل رہیں۔ اب اچھی تھیں۔ گیارہ میل پر علاج کے لیے دو وقت جاتے رہے، اب بحمد اللہ کافی آرام ہے۔

ابھی کتاب جلد نہیں ہوئی۔ نہیں بھیجی جا سکے گی۔ عزیزم بشیر الدین صاحب ترجمان القرآن لے گئے تھے۔ اگر پڑھ چکے ہوں تو دوسری جلد بھیج دوں؟

گھر کے سب لوگ بچے اور بڑے سلام کہتے ہیں اور تا حال سب بخیریت ہیں۔

والسلام

محمد اسماعیل، گجرانوالہ

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 228

(شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے نام میاں محمد بشیر الدین کا ایک مکتوب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمد بشیر الدین
کراچی
Date: 3-8-65

M. Bashiruddin
B,Com
C.78 Mahmoodabad
KARACHI

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گوجرانوالہ حاضری کا ارادہ تھا، مگر اچانک پسلی میں تکلیف ہو جانے کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا۔ چنانچہ کل امین الدین صاحب کے ذریعے بچوں کو گوجرانوالہ روانہ کیا اور خود کراچی روانہ ہوا ہوں۔ آج دوپہر بعافیت ساڑھے بارہ بجے پہنچ آئے تھے۔ ساتھ ایک اور ساتھی ہے جس کی وجہ سے ہوٹل میں ٹھہرا ہوں لیکن دوستوں کا اصرار ہے، شاید پرسوں یا کل ہوٹل سے منتقل ہو جائیں۔

واپس ان شاء اللہ ۸ تاریخ بروز اتوار کسی گاڑی سے لاہور پہنچنا ہے۔

دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ درد اب بہت ہلکا ہے۔

امی جان کی خدمت میں سلام عرض۔

والسلام

محمد بشیر الدین

دفتر کی کانفرنس ۴ اور ۵ صرف دو روز ہے۔

............❀❀❀............

مکتوب نمبر 229

(شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے نام علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کا ایک مکتوب گرامی)

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ سے دیرینہ مراسم تھے اور دیر تک رہے۔ مرحوم گجرانوالہ اور بدوملہی وغیرہ اہلِ حدیث جلسوں میں شامل ہوتے رہے۔

حضرت مغفور سے مکاتبت بھی رہی۔ افسوس کہ تمام خطوط تلاش کے باوجود نہیں مل سکے۔ ایک خط آج پرانے کاغذات سے دستیاب ہوا۔ اُسے دیرینہ مقدس یادگار کے طور پر ''الاعتصام'' میں اشاعت کے لیے بھیج رہا ہوں۔ ممکن ہے اگر حضرت کے مکاتیب کا کچھ مجموعہ شائع ہو تو یہ مکتوب بھی شاملِ اشاعت ہو جائے۔ تقسیم کے بعد ندوہ سے مراسم نہیں رہے۔

یہ مکتوب گرامی غالباً حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ سے تعلق و ارادت سے پہلے کا ہے۔ فرعی مسائل میں تو حضرت کے ساتھ ارادت کے بعد مرحوم نے اپنی تحقیقات سے اجمالاً رجوع فرما لیا تھا۔ عقائد کے متعلق معلوم نہیں کیا صورت رہی؟ میرے تعلقات مرحوم سے نیاز مندانہ تھے، اس لیے دریافت کی ہمت نہ ہوسکی۔

یہ مختصر مکتوب علمی انداز کا ہے۔ ہمارے محترم رفیق اور دوست مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی نے عقائد کے متعلق ایک متن لکھا۔[1] میں نے یہ متن استصواب کے طور پر حضرت مرحوم کو بھیجا۔ مرحوم نے سرسری ملاحظہ کے بعد یہ مکتوب لکھا۔ حضرت مولانا تھانوی مرحوم کے تعلق کے بعد حضرت مولانا کا اندازِ فکر بدل گیا تھا۔ إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ أَصْبَعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمَانِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ.

علمی اور مرحوم کے ارادتمند حلقوں میں یہ مکتوب عریضۂ عزت کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

محمد اسماعیل

خطیب جامع اہلِ حدیث، گجرانوالہ

---

[1] اس سے مراد حضرت حافظ صاحب گوندلوی رحمہ اللہ (م ۱۹۸۵ء) کا رسالہ ''تحفۃ الاخوان'' ہے، جو عربی میں ہے اور گوجرانوالہ سے ان کے فرزند محترم مسعود اعظم کے اہتمام میں جنوری ۱۹۶۷ء کو شائع ہوا تھا۔ اب یہ امام گوندلوی رحمہ اللہ کے دیگر عربی رسائل کے ساتھ "مجموع رسائل في العقائد والأصول" (3 جلدیں) میں مطبوع ہے۔

دار المصنفین اعظم گڑھ

مکرمی! السلام علیکم

عنایت نامہ اور مسودہ دونوں پہنچے۔ مسودہ تو بڑے شوق سے پڑھا۔ رسالہ محنت سے لکھا گیا ہے اور شیخین ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تحقیقات کو خوب سمجھ کر لکھا گیا ہے۔ کم از کم ایک مسئلے میں تو مولانا شبلی کی اور دوسرے میں میری تکفیر کا جواب ہو گیا ہے۔ تسلسلِ آثار کے قائل مولانا شبلی ہیں اور انتہائے نار کے جرم کا ارتکاب مجھ سے ہوا۔

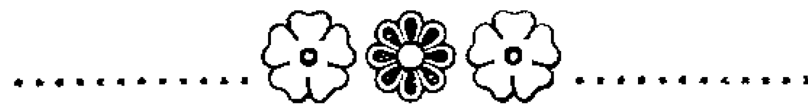
مجھے ۱۰/ نومبر تک فرصت نہیں، اس کے بعد اس کو غور سے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔ ایک چیز اس رسالے میں کمی کی ہے، یعنی یہ کہ اس میں متونِ مختصرہ کی تقلید کی گئی ہے، جیسے تہذیب اور نسفی وغیرہ ہے، اس میں گنجلک پن پیدا ہو جاتا ہے۔

طالب کی درخواست ناظم صاحب کے پاس بھیجئے۔ پنجاب ندوہ ہو تو کیا۔

والسلام

سلیمان

۴/ رجب ۱۳۵۵ھ [1]



مکتوب نمبر 230

(شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے نام مولانا محمد ابوالقاسم سیف بنارسی رحمہ اللہ کا ایک مکتوب گرامی)

سعید منزل بنارس — بسمہ — From

Abul Qasim. Mohammad Khan, Saidy

36,J, Said House, Daranagar

Ref No:................. Benares.....23-1-1946

حضرت مولانا! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۹/ جنوری کا کارڈ ملا۔ میں نے اخبارات کو حسبِ ذیل بیان بھیجا تھا۔ یہ بیان اخبار اہلِ حدیث امرتسر اور زمزم و شہباز لاہور کو بھی بھیجا گیا تھا۔ یہ بیان اخبار انصاری دہلی ۱۳/ جنوری، اور کانگریس

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۴/ نومبر ۱۹۶۶ء)

کے اردو اخبار قومی آواز لکھنو، ۱۳؍جنوری اور ہلالِ نو بمبئی میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ زمزم اور شہباز کو توجہ دلائیں کہ وہ بھی جلد شائع کر دے:

اہلِ حدیث کسے ووٹ دیں؟

جماعت اہلِ حدیث ایک ترقی پسند اور انقلابی جماعت ہے۔ وہ مسلم لیگ جیسی رجعت پسند جماعت کی تائید کس طرح کر سکتی ہے؟ مسلکِ اہلِ حدیث رجعت پسندی کے ساتھ قطعی سازگار نہیں ہوسکتا، اس کی حمایت ترقی پسند عناصر کے لیے ہی ہوسکتی ہے، خواہ وہ جمعیت علماء ہو یا جمعیت مومنین یا مسلم پارلیمنٹری بورڈ۔ پس جماعت اہلِ حدیث کے قیمتی ووٹ انہیں جماعتوں کے لیے مخصوص ہونے چاہییں، نہ کہ رجعت پسندوں کے لیے۔ بعض لیگ زدہ رجعت پسند اہلِ حدیث کہلانے والوں کے دامِ فریب میں افرادِ اہلِ حدیث کو ہرگز نہ آنا چاہیے۔ ان سے صاف کہہ دینا چاہیے ؎

بروایں دام بر جائے دگر نہ　　　　که عنقا را بلند است آشیانہ [1]

المستدعی: محمد ابو القاسم بنارسی۔ صدر آل انڈیا اہلِ حدیث لیگ

مئوناتھ بھنجن و مبارک پور وغیرہ (ضلع اعظم گڑھ کی شرقی نشست) سے مولوی عبدالمجید صاحب الحریری بنارسی کو جمعیت علمائے ہند نے کھڑا کیا ہے۔ ان مقامات کے تمام اہلِ حدیث لیگ میں داخل ہیں اور مولوی صاحب ممدوح کی بڑی سخت مخالفت کر رہے ہیں، ان کے ساتھ میری بھی۔ کیا عجب کہ مئو کے لیگی اہلِ حدیث مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو مئو بلائیں۔ افواہ سننے میں آئی ہے۔ افسوس کہ مجھے گھر کے بکھیڑوں سے ذرا بھی فرصت نہیں ملتی، ورنہ مولوی ابراہیم صاحب کے خطبۂ کلکتہ اور پانچ ہزاری انعام کے اشتہار کا ایسا مدلل جواب دیتا کہ وہ بھی یاد کرتے۔ انھوں نے اپنے دونوں مضامین میں بڑے مغالطے سے کام لیا ہے۔ حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں آنحضرت ﷺ کا سردار بنی ضمرۃ عمرو بن مخشی الضمری اور ان کے حلفاء مشرکین قبیلہ بنی مدلج سے بھی تو معاہدہ کرنا اور معاہدہ نامہ کا لکھا جانا بیان کیا ہے، اس میں یہ الفاظ قابلِ غور ہیں:

"لَا یَغْزُوْهُ وَلَا أَنْ یُّکْثِرُوْا لَهُ جَمْعًا وَّلَا یُعِیْنُوا عَلَیْهِ عَدُوًّا"

(زاد المعاد: ١/ ٣٣٤۔ طبع هند)

[1] "جاؤ کہیں اور جال لگاؤ، کیوں کہ عنقا کا آشیانہ بہت بلند ہے۔"

یہ معاہدہ اہلِ کتاب سے نہیں ہے، بلکہ اصنام پرستوں سے ہے اور یہی مقصود اُس معاہدے سے ہے جو یہودیوں سے کیا گیا تھا، جس کا ذکر سیرت ابن ہشام مصری (۱/ ۱۷۸ و ۱۷۹) میں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ معاہدہ کا یہ متن کامل ہے۔ آپ اسے ابن کثیر کی تاریخ البدایۃ والنہایۃ سے مقابلہ کر کے ملا لیں۔ میرے پاس البدایہ والنہایہ موجود نہیں ہے۔ اور سب خیریت ہے۔

والسلام

ابو القاسم بنارسی



مکتوب نمبر 231

(شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے نام مولانا محمد داود غزنوی رحمہ اللہ کے تین مکاتیب)

(۱)

محبّ مخلص مولانا اسماعیل صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی!

عزیز عمر فاروق سے اور آپ کے گرامی نامہ سے معلوم ہوا کہ مولوی عبدالرشید صاحب بریلوی وہاں سے فارغ ہو گئے ہیں یا باہمی نزاع کی وجہ سے فارغ کر دیے گئے۔ مجھے ان کی استعداد کا کچھ علم نہیں۔ اگر وہ درس قرآن اور خطبہ جمعہ دے سکتے ہوں اور لاہوریوں کے مزاج کے مطابق آپ موزوں سمجھتے ہیں تو انھیں فوراً بلا لیں۔ مجھے ان کا پتا معلوم نہیں۔ یا بابو محمد اسحاق صاحب کو مسجد چینیانوالی کے پتے پر ان کے ایڈریس سے مطلع فرما دیں۔ آپ بھی مولوی عبدالرشید صاحب کو لکھ دیں تو بہتر ہوگا۔

مولانا حسین احمد صاحب مدنی ۲۶ کو لاہور تشریف لا رہے ہیں۔ ان کا پروگرام ان کے تشریف لانے پر ہی بن سکے گا۔ اگر ممکن ہوا تو گوجرانوالہ کے لیے وقت نکالا جائے گا۔

والسلام

داود غزنوی

۲۵-۱-۴۶

مولوی یٰسین صاحب کا خط بھیج رہا ہوں، مہربانی فرما کر ان کی مدد کیجیے اور روپڑ کا دورہ کیجیے۔

آپ جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد لاہور تشریف لے آیئے، آپ کو پروگرام عرض کر دیا جائے گا۔ اگر میں لاہور نہ ہوں تو امرتسر تشریف لے آیئے گا۔ ممنون ہوں گا۔ لاہور سیٹھ سدرشن سے مل کر پروگرام معلوم کر لیں۔ مجھے اپنے حلقے کا دورہ کرنا ہوتا ہے، اس لیے میں اب دفتر میں نہیں مل سکتا۔



مکتوب نمبر 232

(۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

مولانا المکرّم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پشاور کے قاصد عبدالغفور صاحب جو درحقیقت گوجرانوالہ کے ہی ہیں اور شاید اسی مناسبت سے ان کو بھیجا گیا ہے، ان سے میں نے جماعتی پروگرام اور آپ کی سرگرمیاں تفصیل سے بیان کیں۔ اور یہ بات خاص طور پر ان سے کہی ہے کہ آپ حضرات اچانک آگئے ہیں اور جن سے ہمارے وعدے ہوئے ہیں اور ہفتوں پہلے سے پروگرام طے ہوئے ہیں ان سے عہد شکنی کر کے اور تمام پروگرام خراب کر کے کس طرح آپ توقع رکھتے ہیں کہ مولانا صاحب آپ کے ہاں پشاور چلے جائیں؟

اور پھر یہ جلسہ ہماری جمعیت کا نہیں، سیرت کمیٹی پشاور کا بھی ہے۔ سیرت کمیٹی کے جلسے کی خاطر ہم اپنی جماعتوں کے جلسوں کو خراب نہیں کر سکتے۔ آپ کے متعلق میں نے ان سے کہا کہ وہ مسلسل کئی جلسوں کی شرکت سے تھکے ہوئے ہیں۔ قصور کے جمعہ کا وعدہ کر چکے ہیں۔ ان امور کے ہوتے ہوئے میں کس طرح ان سے عرض کروں کہ وہ ۱۷ر کی صبح کو پشاور پہنچیں اور ۱۸ر کا جمعہ خراب کر کے پے در پے سفر کر کے ہفتہ کو سیال کوٹ پہنچیں اور تھکے ماندے ہوں اور دو روز تک کسی کام کے قابل نہ ہوں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

انھوں نے کہا کہ حاجی رحمت اللہ صاحب نے مولانا صاحب (آپ کا) کا نام پیش کیا تھا اور انھوں نے اس وثوق کے ساتھ کیا تھا جیسا کہ مولانا صاحب ان کی جیب میں ہیں۔ جب چاہیں گے

بلا لیں گے، اس لیے ہم نے پہلے نہیں دعوت نامہ بھیجا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مولانا صاحب ہماری جیب میں ہیں۔ ان کو سبق دینا چاہیے کہ آیندہ وہ اس قسم کی حرکت نہ کریں۔

آپ اگر تکلیف برداشت کر سکتے ہیں تو بے شک پشاور تشریف لے جائیں اور سیرت کمیٹی کے جلسے میں ''شیخ الاسلام'' احتشام الحق سے شرفِ ملاقات بھی حاصل کر لیں اور ان کے زیرِ سایہ تقریر بھی کر دیں۔ ہم قصور والوں کے لعن طعن سننے کے لیے یہاں بیٹھے ہیں۔ وَالْأَمْرُ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ أَعْلَمُ مِنِّيْ بِأُمُوْرِ الْجَمَاعَةِ.

والسلام

داود غزنوی

۵۷۔۱۰۔۱۴



مکتوب نمبر 233

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ۔ لاہور

محترم المقام حضرت مولانا اسماعیل صاحب ناظمِ تعلیمات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولانا محمد شریف اللہ صاحب نے اپنی درخواست اور اس کے ساتھ آپ کے دو خطوط شامل کر کے میرے سامنے پیش کیے۔ میں نے دفتر سے اس فیصلے کی نقل طلب کی جو مولانا اسحاق صاحب نے گذشتہ سال کیا اور جس کی توثیق جامعہ سلفیہ کمیٹی نے کی تھی۔ فیصلے کی نقل اس کے ساتھ شامل کر کے آپ کی خدمت میں بھیجتا ہوں۔

فیصلہ بالکل واضح ہے، اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے اور اس میں اب تخفیف نہیں ہونا چاہیے۔

محمد داود غزنوی

۶۲۔۲۔۲۱

انو ویشن کی موجودگی میں معاملہ درست ہے۔ مبلغ بیس روپے اضافہ جامعہ کے تعلیمی سال ۱۰ر شوال ۱۳۸۱ھ مطابق ۲۲ر مارچ ۱۹۶۲ء سے مولانا کو مبلغ چار صد (۴۰۰) روپیہ دیا جائے۔ اسم

محمد اسماعیل

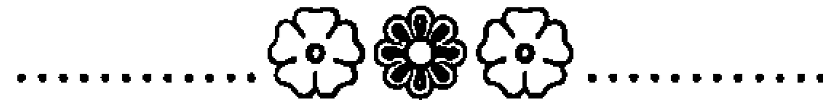
۲۲۔۲۔۶۲

حاجی محمد یوسف مہتمم جامعہ کو اطلاع کر دی گئی۔

عبدالعظیم انصاری

ناظم دفتر

۲۲۔۲۔۶۲



مکتوب نمبر 234

(شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے نام حافظ اسماعیل ذبیح رحمہ اللہ کے تین مکاتیب)

(۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم المقام مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ   مزاج بخیر

کوہاٹ سے خط آیا ہے کہ ہم نے گزشتہ سال بھی مولانا شیخ الحدیث کو دعوت دی تھی اور حضرت تشریف نہیں لائے اور امسال بھی دعوت دی ہے۔

میرا خیال ہے آپ کوہاٹ ضرور تشریف لے آئیں اور وہاں کی جماعت کو مرکز کے قریب کرنے کی کوشش فرمائیں۔ بذریعہ تار یا ٹیلیفون نمبر ۳۱۰۸ مطلع فرمائیں کہ آپ کس گاڑی یا بس سے تشریف لا رہے ہیں۔ بہتر ہو کہ جمعہ یہاں آ کر پڑھائیں، ورنہ جمعہ کے فوراً بعد سوار ہو کر اگر آپ رات کو 8 بجے راولپنڈی پہنچ جائیں تو 8 بج کر 4 منٹ پر ریل گاڑی رات کو چل کر علی الصبح کوہاٹ پہنچ جائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

مہدی زمان خان صاحب پندرہ تاریخ کو پہنچے۔ جمعہ پڑھائیں گے۔ صبح کو چھ بجے لاری جاتی ہے اور بعد دوپہر ڈیڑھ بجے ایک لاری پنجاب بس والوں کی چلتی ہے۔ صبح کو سوا دس بجے ایک

ریل گاڑی بھی جاتی ہے۔ جلسوں کا حساب مل گیا ہو گا۔ کھالوں کی رقوم ساڑھے تین صد (350) روپے سے زاید ہیں۔ ڈاک کے محصول سے بچنے کے لیے صرف رسیدوں کا تبادلہ ہو جانا بہتر ہے۔ یہاں کی شکر رنجی کم ہے۔ ہزارہ کے صدر صاحب سے بالمشافہہ گفتگو کوہاٹ میں ہو جائے گی، ان شاء اللہ۔ مظفر آباد سے الحاق کا فیصلہ بھی قابلِ غور ہے اور یہ سب کچھ بالمشافہہ ہی ہو گا۔ ان شاء اللہ۔

محمد اسماعیل ذبیح

راولپنڈی



مکتوب نمبر 235

(۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

محترم المقام جناب مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ　　مزاج بخیر

مدت سے ضلع ہزارہ کے دورے کا خیال تھا۔ جمعیت اہلِ حدیث مرکزیہ نے بارہا اس پر غور کیا، لیکن بعض نامساعد حالات کی وجہ سے ملتوی ہوتا گیا اور یہ پچاس ساٹھ ہزار کی اہلِ حدیث آبادی آپ کے قدومِ میمنت لزوم سے محروم رہی۔ اب ٹیکسلا میں ایک جلسہ منعقد کیا تو خیال آیا کہ کیوں نہ ساتھ ہی پہاڑ کا پروگرام بنا لیا جائے۔ کالا باغ اور نتھیا گلی کے مضافات میں چٹھیاں لکھی گئیں۔ چنانچہ ایک صاحب تشریف لائے۔ حالات دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہاں گو سردی زیادہ ہے لیکن چونکہ بارش نہیں ہوئی لہٰذا سردی ناقابلِ برداشت نہیں ہے۔ بس یوں سمجھیے کہ جیسے کوئی قابو نہ آتا ہو اور اچانک ہاتھ آ جائے تو مطلب برآری ہو جاتی ہے۔ میں نے موقع کو غنیمت جان کر آناً فاناً طوفانی دورے کا پروگرام بنا لیا۔ یہ سچ ہے کہ آنجناب سے اجازت حاصل نہیں کی، لیکن کام اہم تھا اور پروگرام بار بار بن بن کر بگڑتا تھا، اس لیے میں نے یہ جرأت کی، معافی کا خواستگار ہوں۔ پھر یہ کام بھی آپ ہی کا ہے، ہم لوگ تو خادم ہیں۔ ہماری کیا حیثیت ہے سوائے اس کے کہ اگر موقع مل جائے تو کچھ خدمت گزاری میں وقت صَرف کر دیں۔

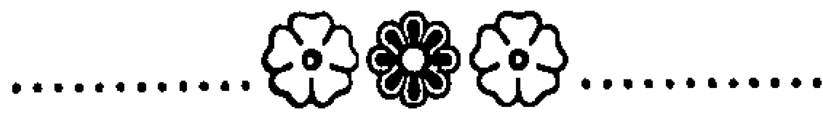
یہ لوگ سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے خاص جماعتی ہیں، بے علم ہیں، غریب ہیں، لیکن دینداری ان میں ہے، بعض ایم۔ ایل۔ اے اور سردار پکے اہلِ حدیث سنے جاتے ہیں۔ آپ کا تشریف لانا نہایت ضروری ہے۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ یہاں تقویٰ اور پرہیز گاری کا اچھا خاصا اثر ہے۔ اور باقی علماء

گو نیک ہیں لیکن ان کی بے تکلفی اور بعض کا ڈاڑھی کٹوانا وہاں غلط اثر پیدا کر سکتا ہے۔ آپ اور مولانا محمد اسماعیل صاحب (ناظمِ اعلیٰ) کا اثر نہایت اچھا رہے گا۔ اشتہار بھیج رہا ہوں۔ کالا باغ میں جلسہ ہو گا اور نتھیا گلی کے رئیس خانہ میں قیام۔ کالا باغ میں بھی قیام ہوسکتا ہے۔ میں آج مہدی زمان خان صاحب کو ملنے جا رہا ہوں، انھیں ساتھ لے کر کچھ ذی اثر لوگوں سے ملوں گا اور ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ آپ کے لیے میدان ہموار اور راستہ صاف ہو جائے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نے ٹیکسلا تشریف لانے کا وعدہ فرمایا ہے اور مولانا صمصام صاحب اور مولانا محمد یحییٰ، نیز محمد ابراہیم صاحب تاندلیاں والا نے بھی وعدہ فرمایا ہے۔ ۱۲۔۱۳ نومبر کو ٹیکسلا میں جلسہ ہے اور ۱۴ کو سفرِ پہاڑ اور ۱۵۔ ۱۶ کو کالا باغ۔ میں جلسے میں قرض اٹھا کر خرچ کر رہا ہوں۔ ٹیکسلا کے جلسے کا خرچ کچھ ٹیکسلا والے دیں گے اور شاید کچھ راولپنڈی کی جماعت خرچ کرے، کیوں کہ ان لوگوں کو قریب لانے کی ہم انتہائی کوشش کر رہے ہیں۔ بڑی مشکل سے انھیں یہاں تک کھینچ کر لائے ہیں اور ابھی وہ جماعت کی تشکیل نہیں کرتے۔ مکرر عرض ہے کہ آپ کا قدم رنجہ فرمانا نہایت ضروری ہے، حضرت شاہ شہید رحمہ اللہ کے واقعات اور ان کی تحریک کی روح کو آپ بہتر انداز میں بیان فرما سکتے ہیں۔ اگر ٹیکسلا کے لیے آپ وقت نکال سکیں تو نوازش، ورنہ کالا باغ کے لیے اپنے پروگرام سے متعلق مطلع فرمائیں۔

حافظ محمد ابراہیم و دیگر احباب کی خدمت میں السلام علیکم۔

آپ کا خادم
حافظ محمد اسماعیل ذبیح

۱۱۔۷۔۵۵



مکتوب نمبر 236

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان
شیش محل روڈ۔ لاہور

مکرم و محترم جناب مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

گزارش ہے کہ سندھ سے سید بدیع الدین شاہ صاحب کا ایک خط مولانا محمد اسماعیل صاحب (ناظمِ اعلیٰ) کے نام آیا تھا کہ وہ حیدر آباد میں ایک جلسہ کرنے والے ہیں جس میں پنجاب سے بھی بعض علمائے کرام کو دعوتِ شرکت دے رہے ہیں جن میں آپ کا نام بھی شامل ہے۔

ناظمِ اعلیٰ صاحب نے ان کے جواب میں لکھا ہے کہ چونکہ آپ نے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے بالکل متوازی جماعت سندھ میں بنا لی ہے اور کسی لمحے بھی اب تک ہمارے ساتھ آپ نے تعاون نہیں کیا، اس لیے جب تک ان لا مرکزی رجحانات کو ختم نہیں کرتے، ہم آپ کے ساتھ تعاون کرنے سے قاصر ہیں۔ مجھے ناظمِ اعلیٰ صاحب نے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کی خدمت میں یہ تحریر کروں۔ آپ کے نام اگر بدیع الدین شاہ صاحب کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہو تو آپ اس قسم کا جواب تحریر فرمائیں جیسا کہ ناظمِ اعلیٰ صاحب نے لکھا ہے۔

والسلام

خادم

عبدالعظیم انصاری

ناظم دفتر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث



مکتوب نمبر 237

(شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے نام مولانا محمد داود راز رحمہ اللہ کا ایک مکتوب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدی وسندی حضرت العلام مولانا صاحب۔ اَدام اللہ برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ رمضان شریف پھر عید الفطر پر خادمانہ ہدیۂ تبریک وتہنیت پیش کر رہا ہوں۔ اللہ پاک آپ جیسے پاک نفوس علمائے کرام کو تادیر ملت کے سر پر قائم دائم رکھے اور اپنے دینِ متین کی زیادہ سے زیادہ خدمات لے۔ آمین

بخاری شریف پارہ اول ارسالِ خدمت کی گئی ہے۔ نظر عالی سے گزری ہو گی۔ اس کے بارے

میں مکرر دعاؤں کی اور توجہاتِ عالیہ کی درخواست کروں گا۔ میں عید الفطر یہاں بنگلور کر رہا ہوں اور آخر جنوری تک دہلی واپس پہنچ سکوں گا۔ امید کہ دسمبر کا پہلا شمارہ بھی نظرِ عالی سے گزرا ہوگا۔

فروری اور مارچ میں یکجائی پرچہ نکال رہا ہوں جس میں بخاری شریف پارہ دوم کا کافی حصہ آجائے گا اور پارہ دوم مئی میں ختم ہو جائے گا۔ امسال دو پارے مکمل کر کے کتابی شکل میں نکالنے ہیں جن میں کامیابی اللہ کے ہاتھ اور آپ کی دعاؤں پر موقوف ہے۔

مکرر سلام مودبانہ پیش کرتا ہوں۔

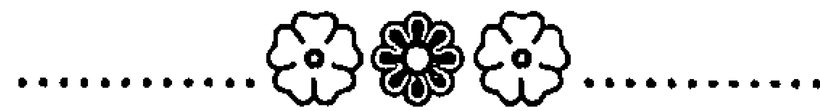
والسلام

آپ کا اپنا

محمد داود راز

۲۶۔ نیو مارکیٹ روڈ۔ بنگلور نمبر ا

۲۰۔۱۲۔۶۷



مکتوب نمبر 238

(شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے نام مولانا عبدالوہاب آروی رحمہ اللہ کا ایک مکتوب)

All India Ahle-Hadis Conference

MAULANA ABDUL WAHAB — Anwar Ahmadia

President — Arrah,.....۹ جنوری ۱۹۴۶ء.....1946

MAJLIS-E-AMAL

محترم مولانا زید مجدکم

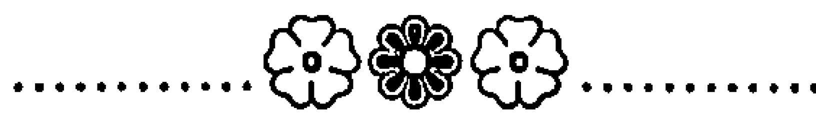
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ خیریت طرفین۔ حاصل ومطلوب

ٹیلیگرام اور خط ملا۔ میں سفر میں تھا۔ ۶؍جنوری کو واپس آیا تو ٹیلیگرام اور خط ملا۔ ۷؍جنوری کو مولانا ابو القاسم صاحب سے مشورہ کرنے کے لیے بنارس گیا۔ مولانا موصوف کے گھر میں ولادت ہوئی ہے اور توام بچے پیدا ہوئے ہیں۔ اور گھر میں کوئی دوسرا دیکھ بھال کرنے والا نہیں، اس لیے انھوں نے فرمایا کہ جنوری کے آخر میں باہر کہیں بھی نہیں جا سکتا۔ رہ گیا اجلاس کے اخراجات کا کچھ

حصہ بنارس سے فراہم کرنا تو بنارس کے اہلِ حدیث کے رئیس مولوی عبدالواحد، مولوی عبدالمتین، مالکان فرم اور حاجی عبدالرحیم اب لیگ میں شامل ہو گئے، اس لیے اس مقصد میں آسانی سے اور فوری کامیابی نہیں ہوسکتی۔ آپ نے ٹیلیگرام میں ۱۵/ جنوری کا وقت تحریر فرمایا ہے۔ آج ۹/ ہو گئی اور اس کے بعد بھی جو صورت حال ہے وہ عرض ہے۔ اس کے علاوہ حاجی عبدالرشید دہلوی بھی بمبئی جا چکے ہیں۔

مولانا المحترم! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کیا جائے؟ کم از کم اپنے ہم خیال ممبروں خصوصاً مولانا بنارسی کی شرکت تو ضروری ہے۔ اور وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہیں۔ اپنا کام تو کوشش ہی کرنا ہے۔ اب پنجاب کے الیکشن سے پہلے تو اجلاس ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اب جو میرے بس کی بات ہے وہ کروں گا۔ ایک بیان اخباروں کو روانہ کر رہا ہوں، اس کے بعد اجلاس کا اطمینان سے انتظام کیا جائے گا۔ اس خط پر دو پیسے کے ٹکٹ کم لگا رہا ہوں، تاکہ بیرنگ کی صورت میں آپ کو ضرور مل جائے۔

والسلام
عبدالوہاب آروی



مکتوب نمبر 239

(شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے نام مولانا عبدالرؤف جھنڈا نگری رحمہ اللہ کا ایک مکتوب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۲/ جنوری ۱۹۱۶ء

بخدمت شریف مولانا العلام مخدومنا المکرّم حضرت مولانا اسماعیل صاحب زیدت محاسنکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ مزاج مبارک!

آپ کا گرامی نامہ دسمبر کے اواخر کا چلا ہوا مجھے ۶/ جنوری ۶۱ء کو موصول ہوا۔

مکرر گزارش ہے کہ اجلاسِ عام میں آپ کا شرکت فرمانا از بس ضروری ہے۔ آپ پاسپورٹ اور درخواست دے دیں، آپ اپنا جائز حق پانے کے لیے اگر کچھ افسروں کو دینے پر مجبور ہوں گے تو یہ عنداللہ جرم کا ارتکاب نہ ہو گا۔ صاحب ''مجمع البحار'' نے تحت لفظ رشوت بعض صحابہ کے واقعات کو

نقل کیا ہے کہ اپنے جائز حقوق کے استحصال اور ظلم سے حفاظت کے لیے انھوں نے اہل کاروں سپاہیوں کو رشوت دی ہے۔ بنا بریں ابن الاثیر رحمہ اللہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

آپ کے ملاحظۂ سامی میں بھی یہ سب بات یقیناً ہے۔ اس کے باوجود آپ اس سے گریز نفسِ تقویٰ کے تحت فرماتے ہیں۔ حالانکہ انفرادی کام سے زیادہ آل انڈیا کانفرنس کے اجلاسِ عام میں شرکت سے جماعتی فوائد و اجتماعی مقاصد کے پروان چڑھنے کا امکان اور غالب گمان ہے۔ اس لیے آپ پاسپورٹ کے لیے درخواست دے دیں، ہم آپ کی تشریف آوری کے جملہ اخراجات معہ اخراجات پاسپورٹ ادا کریں گے۔

آپ ضرور سعیِ جمیل فرمائیں۔ وکان سعیکم مشکوراً

مولانا عبداللہ صاحب ثانی کو ہمراہ خود لائیے گا، میں ان کو علاحدہ لکھ رہا ہوں۔ یہ خط ان کے پاس اپنی سفارش کے ساتھ بھیج دیں۔

مولوی محمد شریف صاحب کی آمد کی اطلاع جب بھی آئے، مجھے دیجیے گا، آپ کا سفرِ حج پر تشریف لے جانا مبارک ہو، اپنے خدام کو دعائے خیر میں وہاں یاد رکھیے گا۔ اس کی استدعاء ہے۔ ''جامع الاصول'' غالباً سلطان سعود ۔أیّده الله تعالیٰ۔ کے عطیہ میں ملی ہوتی ہے۔ اس وقت فہرست پیشِ نظر نہیں ہے، لیکن غالب گمان یہی ہے۔ مصارف کانفرنس کی خاطر فراہمیِ سرمایہ کے لیے میں اور مولوی عبدالجلیل رحمانی دو ایک مزید حضرات کا بصورت وفد مشترکہ دورہ شروع ہے۔

ہر جگہ ہمارا استقبال اور مالی تعاون کیا جا رہا ہے۔

تفصیل اخبار ترجمان میں ملاحظہ سے گزرے گی۔ یہ خط بھی آپ کو سفر سے مدرسے سے دور رہ کر لکھ رہا ہوں۔ ہمارے اور الحکم کے دام کے بارے میں مولانا راز نے آپ کو جو خط لکھا ہے اس کے مطابق بندوبست کر دیجیے۔ مجھے راز سے ہندوستان میں دام مل جائے گا۔ آپ کی اطلاع کے بعد وہ عمل کریں گے۔ آپ کا جواب سامی کا بے چینی و بے باکی سے انتظار رہے گا۔ باقی سب خیریت ہے۔

خادم عبدالرؤف





UMM UL QURA PUBLICATIONS
Sialkot Road, Lodhi Town Gujranwala
0092 321 6466422